حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃؒ

مدیر : احمد مکین

شمارہ : ۱ و ۲

رمضان و شوال ۱۴۱۷ھ، جنوری و فروری ۱۹۹۷ء جلد ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیر مطالعہ رسالہ تلاوت کلام اللہ پر خصوصی شمارہ ہے۔ رمضان المبارک کو چونکہ قرآن کا مہینہ کہا جاتا ہے نیز عارف باللہ حضرت اقدس مصلح الامۃ قدس سرہٗ کے علوم و معارف کا ترجمان یہ رسالہ وصیۃ العرفان ہے اور حضرت والا علیہ الرحمۃ کو کلام اللہ اور رمضان المبارک دونوں سے جذباتی تعلق اور والہانہ لگاؤ تھا۔ یہ تعلق اور مناسبت قرون اولیٰ کی یاد تازہ کردیتی تھی۔ حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ جب قرآن کے ساتھ بے اعتنائی دیکھتے بالخصوص اہل علم اور سالکین بھی قرآن سے وہ نسبت اور تعلق نہیں رکھتے جو رب العالمین کے کلام سے ہونی چاہئے تو یہ کیفیت اور حالت حضرت والا علیہ الرحمۃ کو بے چین اور مضطرب کردیتی بے اعتنائی اور لاتعلقی کی بنا پر جو عواقب مرتب ہوتے ہیں اس سے پریشان ہوجاتے۔ ارشاد فرماتے ہیں "کتاب اللہ سے آجکل مسلمان جیسی بے رخی اور بے نیازی برت رہے ہیں اس سے مجھے تو بہت خوف معلوم ہوتا ہے۔ ان کی یہ بے انتہا درجہ کی محرومی اور بدنصیبی ہے۔ کتاب اللہ کا دیکھنا اس کی تلاوت کرنا، اس کے معانی سمجھنا، اس سے برکت حاصل کرنا، اس کے وسیلہ سے دعا مانگنا، اسے چومنا۔ انہیں سے ایک ایک چیز عبادت تھی، اور حق تعالیٰ کی رحمت اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ تھی۔ اس سے یہ لوگ عدم اعتقاد اور عدم محبت کی بنا پر اعراض کر رہے ہیں اصل شئ اعتقاد ہے۔ اعتقاد ہو تو آثار بھی ظاہر ہوتے ہیں اور کلام اللہ کی عظمت، اس سے محبت اس سے تعلق ہر رنگ میں ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ مگر لوگوں کا کلام اللہ میں نظر کرنے سے استغنا، اس کے معانی سمجھنے سے استغنا، اس سے برکت حاصل کرنے سے استغنا، اس کے واسطے سے دعا کرنے سے استغنا اور اس کے وسیلے سے حاجات مانگنے سے استغنا، اسے چومنے اور آنکھوں سے

کا نے سے استغنا ان کے عدم اعتقاد پر دلالت کرتا ہے۔ یہ سب باتیں وبال کی اور حق تعالیٰ ناراضگی کی ہیں۔ انا للہ

چوں ترک قرآن کردہ آخر مسلمانی کجا خود شمع ایماں کشتہ پس نور ایمانی کجا"

زیر نگاہ شمارہ اسی موضوع پر ایک بے مثال اور معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ عوام و خواص سب ہی کے لئے ایک نعمت کبریٰ ہے۔ اس ماہ مبارک میں اس نعمت کی قدر و منزلت مزید ہو جاتی ہے۔ حضرت اقدس مصلح الامت نور اللہ مرقدہٗ بیان فرماتے ہیں: "سنئے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ایک دعا میں ارشاد فرماتے ہیں:۔ اَنْ تَرْزُقَنِی القُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ وَتُخَلِّطَهٗ بِلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَسَمْعِیْ وَبَصَرِیْ ۔ قرآن شریف کو خلط کر دیجئے میرے گوشت میں، میرے خون میں، کان میں، اور آنکھ میں۔ وتستعمل بہ جسدی اور قرآن پر میرے سارے جسم سے عمل بھی کرا دیجئے۔ یہ مہینہ جو ہے قرآن کا مہینہ ہے۔ چنانچہ رمضان کو شہر القرآن کہا جاتا ہے یعنی قرآن شریف اس میں نازل ہوا۔ لہٰذا ہم کو بھی ایک خاص نسبت اس سے ہو جانی ضروری ہے۔ رمضان شریف کی برکت سے روزہ کی برکت سے جو ایک خاص کیفیت مومن میں پیدا ہو جاتی ہے یعنی نفسانیت سے طہارت کی وہ معین ہوتی ہے قرآن شریف کی تلاوت میں، قرآن شریف میں جو اس کے ذاتی انوار موجود ہیں وہ روزہ کی برکت کے بغیر پائے نہیں جاسکتے۔ روزہ انسان کو نفس کی کثافتوں سے صاف کر کے قرآن شریف کے انوار کے لائق کر دیتا ہے پھر گیسا کچھ یہ مقصود اس سے حاصل ہوتا ہے۔"

رمضان المبارک کی عظمت، قرآن کی اہمیت کی اس ماہ میں معرفت ہو جائے۔ اسی بنا پر ماہ جنوری و فروری کے شمارے اسی موضوع پر مخصوص ہیں تاکہ قارئین رسالہ دونوں ہی فیوض و برکات سے خوب ہی خوب مستفیض ہوں اور خود کو اپنے رب کریم کے ساتھ ہم کلام ہو

کی لذت سے آشنا پائیں، اور قرآن کے اخلاق اور تعلیمات کو اپنی زندگی میں جاری و ساری کریں اور اس کے حقوق کو کما حقہ ادا کریں تاکہ دنیا و آخرت میں سرخ رو و کامیاب ہوں۔

تقریبًا بیس پچیس سال کا عرصہ ہوا یہ کتاب "تلاوت قرآن" اس ادارہ سے شائع ہوئی تھی فی الحال ایک طویل عرصہ سے نایاب ہے۔ مضامین عالیہ کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر حضرت اقدس جناب محترم قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ العالی (خلیفہ و جانشین حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ) نے امر فرمایا کہ "تلاوت قرآن" کی اشاعت دوبارہ کی جائے۔ نیز پہلے ایڈیشن میں جو کتابت و طباعت میں غلطیاں رہ گئی ہیں ان کی تصحیح کر کے نہایت اہتمام سے جدید کتابت و طباعت کرا کر ہدیۂ ناظرین کیا جائے۔ بحمداللہ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے حسب منشا جناب مولانا عرفان احمد صاحب پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ اس کی تصحیح کی جانب متوجہ ہوئے اور اس کام کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ قارئین سے گزارش ہے کہ ان ایام مبارکہ میں جملہ اہل ادارہ کے لئے دعا فرمائیں۔ بالخصوص حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے لئے دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت عطا فرمائے۔ ان کے سایۂ عاطفت کو تادیر قائم و دائم رکھے۔ کیوں کہ حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کے علوم و معارف کی اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے گویا آپ ہی کو ذریعہ بنایا۔ اور حضرت والا قدس سرہٗ کے فیض سے امت مسلمہ انہیں کی وساطت اور برکات سے مستفید ہو رہی ہے۔ اللّٰھم زد فزد! حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کا قیام رمضان میں عمومًا بمبئی میں رہا کرتا ہے، امسال الٰہ آباد میں تشریف فرما رہیں گے، لہٰذا خط و کتابت الٰہ آباد ہی کے پتہ پر کی جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ

تلاوتِ قرآن

جو

آنکھوں کی روشنی، سینوں کا انشراح، نفوس کی حیات
قلوب کی تازگی، کانوں کا زیور، عقول کا چراغ ہے

از

مصلح الامۃ، محی السنۃ، عارف باللہ
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

ناشر
دائرۃ الاشاعۃ خانقاہ مصلح الامۃ
۲۵/۲۳ بخشی بازار - الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳

معروفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ——— تلاوتِ قرآن

افادات ——— حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ

اشاعت عکسی بعد نظر ثانی ——— ۱۹۹۶ء

ناشر ——— دائرۃ الاشاعت خانقاہ مصلح الامت ۲۴ بخشی بازار الہ آباد

تعداد ——— ۳۰۰۰

کل صفحات ——— ۱۴۰

زیرِ نگرانی ——— سعادت علی قاسمی مدرسہ ریاض العلوم گورینی

کتابت ——— مطیع الرحمٰن المعروفی

قیمت ——— ۳۵ روپئے

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

چشمِ تصور سے کام لیجئے کہ منیٰ کا میدان ہے حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان فرماتے ہیں تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِي وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جنکے بعد تم پھر گمراہ نہیں ہوسکتے (ایک) اللہ کی کتاب، اور دوسری میری سنت، یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی جب تک کہ حوض کوثر پر میرے سامنے نہ آجائیں۔

اس اعلان کے بعد آسمان کی جانب تین بار انگشت مبارک اٹھا کر مجمع سے یہ تصدیق کرائی جاتی ہے کہ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ، اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ، اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ۔ اے اللہ کیا میں نے تیرا پیغام پہونچا دیا۔ جس موقعہ وماحول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا، اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امتِ مسلمہ کو کیا پیغام پہونچانا چاہتے تھے، اور کس نعمۂ سرمدی سے امت کو سرشار و مست دیکھنا پسند فرماتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات بارگاہِ خداوندی سے عطا ہوئے ان میں سب سے عظیم الشان، زندۂ جاوید معجزہ قرآن ہی ہے، یہی وجہ ہے جب کفارِ مکہ نے معجزہ طلب کیا تو بیشمار معجزات کو چھوڑ کر اسی اعجازِ قرآن کیلئے تحدی (چیلنج) نازل ہوئی، ذرا اس اعلان و چیلنج کا اسلوبِ خداوندی دیکھئے: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى أَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔ اے پیغمبرؐ آپ کہدیجئے کہ اگر تمام جن وانس ملکر بھی، چاہیں کہ ایسا کلام پیش کریں تو وہ لانے پر قادر نہیں ہوسکتے۔ اور رہوا بھی یہی کہ روئے زمین کے تمام ادیبوں اور

شاعروں کی زبانیں اعجازِ قرآن کے سامنے گنگ ہوکر رہ گئیں، اسی کلام کے بارے میں قرآن واحادیث کے ذخیروں میں فضائل ومناقب کے بیشمار جواہر پارے پائے جاتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ، اگر یہ قرآن کسی پتھر کے پہاڑ پر نازل ہوتا تو اللہ کی خشیت (اور جلالِ قرآنی) سے وہ بھی ریزہ ریزہ ہوجاتا" دوسری جگہ ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ، اے لوگو! تمہارے رب کیطرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں کے روگ کیلئے شفاء ہے"

اسی کتابِ مبین کی تسخیری ومقناطیسی قوتوں کی کارفرمائی تھی کہ آیاتِ ربانی کو سنکر منکرین ومعاندین کے دلوں میں بھی اک طوفان بپا ہوجاتا تھا، ہلچل مچ جاتی تھی۔ متنبی (عرب کا مشہور شاعر) نگاہ محبوب کی تاثیری قوتوں کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: یَسْتَاسِرُ الْکَمِیَّ بِنَظْرَۃٍ (محبوب کی ایک ہی نگاہ زرہ پوش مسلح بہادر کو اپنا اسیر بنالیتی ہے) مگر قرآن کے اعجازی کرشموں پر یہ مضمون زیادہ صادق آتا ہے: قریش مکہ کی ہزاروں کوششوں، رکاوٹوں سحر وجادو کی افواہوں کے باوجود جب بھی آیاتِ ربانی ان کے کانوں میں پڑتی تھیں تو کفر وشرک کے ایوان میں زلزلہ آجاتا، سخت ترین قلوب دہل اٹھتے تھے اور دلوں کی دنیا بدل جاتی تھی، ضماد ازدی جو جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے بزعم خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیوانگی کا علاج کرنے کے لئے آئے مگر لسانِ نبوت سے چند کلمات سنکر متحیر رہ گئے، تین مرتبہ پڑھوا کر سنا، کہنے لگے خدا کی قسم میں نے شاعروں کے قصیدے، جادوگروں کے منتر، کاہنوں کی زبان سنی ہے مگر تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے، یہ تو سمندر تک میں اثر کرجائے گا، اسلام ودینِ محمدیؐ کی روز بروز ترقی و فروغ سے خائف ہوکر جب جادو کہانت وشعر کے ماہر عتبہ کو دربارِ نبویؐ میں یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجا گیا کہ آخر

محمدؐ کے پاس کیا چیز ہے، عتبہ نے جاکر صلح کے شرائط پیش کئے، یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فصلت پڑھی، ابھی چند آیات تلاوت فرمائی تھیں کہ عتبہ کی کیفیتِ قلبی تبدیل ہونے لگی، بے ساختہ حاملِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے لبِ اقدس پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا محمد! تمہاری قرابت کا واسطہ اب بس کرو، پھر کئی روز تک اپنے گھر سے نہیں نکلا۔

مکہ کی دولتمند و با اثر شخصیت ولید بن مغیرہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پڑھکر سنانے کی فرمائش کی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند آیتیں پڑھکر سنائی تھیں کہ مغیرہ بے خود و سرشار ہوکر پکار اٹھا: خدا کی قسم! اس میں کچھ اور ہی شیرینی و تازگی ہے، اس نخل کی شاخوں میں پھل، اس کا تنہ بھاری ہے یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، حضرت جعفرؓ نے دربار نجاشی میں شاہ نجاشی کی خواہش وایما پر جب سورۃ مریم کی تلاوت کی، نجاشی کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہوگیا، حتیٰ کہ داڑھی بھیگ گئی اور پادریوں کے ہاتھوں میں صحفِ آسمانی ان کے آنسوؤں سے تر بہ تر ہوگئے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کی زخم خوردہ بہن نے جب سورۃ طٰہٰ پر مشتمل قرآن کے اوراق لاکر ان کے ہاتھوں میں دیئے تو قرآنی اعجاز و جلال سے اسقدر متأثر ہوئے کہ خدمتِ اقدس میں اسی دم حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے، خود حاملِ قرآن مہبطِ وحیِ الٰہی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ قرآن کی آیات سنتے اور چشمِ مبارک آنسوؤں سے لبریز ہوجاتیں۔

الغرض اسی قرآن نے انسان کی رگ و پے میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی، تنِ مردہ میں جان آگئی، زندگی حیاتِ طیبہ بن گئی اور قلب قرآنی عطروں سے معطر ہوگیا، یقیناً آفتاب کی روشنی سے دنیا کی مادی و ظاہری اشیاء فیض یاب ہوئیں مگر بنی نوع انسان کے قلوب تو اسی قرآن و ایمان سے منور ہوئے۔

مولانا حالیؒ کی بلیغ ترین تعبیر کے مطابق ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگادی نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی

اسی لگن کا نتیجہ تھا کہ ان لوگوں نے اس کتابِ ہدایت کو ریشمی جزدانوں میں رکھ کر طاق ومحراب کی زینت نہیں بنایا بلکہ خدا کی شریعت، قدرت کا قانون یقینی طور پر مان کر زندگی کا نصب العین بنایا، ان کا یہ حال تھا کہ وہ جب قرآن کھولتے تو ان کے دل کی کیفیت دگرگوں ہو جاتی، قرآن کے انھیں اوراق میں ایسی لذت وحلاوت ملتی کہ دنیا ومافیہا کی کوئی شئی انکی توجہ میں حائل نہیں ہوسکتی تھی۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ رات رات بھر اک اک آیت کی تلاوت میں گذار دیتے تھے، حضرت عکرمہؓ قرآن کے اوراق کھولتے اور ھٰذا کلامُ رَبّی، ھٰذا کلامُ رَبّی کہہ کر بے ہوش ہوجاتے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کو نماز کے دوران ایک بھڑنے کاٹنا شروع کیا مگر نماز نہ توڑی، نماز سے فراغت کے بعد لوگوں سے کہا دیکھو میرے کرتے کے اندر کوئی چیز تو نہیں ہے، دیکھا گیا تو بھڑ برآمد ہوئی کئی جگہ اس کے کاٹنے سے ورم ہوگیا تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا: آپ نے نماز کیوں نہیں توڑی فرمایا کہ کُنتُ فِی سُورَۃٍ فَاَحبَبتُ اَن اُتِمَّھَا میں ایک سورہ کی تلاوت میں مشغول تھا جی یہی چاہا کہ اسکو ختم کرلوں۔"

اللہ اللہ! جن نفوس قدسیہ کا کلام الٰہی کے ساتھ عظمت واحترام، ایمان وایقان عشق ورافتگی کا یہ عالم ہو تو کیا مالکِ کلام کی نظرِ عنایت ورحمت ان پر نہ ہوگی تاریخ شاہد ہے کہ پھر اس عظمت واحترام اور سچے عشق کے صلہ میں آخرت کی موعودہ نعمت عظمیٰ کے علاوہ اس دنیا میں ہر طرح کی سربلندی وسیادت نصیب ہوئی مگر ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ قرآن کے انھیں اوراق میں پانیوالوں کو لذت وحلاوت کی وہ چاشنی ملی کہ دنیا کی ہر شئی اس نعمتِ عالیہ کے سامنے ہیچ ہوگئی، کیا ہمیں لذت وحلاوت کا ادنیٰ حصہ بھی ملتا ہے؟ یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ہڈیوں وچمڑوں پر لکھے ہوئے قرآن کو پڑھکر اسلاف کرام سعادتِ

دارین سے سرفراز ہوتے مگر اعلیٰ ترین طباعت، نفیس ترین کاغذ پر مشتمل قرآن کے باوجود آج کا مسلمان کن مسائل و حالات سے دوچار ہے، ذلت و نکبت، رسوائی و پستی کی کوئی کسر رہ گئی ہے جو باقی ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب وقت کے عارف باللہ مصلح الامت جدامجد مولانا شاہ وصی اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی زیر نظر کتاب تلاوتِ قرآن کا دیکھا، صفحہ صفحہ پڑھ جائیے، حضرت والاؒ مسلمانوں کے عالمگیر ذہنی انحطاط اور عوام بلکہ خواص کی قرآن سے بے اعتنائی پر کتنے بے چین و مضطرب معلوم ہوتے ہیں، اس عمومی و خصوصی بے التفاتی و بے توجہی، بداعتقادی پہ ضرب لگانے والی، غافلوں کو جگانے والی اور بیداروں کو مست و سرشار کرنیوالی حضرت اقدس ہی کی ذات تھی، سطر سطر میں کرب ہے، ورق ورق میں سوز و گداز کی تپش ہے۔

حضرت والا قدس اللہ سرہٗ نے جس انداز سے مختلف اسلوب و پیرایۂ بیان اور اپنے مخصوص لب و لہجہ میں رسمی و نفاقی تلاوت، سرسری و لسانی قرارت، نفاق سے بھرے عظمت سے خالی قلوب و نفوس پر قرآن و سنت و اسلاف عظام کے فرمودات کی روشنی میں جو ضرب کاری لگائی ہے وہ اک شاہانہ کلام پہ کلام شاہی معلوم ہوتا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ جس کتاب ہدایت کے بارے میں لوگوں کا یہ تاثر رہا ہو کہ یہ سمندر کی گہرائیوں میں اثر کر جائیگا، خود نازل کرنیوالے کا یہ بیان نص میں وارد ہے کہ اگر اس کا نزول جامد و بے حس پتھر پر ہوتا تو خشیتِ الٰہی سے وہ بھی ریزہ ریزہ ہوجاتا لیکن آج اگر اثر نہیں ہوتا یا نہیں کرتا تو ہم مسلمانوں کے دلوں پر حضرت مصلح الامت یہ عمومی پستی دیکھتے ہیں، ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عوام و خواص شعراء کے دیوان، مصنفین کے کلام اور دنیا بھر کے مضامین سے خوب دلچسپی لیتے ہیں۔ اگر دلچسپی نہیں لیتے تو اسی قرآن مظلوم سے، اور اگر لیتے بھی ہیں تو بس سرسری و ظاہری ورق گردانی کی حد تک، بقول شاعر ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی

اک مصلحِ وقت، نبض شناس امت کی نگاہ دیکھ رہی تھی کہ مسلمانوں پہ نت نئے

آفات کا نزول ہو رہا ہے، بیکسی و بے بسی کے گوناگوں مشاہدات ان کے سامنے تھے، گھر گھر فساد تھا، ہر طرح کا بگاڑ تھا، دنیاوی عروج تو ختم ہوا ہی تھا اک دین و اسلام کا ماخذ اللہ تعالیٰ سے رابطہ و قرب کا ذریعہ قرآن تھا، اس کے ساتھ بھی برتاؤ عامیانہ بے التفاتی و بے توجہی کا تھا۔ وہ یہ بھی مشاہدہ کر رہے تھے کہ وہی یہ دولت وسرمایہ ہے جس کے عشق و محبت میں اللہ کے مخلص بندوں نے اپنا سارا سرمایہ لٹا دیا اور زندگی کا ورق ورق اسی کے نذر ہو کر رہ گیا مگر آج مسلمانوں کی ذہنی پستی اور اغیار کے فکر و نظریات مرعوبیت کا یہ حال ہے کہ قرآن جیسی عظیم دولت کے حفظ پر ثواب آخرت کے علاوہ کوئی دوسری شئی آمادہ کرنیوالی نہیں رہ گئی ہے، انکی چشم بینا یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ جن گھرانوں و خاندانوں سے قرآن کا نور پھیلا کیسے کیسے مفسرین و ماہرین پیدا ہوئے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی، آج انھیں گھرانوں میں قرآن و دین اک اجنبی و بے کس یتیم بن کر رہ گیا ہے۔ اُن خانوادوں کے چشم و چراغ عربی زبان تک سے واقف نہیں ہیں۔ اس پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے، اپنے وقت و دور کے مصلح امت کی نگاہوں کے سامنے یہ دلدوز مناظر تھے اور ان کے دل پہ قیامت گذر رہی تھی، وہ زبان حال سے گویا تھے۔ ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مگر بایں ہمہ اس ہمت شکن ماحول میں بھی اس کتاب (تلاوت قرآن) کے ذریعہ حضرت والا قدس اللہ سرہٗ نے جو پیام دیا وہ یہی کہ مسلمانوں کے تمام امراض روحانی و جسمانی کا علاج اسی قرآن میں ہے، مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑا تو اللہ کی ذات بے نیاز نے انھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا، انھوں نے اس کتاب ہدایت کو بنظر حقارت دیکھا، عزت و ذلت کے مالک نے دنیا کے ہر میدان، زندگی کی ہر دوڑ میں انھیں ذلیل و پست کر دیا۔

سیدنا عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یَرفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو رفعت و بلندی بخشیں گے اور کتنی قوموں کو اسی کی وجہ سے ذلیل و پست فرمادیں گے"۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مصلح الامت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی دونوں ہی صفت ہے جیسے اس پر ایمان لانے، اس کی تعظیم و تکریم کرنے، اسکی تلاوت کرنے سے عزت و رفعت ملتی ہے، ویسے ہی یہ بھی ہے کہ اس پر ایمان نہ لانے، اس کی تعظیم و توقیر نہ کرنے، اور اس کی تلاوت نہ کرنے سے پستی بھی ملتی ہے۔ چنانچہ آج ہم لوگ جو ذلیل و خوار ہیں، دنیا میں ذلت و ساقط الاعتبار ہیں اس کی وجہ اغیار نہیں ہیں، بلکہ اسکے سبب خود ہم لوگ ہیں کہ ہم نے کتاب اللہ سے تعلق کو قطع کر دیا۔

اس کتاب میں عامۃ الناس اور ان کے عمومی احوال کا ذکر بھی ہے جن کی الماریوں میں یہ ہدایت نامہ ریشمی جزدانوں میں لپٹا ہوا محض زینت کا سامان ہے مگر ان کا دل قرآن کی جلالت و عظمت سے خالی ہے، انکی تلاوت بھی سرسری و لسانی ہوتی ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے الفاظ میں کہ ایسا تو بہت ہوتا ہے کہ دل میں ایک بات نہیں ہوتی اور اس کے خلاف ظاہر کیا جاتا ہے، قلب میں تعظیم نہیں ہوتی اور اظہارِ تعظیم کیا جاتا ہے، یہود و نصاریٰ کا یہی حال تھا۔ الخ

اس کتاب میں امت کے علماء و مخصوصین کا بیان بھی ہے جن کے قلوب و اذہان مضامینِ قرآن سے خالی ہیں اور ان کا ذوق بھی اس سے محروم و تشنہ ہے، اس بدذوقی پر ایسی تنبیہ، زجر و توبیخ پر مشتمل ایسی تلملا دینے والی بات، خدا کی جانب سے منصب پر فائز اک مصلح ہی کہہ سکتا تھا، ان ہی کے زبان میں سنئے!

"اب علماء کو قرآن پاک کے مضامین سے ذوق نہیں رہا اور نہ ان مضامین سے انکو حظ باقی رہا (یعنی لطف نہیں آتا ہے) الا ماشاء اللہ۔ یہ حضرات خود تلاوت میں تقصیر کرتے ہیں:...... آگے فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی اس کو پرانی کتاب سمجھ لیا ہے، اس کے مضامین کو دیرینہ خیال کر لیا ہے،...

اب ہم کو ان مضامین کے بیان کرنیکی ضرورت نہیں ہے ہم کو بس ایسی نئی نئی باتیں بیان کرنی چاہئے جس سے لوگ واہ واہ کریں، پس جب یہ مقصود حاصل ہوجاتا ہے تو قرآن پاک کے مضامین میں مزید تدبر و تفکر کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے"

اذہان و قلوب میں راسخ اس پھیلی ہوئی بداعتقادی پر بطور خاص تنبیہ فرمائی کہ ولایت و بزرگی نسبت مع اللہ و فنائے نفس میں تلاوتِ قرآن کا وہ درجہ نہیں ہے جو مروجہ اوراد و وظائف کا ہے، اس کے علاوہ آج کل اس نعرہ کا بڑا زور ہے کہ معانی و مطالب سمجھے بغیر صرف تلاوت اک غیر ضروری و بے فیض عمل ہے۔ اس غلط نکتہ و گمراہ کن نظریہ کیوجہ سے ان نادانوں نے کتنے لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں لیکر قرآن کی تلاوت و قرارت سے روک دیا۔ جیساکہ دستور رہے کہ عوام کا ایک طبقہ بدعقیدگی کی جال میں جیسے پھنسنے کیلئے تیار و آمادہ رہتا ہے کہ اک نعرہ لگا یا گیا اور پر جوش حامیوں کی ایک جماعت سمع و طاعت کیلئے تیار ہوگئی، یہاں بھی یہی ہوا، آپ دیکھتے ہوں گے کہ قرآن فہمی کے جھوٹے دعویٰ کے زعم میں خود بھی تلاوت نہیں کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کی ترغیب بھی دیتے ہیں، حضرت اقدسؒ نے ان اعتقادات کے اس بگاڑ پر احادیث و علماء محققین کی تصریحات کی روشنی میں ناصحانہ و حکیمانہ کلام فرمایا ہے اور ان غلط افکار و نظریات کی نفیس انداز میں تردید فرمائی ہے۔

کتاب ہٰذا کے انھیں صفحات میں ان قراء حضرات کی خبر لی گئی ہے جو شہرت، نام و نمود، کسبِ معاش کی نیت سے قرارت کرتے ہیں اور اسی نیت سے تجوید و تصحیح حروف پر پوری قوت صرف کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایسے لوگ کثرت سے موجود ہیں، ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں کہ محض علم تجوید کو حاصل کرلینے اور زبان درست کرلینے کو کافی سمجھتے ہیں، خشوع و خضوع اور تاثر کا ذرا ارادہ نہیں کرتے۔

غرض حضرت مصلح الامت نے قرآن کی عظمت و جلالت و افادیت پر رنگا رنگ نعمتوں کا دستر خوان چن دیا ہے اور تلاوت مع التصدیق کے فضائل و مناقب سے ذہنی قوتوں و عملی توانائیوں میں نئی زندگی کی روح پھونک دی ہے کہ ؎

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونکدی :: ورنہ یہاں کلی کلی مست خوابِ ناز تھی

فجزاہُ اللہ عنا وعن المسلمین جمیعًا

ذرا اسی عمومی بے اعتنائی و بے التفاتی پر تورات کا وہ اقتباس پڑھئے جو حضرت والا علیہ الرحمہ نے بحوالۂ احیاء العلوم نقل فرمایا ہے کہ میرے بندے: جب تمہارے پاس چلتے ہوئے حال میں بھی کسی بھائی کا خط آتا ہے تو تم اک کنارے بیٹھکر اسی وقت پوری توجہ کے ساتھ اک اک حرف کو پڑھتے ہو کہ کچھ چھوٹنے نہ پائے مگر میں نے جو کتاب تمہارے نفع و بھلائی کے لئے تمہارے پاس بھیجی، تم اس سے کس طرح اعراض کر رہے ہو، کیا میں تمہارے کسی بھائی سے بھی کمتر ہوں ؟

یہ کلام، یہ انداز دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والا ہے۔ کاش غیرتِ ایمانی اُبال کھائے، حمیتِ اسلامی جاگ اٹھے اور قرآن اسی عظمت و احترام، اخلاص و تصدیق کے ساتھ پڑھا جائے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت، اس سے اونچی کوئی دولت نہیں ہے تو ناممکن ہے کہ قرآن اثر نہ کرے، قلب و روح میں لطافت، صفائی و پاکیزگی پیدا نہ ہو، انشاء اللہ حیوانیت دور ہوگی، نفسانیت کا خاتمہ ہوگا، مومن اپنے اندر نئی زندگی و توانائی محسوس کرے گا اور حضرت والا قدس سرہٗ کے بتلائے ہوئے اصول و ضابطہ کے مطابق اگر تلاوت کا تسلسل جاری رہا تو کیا عجب قلب کا زنگ دور ہو جائے اور اسی زنگ آلودہ قلب میں ایسی جِلا پیدا ہو کہ پھر کسی کا عکس قبول کرنے کے لئے یہی دل بے چین و بے قرار ہو اٹھے، بقول شاعر ؎

جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں

اللہ رب العزت ہم سب کو تلاوت مع التصدیق کی توفیق عطا فرمائے اور قرآن کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ الفاظ میں دل کی بہار، آنکھ کا نور، غم کی کشائش، فکر و پریشانی کا دفعیہ بنادے۔ آمین

احمد متین عفی عنہ
خانقاہ مصلح الامۃ
۲۳ روشن باغ الہ آباد

مقدمہ

الحمد للہ الذی انزل القرآن وشرفنا بحفظہ وتلاوتہ وتعبدنا بتدبرہ ودراستہ وجعل ذلک من اعظم عبادتہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ دلت علیٰ وجودہ المصنوعات وشھدت بجمالہ وکمالہ وعظمتہ الآیات البینات واشھد ان سیدنا محمدًا رسول اللہ القائل فیما یرویہ عن رب العالمین (من شغلہ القرآن وذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین) صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین حازوا الدرجۃ العلیا فی حفظ القرآن والعمل بشروطہ وآدابہ۔

اَمَّا بعدُ:۔ کمترین خدام عرض پرداز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے علماء و مصلحین امتِ محمدیہ میں پیدا فرماتے رہیں گے جو لوگوں کے اعمال و احوال کو شریعت مقدسہ کی میزان پر وزن کرینگے اور کتاب و سنت کے معیار پر منطبق کرینگے۔ اگر موافق پائیں گے تو اس کو قبول کرینگے اور اس کے حق و صواب ہونیکا فتویٰ دینگے، اور اگر مطابق نہ پائیں گے تو اس کو رد فرمادینگے، اس پر نکیر کریں گے۔ بیشک یہی لوگ ورثاء انبیاء علیہم السلام اور حفاظِ شریعت ہوں گے اور انھیں حضرات کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی)

یہی حضرات اللہ کے دین کو غیر دین کے اختلاط سے محفوظ رکھیں گے، سنت و بدعت کو ایک دوسرے سے ممتاز رکھیں گے، نوازل و حوادث کا حکم قواعدِ شرعیہ سے استنباط کرینگے، امت کو اس بات سے آگاہ کریں گے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے اور اب ان اخلاقِ نبویہ کے بالکل برعکس اخلاق اختیار کرلئے گئے ہیں، جو آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھلائے تھے۔ ہم نے ان کے خلاف اپنا طریقہ بنالیا ہے، پھر بھی اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ ہے تو یہ بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل ہے ؎

تعصی الرسول وانت تظہر حبہ ... ھٰذا العمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لاطعتہ ... ان المحب لمن یحب یطیع

جو لوگ اس شان کے ہوتے ہیں زمین میں یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ:

عن الحسن انہ قال لن یزال للہ نُصحاءُ فی الارض من عبادہٖ یعرضون اعمال العباد علیٰ کتاب اللہ فاذا وافقوہ حمدوا اللہ و اذا خالفوہ عرفوا بکتاب اللہ ضلالۃ من ضل و ھُدیٰ من اھتدیٰ فاولئک خُلفاءُ اللہ۔

حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ زمین میں اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے کچھ ایسے ناصحین برابر ہوتے رہیں گے جو بندگانِ خدا کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش فرماتے رہیں گے۔ جب کتاب اللہ کے موافق پائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرینگے اور جب مخالف پائیں گے تو ضالین کی ضلالت اور مہتدین کی ہدایت کو کتاب اللہ ہی سے پہچانیں گے اور یہی لوگ خلفاء اللہ ہوں گے۔

حضرت مصلح الامت، محی السنۃ، مرشد الانام الی الطریق القویم و ہادی الخواص والعوام الی الصراط المستقیم مخدومنا و مقتدانا حضرت مولانا شاہ **وصی اللہ** صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کی تعلیمات جو عین کتاب و سنت کے مطابق ہیں انکو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیشک آپ خلیفۃ اللہ فی الارض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب ہیں اور دین متین کے صحیح معنوں میں خادم اور شرع شریف کے

ترجمان ہیں۔

یوں تو ہر ہی دور میں دین کی خدمت دشوار رہی ہے۔ اور اس میدان کے مرد کم ہی لوگ ہوئے ہیں، خصوصاً اس صدی میں جبکہ زمانہ عہد نبوی سے بہت ہی بعید ہو گیا ہے، دین کا کام کرنا نہایت مشکل و دشوار ہو گیا ہے اس لئے کہ حال یہ ہو گیا ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ لیا گیا ہے، سنت و بدعت کا امتیاز اٹھ چکا ہے، راہِ ہدایت و ضلالت باہم مخلوط ہو گئی۔ مکر و خداع کو ہنر و ہوشیاری، نفاق و چالبازی کو حسن و محمود سمجھ لیا گیا ہے تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ دین کا نام لینا اور اخلاص و صدق کیطرف دعوت دینا ہی ایک اہم امر اور دشوار مسئلہ ہے۔ اور جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں دہکتا ہوا شعلہ لینا ہے۔ مگر حضرت مولانا و مرشدنا دامت برکاتہم بلا پروائے لومۃ لائم حقیقی دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ اخلاص و نفاق پر نہایت بسط سے کلام فرما رہے ہیں۔ کتاب وسنت اور اکابر امت کے کلام سے نفاق کی مذمت اور قباحت کو بیان فرماتے رہتے ہیں کہ یہ ایسا قلبی مرض ہے کہ صحابۂ کرامؓ باوجودیکہ ان حضرات میں اس مرض کا شائبہ اور اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا مگر وہ اپنے کو اس مرض سے مامون نہیں سمجھتے تھے، ڈرتے ہی رہتے تھے۔ اور اب یہ حال ہے کہ سب علاماتِ نفاق پائی جاتی ہیں، تمام اخلاق و اعمال منافقین کے اختیار کر لئے گئے ہیں، نہ مسلمانوں کے اخلاق ہیں اور نہ ان کے جیسے اعمال و اقوال۔ پھر بھی اپنے کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی جیسا سمجھ رہے ہیں۔ پہلے کے لوگوں کو تو اخلاص و صدق بہت دنوں کے بعد حاصل ہوتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ ابتدا ہی سے اپنے کو مخلص سمجھتے ہیں۔ یہ ضلالت نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت مولانا دامت برکاتہم اس مرض میں عام ابتلاء دیکھ کر شد و مد سے اخلاص و نفاق کے مفہوم و علامات کو واضح فرما رہے ہیں اور یقیناً اس زمانہ میں دین کے اہم شعبہ بلکہ اصل شعبہ کی تجدید و احیاء فرما رہے ہیں۔ اگر کسی کو اخلاص و نفاق پر مفصل مضمون دیکھنا ہو تو تحذیر العلماء، وصیۃ الاحسان اور وصیۃ الاخلاص کا مطالعہ کرے۔

حضرت والا کی دعوت وتبلیغ کی یہ خصوصیت ہے کہ ایسا طرز موقع کے موافق اختیار فرماتے ہیں گویا ارشاد باری تعالیٰ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ کی عملاً تفسیر فرما رہے ہیں۔ اور الحمدللہ اس ارشاد کے مطابق عمل کرنے کے برکات بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو دین سے نا آشنا بلکہ معاند و منکر تھے اور اپنے پروردگار سے رشتہ توڑ چکے تھے بفضلہ تعالیٰ دین و ایمان سے وابستہ اور فائز ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق درست ہو رہا ہے اور یہ کسی اہل دیانت وفہم و فراست پر مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک صاحب (جو ماشاء اللہ فہیم اور شاعر ہیں) حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو الٰہ آباد میں فیوض عامہ کو دیکھ کر اپنے تأثرات کا اس شعر میں اظہار فرمایا ؎

اب الٰہ آباد میں ساماں ہیں بہبود کے　　رشتے جوڑے جاتے ہیں یاں عبد اور معبود کے

حضرت مولانا دامت برکاتہم کی تعلیمات و اصلاحات میں سے ایک اہم تعلیم و اصلاح یہ ہے کہ فرائض کا خاص اہتمام کرنا اور اسکو نفل سے افضل سمجھنا چاہئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا قرب فرائض میں رکھا ہے دوسرے اذکار و نوافل میں نہیں رکھا۔ اب یہ بدعت اعتقادی ہو گئی ہے کہ فرائض میں ولایت اور قرب خداوندی اس قدر نہیں سمجھتے جتنا اس سے کم درجہ کی عبادات میں، حالانکہ یہ بات حدیث قدسی مَا تَقَرَّبَ عَبْدِیْ اِلَیَّ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ (الحدیث) کے صریح مخالف ہے۔ مصلحین امت نے اس مسئلہ کو اپنے اپنے زمانہ میں چھیڑا ہے اور لوگوں کو اس بدعقیدگی سے تحذیر فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ، حجۃ الاسلام ابو حامد غزالیؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی جیسے مصلحین نے اس بدعت کی خوب خوب تردید فرمائی ہے تو آخر ان حضرات کے عہد میں بھی یہ ضلالت رہی ہو گی جب ہی تو ان کو اس پر کلام کرنیکی ضرورت پڑی۔ حالانکہ عہد نبوت سے وہ دور قریب تر تھا۔ سنت سے اس قدر بُعد نہیں ہوا تھا تاہم یہ حماقت و ضلالت آچکی تھی تو اس زمانے میں تو جو کچھ بھی نہ ہو جائے کم ہی ہے۔ اس لئے حضرت مصلح الامت دامت برکاتہم نے بھی اس بدعقیدگی کی پوری قوت سے

تردید فرمائی۔ اور حقیقتِ مسئلہ کی توضیح فرمائی اور ایک مستقل مضمون ہی اس پر تحریر فرمایا جو رسالہ معرفتِ حق شعبان ۱۳۸۳ھ میں شائع ہو چکا ہے، اسکو ضرور ملاحظہ فرمالیا جائے انشاء اللہ بصیرت افروز اور نفع بخش پائیں گے۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم کی اہم تعلیم یہ بھی ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی تلاوت کثرت سے کرنی چاہئے۔ تلاوت کیلئے اس کی فہم شرط نہیں بلا فہم بھی موجب قرب ہے اور یہ بھی اجر و ثواب کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ خیال کہ "ہم معانی نہیں سمجھتے اسلئے تلاوت سے کیا فائدہ" یہ زبردست ضلالت اور ایک بہت بڑی نعمت سے حرمان ہے۔ غرض حضرت مولانا نے تلاوت کی اہمیت اور عظمت کو اس طرح بیان فرمایا کہ سامعین کے قلوب اس کی عظمت سے بھر گئے۔ نیز تلاوت کے شرائط و آداب کو اس مؤثر انداز سے پیش فرمایا کہ لوگوں نے ان آداب کی رعایت کے ساتھ تلاوت شروع کر دی۔ اور اب عام طور پر عوام و خواص کو اس کیوجہ سے نفع ہو رہا ہے، جس کا اظہار حضرت مولٰنا مدظلہٗ کی خدمت میں کیا کرتے ہیں نیز دوسری عبادات پر بھی اس کا اثر ہو رہا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے صراحت سے یہ فرمایا کہ "جب سے تلاوت کا اہتمام کیا ہے نماز کی بھی اصلاح ہو رہی ہے۔" ظاہر ہے کہ جب نماز کی اصلاح ہو جائے گی تو انشاء اللہ پھر سارا دین ہی درست ہو جائیگا۔ اور منکرات و منہیات سے اجتناب بھی اسکو آسان ہو جائے گا جیسا کہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے جو عمل نہیں ہو رہا ہے تو اس کی وجہ ایمان میں نقصان ہے، اور ایمان کامل ہو نہیں سکتا جب تک تلاوتِ کلام اللہ نہ کی جائے اسلئے کہ تلاوتِ کلام اللہ میں ازدیادِ ایمان کا خاصہ ہے۔ جب تلاوت کی جائے گی تو ایمان ضرور بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا (جب ان کے سامنے اللہ کی کتاب کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان آیات سے ان کا ایمان ترقی کرتا ہے)

مگر تلاوت اللہ تعالیٰ پر کامل اعتقاد اور کلام اللہ کی عظمت و منزلت کے استحضار کے

ساتھ کرنی چاہئے۔ قبل تلاوت اور اثنائے تلاوت میں ایمان و تصدیق قلب میں حاضر کرنا چاہئے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور اس میں جتنے احکام و قصص درج ہیں سب حق ہیں۔ تو جب اس طرح تلاوت کی جائیگی تو یہ تلاوت ایمان سے ناشی ہو گی۔ پھر اس کے ثمرات و نتائج بھی مرتب ہوں گے۔ اس لئے کہ اعتقاد فی نفسہٖ خود کمال ہے اور جملہ کمالات کا موجب بھی ہے۔ اعتقاد ہی اصل اور زبردست کارفرما ہے، جملہ اعمال اس کے تابع اور ماتحت ہیں۔

مگر شومئ قسمت کہ آج مسلمانوں سے اعتقاد ہی رخصت ہو گیا، اخلاص کا نام ونشان ہی نہیں رہ گیا اگر کچھ تلاوت کرتے بھی ہیں تو سالہا سال محض سرسری کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے اس کا صاف اعتراف کر لیا اور لکھا کہ "ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ تلاوت نہ کی ہو مگر ہاں محض لسانی اور سرسری کرتا رہا، جسکی وجہ سے ابتک محروم رہا" اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ خدا کے کلام کی تلاوت اور سرسری! یہ تو نفاقی تلاوت ہے اللہ تعالےٰ کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔

یہی دیکھ لیجئے کہ اسی قرآن سے کتنے کافروں کو ہدایت ہوئی اور مسلمانوں کو اسی قرآن سے بڑے بڑے مراتب و درجات ملے، کیسی کچھ عزت و عظمت ملی مگر آج جو ہم ذلیل و خوار ہیں اور ضلالت میں مبتلا ہیں تو اسکی وجہ لامحالہ یہی تجویز کی جائے گی کہ ظاہرًا تو کلام اللہ سے اظہارِ تعلق کرتے ہیں اور اس کی تلاوت بھی کرتے ہیں مگر دل میں جو اعتقاد و تعظیم ہونی چاہئے نہیں رہ گئی ہے، باطنی رشتہ اس سے منقطع سا ہو چکا ہے اسی لئے یہ روزِ بد دیکھنا پڑ رہا ہے اور آخرت میں جو وبال و عذاب ہو گا اس کا کسی کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے جبکہ خود قرآن اپنے نبذ و ترک کی نالش و شکایت اللہ تعالےٰ کی جناب میں کرے گا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَ اَعِذْنَا مِنْھَا وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

آپ کے منجملہ ارشادات کے یہ بھی ہے کہ عوام کو ہم پڑھے لکھوں سے زیادہ مخلص سمجھتے ہیں یہ بیچارے اپنی بساط کے موافق خدمت دین کی کر رہے ہیں، مدرسوں کی

امداد کرتے ہیں، مدرسے قائم کرتے ہیں مگر ہم پڑھے لکھے لوگ اپنی بساط بھر بھی خدمت نہیں کرتے ہم بھی مخلص ہوں تو بہت کچھ کام ہو جائے۔

قرآن کریم کے برکات دین و دنیا دونوں میں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسی قرآن کی بدولت روٹی کھلتے ہیں اور اسی کی وجہ سے عزت ملتی ہے پھر بھی اسکی طرف سے غافل ہیں۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ تلاوت بھی نہیں کرتے۔ یہ کس قدر حق تلفی اور بے انصافی کی بات ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!

سچ ہے آج کل جو گمراہی ہے تو اسکی وجہ ہمارا ہی قصور اور ہماری ہی کوتاہی ہے۔ ہم عوام کے سامنے قرآن و حدیث کب پیش ہی کرتے ہیں جس سے انکا ایمان تازہ ہو اور انکو کام کی باتیں معلوم ہوں۔ ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث پر تو مسلمانوں کا ایمان ہے اس کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کتاب و سنت ہی پیش کر کے انکو محجوج کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی سے ان پر اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ اسی سے ان کے امراض کا علاج اور ضلالت کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ دوسرے کلام خواہ وہ کتنے ہی اچھے ہوں اور مؤثر بھی ہوں لیکن ان پر ایمان تو نہیں اور نہ وہ فصاحت و بلاغت اور تاثیر ہی میں خدا کے کلام کے برابر ہو سکتے ہیں۔ اسلئے ہدایت و اصلاح دوسرے کلام سے نہیں ہو سکتی۔ ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو نازل فرمایا ہے۔ قرآن ہی کے متعلق یہ ارشاد ہے هُدًى لِّلنَّاسِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ۔ تو جیسے آپ کی رسالت کافہ ناس کے لئے ہے ویسے ہی آپ کی کتاب منزّل بھی کافہ ناس کیلئے اور قیامت تک کیلئے ہے۔ کتاب اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے اور اسی سے آپکی نبوت کا احقاق و اثبات ہوا۔ اب اس کتاب کے بعد کوئی دوسری کتاب نازل نہ ہو گی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس میں جیسے اصل مقاصد کو نہایت بسط سے بیان فرما دیا ویسے ہی اس کے طرق و

وسائل کو بھی واضح فرمادیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وفعل اور حال کتاب اللہ کا ترجمان اور شرح ہے وَكَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن۔ اس لئے اب بعد میں کتاب و سنت کے خلاف کوئی جدید مقصد یا نیا وسیلہ وطریقہ اختیار کیا جائے گا تو وہ بدعت و ضلالت ہو گی۔ اس کا کسی کو اختیار نہیں کہ کتاب وسنت سے سرمو تجاوز کرے بس جب قرآن چھوڑ دیا گیا اور اس کے اصول کو ترک کر دیا گیا تو پھر ہدایت کہاں رہی ؎

بیوں ترک قرآں کردهٔ آخر مسلمانی کجا
خود شمع ایماں کشتهٔ پس نورِ ایمانی کجا

خود غور فرمائیے کہ جب طلباء مدارس میں طالبعلمی کی حالت میں قرآن پاک سمجھ کر نہ پڑھیں گے، اس سے ذوق و مناسبت نہ پیدا کریں گے تو بعد میں ان سے کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ سمجھیں گے اور دوسروں کو سمجھائیں گے۔ آج جو قوم کا بیڑا ہو رہا ہے تو اسی لئے کہ ہمارے طلبہ قرآن پاک کیطرف اصلاً التفات نہیں کرتے اور نہ اس سے ربط وضبط پیدا کرتے ہیں ان کا مذاق ہی بدل گیا ہے۔ انکی یہ نیت ہی نہیں ہوتی کہ ہم قرآن سے تعلق پیدا کریں اور خدا کے کلام کی مراد کو سمجھیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے فیوض و برکات اور علوم و معارف کو ان پر بند رکھا ہے۔ ذرا بھی قرآن کے معانی ان پر منکشف نہیں ہونے دیتا، تو ایسے لوگوں سے بھلا کیا ہدایت ہو گی؟

حضرت مولینا دامت برکاتہم نے اسی کے متعلق ایک نہایت ذی استعداد عالم سے استفسار فرمایا تو انھوں نے یہ جواب میں تحریر فرمایا (یہ بالکل حقیقت ہے کہ عربی مدارس میں قرآن پاک اور اس کی تفسیر کا اہتمام نہیں ہے یہ مجھ پر خود بیت چکی ہے۔ اس لئے حضرت والا کی اس کوشش کی دل سے قدر ہوئی کہ نہایت اہم موضوع کیطرف متوجہ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پورا نفع اٹھانیکی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین)

اس میں شک نہیں کہ حضرت مولینا دامت برکاتہم کو قرآن پاک سے ایک خاص ذوق حاصل ہے شب و روز اسی کا شغل رہتا ہے اور آپ کے اکثر بیانات آیات قرآنیہ

ہی کی تفسیر و تشریح میں ہوا کرتے ہیں. معتبر و مسلم تفاسیر مثلاً روح المعانی، تفسیر مظہری، ابن کثیر، بیضاوی، تفسیر کشاف کی کثرت سے مراجعت فرماتے رہتے ہیں اور الحمد للہ غایتِ مناسبت کی بنا پر علوم و نکات مستحضر بھی رہتے ہیں۔ اس لئے اکثر ہر مسئلہ و حادثہ کا حکم کتاب و سنت ہی سے بیان فرماتے ہیں۔ ہاں اسکی تشریح و توضیح میں اپنے اکابر کے ارشادات و حکایات اور انکی سیرت کو بھی کثرت سے پیش فرماتے رہتے ہیں۔ ہاں مگر انکا درجہ اصل جیسا نہیں ہونے پاتا۔ اگر کسی بزرگ کا قول و فعل اصولِ شرعیہ کے مزاحم معلوم ہوا تو اس کی تطبیق اور لطیف عنوان سے توجیہ فرما دیتے ہیں اسلئے کہ کسی کا قول و فعل کتاب و سنت پر حجت نہیں۔ کتاب و سنت ہی علی الاطلاق سب پر حجت ہے ان سے کسی کو بھی مجال خلاف نہیں اور یہ آپ کے اصلاح و تربیت کی خصوصیت ہے فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اور اس کا نفع بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ ایک بڑے عالم نے جو الٰہ آباد تشریف لائے تھے واپسی کے بعد ایک صاحب سے یہ فرمایا کہ (میری حاضری کے وقت حضرت کسی جگہ تشریف لے گئے تھے اس لئے زیارت تو نہ ہو سکی مگر وہاں کے طلبہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان کے چہروں میں وہ نورانیت دیکھی جو کہیں نظر نہ آئی" اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ حضرت کا طریق اصلاح جلد ہی ہمہ گیر ہو جائیگا۔ میں نے الٰہ آباد میں کافی تغیر اور میلان الی الدین دیکھا جو حضرت کے وجود کی برکت معلوم ہوتی ہے)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ ہر طبقہ میں کسی نہ کسی درجہ میں کلام اللہ کے فہم و تلاوت اور اسکے شرائط و آداب کی رعایت میں کوتاہی ہو رہی ہے تو آپ نے عوام و خواص سب کو اسکی طرف متوجہ فرمایا اور رشد و مد سے اس موضوع پر کلام فرمایا۔ لوگوں کو انکی عملی اور اعتقادی کمزوریوں پر آگاہ فرمایا جس سے لوگوں کو بہت نفع ہوا۔ اور اب بھی حضرت مولانا نئے نئے انداز و مختلف عنوان سے بیان فرماتے ہی رہتے ہیں اور ایسا دلکش و دلچسپ کلام ہوتا ہے کہ نہ طبیعت سننے سے اکتاتی ہے اور نہ وہ بیان فرسودہ معلوم ہوتا ہے ؎

وہی اک بات جو سو بار گذری ہے نگاہوں سے
زبانِ شیخ پر آکر نئی معلوم ہوتی ہے

بلکہ ہر مرتبہ تازگی محسوس ہوتی ہے اور عمل کا جوش اور شوق پیدا ہوتا ہے بیشک اہل اللہ کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ (اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد، اور مرد کو جوانمرد بنا دیتا ہے) خصوصًا وہ کلام جو کلام اللہ ہی کے بارے میں ہو جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا یشبع منہ العلماء و لا یخلق عن کثرۃ الرد و لا تنقضی عجائبہٗ (اہل علم کو اس سے سیری نہ ہوگی یہ بار بار لوٹانے اور دُہرانے سے پرانا نہ ہوگا اور اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے)

حضرت والا دامت برکاتہم کے ملفوظات و ارشادات ایسے اثر انداز اور پُر کیف ہوتے ہیں کہ سنکر بے اختیار خواجہ صاحبؒ کا یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

تا ابد جاری رہے یوں ہی سبیل مَے کشی
ساقیا یوں ہی رہے آباد مَے خانہ ترا،

اخیر میں یہ عرض ہے کہ حضرت مولانا و مقتدانا دامت برکاتہم نے تلاوتِ کلام اللہ کی عظمت و اہمیت اور اس کے آداب و شرائط کو کتاب و سنت اور اکابر امت کے آثار و اقوال سے مختلف اوقات میں اور مختلف عنوان سے بیان فرما کر اور اس رسالہ میں جمع کر کے امت مرحومہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ طالبین راہ خدا کے لئے نافع ثابت ہوگا اور تلاوت کلام اللہ کا اور اس سے قلبی تعلق پیدا کرنے کا ایک نیا باب مفتوح ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے صحیح رابطہ پیدا ہوگا چنانچہ بہت سے لوگوں کو نفع ہوا جس کا اظہار بھی ان حضرات نے کیا۔ نمونہ کے طور پر چند خطوط نقل کئے جاتے ہیں تاکہ ان کے تأثرات و حالات کے ملاحظہ سے ناظرین کرام کو مزید بصیرت و نصیحت حاصل ہو۔

مکتوب ۱ :- حسب ہدایت حضرت والا مدظلہٗ تلاوت کلام اللہ شریف کا معمول تنہائی میں حتی المقدور استحضارِ قلب کے ساتھ بنا لیا ہے اور تلاوت شروع کرنے سے پہلے استغفار و تجدیدِ ایمان اور اس بات کی تصدیق و اقرار کر لیا کرتا ہوں کہ یا اللہ یہ کلام آپ **کا ہے** اور برحق ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے اس میں جو کچھ ہے سب حق ہے

س کی معرفت باخلاص عطا فرمائیے اور اس کے مطابق ہماری زندگی بنا دیجئے اور اس کے جملہ اوامر پر عمل اور جملہ مناہی سے اجتناب کی توفیق دیجئے اور اس کے برکات وثمرات سے نواز دیجئے۔ آپ کی ہی رحمت کے سہارے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت شیخ کے وسیلہ سے یہ درخواست ہے قبول فرمالیجئے اور اس میں اخلاص و ترقی عنایت فرمائیے"۔

مکتوب ۲ :۔ "حسب ہدایت حضرت والا مدظلہ تلاوتِ قرآن شریف کا معمول تنہائی میں حتی المقدور استحضارِ قلب کے ساتھ حضرت والا مدظلہ کی دعا و توجہ کی برکت سے ابتک نبھا جارہاہے اور بجید نفع معلوم ہوتا ہے۔ دل کا حال ہی کچھ دوسرا ہونیوالا نظر آتا ہے اور اس کی جھلک نماز اور دیگر معاشرے میں بھی نظر آتی ہے۔ حضرت والا مدظلہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص و قبول عطا فرمائیں۔ اس پر استقامت و ترقی عنایت فرمائیں اور اپنے کلام برحق کی معرفت اس گنہگار روسیہ کو بھی عطا فرمائیں اور اسی کے مطابق پوری زندگی ڈھال دیں"۔

مکتوب ۳ :۔ اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بخیریت ہوں۔ سایۂ عاطفت مخدوم اللہ تعالےٰ ہمیشہ قائم رکھیں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا بڑا احسان ہے کہ حضرت والا مدظلہ کی دعا و توجہ کی بدولت اس دفعہ کی صحبت میں یہ سیٔ الفہم فاقد الاستعداد بھی ہمیشہ سے زیادہ متأثر رہا۔ مضمون تلاوت کلام پاک نے دل کو پکڑ لیا ہے۔ تجدید ایمان و تصدیق اور دعا کرکے تلاوت کا آغاز کرتا ہوں۔ حضور قلب اور خشوع کی پوری سعی کرتا ہوں۔ بجائے کم کے کیف کی زیادتی کی فکر رہتی ہے۔ اگر کبھی کچھ آیتیں غفلت کے ساتھ سرسری طور پر پڑھی گئیں تو پھر از سر نو انکو حضورِ قلب کے ساتھ اعادہ کرتا ہوں۔

الحمدللہ اب قلب کا حال بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا "اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ" کا اکثر استحضار ہوتا ہے۔ پہلے دیگر اذکار مثلاً ذکر اسم ذات و ذکر نفی و اثبات میں جو کیفیت ہوتی تھی وہ تلاوت میں نہ ہوتی تھی مگر

اب حالت بدل گئی ہے۔ تلاوت کی لذت و حلاوت دیگر اذکار سے کہیں بڑھ کر معلوم ہوتی ہے۔"

کلام اللہ شریف کے الفاظ اس کے معانی اس کے نقوش سبھی دل لبھانیوالے ہیں۔ اس کے نقوش کو دیکھنے سے بھی دل میں نور اور ایک سرور پیدا ہوتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں کہ ان کے کلام کی تلاوت عظمت کے ساتھ نصیب ہو۔"

مکتوب ۴:۔ عرض ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے سلسلے میں اس زمانہ میں بڑی کوتاہی اور غفلت ہو رہی ہے۔ یہانتک کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صرف الفاظ قرآنی کی تلاوت بلا فہم معانی کچھ سود مند اور نفع بخش نہیں ہے۔ حضرت والا نے ان دنوں بڑے شد و مد سے اس نظریہ کی تردید فرمائی اور تلاوت قرآن کے برکات اور اس کے منافع کو واضح فرمایا۔ حضرت والا کے ارشادات سے یہ بات اچھی طرح منکشف ہو گئی کہ قرآن پاک کی تلاوت ہی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا۔ بار بار کی تلاوت ہی سے الفاظ قرآنی محفوظ رہ سکیں گے اور اسی کے تکرار سے معانی کا بھی انکشاف ہو گا جیسا کہ علامہ بیضاویؒ نے اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ الآیۃ کے تحت اس کی تصریح کی ہے۔ جب قرآن بار بار پڑھا جائیگا تو اس سے فہم معانی کا بھی داعیہ پیدا ہو گا۔ صرف الفاظِ قرآن کو بیکار سمجھنا ایک بڑی گمراہی ہے۔ تلاوت ایک الگ شئے ہے اور معانی و مطالب کا سمجھنا الگ بات ہے معانی و مطالب کا سمجھنا تو صرف ان لوگوں کا کام ہے جو اس کے اہل ہوں باقی عام لوگوں کیلئے تو یہی تلاوت الفاظ قرآن ہی وصول الی اللہ اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے یہی حَبْلُ اللہ ہے جو بندوں کو اللہ تک پہونچانے کیلئے دنیا میں اُتاری گئی ہے جسکو جو کچھ ملا ہے کلام اللہ کی تلاوت ہی سے ملا ہے اس لئے ہم خواہ معانی سمجھیں یا نہ سمجھیں ہم کو تلاوت کلام پاک ہی سے قرب حق ہو گا اسلئے ہم کو اس کا معمول بنانا چاہئے پھر دیکھیں یہ کلام الٰہی دل پر کیسا کچھ اثر ڈالتا ہے۔ جب انسان کے کلام کی تاثیر مسلم ہے تو کلامِ الٰہی میں کیسا کچھ اثر ہو گا۔

(**حکایت**) ایک مریض کو دیکھنے کیلئے بوعلی سینا بلایا گیا۔ وہاں ایک بزرگ تھے جو

اس مریض کو دم کر رہے تھے بو علی سینا نے کہا کہ اس پھونکنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ تو مادۂ فاسد ہے جب تک اس کا اخراج نہ ہو گا فائدہ نہ ہو گا۔ اثنار کلام میں ان بزرگ نے کچھ ایسی بات قصداً کہدی جس سے بو علی سینا کو غصّہ آگیا۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں غصّہ سے سرخ ہو گئیں۔ اس پران بزرگ نے فرمایا کہ "میں نے تم کو مارا نہیں صرف ایک بات کہی ہے جس سے تم پر ایسا اثر ہوا کہ چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئیں مخلوق کا کلام تو مؤثر ہو اور خالق کے کلام میں اثر نہ ہو گا" یہ سن کر بو علی سینا لاجواب ہو گیا اور چپ ہی رہ گیا۔

حضرت والا بات سمجھ میں واضح طور پر آگئی۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سیہ کار کو بھی تلاوت کی توفیق بخشیں اور اس کے برکات سے نوازیں۔

مکتوب ۵ :- محبوب کا کلام بھی محبوب ہوتا ہے۔ بفحوائے آیۂ کریمہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ اللہ عزوجل ہی مومن کے نزدیک بدرجہ غایت محبوب ہوتے ہیں اور فطرۃً محبوب کے بار بار ذکر کرنے سے دل اسکی محبت سے لبریز ہو جاتا ہے اور یہی ذکر، روز افزوں ازدیادِ محبت کا سبب بھی ہوتا رہتا ہے جو محبت کا اصلی مقصود ہے اور اسی محبت پر نعمائے الٰہیہ مبنی ہوتی ہیں۔ محب دورانِ ذکر میں کسی اجر و ثواب کا طلبگار نہیں ہوتا بلکہ غلبۂ محبت اس کا سبب ہوتا ہے اور محبت ہی مطلوب بھی ہوتی ہے ؎

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانٍ لَّنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ　　هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ

حضرت والا تلاوتِ قرآن کے کمال عظمت اور کثیر المنفعۃ اور بدرجہ غایت اہم ہونیکے بارے میں جس دل نشیں پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں وہ دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ذات اقدس جل سلطانہٗ کا یہ خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے حضرت والا کے واسطہ سے ہم جیسے خواب غفلت میں پڑے ہوئے مسلمانوں کو صرف چونکا ہی نہیں دیا بلکہ مکمل طور پر بیدار فرما دیا۔ کاش دوسرے علماء دین بھی اس اہم مسئلہ کیطرف سے غفلت نہ برتتے۔ بلکہ مسلمانوں کو قرآن پاک کی تلاوت

کی اہمیت کی جانب متوجہ فرماتے رہتے۔ تو آج مسلمانوں کی دینی حالت اس قدر پست نہ ہوئی ہوتی بلکہ کہیں زیادہ بہتر ہوتی۔

الغرض محب (مومن) کی نگاہ میں اللہ عزوجل اور اس کی باتوں سے زیادہ پر کشش اور محبوب کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی اور نہ ہونی چاہئے۔ اس لئے جملہ اوراد وظائف پر تلاوت قرآن پاک کو خصوصی شرف حاصل ہے۔

مکتوب ۶:۔ عرض یہ ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم ایک عرصہ سے تلاوت کلام اللہ کی اہمیت مختلف عنوانات سے بیان فرمارہے ہیں اور اس کیطرف نہایت شد ومد سے رغبت دلا رہے ہیں جس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ قرآن پاک کی تلاوت بغیر فہم معانی کے بھی قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ بلکہ قرب کے جتنے مراتب ہیں بدون تلاوتِ کلام اللہ کے حاصل ہو ہی نہیں سکتے۔ مگر بشرطیکہ اعتقاد و عظمت کے ساتھ دل سے تلاوت کی جاوے۔ اسلئے کہ اعتقاد خود بھی کمال ہے اور بہت سے کمالات کا موجب ہے۔ قرآن سے اعتقاد یہ خود اعلیٰ درجہ کا کمال ہے اور تلاوت اگر دل سے کی جائے تو اسی سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اور تمام مراتب قرب حاصل ہوں گے۔ اہل اللہ نے اسی سے قرب خداوندی حاصل کیا ہے اور یہ قرب ایک وجدانی شئے ہے جو مدرک بالوجدان ہوتی ہے جیسے بھوک اور پیاس وجدان سے مدرک ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ کلام اللہ کی تلاوت عظمت و اعتقاد کے ساتھ کرتے رہتے ہیں تو بتدریج انکو کیفیت وجدانیہ حاصل ہوتی جاتی ہے اور تلاوت کی حلاوت اور لذت بڑھتی جاتی ہے محبت اور ذوق وشوق زیادہ ہوتا جاتا ہے اور اس تلاوت کی بالکل وہی تاثیر ہوتی ہے جیسا کسی نے کہا ہے:

"چونے کی سی کانکری جب چھڑکوں تب آگ"۔

یہ تلاوت محبت سے ناشی ہوتی ہے اور محبت کی موجب بھی ہوتی ہے اور مومن کی تلاوت ایمان سے ناشی ہوتی ہے اور ایمان کی مورث بنتی ہے۔

اب تلاوت سے جو یہ کیفیات نہیں حاصل ہوتیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے

کہ تحصیل کمالات کے بارے میں ہمارا اعتقاد ہی قرآن پاک کے ساتھ درست نہیں ہے۔ عامۃ النّاس کا یہ حال ہے کہ جو اوراد و اشغال صوفیاء کرام نے مقرر فرما دیئے ہیں ان میں جتنا نفع و قُرب سمجھتے ہیں اتنا قرب و نفع کلام اللہ میں نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے جتنا اہتمام اور دوسرے اذکار کا کرتے ہیں اتنا تلاوت کا نہیں کرتے یا بس سرسری کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جب تلاوت کی ہی نہیں جائیگی یا اگر کی جائے تو اس بداعتقادی کے ساتھ۔ تو وہ سرسری تلاوت موجب کیفیات اور مثمر برکات کیا بن سکتی ہے؟ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے نہایت غضب و سخط کا ہی موجب بنے گی۔ ہمارا کام بس یہیں سے بگڑا ہے کہ جو چیز تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھی اسکو تو چھوڑ دیا اور دوسری چیزوں میں لپٹ گئے۔ اس میں اذکار مسنونہ کا انکار نہیں ہے کیونکہ وہ تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں بلکہ حضرت والا نے یہ سمجھانا چاہا ہے کہ فرق مراتب بہت ضروری ہے جو چیز جس درجہ کی ہے اس کے ساتھ جب تک اسی درجہ کا اعتقاد نہ کیا جاوے گا اس وقت تک اس سے نفع اس درجہ کا نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اذکار سے جو قرب ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ قرب قرآن سے ہوتا ہے اور دیگر اذکار سے کہیں بڑھ کر اور اَلطَف کیفیت تلاوت سے پیدا ہوتی ہے مگر یہ سب چیزیں بتدریج حاصل ہوتی ہیں۔ ایک دو دن میں نہیں حاصل ہوتیں۔ جب کچھ دنوں تک برابر عقیدت و عظمت کے ساتھ دل سے تلاوت کی جائیگی تب کہیں جا کر یہ ثمرات مرتب ہوں گے اور تلاوت کا صحیح ذوق پیدا ہوگا، بیشک ہماری تلاوت محض رسمی ہے اور قربِ خداوندی تلاوتِ حقیقی سے حاصل ہوتا ہے، تو پھر ہم کو قربِ خداوندی کیسے حاصل ہو۔ رسمی اور حقیقی تلاوت میں بون بعید ہے۔ اسی کو حضرت والا نے فرمایا کہ ؎

زرسم تا بحقیقت ہزار فرسنگ است"

تلاوت کا جو طریقہ حضرت والا نے تعلیم فرمایا ہے کہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے قرآن پاک کی عظمت کا استحضار کیا جاوے اور استغفار اور تجدید ایمان اور اس بات کی تصدیق کر لیا کرے کہ یا اللہ یہ کلام آپ کا ہے اور برحق ہے اس پر ہمارا

ایمان ہے اس میں جو کچھ ہے سب حق ہے اور یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس کی معرفت اور اس کی تلاوت با اخلاص عطا فرمائیے اور اس کے مطابق ہماری زندگی بنا دیجئے اور اس کے جملہ اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کی توفیق دیجئے اور اس کے ثمرات و برکات سے نواز دیجئے۔

الحمدللہ اسی طریقہ سے تلاوت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بصد عجز و نیاز یہ درخواست ہے کہ حضرت والا دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں میری دعاؤں کو قبول فرماویں اور تلاوت و ذکر کے برکات و ثمرات سے نوازیں اور قرآن کے ذریعہ ہم کو اپنے خالق و مالک سے صحیح نسبت حاصل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ہماری طرف متوجہ ہو اور تلاوت کلام اللہ سے صحیح ذوق نصیب ہو

والسلام مع الاکرام۔ یکے از خدام عفی عنہ

طالبین کے اس قسم کے خطوط کثرت سے حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت میں آئے جن سے معلوم ہوا کہ اب قرآن پاک سے صحیح تعلق و رابطہ پیدا ہوا اور قرآن پاک کی برکت سے راستہ کھلا اور اللہ تعالےٰ سے قرب محسوس ہوا۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم نہایت تعجب اور درد دلسوزی سے برابر فرمایا کرتے ہیں کہ خدا کا کلام موجود اور گمراہی؟ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے رشتہ منقطع کر لیا گیا ہے اس لئے گمراہ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر راستہ کو مسدود فرما دیا ہے۔ دین کیا ملے گا دنیوی فلاح بھی کھو چکے ہیں۔ اگر آج مسلمان عظمت و احترام سے تلاوت کریں اور عمل کریں تو اب بھی اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت مبذول ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو۔ اور پھر سارا عالم ہی منور ہو جائے۔ کیا خوب کسی نے یہ شعر کہا ہے ؎

نبی بھی نور اور قرآن ملا نور
نہ ہو پھر ملکے کیوں نورٌ علیٰ نور

پس ناظرین سے بصد الحاح وزاری عرض ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ حضرت مولانا دامت برکاتہم کو صحت وعافیت عطا فرمادیں اور تادیر اس چشمۂ فیض کو جاری رکھیں اور ہم کو حسن عقیدت اور کامل محبت ومناسبت عطا فرمائیں کہ آپ کے فیوض سے مستفیض اور آپ کے افادات سے مستفید ہوں۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِكْرِكَ وَاَتْمِمْ عَلَيْنَا نِعْمَتَكَ وَاَسْبِغْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ۔ اٰمِيْنَ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ ۝

احقر الخُدّام

قمر الزّماں عفی عنہٗ

رمضان المبارک سنہ ۸۳ھ

الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تلاوتِ قرآن

نعمِ الٰہی دربارۂ ایں بندۂ ضعیف بے شمار اند۔ واجل آنہا توفیق فہم قرآن عظیم است۔ ومنن حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام برکمترین امتیاں بسیار اند۔ واعظم آنہا تبلیغ فرمان کریم ست۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن را تلقین فرمود بقرنِ اوّل تا ایشاں بقرنِ ثانی رسانید ند ہٰکذا و ہٰکذا تا آنکہ ایں درماندہ را نیز از روایت و درایت آں حصہ رسید۔

ترجمہ:۔ (اللہ رب العزت کی نعمتیں اس بندۂ ضعیف پر بے شمار ہیں اور ان نعمتوں میں سب سے عظیم نعمت قرآن عظیم کے فہم کی توفیق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے احسانات اس کمترین امتی پر بے انتہا ہیں، اور ان میں سب سے عظیم احسان فرمان الٰہی کی تبلیغ ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرنِ اول کو قرآن کی تلقین فرمائی، اِن حضرات نے قرنِ ثانی تک قرآن کریم کو پہونچایا، یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، حتیٰ کہ اس عاجز کو بھی قرآن کی فہم و روایت کا حصۂ وافر عطا ہوا)

عہ یہ مضمون چونکہ کلام اللہ سے متعلق ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا افتتاح حجۃ اللہ مولانا شاہ ولی اللہ مفسّر و محدث دہلویؒ کے کلام سے کروں چنانچہ الفوز الکبیر میں انھوں نے جو خطبہ لکھا ہے بہت پسند آیا۔ برکت کیلئے اسی کو اپنی اس تالیف کا خطبہ بناتا ہوں۔ ۱۲ منہ

عہ (قولہ تبلیغ فرمان کریم ست) اس سے معلوم ہوا کہ فہم قرآن کی دولت کا ملنا تو خیر بڑی چیز ہے۔ محض تبلیغ قرآن بھی کچھ کم چیز نہیں ہے کیونکہ اسکو بھی اعظم مِنَن فرما رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

کلام اللہ کی تلاوت کے فضائل احادیث و آثار میں کثرت سے وارد ہیں جن کا استیعاب تو نہایت ہی دشوار امر ہے۔ تاہم ارادہ ہے کہ کچھ روایات و آثار جو تلاوت کلام اللہ کے متعلق ہیں پیش کروں اور علمائے کرام کی مصنفات سے تلاوت کے آداب اوران حضرات کے معمولات کو لکھوں تاکہ معلوم ہو کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلفِ صالحین کو کلام اللہ سے کس قدر شغف تھا اوران حضرات کو تلاوت کا کتنا اہتمام تھا۔ پھر اپنے حال کو آپ دیکھیں کہ ہم میں اور سلف رحمہم اللہ میں کتنا فرق ہو گیا ہے۔ وَمَا توفیقی الا باللہ

تلاوتِ حقیقی اور نفاقی کی بحث

قبل ازیں کہ روایات و آثار پیش کروں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جس تلاوت کی فضیلت نصوص میں اکثر آئی ہے وہ، وہ تلاوت ہے جو ایمان و تصدیق کے ساتھ ہو، تعظیم و توقیر کے ساتھ ہو، اور یہ سب قلب کی صفات ہیں۔ جب تک قلب میں تصدیق و توقیر نہ ہو گی، محض ظاہری تعظیم و تکریم کا کچھ اعتبار نہ ہو گا۔ مثلاً کوئی شخص قرآن پاک کو چوم لے، آنکھوں سے لگا لے، اسکو حریر و دیباج، ریشمی کپڑوں کے جزدانوں میں رکھ لے اور کبھی دل چاہا تو جی خوش کرنیکے لئے زبان سے تلاوت بھی کر لے۔ محض اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے دل میں بھی اس کی تصدیق و تعظیم موجود ہے۔ ایسا تو بہت ہوتا ہے کہ دل میں ایک بات نہیں ہوتی اور اس کے خلاف ظاہر کیا جاتا ہے، قلب میں تعظیم نہیں ہوتی اور اظہارِ تعظیم کیا جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کا حال یہی تھا جیسا کہ علامہ جاراللہ زمخشریؒ نے کشاف میں یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ:

عَنْ سُفْیَانَ اَدْرَجُوْهُ فِی الدِّیْبَاجِ وَالْحَرِیْرِ وَحَلَّوْهُ بِالذَّهَبِ وَلَمْ یُحِلُّوْا حَلَالَهٗ وَلَمْ یُحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ (کشاف ص۸۵ ج۱)

حضرت سفیان سے روایت ہے کہ (یہود و نصاریٰ نے) اپنی کتاب کو حریر و دیباج کے جزدانوں میں رکھا اور اسکو سونے سے مزین کیا مگر نہ تو اسکے حلال کو حلال سمجھا اور نہ اسکے حرام کو حرام جانا۔

نعوذ باللہ کس قدر بد باطن تھے کہ ظاہری عمل تو ایسا کہ اسکو ریشمی جزدانوں میں رکھتے تھے، سونے کے پانی سے لکھواتے تھے اور باطنی عمل یہ کہ بالکل بد اعتقاد ہو گئے تھے نہ اس کے حلال کو حلال سمجھتے تھے اور نہ اسکے محرّمات کو حرام سمجھتے تھے۔

اس روایت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ معاملہ عظمت کا کیا جاوے۔ محبت کا برتاؤ کیا جاوے اور دل میں ذرا بھی عظمت و محبت نہ ہو۔ اب ہم لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس کسی طرح تلاوت کر لینا خواہ دل حاضر ہو یا نہ ہو، قلب میں عظمت ہو یا نہ ہو، کافی ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ ہمارے سلفؒ نے عظمت وعقیدت کے ساتھ تلاوت کی تھی۔ تب انکو اس کے فیوض و برکات اور اسکی وجہ سے انکو بڑے بڑے درجات نصیب ہوئے تھے اور ایسی ہی تلاوت مطلوب و مامور بہا[1] ہے۔ اب ایسی تلاوت تو کرتے نہیں محض رسمی اور سرسری کرتے ہیں۔ اس پر طرفہ[2] یہ ہے کہ اپنی اس تلاوت کو صحابۂ کرام اور اکابر عظام جیسی تلاوت سمجھتے ہیں اور اس پر ان ثمرات و نتائج کے متمنی ہیں جو پہلے لوگوں کو حاصل ہوئے۔

تصنّع وظاہرداری پر نکیر

یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے ہر عمل کا یہی حال ہو گیا ہے۔ رسم و تصنع کا استیلاء (غلبہ) ہو گیا ہے محض ظاہرداری کو کافی سمجھتے ہیں۔ اہل اللہ کی خدمت میں بھی جاتے ہیں، تو اسی ظاہرداری کو اختیار کئے رہتے ہیں اور اس کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ لوگ کچھ سمجھتے بوجھتے نہیں ہماری چاپلوسی اور ظاہرداری سے خوش ہو کر مراتب دیدینگے۔ حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ جو لوگ واقعی اہل اللہ ہیں، انکو اللہ کیطرف سے کام سپرد ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے فہم و فراست بھی عطاء فرماتے ہیں۔ جس سے یہ حضرات سچے جھوٹے اور مخلص و غیر مخلص میں تمیز کرتے ہیں۔

---

(۱) جس کا حکم دیا گیا ہے۔ (۲) عجیب بات۔ حیرت

حاطب[1] لیل کیطرح نہیں ہوتے۔ خوب سمجھتے ہیں کہ کون خلوص سے آتا ہے اور کون محض رسماً آتا جاتا ہے، کون اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے آتا ہے اور کون محض ہماری رضا جوئی کرتا ہے مگراب عجیب حال دیکھتا ہوں کہ اعتقاد میں تیزی سے انحطاط آتا جارہا ہے۔ اعمال ہو رہے ہیں مگر اعتقاد ندارد، تصدیق کا پتہ نہیں۔ بزرگوں کی خدمت میں بھی آمد و رفت جاری ہے مگر دل میں ذرا انکسار پیدا نہیں کرتے۔ ظاہر میں تو جھکاؤ ہے لیکن باطن میں نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب باطن کو جھکانا نہیں ہے اس کی اصلاح نہیں کرنی ہے تو پھر آتے ہی کیوں ہیں۔ اس قسم کا ایک آدمی آیا، دوسرا آیا، تیسرا آیا۔ اسطرح ایسے لوگوں کی ایک جماعت بن جاتی ہے کہ ظاہر سے کہیں ہیں اور باطن سے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی اصلاح کی جگہیں فاسد ہوگئیں۔ کوئی کام کا نہیں نکلتا۔ ایسی جگہوں کا فساد یہی ہے کہ جس مقصد کی خاطر یہ جگہیں موضوع ہوئی ہیں وہ مقصد پورا نہ ہو۔

اسی کو کہا کرتا ہوں کہ جب اپنے گھر کو اپنی بداخلاقیوں کیوجہ سے فاسد کر لیتے ہیں تو اتنے پر صبر نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ گھر کو یا بازار کو فاسد کر دینا کیا کمال ہے، کمال تو یہ ہے کہ اصلاح کی جگہوں کو فاسد اور تہس نہس کر دیا جائے تاکہ اصلاح کا کام ہی ختم ہو جائے اور ہم کو فساد کا کامل[2] وبال ملے۔

صدق وارادت

اگر صدق و خلوص سے کہیں آویں تو انکو فائدہ ضرور حاصل ہوگا مگر ظالم ویسے ہی آتے جاتے ہیں۔ انکو اتنا نہیں معلوم کہ مرید کا اول قدم صدق پر ہونا چاہیئے۔

---

[1] رات میں لکڑیاں چننے والا یعنی کھرے کھوٹے میں تمیز نہ کرنے والا۔
[2] اس قسم کے جملے بطور طنز ملیح کے حضرت والا قدس سرہٗ اکثر فرماتے تھے (از ناقل ۱۲)

اَوَّلُ قَدَمٍ لِلْمُرِيْدِ فِي هٰذِهِ الطَّرِيْقَةِ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ عَلَى الصِّدْقِ

(راہِ طریقت میں مرید کا پہلا قدم صدق پر ہونا ضروری ہے)

اور حضرت فریدالدین عطار فرماتے ہیں ؎

در ارادت باش صادق اے فرید ؛ تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اے فرید ارادت میں صدق وسچائی اختیار کر تاکہ تمہیں خزانہ معرفت کی کنجی مل جائے)

اور یہ صدق وارادت آپ کے زبان کی صفت نہیں ہے کہ زبان سے صدق وارادت کا تکلم ہو جاوے بس یہ کافی ہو بلکہ یہ دل کی صفت ہے اور اسی کا فعل ہے دل ہی اصل ہے اور وہی کارفرما ہے۔ دوسرے اعضاء اس کے تابع ہیں۔ جب قلب میں صدق وارادت، عقیدت ومحبت ہوگی جب ہی ظاہری اعمال کا بھی اعتبار ہوگا، بغیر اس کے عنداللہ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ؛ ——— بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

قلب کی تباہی اور اسکی موت کے اسباب

مگر آج کل تو ہم لوگوں نے قلب کو نسیاً منسیا[1] کر دیا ہے جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی وظیفہ ہی نہیں اور نہ منجانب اللہ کوئی مطالبہ ہے بلکہ مطلق العنان[2] چھوڑے ہوئے ہیں۔ اہل اللہ خون کے آنسو رو رہے ہیں کہ ہائے اہل زمانہ نے دل کو بالکل مہمل ومعطل کر رکھا ہے۔ سارا دین زبان اور جسم پر آگیا ہے قلب بالکل خالی ہے اور قلب کو متأثر کرنا تو درکنار سرے سے قلب وباطن کی اصلاح ہی کے منکر ہوگئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ بچپن ہی سے دنیوی مشاغل اور لہو ولعب میں قلب کو ایسا مشغول کر دیتے ہیں کہ پھر دوسری چیز کی اس میں گنجائش باقی ہی نہیں رہتی، ملکات[3] فاسد کر چکے ہوتے ہیں، اپنے قلب ودماغ

---

[1] فراموش۔ [2] بے لگام۔ [3] استعداد وصلاحیت

کو اغیار کے ہاتھوں فروخت کر دیئے ہوتے ہیں تو جب دل ہی کھو بیٹھے پھر ان سے اب کس خیر کی توقع کی جائے اور کس حیات کی تمنا کی جائے۔ اب ان لوگوں سے جو کچھ نہ ہو جائے کم ہی ہے۔

عظمت و عقیدت کی اہمیت

سنئے! آپ کہیں چلے جائیے زیارت بیت اللہ شریف کیلئے تشریف لے جائیے مسجد میں داخل ہو جائیے، کسی بزرگ کی خدمت میں حاضری دے لیجئے لیکن جب تک عقیدت و عظمت نہ ہو گی ہرگز کچھ حاصل نہ ہو گا۔ کامیابی کا مدار اخلاص و سچائی پر ہے بغیر اس کے کہیں سالہا سال آیئے جائیے کچھ نفع نہیں ہو گا۔ اب ایسا آنا جانا بہت ہے کہ آمد و رفت بھی رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق ہے جب ہی تو محنت برداشت کر رہے ہیں مگر دل میں بد اعتقادی چھپائے رکھتے ہیں بہت بہت دنوں کے بعد اس کا اظہار ہوتا ہے جس سے سخت تعجب ہوتا ہے۔
یہ رسم و تصنع و نفاق کا زمانہ ہے۔ ظاہر و باطن میں تخالف[1] کا زمانہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی تعلق و عقیدت ظاہر کر رہا ہو تو دل میں بھی تعلق و عقیدت ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کے پاس کچھ لوگ حاضر ہوئے ان میں سے ایک کو حضرت مولاناؒ نے ڈانٹا اور اپنے پاس بیٹھنے نہ دیا اور دوسرے انھیں کے ساتھیوں کو نہایت شفقت و محبت سے بٹھلایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جسکو پاس بیٹھنے نہ دیا تھا وہ راستہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم اس لباس خاص میں ان کے پاس اس لئے جا رہے ہیں کہ انکو دیکھ کر ایذاء (تکلیف) ہو (نعوذ باللہ) دوسرے اصحاب نے کہا نہیں بھائی ہم لوگ تو حضرت مولانا کی زیارت کیلئے جا رہے ہیں۔ حضرتؒ پر دونوں کی نیت منکشف ہو گئی اور نیت کے مطابق معاملہ فرمایا۔
اس قسم کے واقعات رسالہ قشیریہ میں بھی مذکور ہیں۔ چنانچہ صاحب رسالہ

---

[1] باہم مخالف ہونا۔

قشیریہ تحریر فرماتے ہیں:

سمعت الاستاذ ابا علی یقول وصف سہل ابن عبد اللہ رجلا بالولایۃ خبّازا بالبصرۃ فسمع رجل من اصحاب سہل بن عبد اللہ ذلک فاشتاق الیہ فخرج الی البصرۃ فاتی حانوت الخباز فراٰہ یخبز وقد تنقب لمحاسنہ علی عادۃ الخبازین فقال فی نفسہ لو کان ھذا ولیّا لم یحترق شعرۃ بغیر نقاب ثم انہ سلم علیہ وسألہ شیئا فقال الرّجل انک استصغرتنی فلا تنتفع بکلامی وابی ان یکلمہ۔

(ترجمہ) میں نے اپنے استاذ ابو علی دقاقؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سہل ابن عبد اللہ نے ایک شخص کے بزرگی کی تعریف کی جو بصرہ میں نانبائی تھے۔ اس تعریف کو سہل ابن عبد اللہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے سنا تو انکی زیارت کا مشتاق ہوا، چنانچہ ملاقات کیلئے بصرہ پہونچکر ان نانبائی کی دوکان پر گیا تو ان بزرگ کو روٹی پکاتے دیکھا اس حال میں کہ نانبائیوں کی عادت کے مطابق اپنی داڑھی پر کپڑا باندھے ہوئے تھے یہ دیکھ کر اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ ولی ہوتے تو بغیر نقاب کے بھی انکا بال نہ جلتا یہ خیال دل میں لانیکے بعد سلام کیا اور کوئی بات دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ تم نے مجھ کو چھوٹا سمجھا اسلئے تم میرے کلام سے منتفع نہیں ہوسکتے اور انھوں نے اس سے کلام کرنے سے انکار کردیا

دوسرا واقعہ سنئے!

سمعت الشیخ اباعبد الرحمٰن السلمی یقول سمع عبد الرحمٰن الرازی اباعثمان الحیری یصف محمد بن الفضل البلخی ویمدحہ فاشتاق الیہ فخرج الیٰ زیارتہ فلم یقع بقلبہ من محمد ابن الفضل ما اعتقد فرجع الیٰ ابی عثمان وسألہ فقال کیف وجدتہ فقال لم اجدہ کما ظننت فقال لانک استصغرتہ وما استصغر احدٌ احدًا الاحرم فائدتہ ارجع الیہ بالحرمۃ فرجع الیہ فانتفع بزیارتہ۔ (رسالہ قشیریہ ص۱۶۵)

(ترجمہ) میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عبد الرحمٰن رازی نے

ابوعثمان حیری سے سنا کہ محمد ابن فضل بلخی کا وصف بیان فرما رہے ہیں اور انکی تعریف کر رہے ہیں یہ سنکر عبدالرحمٰن رازی کو محمد بن فضل کی ملاقات کا اشتیاق ہوا چنانچہ انکی زیارت کیلئے گئے لیکن محمد ابن فضل کے متعلق جیسا اعتقاد لیکر گئے تھے اس درجہ کی وقعت ان کے قلب میں نہ ہوئی۔ جب ابوعثمان حیری کے پاس لوٹ کر آئے تو انھوں نے پوچھا کہ تم نے ان کو کیسا پایا؟ تو کہا کہ جیسا خیال تھا ویسا نہیں پایا۔ یہ سُنکر ابوعثمان نے کہا بات یہ ہے کہ تم نے انکو چھوٹا سمجھا اور نہیں چھوٹا سمجھا کسی نے کسی کو مگر یہ کہ اس کے فائدہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم پھر انکی خدمت میں حرمت اور عظمت کے ساتھ جاؤ (تو دیکھو نفع ہوتا ہے یا نہیں) چنانچہ عبداللہ لوٹ کر انکی خدمت میں گئے اور انکی زیارت سے منتفع ہوئے"

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں برابر تجربات ومشاہدات ہوتے رہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب خراب ہو گیا ہے جو چیز دل میں نہ ہو اس کے اظہار کرنے میں ذرا باک نہیں ہے۔ اسکی مذمت ہی دل سے رخصت ہو چکی ہے۔ اسی طرح نماز، روزہ ہی کو لے لیجئے جب تک کہ ایمان سے اور اعتقاد سے ادا نہ کیا جائیگا اسوقت تک اس پر اجر و ثواب کیا ملے گا اور فیوض وبرکات کیسے حاصل ہوں گے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔

(یعنی جو رمضان کے روزے اس طور پر رکھے کہ اسکی فرضیت کی تصدیق کرتا ہو اور اس سے اجر و ثواب کا طالب ہو، ریا و سُمعہ کی نیت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے پہلے کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے"

دیکھئے حضور نے مغفرت کیلئے ایمان و احتساب کو شرط قرار دیا۔ یہی حال نماز کا بھی ہے اور یہی حال تلاوت کلام اللہ کا بھی ہے کہ تلاوت کے وقت ایمان لاوے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں

یعنی ملائکہ۔ اور یہ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں وہی لوگ اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں۔

کلام اللہ کی عظمت و جلالت شان

اور اسی کلام کی عظمت و وقعت کے بیان میں یہ آیت بھی ہے کہ :

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ وہ خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

یعنی قرآن فی نفسہٖ ایسا مؤثر و قوی ہے مگر انسان میں بوجہ غلبۂ شہوات کے قابلیت فاسد ہوگئی جس کے سبب تاثر نہیں ہوتا

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝	یعنی ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سو انھوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اپنے ذمہ لے لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے۔

یعنی جو بوجھ آسمان زمین اور پہاڑوں سے نہیں اٹھ سکتا تھا اسکو انسان نادان نے اٹھا لیا ۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید ⁂ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

آسمان بھی امانتِ الٰہی کا بوجھ سنبھال نہ سکا ⁂ بالآخر مجھ دیوانہ ہی کے نام قرعۂ فال نکلا

دیکھئے اس سے احکامِ الٰہیہ اور قرآن پاک کی کیسی عظمت معلوم ہوتی ہے مگر ان سب باتوں کے معلوم کرنے کی فرصت ہی کب ہے جس حال میں ہیں اسکو کافی سمجھتے ہیں چونکہ زبان سے ایک پارہ یا دو پارہ یا اس سے زیادہ منزل دو منزل

پڑھ لینا آسان معلوم ہوتا ہے اور عظمت و جلالت کلام اللہ کے استحضار[3] کے ساتھ تھوڑی مقدار بھی تلاوت کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے اس لئے آسان کو لے لیا اور یہ اعتقاد کر لیا کہ یہی وہ تلاوت ہے جس کو صحابہ و سلف کرتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کیا ہمارے سلف ایسے تھے کہ محض زبان سے تلاوت کرتے تھے۔ دل میں اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا؟ دل اسکی عظمت و محبت و عقیدت سے خالی ہوتا تھا؟ نہیں یہ حضرات دل سے قراءت کرتے تھے۔ ظاہر سے زیادہ باطن کی اصلاح و تعمیر کا اہتمام کرتے تھے۔ یہ اب کے لوگوں کا دین و مذہب ہے کہ ظاہر پر مقصور[1] ہوگیا ہے اور دل کو بالکل مہمل و معطل کر چھوڑا ہے۔ یہ دین نہ خدا کو پسند ہے اور نہ اس کے رسول کو یہ تو منافقین کا دین ہے کہ ان کے ظاہر و باطن میں مطابقت نہ تھی۔

قرب و رضا کا سب سے بڑا ذریعہ

اہل اللہ نے جتنا قرب اور اللہ تعالیٰ کی رضا، تلاوت کلام اللہ سے حاصل کی کسی دوسرے ذریعے سے نہیں کی، اسی سے انکو ولایت و بزرگی ملی مگر وہ حضرات محض طرف لسان[2] سے تلاوت نہیں کرتے تھے، دل کو شریک کرتے تھے اور اب کے لوگ اولاً تو تلاوت کلام اللہ کرتے نہیں، اور اگر کرتے ہیں تو محض سرسری لسانی جس کا اثر قلب تک بالکل نہیں پہونچتا۔ اور اعتقاد میں یہ فساد پیدا ہوگیا ہے کہ اس میں ولایت سمجھتے ہی نہیں۔ خود تو دل سے تلاوت کرتے نہیں اور اسکی عظمت و احترام کا استحضار[3] کرتے نہیں پھر جب تلاوت کلام اللہ کے فیوض و برکات نہیں ملتے۔ تو یہ خیال کر لیتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت سے ولایت و بزرگی مل ہی نہیں سکتی۔ یہ ضلالت نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو مخلوق پر اسلئے نازل ہی فرمایا ہے کہ اس سے تعلق و تقرب حاصل کریں اب اسی کے لوگ معتقد نہ

---

[1] منحصر۔ [2] نوکِ زبان۔ [3] ذہن میں حاضر کرنا۔

رہیں تو کس قدر موجب سُخط[1] و ناراضی ہے. جب اللہ تعالیٰ ناراض ہیں، اللہ تعالےٰ کا کلام ناراض ہے تو پھر لاکھ چاہو کہ دوسرے ذرائع سے ولایت حاصل کرلو، حاصل نہیں ہوسکتی۔

سنئے اہل اللہ میں سے جس نے جس قدر کلام اللہ کیطرف توجہ کی اور اس سے ذوق و مناسبت پیدا کی اور اس کی عظمت و توقیر کا لحاظ کیا اسی درجہ کا احترام و توقیر اللہ تعالیٰ نے اس کی زمین پر نازل فرمائی اور اسی اعتبار سے مخلوق نے اسکی تعظیم و توقیر کی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمان تلاوت نہیں کرتے، تلاوت تو کم و بیش ہو ہی رہی ہے میں دیکھتا ہوں کہ نماز فجر کے بعد چھوٹے بڑے تلاوت کیلئے بیٹھ جاتے ہیں۔ لوگ اپنے بچوں کو قرآن پڑھانے کیلئے مکاتب کا اہتمام کرتے ہیں، اس کے اخراجات برداشت کرتے ہیں تو بھلا کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تلاوت کلام اللہ کو چھوڑ دیا ہے تاہم یہ ضرور کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ تلاوت کا سلسلہ جاری ہو اور قلب اس کی عظمت سے دور اور اس کے احترام سے خالی ہو۔ بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ علم ہو اور عمل نہ ہو اور عمل ہو اخلاص نہ ہو اور اہل اللہ کی صحبت نصیب ہو اور ان کا احترام قلب میں نہ ہو۔

شقاوت کی علامت

چنانچہ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ:

یقول کتب ابو عثمان الحیری الی محمد ابن الفضل یسألہ ما علامۃ الشقاوۃ فقال ثلاثۃ اشیاء یرزق العلم ویحرم العمل، ویرزق العمل ویحرم الاخلاص ویرزق صحبۃ الصالحین و لایحترم لھُم۔

(ترجمہ) ابو عثمان حیری نے محمد ابن فضل سے لکھ کر یہ سوال کیا کہ شقاوت اور بدبختی کی

---

[1] غصہ۔

امت کیا ہے ؟ تو انھوں نے فرمایا کہ تین چیز ہے۔ ایک تو یہ کہ علم دیا جاوے اور عمل سے
وم کر دیا جاوے، دوسرے یہ کہ عمل کی توفیق دیا جائے مگر اخلاص سے محروم رکھا جاوے،
تیسرے یہ کہ صحبتِ صالحین میسر ہو مگر ان حضرات کا احترام نہ کرے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ علم کیلئے عمل ضروری نہیں اور عمل ہو تو اس میں
لاص بھی ہو یہ لازم نہیں۔ اور کسی کی خدمت میں رہے تو وہ مخلص ہی ہو صرف ظاہرا
ہتا ہو اس کا اطمینان نہیں اور اب تو ایسا بہت ہے بلکہ اس زمانہ میں اس نفاق
ہنر و کمال سمجھا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین کے احوال اسی قسم کے تھے
دت کرتے تھے، ظاہرا صوم و صلوٰۃ کے بھی پابند تھے حتیٰ کہ جہاد میں بھی شریک
تے تھے مگر دل سے ان سب چیزوں کا انکار و جحود[1] کرتے تھے، بے ایمان تھے،
لمانوں کی تلواروں کے خوف سے اپنے کفر کو پوشیدہ رکھتے اور زبان سے اسلام
ہر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال و اخلاق کو قرآن میں خوب خوب بیان
رمایا ہے۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک ہی میں نہایت ذلیل و
وا ہوگئے۔ اخیر میں ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ نہیں کیا جاتا تھا، ان پر
ازہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کئے
تے تھے البتہ ان کی جان و مال محفوظ تھا۔

حاصلِ کلام یہ کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی عمل کیا جاوے۔ مثلاً تلاوت ہی کی جائے اور
ں کی عظمت قلب میں نہ ہو یا اس سے غفلت ہو اسی کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جب تلاوت
رہے ہو تو عظمت و احترام کے مراقبہ کے ساتھ تلاوت کرو۔ یہ کیا کہ کر بھی رہے ہو
دل پر اس کا ذرا اثر نہ ہو اس میں اخلاص نہ ہو، یہ تو بہت ہی بری بات ہے
ن کی تلاوت ایسی نہیں ہونی چاہئے یہ تو نفاقی تلاوت ہے جس پر رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی ہے اور اس کی مثال ریحانہ (تلسی) سے دی ہے

---

[1] باوجود علم کے انکار کرنا، جھٹلانا۔

کہ خوشبو تو اچھی مگر اس کا مزا نہایت ہی تلخ ہوتا ہے۔ اور جو شخص ایمان و تصدیق کے ساتھ تلاوت کرتا ہے اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے جسکی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور رنگ بھی اچھا اور مزہ بھی نہایت لطیف و خوشگوار ہوتا ہے۔ تو پھر ایسی تلاوت کیوں نہ کی جائے جس کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے۔

کلام اللہ سے بے اعتنائی کیوں؟

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کلام اللہ سے اتنی بے اعتنائی[1] کیوں ہے۔ جس طرح بیت اللہ کی نسبت اللہ کیطرف ہونے سے وہ محترم و مکرم ہوگیا، اسی طرح کلام اللہ کی نسبت بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کیطرف ہے، پھر اس کی تعظیم و توقیر کیوں نہیں کی جاتی۔ بیت اللہ شریف کی زیارت کیلئے طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں، رقمیں صرف کرتے ہیں، اس کے ادب واحترام کو فرض جانتے ہیں، اس کی جانب پیر کرنے کو اور اس رخ استنجا کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں تو اسی طرح اسی نسبت کیوجہ سے کلام اللہ کا ادب واحترام فرض ہے، اس کو سب کلاموں سے اعظم سمجھنا فرض ہے اس لئے کہ رب العالمین واحکم الحاکمین کا کلام ہے اور یہ مقولہ مشہور ہے کہ: كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ۔ بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ یعنی بادشاہوں کی باتیں نہایت اعلیٰ ہوتی ہیں۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ یعنی اللہ تعالےٰ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر وہی شرف حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر۔ پس وجہ اس بے اعتنائی و بے وقعتی کی میں یہ سمجھتا ہوں کہ چونکہ بچپن سے سب کے ہاتھوں میں قرآن پاک آجاتا ہے، اسکی قرارت کرنے لگتے ہیں اور سب کر

---

[1] بے توجہی

آسانی سے مل جاتا ہے، ہر شخص بسہولت اس کا مالک ہو جاتا ہے تو بجائے اسکے کہ تعلق و مناسبت قرآن سے زیادہ ہو الٹے اسکی قدر و حرمت[1] اذہان و قلوب سے کم ہو جاتی ہے ؎

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا ❊ زاں کہ بس ارزاں خریدستی مرا

اے کاہل چونکہ تونے مجھکو سستا خرید لیا ہے، اسی لئے بے وقعت سمجھتا ہے

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد ❊ گوہرے طفلے بقرص ناں دہد

کیونکہ جس چیز کو کوئی شخص سستا خریدتا ہے سستا ہی دے بھی دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھو ایک بچہ روٹی کے ایک ٹکڑے کے عوض بیش قیمت موتی اور ہیرا دے ڈالتا ہے۔

حالانکہ لوگوں کو نہیں معلوم کہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جو چیزیں عزیز ترین ہیں اور انکی ضرورت عام طور پر پڑا کرتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ و رأفتِ کاملہ کے سبب زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مثلاً گھاس، نمک، پانی، ہوا۔ نہ کہ موتی اور یاقوت و زعفران وغیرہ۔ کیونکہ ان کی ضرورت خاص خاص ہی مواقع پر پڑا کرتی ہے اسلئے اللہ تعالےٰ نے انکو عام نہیں فرمایا۔ اسی طرح قرآن پاک جو اعز الکتب[2] ہے۔ کثرت سے پایا جاتا ہے اور دوسری کتابوں سے کم قیمت میں دستیاب بھی ہو جاتا ہے مگر لوگوں کی ذہنیت بالکل بدل گئی ہے کہ کتاب و سنت کے علم سے اس قدر خوش نہیں ہوتے جتنا دوسرے علوم سے۔

(اس مضمون کو ملا علی قاریؒ نے مرقات میں ایک حدیث کی شرح کے تحت بیان فرمایا ہے)

اللہ تعالےٰ نے جب قرآن کو عزیز و عظیم بنایا ہے تو سب پر فرض ہے کہ اس کی افضلیت کا اعتقاد کریں، اس کے سامنے ہر چیز کو کمتر اور ہیچ سمجھیں۔ قرآن پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اعلیٰ و اعظم معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان[3] کے حضور کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ:

---

[1] عظمت۔ [2] سب کتابوں سے عزیز و محترم۔ [3] احسان رکھنا۔

وَلَقَدْ آتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ ○ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○

ہم نے آپکو (ایک بڑی بھاری نعمت یعنی) سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور وہ (بوجہ جامع مضامین عظیمہ ہونیکے اس قابل ہیں کہ اس کے دینے کو یوں کہا جائے کہ) قرآن عظیم دیا (مراد اس سے سورۂ فاتحہ ہے جو بوجہ عظیم ہونے کے ام القرآن سے ملقب ہے) پس اس نعمت و منعم کیطرف نگاہ رکھئے کہ موجب فرح و سرور ہو ان لوگوں (کفار) کے عناد[1] و خلاف کیطرف التفات نہ کیجئے اور (اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے (نہ تاسفاً نہ غیظاً[2]) جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں (مثلاً یہود و نصاریٰ مجوس و مشرکین) کو برتنے کیلئے دے رکھی ہیں (اور بہت جلد ان سے جدا ہو جائیگی) اور ان (کی حالت کفر) پر (کچھ) غم نہ کیجئے اور مسلمانوں پر شفقت رکھئے۔

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونیکے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر شدیدُ الاحتیاط ہو گئے کہ دنیوی نعمتوں کیطرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ آپ کے غنا و توکل کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ آپ کے اصحاب کا یہ حال ہوا کہ سب چیزوں سے منہ موڑ کر قرآن کو اختیار کر لیا اور اپنے شعر و شاعری کو ترک کر کے بس قرآن ہی کیساتھ مترنم ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت و دولت نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت صاحب روح المعانی نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے کہ:

عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ من اوتی القرآن فرای ان احدًا اوتی من الدنیا افضل مما اوتی فقد صغّر عظیمًا وعظّم صغیرًا

(ترجمہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن (جیسی عظیم نعمت) دیا گیا پھر بھی اس نے یہ خیال کیا کہ کوئی شخص (دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت) اس کے قرآن کی نعمت سے افضل دیا گیا ہے تو اس نے شئ عظیم کی تصغیر کی اور چھوٹی چیز کی تعظیم کی۔

---

[1] سرکشی و مخالفت۔ [2] نہ بطور افسوس نہ بطور غصہ۔

ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر ناراضی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسکی توقیر کی یہ اس کی تحقیر کر رہا ہے اور جس کی تعظیم کی اس کی توہین کر رہا ہے۔

صاحب روح المعانی نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ خبر مروی تو ضرور ہے مگر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے مروی ہے میں اس پر واقف نہیں ہوا۔ اس حدیث کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے تفسیر مظہری میں حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضؓ سے روایت کیا ہے۔ اور امام غزالیؒ بھی اس حدیث کو لائے ہیں۔ بہر حال اس روایت کی صحت میں کچھ کلام نہیں ہے۔

کلام پاک کے اوصاف

ایک اور حدیث سنئے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرآن پاک کے بہت سے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

عن الحارث الاعور رضؓ قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخبرتہ۔ فقال اوقد فعلوھا قلت نعم قال اما انی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول انھا ستکون فتنۃٌ قلت ما المخرج منھا یا رسول اللہ؟ قال کتاب اللہِ۔ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل، من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الھدیٰ فی غیرہ اضلہ اللہ ھو حبل اللہ المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم ھو الذی لا یزیغ بہ الاھواء ولا تلتبس بہ الالسنۃ ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا ینقضی عجائبہ ھو الذی لم تنتہ الجن اذ سمعتہ حتّٰی قالوا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ من قال بہ صدق ومن عمل بہ اجر ومن حکم بہ عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم۔

(ترمذی۔ فضل القرآن ص ۱۱۴/۲) ۔ (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب فضل القرآن)

ترجمہ :- حضرت حارث اعورؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا گذر مسجد میں ہوا دیکھا کہ لوگ ادھر اُدھر کی بیکار باتوں میں مشغول ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی اطلاع کی تو فرمایا کہ کیا واقعی لوگ ایسا کر رہے ہیں میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگو! سنو عنقریب فتنۂ عظیم ہونیوالا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اسوقت فتنہ سے نجات کا کیا ذریعہ ہوگا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب (اسلئے کہ) اس کے اندر پہلے لوگوں کے احوال کا ذکر ہے اور آئندہ ہونیوالے امور کی خبریں ہیں وہ تمہارے آپس کے اختلاف کا حل وفیصلہ ہے۔ وہ حق و باطل کے درمیان فاصل ہے۔ وہ کوئی ہزل (مذاق) نہیں ہے (بلکہ وہ سب حق ہے) جو جابر (اور متکبر) اسکو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اسکو ہلاک کردیں گے اور جو شخص ہدایت کو قرآن کے غیر میں تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسکو گمراہ کردیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مستحکم رسی ہے اور ذکر حکیم ہے اور وہی صراط مستقیم ہے اور ایسی چیز ہے کہ اہواء (خواہشات) اس کی موافقت کیوجہ سے حق سے علیحدہ نہیں ہوتیں اور (اسکی قرأت میں) زبانوں کو دشواری نہیں ہوتی اور علماء کو اس سے سیری نہیں ہوتی اور یہ قرآن کثرت تکرار سے پرانا نہیں ہوتا (کہ پڑھنے یا سننے سے جی اکتانے لگے) اور اس کے عجائبات بھی ختم ہونیوالے نہیں ہیں۔ یہی وہ کلام ہے جس کو سنکر جن بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی ہدایت کرتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور جس نے قرآن کیواسطے سے کوئی بات کہی تو سچی بات کہی، اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہوا اور جس نے اس کے ذریعہ کوئی فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی جانب مخلوق کو دعوت دی وہ سیدھے راستہ کیطرف ہدایت کیا گیا۔

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے کیا کیا اوصاف بیان کئے ہیں۔ آپ سے زیادہ کون بیان ہی کرسکتا ہے، آپ پر نازل ہوا ہے آپ سے زیادہ اس کے اوصاف وعلوم ومعارف کو کون سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا ہی حدیث کو ملاحظہ فرمالیجئے کہ کوئی قرآن کی تعریف ان الفاظ میں کرسکتا ہے؟ ہمارے

اسلاف نے اسکو ایسا ہی سمجھا اور اس کی قدر و منزلت کی جس کے صلہ میں انکو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی معزز و مکرم فرمایا۔ آج ہم نے اسلاف کا یہ سبق بھلا دیا اسلئے اللہ تعالیٰ کی نظر اعتبار سے ساقط ہو گئے۔ اور لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل و خوار ہو گئے۔

قوموں کی رفعت و پستی کا راز

چنانچہ مشکوٰۃ میں یہ حدیث آئی ہے کہ:

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یرفع بھٰذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین۔ (مشکوٰۃ)

(ترجمہ) حضرت عمر ابن خطابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی (قرآن) کے ذریعہ بہت سی قوموں کو رفعت و بلندی بخشیں گے اور کتنی قوموں کو اسی کی وجہ سے پست فرمادیں گے۔

اس کے تحت صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ:

(بھٰذا الکتاب) ای بالایمان بہ وتعظیم شانہ والعمل بہ والمُرادُ بالکتاب القرآن البالغ فی الشرف وظھور البرھان (اقواماً) ای درجۃ جماعات کثیرۃ فی الدنیا والاٰخرۃ بان یحییھم حیاۃ طیبۃ فی الدنیا ویجعلھم من الذین انعم اللہ علیھم فی العقبٰی (ویضع بہ اٰخرین) ای الذین کانوا علیٰ خلاف ذٰلک عن مراتب الکاملین الی اسفل السافلین قال اللہ تعالیٰ (یُضِلُّ بہٖ کثیراً ویَھدِی بہٖ کَثِیْرًا) فھو ماءٌ للمحبوبین و دِماءٌ للمحجوبین وقال عزوجل وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاھُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ وقال الطیبی فمن قرأہ وعمل بہ مخلصًا رفعہ اللہ ومن قرأہ مرائیا غیر عامل بہ وضعہ اللہ

(مرقات ص۵۵۹ ج۲)

(ترجمہ کا) (اس کتاب کے ذریعہ) یعنی اس پر ایمان لانے اسکی تعظیم وتکریم کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنیکی وجہ سے۔ اور کتاب سے مراد قرآن شریف ہے جو شرف وکرامت اور ظہور برہان کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے (اقوام کو رفعت بخشیں گے) یعنی کثیر جماعت کو اس کی وجہ سے دین ودنیا میں درجات عطاء فرمادیں گے۔ اسطرح کہ دنیا میں ان کو حیاتِ طیبہ عطا فرمادیں گے اور آخرت میں ان حضرات کے زمرہ میں شامل فرمادینگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور جو لوگ ایسے نہ ہوں گے ان کو کاملین کے مراتب سے اتار کر اسفل سافلین میں گرا دینگے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ اس کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔ الغرض یہ قرآن محبوبوں کیلئے تو (میٹھا) پانی ہے (کہ اس سے سیرابی حاصل کرتے ہیں) اور مجوبوں (اور محروموں) کے لئے خون ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن میں ایسی چیز نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفا اور رحمت ہے اور ناانصافوں (اور نافرمانوں) کو اس سے الٹا نقصان بڑھتا ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اسکو پڑھا اور اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کیا اللہ تعالیٰ اسکو رفعت بخشیں گے اور جو محض ریاکاری کے لئے تلاوت کریگا اور عمل نہ کریگا اسکو پست فرمادیں گے۔

دیکھیئے اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی دونوں ہی صفت ہے جیسے اس پر ایمان لانے اور اس کی تعظیم وتکریم کرنے اور اس کی تلاوت کرنے سے عزت ورفعت ملتی ہے ویسے ہی یہ بھی ہے کہ اس پر ایمان نہ لانے اسکی تعظیم وتوقیر نہ کرنے اور اس کی تلاوت نہ کرنے سے ذلت وپستی بھی ملتی ہے۔ چنانچہ آج ہم لوگ جو ذلیل وخوار ہیں۔ دنیا میں ساقط الاعتبار[1] ہیں اس کی وجہ اغیار نہیں ہیں بلکہ اس کے سبب خود ہم لوگ ہیں کہ ہم نے کتاب اللہ سے تعلق کو قطع کردیا۔ اسکی تعظیم وتوقیر سے، اسکی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے استغناء وبے اعتنائی برتی تو کلام اللہ بھی ناراض ہوگیا، اس نے اپنے فیوض وبرکات سے

---

[1] بے وقعت۔ ذلیل۔

محروم کردیا۔ ہمارے اس استغناء کی نحوست کیوجہ سے ذلت و رسوائی نازل ہوئی۔ سینئے قرآن کے نبذ (ترک) کا یہ تو دنیا میں انجام بد ہے، اس سے بڑھ کر عذاب و نکال[1] آخرت میں ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن یتأکل بہ الناس جاء یوم القیامۃ و وجھہ عظم لیس علیہ لحم (مشکوٰۃ شریف)

(ترجمہ) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن کو اس لئے پڑھا کہ لوگوں سے اس کے ذریعہ تاکل کرے (یعنی ذریعہ معاش بنادے) قیامت کے دن اس حال میں آوے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی ہی ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا۔

اس کی وجہ صاحب مرقاۃ نے بہت عمدہ بیان فرمائی ہے سنئے فرماتے ہیں کہ:

لما جعل اشرف الاشیاء واعظم الاعضاء وسیلۃ الی ادناھا و ذریعۃ الی اردئھا جاء یوم القیامۃ فی اقبح صورۃ واسوء حالۃ۔

قال بعض العلماء استجرار الجیفۃ بالمعازف اھون من استجرارھا بالمصاحف وفی الاخبار من طلب بالعلم المال کان کمن مسح اسفل مداسہ و نعلہ بمحاسنہ لینظفہ۔ (مرقات ص۶۲۵ ج ۲)

(ترجمہ) جبکہ اس شخص نے اشرف الاشیاء (یعنی قرآن پاک) اور اعلیٰ ترین عضو (یعنی چہرہ) کو ادنیٰ اور انتہائی ردی شے کی تحصیل کا ذریعہ بنایا تو قیامت میں وہ نہایت قبیح صورت اور بدترین حالت میں آئے گا۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مردار کا کھینچنا آلات لہو لعب سے اہون ہے اس سے کہ اسکو مصاحف سے کھینچا جاوے (یعنی دنیا کو کا بجاکر حاصل کرنا اتنا برا نہیں ہے جتنا قرآن پاک کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا جائے) اور اخبار میں ہے کہ جس شخص نے علم کے ذریعہ مال کمایا اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی اپنے جوتے کے تلے کو صاف کرنے کیلئے اپنی داڑھی سے پوچھے۔

ان احادیث سے قرآن عظیم کا مرتبہ کتنا اعلیٰ معلوم ہوتا ہے کہ جسکو بھی دارین میں

---

[1] سزا و رسوائی۔

عزت و رفعت ملتی ہے اسی قرآن کے ذریعہ ملتی ہے اور جسکو بھی دارین میں ذلت و پستی ملتی ہے اسی قرآن کے ترک سے ملتی ہے (جیساکہ کفار کو ملی) چنانچہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی شکایت ان الفاظ میں فرمادینگے۔

قیامت میں قرآن کا مخاصمہ

یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظرانداز کر رکھا تھا۔

نیز ایسے لوگوں سے قرآن بھی محاجّہ[1] کرے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ قَرَأَ فِیْ لَیْلَةٍ مِأَةَ اٰیَةٍ لَمْ یُحَاجَّهُ الْقُرْاٰنُ یعنی جو شخص رات میں سو آیت پڑھ لے گا تو اس سے قرآن مُحاجّہ نہ کرے گا۔

اس کے تحت صاحب مجمع البحار تحریر فرماتے ہیں کہ دَلَّ عَلٰی لُزُوْمِ قِرَاءَتِہٖ عَلٰی کُلِّ اَحَدٍ وَاِنْ لَّمْ یَقْرَأْ خَاصَمَہٗ یعنی اس حدیث نے اس بات پر دلالت کی کہ ہر شخص پر اس قدر قرارت لازم ہے ورنہ اس سے قرآن مخاصمہ و مُحاجّہ کرے گا۔

یہ کس قدر ڈرنے کی بات ہے کہ بعض صورتیں ایسی بھی قیامت میں پیش آئیں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک بجائے شفاعت کے محاجّہ کریں گے پھر بتلائیے اس وقت نجات کی کیا صورت ہوگی۔ اَعَاذَنَا اللہُ مِنْهَا۔

اہل علم کی بعض عمومی کوتاہی اور مصلح الامّت کی تبلیغ تنبیہ

اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ کتاب اللہ کے فضائل سے کتب احادیث پُر ہیں شارحین نے ان احادیث کی خوب خوب شرحیں کی ہیں اور عجب عجب مطالب بیان فرمائے ہیں کہ اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو قرآن کی عظمت قلب میں پیوست ہو جائے مگر عوام تو عوام علماء کے اذہان و قلوب ان مضامین سے خالی ہیں۔ اور جب علم ہی نہیں

---

[1] جھگڑا کرنا۔

پھر تا بہ عمل چہ رسد[1] اور جب علماء ہی اس سے عاری ہیں، پس تا بہ عوام چہ رسد (یعنی پھر عوام کا کیا حال ہوگا)

اب علماء کو قرآن پاک کے مضامین سے ذوق نہیں رہا اور نہ ان مضامین سے انکو حظ (و لطف) باقی رہا الا ماشاء اللہ۔ یہ حضرات خود تلاوت میں تقصیر (کوتاہی) کرتے ہیں اور دوسرے اعمال میں جن میں انکو حظ ہے بہت ہی شوق سے امتثال[2] کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کلام اللہ کی تلاوت کیجئے اور مسلمانوں کو اسکی ترغیب دیجئے جس سے مسلمانوں کا تعلق کلام اللہ سے پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت حاصل ہو تو اس کے لئے ہرگز ہرگز آمادہ نہیں ہوتے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی اسکو پرانی کتاب سمجھ لیا ہے، اس کے مضامین کو دیرینہ خیال کر لیا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ پہلے لوگوں نے جو کچھ اس کے متعلق کہا یا کتابوں میں لکھ دیا وہ کافی ہے۔ اب ہمکو ان مضامین کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کو بس ایسی نئی نئی باتیں بیان کرنی چاہئے جس سے لوگ واہ واہ کریں اور بس جب یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو قرآن پاک کے مضامین میں مزید تدبر و تفکر کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔

اب بھی اگر اصولی اور بنیادی باتیں بیان کی جائیں اور مسلمانوں کے سامنے اصلی دین پیش کیا جائے اور کتاب و سنت کو واضح طور پر احوالِ زمانہ کے مطابق پیش کیا جائے تو اب بھی مسلمان کتنے ہی گئے گذرے سہی ان باتوں کو مانیں گے اور عمل کریں گے اس لئے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے۔ جب کتاب اور سنت کی بات آتی ہے تو ضرور ایمان میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان اس کیطرف اقبال (توجہ) کرتے ہیں مگر کوتاہی و قصور ہمیں لوگوں کا ہے کہ صحیح طور پر دین پہونچایا نہیں جا رہا ہے مثلاً تلاوتِ کلام اللہ ہی ہے اس کے فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں اگر انکو پیش کیا جائے کہ تمہارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ہیں، دیکھو اس میں تلاوت کی کتنی

---

[1] عمل کی نوبت کہاں آئے گی۔ [2] تعمیلِ حکم۔

ترغیب ہے اور کس کس طرح تحضیض[1] فرمائی ہے اور اس کے چھوڑنے پر کتنی تہدید فرمائی ہے اور کس قدر وعیدوں کا ذکر فرمایا ہے۔ تو کیا کوئی مسلمان ایسا بھی ہوگا جس کے دل پر اثر نہ ہوگا؟ کیا اسکو تلاوت کیطرف رغبت نہ ہوگی، اور ترک کی صورت میں اس کو خوف نہ ہوگا؟ اگر نہ ہو تو وہ مسلمان ہی کیا ہے وہ تو خالص منافق ہے۔

فرائض تلاوت اور دوسرے اذکار میں فرق مراتب

اور یہ بیان نہ کرنے ہی کا کرشمہ ہے کہ عام طور پر اذہان میں یہ خیال راسخ ہوگیا ہے کہ اشغال و اوراد مروجہ کا اللہ تعالیٰ سے نسبت اور ولایت کی تحصیل میں جو درجہ ہے وہ تلاوت قرآن کا نہیں ہے۔ اسی طرح نوافل کی اہمیت فرائض سے کہیں زیادہ سمجھتے ہیں۔ یوں فرض فرض زبان سے کہتے تو ہیں مگر ان کے حال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکو اعتقاد ہی نہیں ہے کہ فرائض سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں تصریح ہے کہ سب سے زیادہ قرب اللہ تعالیٰ کا فرائض کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تلاوت کلام اللہ کی نسبت بھی اکابر کی تصریح ہے کہ سب اذکار سے بڑھکر تلاوتِ کلام اللہ ہے۔ چنانچہ منجملہ ملفوظات حضرت خواجہ بابا فرید شکر گنج ؒ کے (جنکو سلطان نظام الدین اولیاءؒ نے جمع فرمایا ہے) یہ ہے کہ کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کیا کریں۔ اور اس کا نتیجہ کل طاعتوں سے بڑھکر ہے۔ دیکھئے یہ بابا فرید شکر گنج ؒ کا تو ملفوظ ہی ہے جسکو حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے نقل فرمایا ہے۔ پھر حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنے رسالہ میں درج فرمایا تو اس مضمون پر تین بزرگوں کا اتفاق ہوگیا۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کی عبادات میں سب سے افضل تلاوتِ قرآن ہے۔ پس جب فرائض اور تلاوتِ قرآن کی افضلیت پر نص وارد ہے اور اہل اللہ کا بھی یہی دستور رہا ہے کہ فرائض و تلاوت کلام اللہ کیطرف ترغیب دیتے آئے

---

[1] ابھارنا۔

آئے ہیں تو پھر آپ کون ہوتے ہیں کہ ان کے درجے کو کم سمجھیں اور دوسرے اشغال و وظائف کو عظیم سمجھیں اللہ تعالیٰ نے جسکو جو درجہ عطا فرمایا ہے اسکو ویسا ہی اعتقاد کرنا چاہئے اور مراتب میں اسی اعتبار سے فرق کرنا چاہئے۔ فرائض کا مرتبہ نوافل سے زیادہ سمجھنا چاہئے، اس میں قرب زیادہ محسوس کرنا چاہئے۔ اس کے اثرات کو نفل کے اثرات سے بالاتر یقین کرنا چاہئے۔ اسلئے کہ فریضہ ہی اصل ہے، نوافل تو تکمیل فرائض کیلئے مشروع ہوئے ہیں۔ فرع کو اصل کا درجہ دینا یا اس سے افضل سمجھنا کس قدر خلافِ عقل اور ضلالت کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتنی ناراضی کی چیز ہے۔

اسی طرح تلاوت کلام اللہ کو بھی سمجھئے کہ جملہ اذکار سے یہ افضل ہے۔ قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دوسرے اذکار اس سے ادنیٰ و کمتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی تلاوت سے جتنی خوشی ہوتی ہے دوسرے کلام سے نہیں۔ یہ سب آپ کو اعتقاد کرنا ہوگا۔ اسلئے کہ یہ سب نصوص میں وارد ہیں۔ ع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی (اگر فرق مراتب کا لحاظ نہ کیا تو گمراہ ہو جاؤ گے)

آج کل اعتقاد میں فساد آگیا ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اعمال میں اتنا بگاڑ نہیں آیا ہے جتنا اعتقاد میں بگاڑ ہو گیا ہے۔ چنانچہ بطور رسم سب اعمال کچھ نہ کچھ جاری ہیں مگر ان کے احوال سے اندازہ لگتا ہے کہ اعتقادات چوپٹ ہو گئے ہیں۔

اسی کو دیکھ لیجئے۔ اب بھی لوگ اہل اللہ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی باطنی دولت ہے جو سینہ بسینہ چلی آرہی ہیں۔ اسی کو حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں مگر جب ان سے بتلایا جاتا ہے کہ اس کے حاصل کرنیکا طریقہ شریعت کی پابندی ہے۔ یعنی نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، تلاوتِ کلام اللہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو تسلیم نہیں کرتے۔ سمجھتے ہیں کہ اصل طریقہ ہم سے چھپایا جا رہا ہے۔ اس طرح بدظن ہو جاتے ہیں۔

آپ لوگ خود بتلائیے کہ یہ بداعتقادی ہے یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس

چیز کو فرض کیا اور سب سے زیادہ اس میں قرب رکھا اور تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کے خلاف سمجھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ آج کل جو محرومی ہے اسکی واحد وجہ یہی بداعتقادی ہے۔ فرائض کے فیوض و برکات سے تو اس طرح محروم رہے کہ اس کے فیوض و برکات کے معتقد ہی نہیں اور نوافل سے اس طرح کہ اتنی صحت قدر ہی نہیں کہ نوافل میں مشغول ہوں۔ اگر نوافل پڑھیں بھی تو ایسی سخت بداعتقادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو کب گوارا ہوگا کہ اپنے خاص انعامات سے نوازیں۔ یہ ایک اہم مغالطہ ہے جس میں عوام و خواص بھی بتلا ہیں اسلئے[1] میں نے اس پر ذرا تفصیل سے کلام کیا ہے۔ امید کہ نفع ہوگا، انشاء اللہ۔

ذکر اللہ کی فضیلت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے بلکہ اس کے کثرت کی تاکید ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم پر شرائع اسلام کثیر ہوگئے ہیں کوئی ایسی چیز بتلائیے جسکو مضبوطی سے پکڑ لوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللهِ (رواہ ترمذی وابن ماجہ) یعنی تمہاری زبان ہمیشہ ذکر اللہ سے تر رہنی چاہئے۔

سادات صوفیہ نے اسکو سلوک و تسلیک کیلئے اختیار کیا ہے اور اس کے منافع و نتائج بھی مرتب ہوئے ہیں اور ذاکرین کو نسبت مع اللہ حاصل ہوئی ہے تو اس کا کوئی شخص کیسے انکار کر سکتا ہے۔

پس ذکر اللہ ضرور کرنا چاہئے اس میں خاصہ ہے توجہ کے ایک مرکز پر مجتمع ہو جانے کا اور اس کا یہ موضوع ہے اس لئے مبتدی کو یہ بتلایا جاتا ہے۔ جب توجہ ایک مرکز پر مجتمع ہو جاتی ہے پھر یہی ذکر مسنون کرایا جاتا ہے کیونکہ ہر ذکر کا ایک خاص اثر ہوتا ہے وہ سب بھی حاصل ہوں قرآن پاک کی تلاوت بھی کرے اسلئے کہ کلام پاک تمام اثرات کا حاوی و جامع ہے وہ بھی آہستہ آہستہ حاصل کرتے رہیں اور قرآن پاک سے مناسبت بڑھتی رہے چونکہ قرآن میں مختلف

---

[1] اسلامی احکام

الفاظ اور مختلف مضامین پر گذر ہوتا ہے اسکی وجہ سے یکسوئی جلدی نہیں معلوم ہوتی، تشتت[1] رہتا ہے اور توجہ ایک مرکز پر مجتمع نہیں ہوتی اسلئے ابتداء میں ذکر کی کثرت بتلائی جاتی ہے۔ اور میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس کا بھی (تلاوتِ قرآن کا) اثر ہوتا ہے اور کیفیت ملتی ہے اور ایسی لطیف ہوتی ہے کہ ابتداء میں محسوس نہیں ہوتی۔ جب آدمی تلاوت برابر کرتا رہتا ہے تو مناسبت بڑھتی رہتی ہے اور کچھ دنوں کے بعد نفع محسوس بھی ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تلاوت سے ابتداءً نفع نہیں ہوتا۔ ہوتا ابتداء ہی سے ہے مگر احساس عرصہ کے بعد ہوتا ہے۔

اب رہا یہ کہ جو قاضی ثناء اللہ صاحبؒ اور حضرت مجدد صاحبؒ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے اس کا مطلب بیان کرتا ہوں۔

فنائے نفس سے پہلے تلاوتِ قرآن کا مقام

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ ارشاد الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں:

"نفس کو فنا کرنے سے پہلے کثرتِ نوافل اور تلاوتِ قرآن سے قربِ الٰہی میں ترقی نہیں ہوتی۔" (تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین ص۵۱)

اور مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

ان الصوفی لا یجد برکات القرآن الا بعد فناء نفسہ وتطھرہ من الرذائل واما قبل الفناء فقراءۃ القرآن لہٗ داخل فی عمل الابرار وبعد فناء النفس والھا عینھا ء اثرھا فمراتب القرب الی اللہ سبحانہٗ منوط بتلاوۃ القرآن۔ (تفسیر مظہری ص۱۸۳ ج۹)

(ترجمہ) یقیناً صوفی قرآن کے برکات کو حاصل ہی نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کا نفس رذائل سے پاک وصاف ہوکر فنا نہ ہوجائے اور قبل فنا تو قرارت قرآن اعمالِ ابرار میں سے ہے

---

[1] پراگندگی و انتشار

اور فنائے نفس اور اس کے اثر وعین کے زوال کے بعد قرب الی اللہ کے تمام مراتب تلاوتِ قرآن ہی سے مربوط و وابستہ ہیں؛

تو ان حضرات کا مطلب یہ ہے کہ نفس جب تک فنا نہیں ہوتا اور اس کے اثرات زائل نہیں ہوئے ہوتے اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے مانع بنا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ و بندے کے درمیان حجاب رہتا ہے جب یہ حجاب مرتفع ہوتا ہے تو قرب کے خاص مراتب حاصل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو قرب فناء نفس پر موقوف ہے وہ اس سے پہلے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ جب نفس کو فناء کیا جائیگا جب ہی وہ قرب حاصل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نوافل و قرآن کی قرارت کا فنائے نفس سے پہلے کوئی نفع ہی نہیں بلکہ اس سے نفع ہوتا ہے، ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ خود مجدّد صاحب فرما رہے ہیں کہ فنائے نفس سے پہلے کی قرارت عمل ابرار میں داخل ہے تو کیا یہ کم مرتبہ ہے؟

تلاوت صحیحہ فناء نفس کا ذریعہ۔ قلب میں جلاء و نور کا وسیلہ ہے

اور میں کہتا ہوں کہ قرارت قرآن کا نفس کے فنا میں دخل عظیم ہے۔ اگر تلاوت قاعدہ سے کی جاوے تو اسی سے نفس بھی فنا ہو جائیگا پھر اسی قرارت سے مراتب قرب بھی حاصل ہوں گے آخر ذکر تو اسی لئے بتلایا جاتا ہے کہ فنائے نفس حاصل ہو پھر ذکر سے بھی تو فوراً ہی فنا حاصل نہیں ہوتا بلکہ عرصہ تک کرتے رہنے سے نفس مرتا ہے اسی طرح تلاوت سے بھی کچھ دنوں کے بعد فنا حاصل ہوگا اور جیسے ذکر میں کوئی مدت و مقدار مقرر نہیں طالب کی استعداد پر ہے جیسی استعداد ہوگی اتنی ہی مدت لگے گی۔ یہی حال تلاوت کا بھی ہے کہ اگر استعداد قوی ہے تو فنائے نفس جلدی اور اگر ضعیف ہے تو دیر میں حاصل ہوگا۔

اور یہ بھی صوفیہ فرماتے ہیں کہ فقط ذکر اللہ سے نفس فنا نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ کلام سے بڑھ کر کس چیز میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات

ہوں گی۔ جب اوراذکار میں نفس کے فنا کر دینے کی استعداد ہے تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے بدرجہ اولیٰ فنائے نفس حاصل ہوگا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جملہ اذکار سے زیادہ قوت وتاثیر رکھی ہے۔ پس ذکر کیطرف جتنی توجہ کرنے سے فنا حاصل ہوتا ہے اتنی ہی بلکہ اس سے کم ہی تلاوت کیطرف توجہ کی جاوے تو ضرور فنائے نفس حاصل ہوگا۔

اور دیکھئے مجدد صاحبؒ نے کتنی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ مراتب قرب تلاوت پر منوط[1] ہیں۔ یہی میں بھی کہہ رہا ہوں۔ یہ تو میرے مقصود کے بالکل مطابق ہے کہ جو مرتبہ بھی ملتا ہے وہ تلاوتِ قرآن ہی سے ملتا ہے۔ جس درجہ کی تلاوت ہوتی ہے ویسا ہی قرب ومرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اگر تلاوت فنائے نفس سے پہلے ہے تو یہ منجملہ اعمال ابرار کے ہے، اور اگر فنائے نفس کے بعد ہے تو مقربین کے اعمال سے ہے واللہ اعلم۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ مبتدیوں کو اس سے نفع نہیں ہوتا تو کوئی تلاوت کرے گا ہی نہیں اور انتہا تک شاید ہی کسی کی رسائی ہو۔ یہانتک کہ موت آجائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس حالت میں وفات ہوگی کہ اللہ تعالےٰ کے کلام سے ذرا ذوق وحظ حاصل نہ ہوگا۔ اور اس حال میں اپنے پروردگار سے ملاقی[2] ہوگا کہ دل میں کلام اللہ سے ذرا تعلق ومناسبت نہ رکھے گا۔ پس یہ کتنا بڑا حرمان ہوگا۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مصلح ومرشد کو چاہئے کہ بار بار اس سے یہ کہتا رہے کہ تلاوت دل سے کرو، محض سرسری اور لسانی مت کرو۔ سرسری تلاوت پر جو وعیدیں ہیں اسکو سناتا رہے اور اس سے احتراز کا امر کرتا رہے تو ضرور نفع ہوگا اور کیوں نہ ہوگا۔ قرآن کسی خاص طبقہ کے لئے تو نازل نہیں ہوا ہے؟ امت میں تو ہر قسم کے لوگ ہیں، جوان بھی بوڑھے بھی، مبتدی بھی متوسط اور منتہی بھی۔ تو پھر کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تالی[3] کی استعداد کے مطابق فائدہ ہوگا۔ مبتدی کو اس کی استعداد کے مطابق اور

---

[1] موقوف۔ [2] ملاقات کرنیوالا۔ [3] تلاوت کرنے والا۔

منتہی ومتوسط کو انکی استعداد کے مناسب، مگر فائدہ سب کو ہوگا۔ پس سب لوگ تلاوت کے مکلف ہیں کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔

اور وہ قصہ جبکو مرقاۃ میں ملاعلی قاریؒ نے ذکر کلمہ طیبہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے نقل فرمایا ہے کہ:

ان السید علی بن میمون المغربی لما تصرف فی الشیخ علوان الحموی وھو کان مفتیا مدرسا فنھاہ عن الکل واشغلہ بالذکر فطعن الجھال فیہ بانہ اضل شیخ الاسلام ومنعہ عن نفع الانام ثم بلغ السید انہ یقرأ القرآن احیانا فمنعہ منہ فقال الناس انہ زندیق یمنع من تلاوۃ القرآن الذی ھو قطب الایمان وغوث الایقان لکن طاوعہ المرید الی ان حصل لہ المزید وانجلت مرأۃ قلبہ وحصل مشاھدۃ ربہ فأذن لہ فی قراء القرآن فلما فتح المصحف فتح علیہ الفتوحات الازلیۃ والابدیۃ وظھر لہ کنوز المعارف والعوارف فقال السید انا ما کنت امنعک عن القرآن وا نما کنت امنعک عن لقلقۃ اللسان والغفلۃ عما فیہ من البیان فے ھذا الشان والله المستعان۔ (مرقات ص ۱۳ ج ۳)

(ترجمہ) سید علی ابن میمون مغربی نے جب شیخ علوان حموی میں تصرف فرمایا جو کہ مفتی اور مدرس تھے تو ان کو افتاء وتدریس کے تمام کاموں سے منع فرمادیا اور ذکر اللہ میں مشغول فر تو جہلانے سید علی ابن میمون کے بارے میں زبانِ طعن درازکی۔ اور کہنے لگے کہ انھوں نے شیخ الاسلام کو گمراہ کردیا اور مخلوق کو جو نفع ان سے ہو رہا تھا اسکو روک دیا۔ پھر سید علی ا میمون کو یہ بات معلوم ہوئی کہ شیخ علوان حموی کبھی کبھی تلاوتِ قرآن کرلیتے ہیں تو اس سے منع فرمادیا۔ تب ان کے متعلق لوگ کہنے لگے کہ یہ تو زندیق ہے کہ تلاوتِ قرآن سے بھی جو کہ ا کا قطب اور ایقان کا غوث ہے منع کرتا ہے۔ لیکن مرید (یعنی شیخ علوان) نے (بلا خوف لو اپنے شیخ کی اطاعت کی یہانتک کہ انکو بہت سی نئی چیزیں حاصل ہوئیں اور انکے قلب آئینہ روشن ہوگیا اور اپنے رب کا مشاہدہ حاصل ہوا۔ اس وقت انکو شیخ نے قرارت ق

کی اجازت مرحمت فرمائی پھر انھوں نے جب قرآن پاک کھولا تو فتوحاتِ[1] ازلیہ وابدیہ منکشف و مفتوح ہوئے اور ان کے لئے معارف[2] و عوارف کے خزانے ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد سید علی ابن میمونؒ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو قرآن پاک کی تلاوت سے نہیں منع کرتا تھا۔ بلکہ زبان کے لقلقہ[3] سے منع کرتا تھا اور اس شان (لقلقہ لسان اور تلاوت مع غفلت) میں جو وعیدیں آئی ہیں ان سے غفلت کو منع کرتا تھا۔ واللہ المستعان۔

تو اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ :-

سید علی ابن میمونؒ شیخ کامل تھے ان پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے ان عالم کے حال کے مناسب شیخ نے یہی سمجھا ہو کہ ان کو کچھ دنوں کیلئے قراءۃ قرآن سے روک دیا جائے۔ جب ذکر اللہ کر کے کچھ نسبت مع اللہ اور توجہ الی اللہ ہو جائے اس کے بعد تلاوت کا امر کیا جاوے۔ لہٰذا یہ ایک خاص طریقہ ایک مخصوص شخص کیساتھ تھا جو قاعدۂ کلیہ نہیں بن سکتا۔ بلکہ یہ خُصُوصُ وَاقِعَۃٍ لَا عُمُوْمَ لَھَا (یعنی ایک مخصوص واقعہ ہے قانونِ عام نہیں ہے) کے قبیل سے ہے۔

پس عام طور پر یہی کہا جائیگا کہ ذکر اللہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کرو اور جی لگا کر کرو، دل پر اثر لے کر کرو۔ اس سے قلب میں صفائی بھی ہوگی جلاء و نور بھی حاصل ہوگا۔ مگر کچھ دنوں تک مداومت سے کرنیکی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ چند دن کیا پھر چھوڑ دیا۔ اس سے نفع نہیں ہوتا یہ غلط طریقہ ہے۔ اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ لوگ چند روز ایک کام کرتے ہیں پھر اس کو ترک کر دیتے ہیں۔ مواظبت نہیں کرتے تو بھائی اس سے نفع نہیں ہوگا۔ لوگ دنیوی امور و علوم کی تحصیل کیلئے مدتوں مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ہم سے کامیابی کے لئے دعا بھی کرانے آتے ہیں، اس کے لئے رقمیں صرف کرتے ہیں تب کہیں جا کر کامیابی ہوتی ہے اور سند ملتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا قرب اور انکی رضا اور جنت ہی کیوں اتنی سستی

---

[1] دائمی و ابدی رموز و اسرار کے ابواب کھل گئے۔ [2] علوم و عطیات الٰہی۔
[3] زبان کی حرکت۔

ہوگئی کہ چند دن عمل کیا وہ بھی دل سے نہیں بلکہ رسمًا کیا اور سب درجاتِ عالیہ کے متمنی اور منتظر ہوگئے۔ یہ کب قرین قیاس و انصاف ہے۔

حاصل کلام یہ کہ تلاوت کلام اللہ سے قلب کی صفائی ہوتی ہے بلکہ بہ نسبت اور اذکار کے جلد ہی ہوتی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قلب کی صفائی کیلئے موت کے یاد رکھنے اور تلاوتِ قرآن ہی کو فرمایا ہے اور کسی چیز کو نہیں فرمایا۔ چنانچہ

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھٰذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء۔ قیل یارسول اللہ وما جلاءھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن (مشکوٰۃ۔ کتاب فضائل القرآن)

(ترجمہ) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ پھر اس کی صفائی کا کیا ذریعہ ہے۔ فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا، اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

دیکھئے یہ صریح حدیث ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ تلاوت کلام اللہ کرو اسی سے جلاءِ قلب حاصل ہو جائیگا تو ہرگز نہ مانیں گے۔ یہ صریح ضلالت اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ علماء کو بلاتے ہیں ان سے وعظ کہلاتے ہیں مگر تعلیمات کیطرف اصلا توجہ نہیں کرتے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اور اعمال میں روح نہیں رہ گئی ہے اسیطرح اسکا بھی رسم سے زیادہ درجہ نہیں ہے بلکہ اگر کہدیا جائے کہ اس کا منشاء نام و نمود و حظِ نفس[1] ہے تو مضائقہ نہیں اور یہ کہنا برمحل ہوگا۔

تلاوت میں عظمت و تصدیق کیسے پیدا ہو؟

میں نے شروع ہی میں یہ بیان کیا ہے کہ تلاوت مع التصدیق والتعظیم مطلوب اور ماموٗر[2] بہا ہے۔ اسی تلاوت کی فضیلت کثرت سے احادیث میں وارد ہے۔

---

[1] لذتِ نفس ۔ [2] جسکا حکم دیا گیا ہو۔

اب اس طرح تلاوت کرنیکا طریقہ بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب تلاوت کا ارادہ کرے اور قرآن پاک لیکر بیٹھے تو یہ مراقبہ[1] کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کسی مخلوق کا کلام نہیں، یا کسی شاعر کا شعر نہیں۔ اس طرح خوب اپنے دل میں کلام اللہ کی عظمت کا استحضار کرے اور اس پر ایمان و تصدیق کو بار بار دل میں لاوے۔ جب خوب اعتقاد و تصدیق ہو جائے تو تلاوت شروع کرے۔ یہ تلاوت ایمان سے ناشی[2] ہو اور اس کا تعلق قلب سے ہوگا یہ تلاوت ایمانی و قلبی ہوگی، لسانی و رسمی نہ ہوگی اور جب تلاوت ایمان و اعتقاد سے ہوگی تو چونکہ اعتقاد و ایمان خود کمال ہے اور جملہ کمالات کا موجب بھی تو اسی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت اور تمام مراتب قرب حاصل ہو جائیں گے۔ اور یہ قرب ایک وجدانی[3] شئے ہے۔ جو مدرک[4] بالوجدان ہوتی ہے جیسے بھوک و پیاس۔ جو لوگ اعتقاد سے تلاوت کرتے رہتے ہیں بتدریج انکو کیفیت وجدانیہ حاصل ہوتی جاتی ہے اور تلاوت کی حلاوت و لذت بڑھتی جاتی ہے۔ محبت و شوق بڑھتا جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے تعلق قوی ہوتا جاتا ہے مگر شرط وہی ہے کہ کلام اللہ کی تعظیم کے ساتھ تلاوت کی جاوے، اعتقاد سے کی جائے ادب و احترام کے ساتھ کی جائے۔

چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے:

فالقاری عند البدایۃ بتلاوۃ القرآن ینبغی ان یحضر فی قلبہ عظمۃ المتکلم ویعلم ان مایقرأہ لیس من کلام البشر وان فی تلاوۃ کلام اللہ عزوجل غایۃ الخطر فانہ تعالیٰ قال لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ وکما ان ظاہر جلد المصحف وورقہ محروس من ظاہر بشرۃ اللامس الا اذا کان مطہرًا فباطن معناہ ایضًا بحکم عزہ وجلالہ محجوب عن باطن القلب الا اذا کان مطہرًا عن کل رجس مستنیرًا بنور التعظیم والتوقیر وکما لا یصلح للمس جلد المصحف

---

[1] یعنی سوچے اور ذہن میں حاضر کرے۔ [2] پیدا۔ [3] جو حواس باطنی سے معلوم ہو۔
[4] یعنی حواس باطنی سے سمجھ میں آئے گی۔

کل ید فلا یصلح لتلاوۃ حروفہ کل لسان ولا لنیل معانیہ کل قلب۔
(ترجمہ ملا) پس قاری کو چاہئے کہ قرآن کی تلاوت کرنے سے پہلے اپنے قلب میں متکلم کی عظمت کا خوب استحضار کرے اور یہ سمجھے کہ جس کلام کی وہ قرارت کرنے جارہا ہے، وہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔
اور یہ بھی جاننے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت میں نہایت اہمیت ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے (کلام اللہ کے بارے میں) ارشاد فرمایا ہے کہ اسکو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں اور جس طرح کہ قرآن شریف کی ظاہری جلد اور اس کے ورق کو انسان کے ظاہری جسم سے بچایا گیا ہے مگر جبکہ طاہر و پاک ہو۔ اسی طرح اس کے باطنی معنیٰ کو بوجہ اس کی عزت اور جلالت شان کے قلب کے باطن سے محجوب رکھا گیا ہے مگر جبکہ وہ قلب ہر نجاست سے پاک اور نور تعظیم و توقیر سے منور ہو۔ اور جس طرح سے کہ جلد قرآن کو چھونے کی ہر ہاتھ صلاحیت نہیں رکھتا ویسے ہی اس کے حروف کی تلاوت کیلئے ہر زبان اہلیت نہیں رکھتی۔ اور اسی طرح ہر قلب اس کے معانی و معارف کو پانے کے لائق نہیں ہے۔
حضرت امام غزالیؒ نے جو تحریر فرمایا آپ نے سمجھ لیا۔ ایک بات امام ہی کی برکت سے یہ عرض کرتا ہوں کہ امام نے جو یہ فرمایا کہ ہر ہاتھ اس کو چھونیکی صلاحیت نہیں رکھتا اسی طرح ہر زبان اس کے حروف کی تلاوت کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اور ہر قلب اس کے حقائق کو حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے تو ٹھیک ہے مگر میں اس کو اس عنوان سے بیان کرتا ہوں کہ ہر ہاتھ اسکو چھونے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر جبکہ باوضو ہو اور اسی طرح ہر زبان اس کے تلاوت کی اہلیت رکھتی ہے مگر جب کہ دل میں ایمان ہو۔ منافقین کیطرح نہیں کہ زبان سے تو تلاوت کرتے تھے مگر دل میں ایمان نہ تھا، اس کی تکذیب کرتے تھے۔ ایسی تلاوت کا اعتبار نہیں۔ اور ہر قلب میں اللہ تعالیٰ نے معانی کو حاصل کرنیکی استعداد رکھی ہے مگر جبکہ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، ماسوی اللہ کوئی شئے مطلوب نہ ہو یعنی نیت خالص ہو۔ اسی طرح تلاوت ہی سے قلب میں جو نجاست و پلیدگی ہوگی وہ

زائل ہو جائے گی اور پاکی نصیب ہو گی اس لئے کہ ؎

ذکر حق پاک است چوں پاکی رسید ؛ رخت بربند د بروں آید پلید

اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک ہے اور جب کہیں پاکی پہونچتی ہے تو ناپاکی وہاں سے (بستر باندھ کر) رخصت ہو جاتی ہے۔

چوں برآمد نام پاک اندر دہاں ؛ نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

جس منہ سے نام پاک نکلتا رہے گا پھر نہ تو وہاں گندگی رہے گی اور نہ ہی وہ منہ پہلے جیسا منہ رہ جائے گا۔

تلاوت کلام اللہ سے قبل پاکی کا مطالبہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نجس شخص سے کہا جائے کہ پاک ہوکر دریا میں داخل ہو اس سے پہلے نہیں، تو جب قرآن پاک قلب کی صفائی اور اس کو ہر نجاست سے پاک کرنے ہی کیلئے نازل ہوا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَآ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کیطرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنیوالی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے) تو بغیر تلاوت ہی کے کیسے شفا اور پاکی حاصل ہو سکتی ہے اور اس سے پہلے نجاسات سے پاکی اور امراض قلب سے شفا کا مطالبہ کرنا کب مناسب ہو سکتا ہے۔

آگے امام فرماتے ہیں کہ:

ولمثل هٰذا التعظيم كان عكرمةؓ ابن ابی جهل اذا نشر المصحف غشی عليه ويقول هو كلام ربی هو كلام ربی۔ فتعظيم الكلام تعظيم المتكلم ولن تحضره عظمة المتكلم ما لم يتفكر فی صفاته وجلاله وافعاله (احیاء العلوم ج۱ ص۲۵۳)

(ترجمہ) اور اسی قسم کی تعظیم کیوجہ سے حضرت عکرمہؓ ابن ابی جہل جب قرآن پاک کھولتے تھے تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور بار بار یہ فرماتے تھے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے پس کلام کی تعظیم دراصل متکلم کی تعظیم ہے (یعنی متکلم کی تعظیم سے کلام میں

تعظیم پیدا ہو جاتی ہے) اور متکلم کی تعظیم کا استحضار ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اسکے صفات اور جلال وافعال میں تفکر نہ کیا جائے۔

ف :۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ بغیر صفات وافعال میں تفکر کے متکلم کی عظمت کا استحضار نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ تلاوت کلام اللہ بِنُوْرِ التَّعْظِیْمِ وَ التَّوْقِیْرِ سب مدارج کے حصول وتحصیل کا موجب ہے۔ تفکر کی صفت بھی اسی سے پیدا ہو جاتی ہے، خوب سمجھ لیجئے۔

قرآن پاک کی عظمت اور جلالت کو تقریب فہم کے لئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض عارفین کا کلام نقل کیا ہے کہ کلام اللہ کا ہر حرف لوح محفوظ میں جبل قاف[1] سے اعظم اور بڑا ہے۔ اگر تمام ملائکہ جمع ہو کر کسی ایک حرف کو اٹھانا چاہیں تو اٹھانے پر قادر نہیں ہو سکتے یہانتک کہ اسرافیل علیہ السلام جو ملک اللوح ہیں آتے ہیں اور آکر اس کو اللہ تعالیٰ کے اذن ورحمت اور انھیں کی قوت وطاقت سے اٹھا لیتے ہیں۔

اس سے قرآن پاک کی کس قدر عظمت معلوم ہوئی کہ اس قرآن کا عالم ملکوت[2] میں یہ درجہ ہے کہ اس کا ہر حرف کوہ قاف سے بھی بڑا ہے۔ یہ ایک محسوس مثال ہے جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور کلام اللہ کی عظمت کا قدرے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

عالم ربانی شیخ الاسلام والمسلمین امام محی الدین نووی رحؒ اپنی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں کہ :

"فصل" فی مسائل وآداب ینبغی للقاری الاعتناء بھا وھی کثیرۃ جداً نذکرمنھا اطرافا فاول مایومربہ الاخلاص فی قراءتہ ان یرید بہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ وان لا یقصد بھا توصلاً الی شیٔ سوی ذلک۔ وان یتأدب مع القرآن ویستحضر فی ذھنہ انہ یناجی اللہ سبحانہ وتعالیٰ

---

[1] کاکیشیا کے شمال کا مشہور پہاڑ۔ [2] عالم بالا

وَيَتلوكتابہٗ فيقرأ على حال من يرى الله فانہٗ ان لم يرہ فانّ الله تعالٰى يراہ ۔ (الاذکار للنوویؒ)

(ترجمہ) یہ فصل ان مسائل و آداب میں ہے جنکی طرف قاری کو اعتناء اور اہتمام کرنا چاہیئے اور یہ بہت زیادہ ہیں ان کے بعض کو ہم ذکر کرتے ہیں ۔ پس اول شئی جس کا قاری قرآن مامور ہے وہ قرارت میں اخلاص ہے اور یہ کہ اس سے (خالص) اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری شئی کے حاصل کرنیکا قصد نہ کرے ۔ اور یہ کہ قرآن پاک کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کرے اور (قرارت قرآن کے وقت) اس بات کا اپنے ذہن میں استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کتاب کی تلاوت کر رہا ہوں ۔ پس قرارت کے وقت ایسا حال پیدا کرے جس سے یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے ۔ جب یہ حال نہ پیدا ہو تو یہ تو ہو سکتا ہے (کہ سمجھے) کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں ۔

امام غزالیؒ کا کلام بہت ہی خوب تھا مگر علامہ نوویؒ کا مضمون بھی کچھ کم نہیں ۔ امام نوویؒ نے یہ فرمایا کہ تلاوتِ قرآن سے پہلے جس کا تالی مامور ہے وہ قرارت میں اخلاص ہے اور اخلاص یہ ہے کہ قرارت سے اللہ تعالیٰ مقصود ہوں اور اس کے سوا کسی دوسری شئی یعنی اغراض دنیویہ کا قصد نہ کرے اور قرآن کے ساتھ مؤدب ہو اور ذہن میں یہ حاضر کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہے اور اس کے کتاب کی تلاوت کر رہا ہے پس حال اس کا یہ ہو کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو وہ نہیں دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ تو اسکو دیکھ رہے ہیں ۔ یہ احسان کہلاتا ہے ۔ صلوٰۃ کے ساتھ احسان کو مختص سمجھا جاتا ہے مگر قرآن شریف کی تلاوت میں بھی امام نے اسکو خوب چسپاں کیا ۔ جزاهم الله تعالیٰ ۔

تقریب فہم کیلئے یہ بات بیان کرتا ہوں کہ حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجلس میں بعض لوگ اسطرح بیٹھتے ہیں کہ انکو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی، جب ایک مخلوق کی مجلس میں یہ حال ہو سکتا ہے تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ جو لوگ احسان و اخلاص کے ساتھ تلاوت کرتے ہونگے انکا کیا حال ہوتا ہوگا ۔

علمائے آخرت اور آداب باطنی

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور علامہ نوویؒ نے کتاب الاذکار اور التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں اس کے علاوہ اور بہت سے آداب تلاوت بیان فرمائے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان سب کو مستقل طور پر بیان کرونگا۔

اس اتنے بیان سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ علمائے امت کو اعمال میں اخلاص وصدق کا کس قدر اہتمام تھا کہ جس طرح احکام ظاہری کو مفصل بیان فرمایا ہے ویسے ہی آداب باطنی کو بھی تحریر فرمایا ہے تاکہ امت محض ظاہری آداب پر اکتفاء نہ کرے اور صرف رسوم ہی تک نہ رہ جائے بلکہ حقیقت اور روح تک پہنچے۔ علمائے آخرت نے ان آداب ومسائل کو بیان کرنے میں بڑی کاوش وجانفشانی کی ہے۔ جس طرح فقہاء نے کتاب وسنت سے احکام ومسائل کو مستنبط فرما کر کتب میں مدون فرمایا۔ اور امت پر احسان عظیم فرمایا ورنہ ہم لوگوں کو براہ راست کتاب وسنت سے مسائل معلوم کرنا بڑا ہی دشوار ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق سے ان حضرات نے اس امر کو انجام دیا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

اسی طرح علمائے باطن نے ہر عمل کے آداب باطنی کو بیان فرمایا۔ اور خوب خوب بیان فرمایا چنانچہ امام غزالیؒ نے نماز، روزہ کے آداب باطنی بیان فرمائے حج کے آداب باطنی بیان فرمائے اسی طرح تلاوت ودعا کے آداب باطنی بیان فرمائے ہیں اور اسی کا ثمرہ تھا کہ لوگ حقائق سے آشنا تھے۔ آداب باطنی کے عارف تھے۔ اب چونکہ یہ آداب بیان نہیں کئے جاتے اس لئے عام طور پر لوگ جاہل ہو گئے ہیں جانتے ہی نہیں کہ ان ظاہری آداب کے علاوہ قلب سے متعلق بھی آداب ہیں اسی بناء پر اگر کوئی مصلح اس کیطرف توجہ دلاتا ہے تو مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ رسوم سے نکال کر حقیقت تک پہنچانا چاہتا ہے۔ چونکہ عوام نے رسوم ہی کو دین سمجھ لیا ہے اس لئے انکو ناگوار ہوتا ہے

تو ناگوار ہوا کرے اس کیوجہ سے کوئی محقق و مصلح اپنا کام ترک نہ کردیگا۔ ایسے لوگوں کی تائید اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہوتی ہے۔ ایسوں سے جس نے بھی مقابلہ کیا مغلوب ہی ہوا ہے۔ اور اگر ایسے حضرات کو یہ مفسد ختم کرنا چاہیں تو ہرگز قادر نہیں ہوسکتے۔ ہمیشہ ہمیش اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے دین کی خدمت کرتے رہیں گے اور ہر زمانہ میں ناصحین کی ایک جماعت باقی رہے گی جیسا کہ الابداع میں ہے کہ:

عن الحسن انہٗ قال لن یزال للہِ نصحاء فی الارض من عبادہ یعرضون اعمال العباد علی کتاب اللہ فاذا وافقوہ حمدوا اللہ واذا خالفوہ عرفوا بکتاب اللہ ضلالۃ من ضل وھدی من اھتدیٰ فاولٰئک خلفاء اللہ

(الابداع فی مضار الابتداع ص۲۳)

(ترجمہ) یعنی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیشہ بندگان خدا میں سے زمین میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو کہ نصیحت کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش کرتے رہیں گے جب کتاب اللہ سے ان کے اعمال کو موافق پائیں گے تو اللہ تعالےٰ کی حمد کریں گے اور جب مخالف پائیں گے تو کتاب اللہ کے ذریعہ گمراہوں کی ضلالت کو اور ہدایت پانے والوں کی ہدایت کو پہچان لیں گے۔ یہی لوگ اللہ کے خلفاء ہوں گے۔

اور بخاری شریف میں یہ حدیث وارد ہے کہ:

لا یزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لا یضرھم من خذلھم ولا من عاداھم۔

(ترجمہ) میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جن کی (منجانب اللہ) نصرت ہوگی، جو لوگ انکی نصرت کو ترک کردیں گے اور ان سے عداوت کریں گے انکو مضر ثابت نہ ہوگی۔

اب سنئے امام غزالیؒ نے نماز کے ہر ہر رکن کے آداب بیان فرمائے ہیں ان میں کے بعض کو نقل کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ:

جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو اللہ کی عظمت و جلالت کو اپنے دل میں لاؤ اور

سوچو کہ کس ذات جلیل الشان سے مناجات کر رہے ہو اور یہ دیکھو کہ کس کیفیت میں مناجات کر رہے ہو اور اپنے پروردگار سے کیا چیز طلب کر رہے ہو۔

اس وقت چاہئے کہ تمہاری پیشانی پر شرمندگی سے پسینہ آجائے اور تمہارے فرائص عہ ہیبت کیوجہ سے کانپنے لگیں، اور تمہارا چہرہ شدتِ خوف کیوجہ سے زرد پڑ جائے اور جب اللہ اکبر کہو تو اس طرح زبان سے کہو کہ قلب اس کی تکذیب نہ کرے۔ یعنی جس طرح زبان سے اللہ تعالیٰ کو بڑا کہہ رہے ہو دل میں بھی یہ حال ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شئی سے بڑا سمجھ رہے ہو اور اگر تمہارے دل میں کوئی شئی اللہ تعالےٰ سے اکبر ہے تو اللہ تعالیٰ شہادت دیتے ہیں کہ تم کاذب ہو۔ اگرچہ یہ کلام یعنی اللہ اکبر صادق ہے جیساکہ منافقین کے اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (یعنی بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں) کہنے میں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاذب ہونیکی شہادت دی ہے۔ (اس لئے کہ یہ قول اگرچہ صحیح ہے مگر اس کے مطابق اعتقاد نہیں رکھتے تھے، قلب میں رسول اللہ ہونیکا انکار و جحود کرتے تھے اسلئے انکو کاذب فرمایا گیا۔)

اسی طرح جب اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہو تو یہ سمجھو کہ وہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور اس گھات میں لگا ہے کہ تمہارا دل اللہ تعالیٰ کیطرف سے پھیر دے، اور یہ اس لئے کرتا ہے کہ جب تم کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات و سرگوشی کر رہے ہو اور اس کے حضور میں سجدہ کر رہے ہو تو اسکو حسد ہوتا ہے کہ میں اسی ایک سجدہ کے نہ کرنے اور توفیق نہ ملنے کیوجہ سے ملعون و مردود ہو گیا (اور سنو) تمہارا استعاذہ[1] اس طور پر ہونا چاہئے کہ شیطان کے مالوفات[2] و محبوبات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو اختیار کرو۔ ورنہ تو محض زبان سے شیطان سے پناہ مانگنا (اور اس کے مرضی کے مطابق عمل کرنا) ایسا ہی ہے کہ کسی کے پیچھے درندہ ہو جو اس کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر دینا چاہتا ہو اور وہ شخص زبان سے

عہ فریصہ۔ پستان اور مونڈھے کے درمیان کا گوشت جو خوف کے وقت اچھلنے لگتا ہے ۱۲ (منہ)

لہ اعوذ باللہ پڑھنا۔ ۲ہ مرغوب اور پسندیدہ چیزیں۔ ۱۲

یہ کہے کہ میں تجھ سے بھاگ کر فلاں مضبوط قلعہ میں پناہ لینا چاہتا ہوں اور خود اسی جگہ پر کھڑا رہے تو محض یہ قول اس کو ہرگز نفع نہ دیگا جب تک کہ اپنی جگہ سے علیحدہ ہو کر قلعہ میں داخل نہ ہو جائے۔ اسی طرح جو شخص اپنی شہوات کا جو اللہ تعالے کی مرضی کے خلاف ہیں اور شیطان کو پسندیدہ ہیں اتباع کرتا ہے تو محض اس کا قول (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) کچھ نفع نہ دے گا۔ پس چاہئے کہ اس کے کہنے کے وقت یہ عزم ہو کہ شیطان کے شر سے نکل کر اللہ کے حصن و قلعہ میں پناہ لوں گا اور سنو اللہ تعالیٰ کا حصن کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اسلئے کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا جیساکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِی فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِی اٰمِنَ مِنْ عَذَابِی۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ میرا حصن ہے جو شخص میرے حصن میں داخل ہو جائیگا وہ میرے عذاب سے مامون ہو جائیگا۔ اور اس کلمہ کو حصن بنانے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہ ہو اور جس نے اپنی خواہش ہی کو معبود بنا لیا تو وہ شیطان کے میدان میں ہے، نہ کہ اللہ تعالے کے قلعہ میں۔

اسی طرح رکوع و سجود و قرارت سب کے آداب بیان فرمائے ہیں اگر آپ چاہیں تو احیاء العلوم کا مطالعہ کریں۔ اسی ضمن میں امام ؒ نے قرارت کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسم بیان فرمائی ہے۔ وھو ھذا

فاما القراءة فالناس فیها ثلثة رجل یحرك لسانه وقلبه غافلٌ۔ ورجلٌ یحرك لسانه وقلبه یتبع اللسان فیفهم ویسمع منه کانه یسمعه من غیره وهو درجة اصحاب الیمین ورجل یسبق قلبه الی المعانی اولاً ثم یخدم اللسان القلب فیترجمه ففرق بین ان یکون اللسان ترجمان القلب او یکون معلم القلب والمقربون لسانهم ترجمان یتبع القلب ولا یتبعه القلب۔

(ترجمہ):۔ بہر حال قرارت تو اس میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جس کی

زبان تو چل رہی ہے مگر قلب غافل ہے ۔ اور ایک وہ ہے کہ اس کی لسان حرکت کرتی ہے اور قلب اس کی اتباع کرتا ہے ۔ پس قلب سمجھتا ہے اور اس طرح سنتا ہے جیسے کسی دوسرے سے سنتا ہو اور یہ اصحاب الیمین کا درجہ ہے ۔ اور ایک وہ شخص ہے کہ اس کا قلب معانی کیطرف سبقت کرتا ہے پھر زبان قلب کی خادم بنکر قلب کی ترجمانی کرتی ہے تو اس میں کہ لسان قلب کی ترجمان ہو ۔ اور یہ کہ لسان قلب کی معلم ہو بہت ہی عظیم فرق ہے ۔ اور مقربین کی زبان ان کے قلب کی ترجمان اور اس کے تابع ہوتی ہے ۔ ایسا نہیں کہ ان کا قلب لسان کے تابع ہو ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کو جو درجات عالیہ ملتے ہیں وہ اسی قرارت سے ملتے ہیں ۔ جس کی جس درجہ کی قرارت ہوتی ہے اسی کے موافق اس کا درجہ عنداللہ ہوتا ہے اور اسی درجہ کا قرب اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے ۔ جیسا کہ مجدد الف ثانیؒ نے ارشاد فرمایا ہے ۔ فَمَرَاتِبُ الْقُرْبِ اِلَی اللّٰہِ مَنُوْطٌ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ ۔ یعنی قرب کے مراتب کا مدار تلاوتِ قرآن پر ہے ۔ دیکھئے پہلے قسم کے لوگ جو محض لسان سے قرارت کرتے ہیں دل غافل ہوتا ہے انکی قرارت لَا یُعْبَأُ بِہٖ (یعنی ناقابل اعتبار) کے درجہ میں ہے ۔ اس سے ان کو کوئی درجہ نہ ملا ۔ بلکہ مومن کی شان سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ ایسی قرارت کرے جس کا دل پر کوئی اثر نہ ہو ۔ اور دوسرے قسم کے لوگ جو کہ زبان سے قرارت کرتے ہیں اور دل بھی حاضر رہتا ہے انکو لسانِ شرع میں اصحابُ الیمین کہا گیا ۔ اور اس درجہ سے بڑا درجہ مقربین کا ہے وہ درجہ اسوقت ملتا ہے کہ پہلے قلب معانی کے سمجھنے کیطرف سبقت کرتا ہے پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ زبان قرارت کرنے لگتی ہے اور قلب کی ترجمانی کرتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ایسی قرارت کی توفیق عطا فرما دیں اور زمرۂ مقربین میں داخل فرمادیں ۔

ابتدائے کلام میں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ آگے احادیث و آثار پیش کرینگے تو اگرچہ ضمناً بہت سی روایتیں آگئیں تاہم احیاء العلوم اور مشکوٰۃ اور تبیان سے بھی مزید روایات نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن پاک اور حاملین قرآن کی مزید فضیلت معلوم ہو جائے ۔ نیز ایسی روایات بھی نقل کی جائیں گی جن میں (تلاوت میں) تقصیر کرنیوالوں کی مذمت وارد ہے ۔

قرآن اور حاملینِ قرآن ارشاداتِ نبویہؐ کی روشنی میں

(۱) قال صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن ثم رأی ان احدًا اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظمہ اللہ تعالیٰ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن کو پڑھا پھر بھی اس نے کسی کے متعلق یہ سمجھا کہ اس سے افضل چیز دیا گیا ہے تو اس نے چھوٹا سمجھا ایسی شئ کو جس کو اللہ تعالیٰ نے معظم بنایا ہے۔

(ف) اس سے کس قدر عظمت قرآن پاک کی معلوم ہوئی۔ مگر کس قدر دنارت[1] وخساست ان لوگوں کی ہے کہ قرآن پاکر بھی دنیا کی حقیر اشیاء کو افضل سمجھتے ہیں اور اس کی تحصیل میں نہ قرآن کی پرواکرتے ہیں اور نہ اس کے احکام کی۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے فیوض وبرکات سے کچھ حصہ ملا نہیں ہے اور ذرا بھی معرفت حاصل نہیں ہوئی ہے چونکہ ابتداء ہی سے نیت فاسد ہوتی ہے اور اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہی نہیں۔ اسی لئے ان لوگوں کی بھی نہ کوئی عزت ہے اور نہ قدر ومنزلت۔

(۲) وقال صلی اللہ علیہ وسلم ما من شفیع افضل منزلۃ عند اللہ تعالیٰ من القرآن لا نبی ولا ملک ولا غیرہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن سے افضل از روئے مرتبہ کے کوئی دوسرا شفیع نہیں ہے نہ نبی نہ فرشتہ اور نہ کوئی ان کے علاوہ۔

(ف) اس حدیث شریف سے بھی قرآن پاک کی انتہائی عظمت وجلالت معلوم ہوئی کہ سب سے بڑا شفیع قرآن پاک ہے اور یہ اسلئے کہ کلام صفت ہے اللہ تعالیٰ کی لہٰذا اسکی شفاعت درحقیقت ارحم الراحمین ہی کی شفاعت ہے اسلئے سب سے بڑھ کر اسی کا مرتبہ ہوگا۔

(۳) وقال صلی اللہ علیہ وسلم افضل عبادۃ امتی تلاوۃ القرآن (الجامع الصغیر للسیوطی عن نعمان بن بشیرؓ)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی سب سے افضل عبادت قرآن پاک کی تلاوت ہے۔

---

[1] کمینہ پن ورذالت

ف) اور رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (یعنی سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے) تو وہ تلاوت کلام اللہ کے علاوہ دوسرے اذکار کے اعتبار سے ہے۔ پس کلام اللہ کے تلاوت کی فضیلت حقیقی ہے اور کلمہ طیبہ کی اضافی۔

چنانچہ علامہ نوویؒ التبیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَاعلم ان مذھب الصحیح المختار الذی علیہ من یعتمد من العلماء ان قراءۃ القرآن افضل من التسبیح والتھلیل وغیرھما من الاذکار فقد تظاھرت الادلۃ علیٰ ذلک واللہ اعلم۔

(ترجمہ) جان لو کہ مذہب صحیح اور مختار جس پر معتمد علماء ہیں یہ ہے کہ قراءتِ قرآن تسبیح تہلیل اور اسکے علاوہ جملہ اذکار سے افضل ہے اور اس پر دلائل بکثرت وارد ہیں جو ایک دوسرے کو قوت پہونچا رہے ہیں۔ واللہ اعلم

(۴) وقال صلی اللہ علیہ وسلم ایضًا ان اللہ عزوجل قرأ طٰہٰ ولیٰسین قبل ان یخلق الخلق بالف عام فلما سمعت الملٰئکۃ القرآن قالت طوبیٰ لامۃ ینزل علیھم ھٰذا وطوبیٰ لاجواف یحمل ھٰذا وطوبیٰ لالسنۃ تنطق بھٰذا

(مشکوٰۃ۔ فضائل القرآن عن ابی ہریرۃ۔ وقال رواہ الدارمی)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے (سورہ) طٰہٰ ولیٰسین کی قراءت فرمائی۔ جب فرشتوں نے قرآن سنا تو کہا کہ مبارکباد ہو اس امت کے لئے جس پر یہ کلام نازل ہوگا اور خوشخبری ہے ان اجواف (اور سینوں) کیلئے جو اسکے حامل ہوں گے اور خوشخبری ہے ان زبانوں کے لئے جو اس کے ساتھ ناطق ہوں گی۔

(۵) وقال صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم مَنْ تعلّمَ القرآن وَعَلَّمَہٗ۔

(عن عثمان۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب فی ثواب قراءۃ القرآن۔ ابوداؤد ص۲۰۵)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کا بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھلایا۔

(۶) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقول اللہ سبحانہٗ تعالیٰ من شغلہ القرآن وذکری عن مسئلتی اعطیتہٗ افضل ما اعطی السائلین وفضل کلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ علیٰ سائر الکلام کفضل اللہ علیٰ خلقہ۔ رواہ الترمذی وقال حدیثٌ حسنٌ۔

(باب کیف کانت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد ۲، ص ۱۱۶)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن (کی قرارت) اور میرے ذکر نے مجھ سے سوال و دعا کرنے سے باز رکھا تو میں سوال اور دعا کرنے والوں کو جو چیزیں عطا کرتا ہوں ان میں سب سے بہتر چیز اسے دیتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا فضل دوسرے کلاموں پر ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر فضل ہے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)

(۷) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الذی لیس فی جوفہ شیٔ من القرآن کالبیت الخرب۔

(مشکوٰۃ۔ فضائل القرآن بحوالہ ترمذی و دارمی)

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے قلب میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں ہے وہ مثل ویران گھر کے ہے۔

صاحب مرقات اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ویرانی اس لئے ہے کہ قلوب کی آبادی ایمان اور تلاوت قرآن کی وجہ سے ہوتی ہے اور باطن کی رونق اعتقادات حقہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرنے سے ہوتی ہے اور قلب کا ان امور سے خالی ہونا ظاہر ہے کہ ویرانی و بے رونقی ہے۔

(۸) عن معاذ ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ القرآن وعمل بما فیہ البس اللہ والدیہ تاجا یوم القیامۃ ضوءہ احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا فما ظنکم بالذی عمل بھذا۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنائیں گے کہ اس کی روشنی اس دار دنیا کے آفتاب سے بہتر ہو گی۔ (جب اس کے والدین کو ایسا تاج اور رتبہ ملیگا) تو تمہارا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے

میں جس نے قرآن پر عمل کیا (یعنی اسکو کتنا چمکدار تاج پہنایا جائے گا اور کیسا کچھ مرتبہ ملیگا)

(۹) عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اقرؤا القرآن فان اللہ تعالیٰ لا یعذب قلبا وعی القرآن وان ھٰذا القرآن مأدبۃ اللہ فمن دخل فیہ فھو آمِنٌ ومن احبّ القرآن فلیبشر (التبیان)

(ترجمہ) عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھتے جاؤ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس قلب کو عذاب نہ دینگے جس نے قرآن کو محفوظ کرلیا (اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ) یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا خوان[1] ہے جو شخص اس میں داخل ہوا پس وہ مامون ہے اور جس نے قرآن سے محبت کی تو چاہئے کہ بشارت حاصل کرے

(۱۰) عن عبد اللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتّل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلك عند آخر آیۃ تقرأ ھا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، ابو داؤد کیف یستحب الترتیل فی القراءۃ۔ الصلوٰۃ ص۲)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجات میں) چڑھتا جا، اور ترتیل[2] کے ساتھ پڑھ جیساکہ تو ترتیل کے ساتھ دنیا میں پڑھتا تھا۔ اس لئے کہ تمہارا مقام وہیں ہے جہاں آخری آیت پڑھ کر فارغ ہوگے

قال صاحب المرقاۃ (یقال لصاحب القرآن) ای من یلازمہ بالتلاوۃ والعمل لا من یقرأ وھو یلعنہ۔
(مرقات ص $\frac{589}{2\ ج}$)

صاحب مرقاۃ نے فرمایا کہ صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو اسکی تلاوت برابر کرتا ہو اور اس پر عامل ہو، نہ وہ شخص جو قرآن کو اس طور پر پڑھتا ہو کہ خود قرآن اس پر لعنت کرتا ہو۔

---

[1] دسترخوان۔ [2] قرآن کے حروف کو مخارج سے ادا کرکے پڑھنا۔ ۱۲

(۱۱) قال صلے اللہ علیہ وسلم اھل القرآن اھل اللہ وخاصتہ۔
(الجامع الصغیر)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل قرآن اہل اللہ ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے خواص ہیں۔

ایک عام بداعتقادی اور اس کا ازالہ

دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اہل قرآن اللہ والے اور ان کے خواص ہیں مگر آپ اپنے اعتقاد کا جائزہ لیجئے۔ کیا آپ کا بھی یہی اعتقاد ہے؟ عام طور پر تو ولایت اور بزرگی کا ایک خاص نقشہ اذہان میں راسخ ہوگیا ہے اور ایک خاص قسم کے لوگوں کے ساتھ اسکو مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ علماء و اہل قرآن سے تو ولایت و بزرگی کا دور کا بھی واسطہ نہیں سمجھا جاتا۔ علامہ نووی رحؒ نے "التبیان" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ

عن الامامین الجلیلین ابی حنیفۃ والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال ان لم یکن العلمآء اولیآء فلیس للہ ولیؓ۔ (التبیان)

(ترجمہ) حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اگر علماء (عاملین) ہی اولیاء اللہ نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔

قرآن کی شفاعت

(۱۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال یجیئ صاحب القرآن یوم القیامۃ فیقول القرآن یا رب حلّہ فیلبس تاج الکرامۃ۔ ثم یقول یارب زدہ فیلبس حلۃ الکرامۃ۔ ثم یقول یارب رض عنہ فیرضی عنہ فیقال لہٗ اقرأ وارقأ ویزاد بکل اٰیۃ حسنۃ ھٰذا حدیثٌ صحیحٌ ۔ (ترمذی ص ۱۱۵ ج ۲)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا پڑھنے والا قیامت کے روز آئیگا تو قرآن یوں کہے گا کہ اے پروردگار اس کو جوڑا پہنا دیجئے۔ پس اس کو عزت کا تاج پہنا دیا جائے گا، پھر کہے گا اے پروردگار اور زیادہ پہنا دیجئے، پس اس کو عزت کا جوڑا پہنا دیا جائیگا۔ پھر کہے گا اے پروردگار اس سے خوش ہو جائیے پس اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے۔ پھر اس سے کہا جائیگا کہ قرآن پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے ایک ایک نیکی بڑھتی جائے گی۔

(**ف**):- اس حدیث شریف سے قرآن کی کتنی زبردست شفاعت اپنے قرارت کرنے والے کی معلوم ہوتی ہے۔ (اللّٰھم ارزقنا شفاعتہ یوم القیامۃ)

(۱۳) وقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم للہ اشد اذنا الی الرجل الحسن الصوت بالقراٰن یجھر بہ من صاحب القینۃ الی قینتہ (ابن ماجۃ)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ البتہ اللہ تعالیٰ اس خوش الحان شخص کیطرف جو بلند آواز سے قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہو اس سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں کان لگاتے ہیں جتنا کہ کوئی شخص اپنی گانے والی باندی کیطرف کان لگاتا ہے۔

(**ف**):- ہر متکلم کو اپنے کلام کیطرف دوسروں کی رغبت و توجہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جہاد اکبر لوگوں کو سنا رہے اور سمجھا رہے ہیں تو اس سے بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی تلاوت اور اس کی رغبت کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

جملہ امراضِ قلبی و جسمانی کی شفاء

(۱۴) قال صلے اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن
القرآن ھو الدواء۔ دوا ہے۔

(الجامع الصغیر)

فیض القدیر جو الجامع الصغیر کی نہایت عمدہ اور معتبر شرح ہے اس سے اس حدیث کی بقدر ضرورت شرح لکھتا ہوں۔

(القرآن هو الدواء) ای من الامراض الروحانية كالاعتقادات الفاسدة فی الالٰهيات والنبوة والمعاد وكالاخلاق المذمومة وفيه اوضح بيان لانواعها وحث على اجتنابها۔

ومن الامراض الجسمانيه بالتبرك بقراءته عليها لكن مع الاخلاص وفراغ القلب من الاغيار واقباله على الله بكليته وعدم تناول الحرام وعدم الآثام واستيلاء الغفلة على القلب فقراءة من هذا حاله مبرئ للامراض وان اعيت الاطباء ولهذا قال بعض الائمة متى تخلف الشفاء فهو اما لضعف تاثير الفاعل اولعدم قبول المحل المنفعل۔ او لمانع قوی يمنع تخلفه ان ينجع فيه الدواء كما تكون فی الادوية الحسية شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (ونُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ) قال الاكثر من جنسية لا تبعيضية فالقرآن هو الشفاء التام من جميع الادواء القلبية و البدنية لكن لا يحسن التداوی به الا الموفقون ولله حكمة بالغة فی اخفاء سر التداوی به عن نفوس اكثر العالمين كما له حكمةٌ بالغةٌ فی اخفاء كنوز الارض عنهم۔ (فيض القدير ص۵۳۶ ج۴)

(ترجمہ) (قرآن دوا ہے) امراض روحانیہ کے لئے مثلاً الٰہیات[ع] و نبوت اور معاد[عہ] کے بارے میں فاسد اعتقادات اور جیسے اخلاق مذمومہ اور اس قرآن میں امراض روحانیہ کے تمام اقسام کا واضح بیان ہے۔ اور اس سے بچنے کی ترغیب اور تحضیض ہے۔

اسی طرح سے یہ قرآن امراض جسمانیہ (کی بھی دوا ہے) بایں طور کہ اس کو پڑھ کر کے ان امراض پر دم کر دیا جائے اور اس سے برکت حاصل کی جاوے لیکن شرط یہ ہے کہ اخلاص سے ہو اور اغیار سے دل خالی کر کے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف پورے طور پر توجہ

ع اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات۔ عہ عالم آخرت۔ ۱۲

کے ساتھ ہو۔ حرام کا تناول اور معاصی میں ابتلاء اور قلب پر غفلت کا غلبہ نہ ہو۔ جس شخص کا یہ حال ہوگا اس کی قرارت جملہ امراض سے شفا بخشنے والی ہے اگرچہ ان امراض کے علاج سے اطباء عاجز ہو چکے ہوں۔ اسی لئے بعض اماموں نے فرمایا ہے کہ جب کبھی شفا نہ ہو تو اس کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ فاعل کی تاثیر میں ضعف ہے یا خود تاثیر قبول کرنے والے میں قبولیت کی صلاحیت مفقود ہے یا پھر اور کوئی بڑا مانع ہے جس کی وجہ سے دوا اثر نہیں کر رہی ہے جیسا کہ حسی ادویہ میں ہوا کرتا ہے۔ یہ قرآن سینوں (کے امراض) کے لئے شفاء ہے۔" اور ہم اس میں ایسی ایسی آیات نازل کر رہے ہیں جو شفاء ہیں۔" اکثر علماء کہتے ہیں کہ اس آیت میں مِنْ کا لفظ تبعیضیہ نہیں ہے (یعنی یہ بعضیت کے معنیٰ نہیں دیتا) بلکہ جنس کے معنیٰ میں ہے (پس مطلب یہ ہوگا کہ) قرآن تمام امراض قلبیہ وجسمانیہ کیلئے کامل شفاء ہے، مگر قرآن سے علاج کرنا انھیں لوگوں کو راس آتا ہے جو موفق[1] ہیں، اکثر اہل دنیا سے اس قرآن کے ذریعہ علاج کے راز کو مخفی کر دینے میں اللہ تعالیٰ کی بہت زبردست حکمت ہے جیسا کہ زمین کے خزانوں کو ان سے مخفی رکھنے میں حکمت بالغہ و کاملہ ہے۔

سبحان اللہ کیا خوب حدیث شریف ہے اور علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے کیسی عمدہ شرح فرمائی کہ قرآن پاک کی تلاوت جملہ امراضِ قلبیہ وجسمانیہ کے لئے شفاء ہے مگر جب کہ اخلاص سے ہو، اغیار سے دل خالی ہو، اللہ تعالیٰ کیطرف پوری توجہ ہو۔ اگر آج اس طرح تلاوت کرنیکا اہتمام کیا جاوے تو دیکھئے کامیابی ہوتی ہے یا نہیں؟ احادیث میں جو وعدے ہیں وہ سب درست ہیں قصور ہمارا ہی ہے۔ ہمارے ہی اعتقاد و اخلاص میں بہت کمی ہو گئی ہے اسلئے کچھ ملتا نہیں۔

نَعُوْذُ[2] بِاللّٰہِ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَادِ۔

ماہرِ قرآن کی تعریف

(۱۵) عَنْ عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] توفیقِ الٰہی سے سرفراز شخص۔ [2] بداعتقادی سے خدا کی پناہ۔ ۱۲

الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذی یقرأ القرآن ویتعتع فیہ وھو علیہ شاقٌ لہٗ اجران۔ (مشکوٰۃ فضائل القرآن بحوالہ بخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن میں ماہر ہے وہ رسل و ملائکہ کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کو پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے تو اسکے لئے دوہرا اجر ہے۔

دیکھئے اس حدیث سے قراءت قرآن کی کیسی فضیلت ثابت ہوئی کہ جو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کو اس طرح پڑھنا دشوار معلوم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ ایک اجر کے بجائے دو دو اجر عطا فرماتے ہیں اور جو تجوید کے ساتھ پڑھتا ہے اور اس کے علوم کا عالم ہے اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے وہ تو انبیاء مرسلین و ملائکہ مقربین کی سلک میں منسلک ہوگا۔ اور ان حضرات کے زمرہ[1] میں محشور[2] ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے احکام الٰہیہ اور آیات قرآنیہ کو مومنین تک پہونچایا اسی طرح ماہر بالقرآن بھی کرتا ہے کہ اس میں مہارت حاصل کرکے اور اس کی تلاوت کرکے دوسروں کو بھی مستفید کرتا ہے۔

ماہر بالقرآن کے متعلق علامہ طیبی وغیرہ سے صاحب مرقات نے بہت عمدہ کلام نقل فرمایا ہے، اسکو بعینہٖ درج کرتا ہوں۔

وقال الطیبی وھو الکامل الحفظ الذی لا یتوقف فی القراءۃ ولا یشق علیہ قال الجعبری فی وصف ائمۃ القراءۃ کل من اتقن حفظ القرآن وادمن درسہ واحکم تجوید الفاظہ وعلم مبادیہ ومقاطعہ وضبط روایۃ قراءتہ وفہم وجوہ اعرابہ ولغاتہ ووقف علی حقیقۃ اشتقاقہ وتصریفہ ورسخ فی ناسخہ ومنسوخہ واخذ حظا وافرا

---

[1] جماعت۔ [2] قیامت میں اٹھایا جائے گا۔

من تفسیرہ وتاویلہ وصان نقلہ عن الرای وتجافی عن مقائس العربیۃ و وسعتہ السنۃ وجللہ الوقار وغمرہ الحیاء وکان عدلاً متیقظاً ورعاً معرضاً عن الدنیا مقبلاً الی الاٰخرۃ قریباً من اللہ فھوالامام الذی یرجع الیہ ویعول علیہ ویقتدی باقوالہ ویھتدی بافعالہ۔

(مرقات ص۵۷۶ ج۲)

(ترجمہ) :۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ ماہراسکو کہتے ہیں جو حفظ میں کامل ہواور قرارت میں رکتا اور اٹکتا نہ ہو اور نہ یہ اس پر دشوار ہو (یعنی بے تکلف قرارت کرتا ہو) علامہ جعیری ائمہ قرارت کے وصف میں فرماتے ہیں کہ ماہر ہر وہ شخص ہے جس نے حفظ کو نہایت مستحکم کرلیا اور اس کی تلاوت پر مداوم[۱] ہو اس کے الفاظ کی تجوید کو خوب درست کئے ہوئے ہو۔ اس کے مبادی و مقاطع کا علم رکھتا ہو (یعنی کہاں سے ابتدار ہو اور کہاں وقف کیا جائے ان سب کو بخوبی جانتا ہو) اس کے قرارت کی روایت سے واقف ہو وجوہ اعراب اور اختلاف لغات کو خوب سمجھتا ہو، حقیقتِ اشتقاق اور کلمات کی تصریفات[۲] کو جانتا ہو۔ اور اس کے ناسخ و منسوخ کا بھی خوب علم ہو، نیز آیات قرآنیہ کی تفسیر اور تاویل سے اس کو حظِ وافر حاصل ہو۔ اس کی نقل رائے سے محفوظ ہو، عربیت کے قیاسات سے بعید ہو اور سنت اس کا احاطہ کئے ہوئے ہو اور حیا کی چادر اور وقار کا جھول اس پر پڑا ہو، عادل ہو، متیقظ و بیدار مغز ہو اور پرہیزگار ہو، دنیا سے اعراض کرنے والا ہو، اور آخرت کی جانب توجہ کرنے والا ہو۔ پس (جو ان صفات سے متصف ہو) وہ ایسا امام ہے کہ اس کیطرف رجوع اور اس پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ایسے ہی شخص کے اقوال کی اقتدار اور اس کے افعال سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

باعتبار تلاوت انسانوں کے چار درجات اور انکی تشبیہ

(۱۶) عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المؤمن

---

[۱] پابندی کرنیوالا۔ [۲] یعنی عربی زبان کے نحوی صرفی قواعد سے بخوبی واقف ہو۔ ۱۲

الـذی یقرأ القرآن مثل الاترجۃ ریحھا طیبٌ وطعمھا طیبٌ۔ ومثل المؤمن الـذی لایقرأ القرآن مثل التمرۃ لاریح لھا وطعمھا حلوٌ۔ ومثل المنافق الـذی لایقرأ القرآن کمثل الحنظلۃ لیس لھا ریحٌ وطعمھا مُرٌّ۔ ومثل المنافق الـذی یقرأ القرآن مثل الریحانۃ ریحھا طیبٌ وطعمھا مُرٌّ۔ (متفق علیہ)

وفی روایۃٍ المومن الـذی یقرأ القرآن ویعمل بہ کالاترجۃ و المؤمن الـذی لا یقرأ القرآن ویعمل بہ کالتمرۃ (مشکوٰۃ)

(ترجمہ) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس مومن کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے مانند نارنگی کے ہے جسکی خوشبو بھی اچھی اور مزہ بھی عمدہ ہے۔ اور اس مومن کی مثال جو قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتا تمرہ (چھوہارے) جیسی ہے کہ خوشبو اس میں مطلقاً نہیں مگر مزہ شیریں ہے۔ اور مثال اس منافق کی جو قرآن نہیں پڑھتا مانند حنظلہ یعنی اندرائن کے ہے کہ اس میں خوشبو بھی نہیں ہوتی اور اس کا مزہ بھی تلخ ہوتا ہے۔ اور مثال اس منافق کی جو قرآن پڑھتا ہے مانند ریحانہ یعنی تُلسی کے ہے کہ اس کی خوشبو اگرچہ اچھی ہوتی ہے مگر مزہ نہایت کڑوا ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ مومن جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے اسکی مثال نارنگی جیسی ہے۔ اور جو مومن قرارت نہیں کرتا مگر اس کے اوپر عمل کرتا ہے تو اس کی مثال تمرہ کی سی ہے۔

قاریِ قرآن کی نارنگی سے وجہِ تشبیہ

صاحب مرقاۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ اترج، والترجہ ترنج، وترنجہ۔ مشہور پھل ہے (یعنی نارنگی) اور پھلوں میں عرب کے نزدیک سب سے عمدہ پھل ہے اس لئے کہ اس کا ظاہری رنگ بھی نہایت خوشنما

یعنی تیز زرد (تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ) دیکھنے والوں کو سرور بخشتا ہے (اور یہ جو فرمایا کہ خوشبو بھی نہایت عمدہ اور مزہ بھی نہایت لطیف) تو ابن ملک کہتے ہیں کہ نارنگی کی خوبی اور عمدگی یہ ہے کہ منہ کو خوشبودار کر دیتی ہے، معدہ میں صفائی پیدا کرتی ہے اور قوتِ ہاضمہ بڑھاتی ہے۔ ان فوائد کے علاوہ بھی بہت سے فوائد ہیں جو کتبِ طب میں مذکور ہیں۔

حدیث شریف کی شرح فرمانے کے بعد صاحب مرقاۃ تحریر فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جس مکان میں نارنگی ہوتی ہے وہاں جن کا گذر نہیں ہوتا۔ تو اس سے قاریٔ قرآن کو نارنگی سے تشبیہ دینے کی حکمت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی جس طرح گھر میں نارنگی کے رہنے سے جن اس گھر میں نہیں ٹھہر سکتے اسی طرح جو قراءتِ قرآن کرتا ہے اس کے قریب بھی جن وغیرہ نہیں جا سکتے اور جس گھر میں قراءتِ قرآن ہوتی ہے اس میں بھی جنوں کا داخلہ نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ گھر اس کے اہل پر وسیع ہو جاتا ہے اور خیر و برکت زیادہ ہو جاتی ہے۔ ملائکہ اس گھر میں داخل ہو جاتے ہیں اور شیاطین نکل جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے پھلوں سے جو تشبیہ دی ہے وہ نہایت ہی بلیغ ہے ایسی کہ اس سے بہتر تشبیہ نہیں ہو سکتی اور نبی کے علاوہ کوئی ایسی تشبیہ و تمثیل پر قادر ہی نہیں ہو سکتا۔

اب سنئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں تلاوت کے اعتبار سے انسانوں کے چار درجے قائم فرمائے ہیں۔

پہلا درجہ تو اس مومن باعمل کا ہے جو تلاوت کلام اللہ کرتا ہے اور اسکی قراءت ظاہر سے بھی ہوتی ہے اور باطن سے بھی یعنی یہ شخص لسان سے تو قراءت کرتا ہی ہے دل سے اس کے مضامین واحکام کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے کلام اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ یہی اس کی باطنی تلاوت ہے اور ایسا اس لئے ہوتا ہے

کہ مومن کے لئے جس طرح ایک زبان منہ میں ہوتی ہے اسی طرح ایک زبان اس کے قلب میں بھی ہوتی ہے۔ اور اس کی یہ ظاہری لسان اسی قلبی لسان کی ترجمان ہوتی ہے۔ بخلاف منافق کے کہ اس کا قلب زبان پر ہوتا ہے (یعنی اس کے بس زبان ہی زبان ہوتی ہے، دل گویا ہوتا ہی نہیں)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مومن قاری کی تشبیہ نارنگی سے دی ہے جس کا ظاہر بھی خوش رنگ اور خوشبودار ہوتا ہے اور باطن بھی نہایت خوش ذائقہ۔ گویا اپنے مزے اور رنگ کے اعتبار سے خود کامل ہے اور اپنی خوشبو کا فیض چونکہ دوسروں کو بھی پہونچاتا ہے اس لئے مکمِّل ہے۔

دوسرا درجہ اس مؤمن عامل کا ہے جو تلاوت کلام اللہ نہیں کرتا تو اس کو حدیث شریف میں تمرہ (چھوہارے) سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی مزہ تو اس کا شیریں ہے مگر خوشبو اس میں کچھ نہیں تمرہ سے مثال دینے میں اس کی مدح بھی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس کے ایک نقص کا بھی بیان ہے اس طور پر کہ اگرچہ اس نے اپنے باطن کو قرآن کے احکام پر عمل کر کے آراستہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے اس کو عمل کی حلاوت اور لذت تو نصیب ہے مگر تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے قرآن شریف کی خوشبو سے وہ محروم ہے اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے مومن کی تشبیہ تمرہ سے دی کہ باطن کے اعتبار سے تو طیب ہے مگر خوشبو سے جو کہ تلاوت ہی سے ملا کرتی ہے خالی ہے۔

قاریٔ قرآن میں خوشبو کا ہونا اور غیر قاری کا اس سے محروم رہنا بایں وجہ ہے کہ خوشبو تلاوت ہی کا اثر و برکت ہے اور اسی کا ثمرہ و نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو ثمرہ مخصوص کسی شئے کا ہوتا ہے وہ بدون اس شئ کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ جو برکت جس عمل کی ہوگی ظاہر ہے کہ جب وہ عمل نہ کیا جائیگا تو وہ برکت کیسے نصیب ہوگی؟

جیسے نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کے جو برکات ہیں وہ ان اعمال کے کرنے

ہی سے حاصل ہوں گے۔ اسی طرح تلاوت کے بھی برکات ہیں جو تلاوت کرنے والے ہی کو نصیب ہوتے ہیں اور وہ لوگ محسوس کرتے ہیں اس باب میں انھیں حضرات کا قول معتبر ہے سب کا نہیں۔ مَنْ لَّمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے کسی چیز کو چکھا نہیں اُسے اس کی لذت کی کیا خبر؟)

غرض جو مؤمن احکامِ قرآن پر تو عامل ہے مگر اس کی تلاوت کا تارک ہے تو وہ اس اعتبار سے بلاشبہ پہلے درجہ والے سے کم ہے اور اس نقص و کمی کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے درجہ والا شخص کامل تو ہے ہی مکمِّل بھی ہے۔ اور دوسرے درجہ والا کامل تو ہے مگر مکمل نہیں۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی مشک کا ڈبہ ہو مگر اس پر ڈاٹ خوب مضبوط لگی ہو، مہر بند ہو تو وہ خوشبو کی چیز سے تو لبریز ہے مگر منہ کے بند ہونیکی وجہ سے دوسروں کو اسکی خوشبو نہیں پہونچتی۔ بخلاف اس مؤمن عامل کے جو کہ قاری قرآن بھی ہے کہ اس کی مثال اس ڈبہ جیسی ہے جو مشک سے بھرا ہوا اور منہ بھی اس کا کھلا ہوا ہو۔ جس کی وجہ سے اس کی خوشبو چھوٹتی ہو اور دوسروں تک پہونچتی ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ایسے دو شخصوں کی یہی مثال آئی ہے۔ ہم یہاں وہ حدیث اور اس کی شرح مرقاۃ سے نقل کرتے ہیں۔

قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم تعلموا القرآن فاقرأوہ فان مثل القرآن لمن تعلم فقرأ و قام بہ کمثل جراب محشو مسکا تفوح ریحہ کل مکان۔ ومثل من تعلمہ فرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب اوکی علے مسک۔ (مشکوٰۃ۔ عن ابی ہریرۃ۔ فضائل القرآن)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اسکی تلاوت کرو، اسلئے کہ قرآن کی مثال اس شخص کے اعتبار سے جو اسکو سیکھے اور نماز میں اسکو پڑھے اور اس پر عمل کرے ایسی ہے جیسے کوئی مشکیزہ مشک سے پُر ہو جس سے اس کی خوشبو نکل نکل کر تمام جگہ کو معطر کر رہی ہو اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا تو ہے مگر اپنے سینہ میں لیکر اس کو سو رہا (یعنی اسکی تلاوت دن ورات کے اوقات میں نہ کی) ایسی ہے جیسے مشک سے

بھرا سھیلا ہو اور اوپر سے باندھ دیا گیا ہو (ظاہر ہے کہ اس کی خوشبو باہر کیسے پھیل سکتی ہے)۔
اس قول کی وضاحت فرماتے ہوئے علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ:

من قرأ یصل برکتہ منہ الیٰ بیتہ والی السامعین ویحصل استراحۃ وثواب الیٰ حیث یصل صوتہ فھو کجراب مملو من المسك اذا فتح راسہ تصل رائحتہ الیٰ کل مکان حولہ۔ ومن تعلم القرآن ولم یقرأ لم یصل برکتہ منہ لا الیٰ نفسہ ولا الیٰ غیرہ فیکون کجراب مشد ود راسہ وفیہ مسك فلا یصل رائحتہ منہ الیٰ احد۔ (مرقاۃ ص۵۹۶ ج۲)

(ترجمہ) مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کی قراءت کرتا ہے اس کی برکت قاری سے متجاوز ہو کر اس کے گھر اور سامعین کو پہونچتی ہے اور جہاں تک اس کی آواز جاتی ہے اس سے استراحت اور ثواب حاصل ہوتا ہے۔ پس وہ اس مشکیزہ کے مثل ہے جو کہ مشک سے بھرا ہوا ہو کہ جب اس کا منہ کھولا جاتا ہے تو اس کی خوشبو ارد گرد تمام پہونچتی ہے اور جس نے کہ قرآن سیکھا اور قراءت نہ کی اس کی برکت نہ تو اس کے نفس کو پہونچتی ہے اور نہ ہی اس کے غیر کو۔ وہ مثل بند مشکیزے کے ہے جس میں مشک ہو کہ اس کی خوشبو سے کوئی منتفع نہیں ہو پاتا۔

دیکھئے کس قدر وضاحت کے ساتھ ان دونوں کا فرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذہن نشین فرما دیا کہ قرآن کو مشک سے تشبیہ دی اور مومن کو اس ڈبہ اور مشکیزہ سے جو مشک سے پُر ہو اور اس کی قراءت کو مشک والے مشکیزہ کے منہ کھلنے سے تشبیہ دی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تلاوت جو کرے گا تو اسکی برکتیں خود اسکو بھی ملیں گی اور دوسرے بھی اس سے فیضیاب ہوں گے، اور اگر نہ کریگا تو خود بھی خوشبو سے محروم رہے گا اور دوسروں کو بھی محروم رکھے گا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قاری جب تلاوت کرتا ہے تو خود بھی محظوظ ہوتا ہے اور دوسرے سننے والوں کو بھی بے خود بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

نغمۂ سرمدی سنا کے ہمیں ⁂ مست و بیخود بنا دیا کس نے

بلاشبہ کلام اللہ نغمۂ سرمدی ہی ہے اور اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کیوجہ سے اس کا مصداق ہے کہ ؎

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد ٭ برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنیٰ را

(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر بینوں کے جان و دل کو اپنے خوشنما رنگ سے شگفتہ و تازہ رکھتی ہے اور اہل حقیقت کے قلب و روح کو اپنی دل آویز خوشبو سے معطر رکھتی ہے)

اور جیسا کہ کسی شاعر نے اپنے ممدوح کے متعلق کہا ہے کہ ؎

كَاَنَّكُمْ شَجَرُ الْاُتْرُجِّ طَابَ مَعًا ٭ حَمْلًا وَنَوْرًا وَطَابَ الْعُوْدُ وَالْوَرَقُ

(یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نارنگی کے درخت ہو جو سراپا اچھا ہی اچھا ہے کہ پھل بھی اس کا خوبصورت کلیاں بھی اس کی بارونق، حتیٰ کہ لکڑی اور پتے بھی اس کے نہایت ہی حسین ہوتے ہیں)

اسی طرح کلام پاک کے الفاظ، اس کے معانی و نقوش سبھی دل کے لئے جاذب اور لبھانے والے ہیں، اس کے نقوش کو دیکھنے ہی سے دل میں نور و سرور پیدا ہوتا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ٭ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

(سر سے پیر تک جہاں کہیں بھی تم کو دیکھتا ہوں کرشمۂ حسن دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہ جگہ بھی دیکھنے کی ہے)

بہر حال مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہوا کہ تلاوت کا شریعت میں ایک بڑا رتبہ ہے اور یہ مومن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ خوب سمجھ لیجئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حدیث کی شرح

اب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حدیث کی شرح ایک مصری عالم مولانا عبدالعزیز خولی رحمہ اللہ کی کتاب "الادب النبوی" سے نقل کرتا ہوں تاکہ مزید علم و بصیرت کا موجب ہو۔

وھو ھٰذا:

ولقد مثّل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی ھٰذا الحدیث لاربعۃ

اصناف من النّاس لهم صلة بالقرآن و باعتباره كتابا ينتمون اليه ويومنون به ولوايمانًا ظاهرًا فاولهم شخص اوفريق ملأ الايمان قلبه وفاض علىٰ جوارحه فهو بالله موقن وبرسوله مومن وبكتابه مصدّق وبدينه عاملٌ جعل لنفسه حظًّا من القرآن يتلوه آناء الليل فى تهجده اومضجعه اوجالسًا علىٰ فراشه اومكتبه. ويتلوه فى ساعات النهار قائمًا وقاعدًا اوراكعًا وساجدًا كلما سنحت له فرصة لقراءته انتهزها حتّٰى لا يغفل قلبه عن ذكر اللهِ فتخطفه الشياطين وتضله عن سواء السبيل وليست قراءته من طرف لسانه وشفته وشدقه وحنجرته بل قلبه الذى يقرأ ولبه الذى يردده ولذلك اثمرت الخشية والهداية وانتجت العمل والاستقامة فهٰذا امثله الرسول صلى الله عليه وسلم بالاترجة ذات الطعم اللذيذ والرائحة الطيبة فان بلوته واختبرته وعاشرته وعاملته لم تجد الا امرأً وفيًا برًا تقيًا يقدس الحق تقديسًا ويشنأ الباطل مشنأً وان شممته فرائحته طيبة ذكية عبقة تحي القلوب وتعشر النفوس وتزكى العقول وكيف لا يكون كذلك وهى نفحة القرآن ومسكه الذى انبعث من لسانه الرطب المعطر وقلبه الحى المطهر۔

وثانيهم شخص اوفريق بالقرآن مومن وباحكامه عاملٌ وبارشاده مهتدٍ وباخلاقه متخلق ولاكن لم يؤت القرآن تلاوةً وحفظًا وان اوتيه تطبيقا وعملاً فهٰذا كالتمرة حلوالطعم لذيذه طيب الخلق جميله صادق النية حسن الطوية اما الرائحة فمفقودة اذ لم يتطيب بمسك القرآن وان غسل قلبه بماء السلسبيل ومثّله فى عمله الجميل۔

وثالثهم فاجر اومنافق ليس له من الايمان الا اسمه ولا من الدين الارسمه يقرأ القرآن وقد يجيد حفظه ويُتقن طرقه ويعرف قراءاته توقيع الفاظه ونغماته ولكن لا تجاوز التلاوة حنجرته ولا تعدو ترقوته

فان بلوته تکشف لك عن قلب اسود وفواد مظلم وخلق مر وعمل ضر و هذا مثله الرسول صلے اللہ علیه وسلم بالریحانة وان شممت فر ائحة ذکیة وان ذقت فمرارة لذعة كذلك هذا یقرأ القرآن فتستریح له النفوس کما تستریح للروائح العطرة ولكن قلبه ونفسه منطویان علی السوء تذوق مرارته وتحس قذارته ان عاشرته او عاملته ومثل هذا الاثر للقرآن فی نفسه لان فجوره ونفاقه ختم علی قلبه فلاتؤثر فیه نصیحة ولا تنجح معه موعظة ۔

ورابعهم منافق اوفاجر لاصلة له بالقرآن لا علما ولا عملا ولا تلاوة وحفظا وهذا اشبهه الرسول صلے اللہ علیه وسلم بالحنظلة لاریح لها وطعمها مر بشع كذلك هذا یحمل نفسا خلقت من الفجور ونبتت فی النفاق ان تذوقها الناس آذت السنتهم ودنست نفوسهم ولا یشم منه خیر اذ حرم من طیب الطیوب وعطر العطور کتاب اللہ جلاء العیون وشرح الصدور وحیات النفوس وطب القلوب وشنف الآذان وسراج الالباب تلك هی الاصناف الاربعة التی تعرض لها الرسول صلے اللہ علیه وسلم بالبیان والتمثیل فیاتری فی ایها وضعت نفسك ظنی ان تکون المؤمن المخلص والقاری المتدبر والعامل الورع ۔

(الادب النبوی ص۱۹۱)

(ترجمہ) جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان چار قسم کے لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق قرآن شریف سے ہے اور جو اس کتاب کو مانتے ہیں اور اس کی وجہ سے اس کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ ظاہری طور پر سہی۔ ان میں سے پہلا وہ شخص یا جماعت ہے جس کا قلب ایمان سے لبریز ہو یہاں تک کہ اس کا فیضان جوارح پر بھی ہو گیا ہو (یعنی اندر سے باہر آ گیا ہو) پس وہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کی کتاب کی تصدیق

کرتا ہے اور اس کے دین پر عامل ہے اس نے اپنے لئے قرآن شریف سے بھی ایک حصہ
مقرر کر لیا ہے جس کو اپنے تہجد میں رات کی ساعات میں تلاوت کرتا ہے، یا خوابگاہ میں
پڑھا کرتا ہے گھر پر یا مدرسہ میں بیٹھے بیٹھے پڑھا کرتا ہے نیز اس کو دن کے اوقات میں بھی کھڑے
بیٹھے اور رکوع و سجدہ کی حالت میں غرضیکہ جب جب اس کو موقع ملتا ہے اس کی تلاوت
کو غنیمت شمار کرتا ہے تاکہ اس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونے پائے کہ شیاطین
اس کو اچک لیں اور سیدھی راہ سے گمراہ کر دیں پھر یہ کہ اس کی یہ قرأت محض زبان کے
کنارہ اور ہونٹوں اور جبڑوں اور صرف حلق ہی سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا قلب پڑھتا ہے
اور اسکی عقل اس کا تکرار کرتی ہے اسلئے وہ خشیت اور ہدایت کی مثمر اور عمل اور استقامت
کی منتج (نتیجہ دینے والی) ہوتی ہے۔یہی وہ قرأت ہے جس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے نارنگی سے دی ہے جو کہ مزہ میں لذیذ اور خوشبو میں نہایت نفیس ہوتی ہے۔اگر تم اس
اس شخص کو (جو ایسی تلاوت کرتا ہے) آزماؤ اور اس کے ساتھ معاشرت رکھو اور کوئی معاملہ
کر دو تو اسکو ایک مرد وفا شعار نیک و متقی اور حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے والا پاؤ گے اور سونگھو
گے تو نہایت عمدہ اور بہترین خوشبو والا پاؤ گے (ایسی خوشبو) جو کہ قلب کو زندہ کر دے اور
نفوس کو حیات بخشے اور عقلوں کو ذکی بنا دے۔اور کیوں نہ ہو یہ ہے بھی تو قرآن کریم کی خوشبو
اور اس کا وہ مشک جو اس شخص کی ایسی زبان سے نکلا ہے جو تر اور معطر ہے اور اس کے
ایسے قلب سے جو زندہ اور مطہر ہے۔

دوسرا ان میں سے وہ شخص یا فریق ہے جو قرآن شریف پر ایمان بھی رکھتا ہے اور
اس کے احکام پر عامل بھی ہے اور اس کی رہنمائی سے ہدایت یافتہ بھی ہے اور اس کے
اخلاق سے متخلق بھی ہے لیکن نہ تو قرآن کی تلاوت اسے نصیب ہے اور نہ اس کا حفظ ہی
اس کو نصیب ہے (یعنی نہ تو قرآن ہی اس کو حفظ ہے اور نہ وہ اس کی تلاوت ہی کرتا ہے)
بجز اس کی آیت کی تطبیق اور اس پر عمل کرنا اس کو نصیب ہے (یعنی اس کو اس امر کی
توفیق حاصل ہے کہ وہ اپنے جمیع احوال کو قرآن کریم سے مطابق کئے ہوئے ہے یعنی اپنے

متصف، آراستہ ۔ ۳

عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب چیزوں کو قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق اور موافق رکھتا ہے اس طرح پر گویا اس کا پورا عامل ہے) پس یہ شخص تو مزے میں مثل تمرہ (چھوہارے) کے ہے کہ شیریں اور لذیذ ہے نہایت پاکیزہ اور عمدہ اخلاق والا ہے صادق النیۃ اور باطن کا نہایت اچھا ہے مگر خوشبو اس کے اندر مطلقاً نہیں ہے یہ اسلئے کہ قرآن کی خوشبو (یعنی تلاوت) کے ساتھ وہ معطر نہیں ہوا۔ اگرچہ اس نے اپنے قلب کو قرآن کے ماء سلسبیل[1] سے دھویا ہے اور اس کو اپنے عمل جمیل میں معمول (اور نمونہ) بھی بنالیا ہے۔

تیسرا ان میں سے وہ فاجر یا منافق ہے جس میں ایمان کا صرف نام ہی نام ہے دینی امور سے سوائے رسوم کے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اسکو خوب پختہ یاد کئے ہوئے ہے اور اس کے جملہ طرق کی مشق کئے ہوئے ہے اور اس کی قراءتوں سے واقف ہے اس کے الفاظ کی توقیع یعنی خوب جما کر پڑھنے کو اور اس کے لہجوں کو بخوبی جانتا ہے مگر تلاوت اسکے گلے اور حلق کے نیچے نہیں اترتی۔ اگر تم اس کا امتحان لو تو تم کو سیاہ دل تاریک قلب، برے اخلاق، موذی اعمال ظاہر ہوں گے اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ سے دی ہے جو نہایت عمدہ خوشبو اور چکھو تو ایسی کڑواہٹ جس سے زبان ہی اینٹھ جائے۔ اسی طرح یہ شخص ہے کہ قرآن پڑھتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو لطف تو حاصل ہوتا ہے جس طرح سے کہ عمدہ خوشبو سے راحت ملتی ہے لیکن اس کا قلب اور نفس دونوں برائیوں میں لپٹے ہوئے ہیں جس کی کڑواہٹ تم اس سے معاملہ کرنے یا معاشرت رکھنے پر چکھ سکتے ہو اور اس کی گندگی محسوس کر سکتے ہو اور اس جیسے شخص کے نفس میں قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کا فسق ونفاق اسکے قلب پر مہر لگادیتا ہے۔ پس نہ تو کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور نہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی وعظ ہی نافع ہوتا ہے۔

اور چوتھا وہ شخص منافق یا فاجر ہے جس کا تعلق قرآن شریف سے مطلقاً نہ ہو۔ نہ علماً نہ عملاً نہ تلاوۃً نہ حفظاً۔ اس شخص کی تشبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ سے

---

[1] خوشگوار پانی۔ ۱۲

ہے کہ نہ تو اس میں خوشبو ہے اور مزہ بھی اس کا نہایت بھکٹا ہوتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے کہ یہ ایک ایسا نفس رکھتا ہے جو فسق و فجور کا مجسّمہ ہے اور نفاق میں بڑھا ہوا ہے۔ اگر لوگ اس کو چکھیں تو انکی زبانیں تکلیف محسوس کریں ان کے نفوس خراب ہو جائیں اس سے کسی قسم کی بھلائی نہیں دیکھی اور سونگھی جا سکتی ہے اس لئے کہ سب خوشبوؤں سے بڑھ کر جو خوشبو ہے اور سارے عطروں کا جو عطر ہے یہ شخص اسی سے محروم ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی کتاب جو آنکھوں کی روشنی اور سینوں کا انشراح نفوس کی حیات، قلوب کی تازگی، کانوں کا زیور اور عقول کا چراغ ہے۔ یہی کل چار قسمیں ہیں جن کے بیان اور تمثیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعرض فرمایا ہے۔ پس اے مخاطب کاش تم دیکھتے کہ تم نے اپنے کو ان چاروں صنفوں میں سے کس میں داخل کیا ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ تم مومن مخلص قاری متدبر اور عامل پرہیزگار ہو گے۔

آثارِ صحابہ قرآن وحاملین قرآن سے متعلق

(۱) ـــــ قال ابو امامۃ الباھلی اقرأوا القرآن ولا تغرنکم ھـٰذہ المصاحف المعلقۃ فان اللہ لا یعذب قلباً ھو وعاء للقرآن (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی قرارت کیا کرو یہ مصاحف جو معلق ہیں تم کو ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالیں اس لئے کہ اللہ تعالےٰ اس قلب کو عذاب نہ دیں گے جو کہ قرآن کا ظرف ہو گا۔

(۲) ـــــ وقال ابن مسعودؓ اذا اردتم العلم فانثروا القرآن فان فیہ علم الاولین والأخرین۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب تم علم حاصل کرنے کا ارادہ کرو تو قرآن پاک کا نشر کرو (اور پڑھو) اس لئے کہ اس میں اولین وآخرین سب کا علم ہے۔

(۳) ـــــ وقال ایضاً لا یسأل احدکم عن نفسہ الا القرآن فان کان یحب القرآن ویعجبہ فھو یحب اللہ سبحانہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کان یبغض القرآن فھو یبغض اللہ سبحانہ ورسول اللہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) نیز فرمایا کہ تم میں کا کوئی اپنے نفس سے سوائے قرآن کے اور کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ پس اگر قرآن سے محبت کرتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ اور اگر قرآن کو مبغوض رکھتا ہے تو وہ اللہ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بغض رکھتا ہے۔

(۴) ـــــ وقال عمرو بن العاصؓ کل آیۃ فی القرآن درجۃ فی الجنۃ ومصباح فی بیوتکم۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ قرآن کی ہر آیت جنت میں ایک درجہ ہے اور تمہارے گھروں میں چراغ ہے۔

(۵) ——— وقال ایضًا من قرأ القرآن فقد ادرجت النبوۃ بین جنبیہ الا انہ لا یوحٰی الیہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) نیز فرمایا کہ جس نے قرآن کی قرارت کی تو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان نبوت داخل کر دی گئی مگر یہ کہ اس کیطرف وحی نہیں آئیگی (اس لئے کہ اس کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے)۔

آسیب وجنات کے تسلّط کا علاج

(۶) ——— وقال ابو هريرة ان البيت الذى يتلى فيه القرآن اتسع باهله وكثر خيره وحضرت الملائكة وخرجت منه الشياطين وان البيت الذى لا يتلى فيه كتاب الله عزوجل ضاق باهله وقل خيره وخرجت منه الملائكة وحضرته الشياطين۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ گھر اس کے اہل پر وسیع ہو جاتا ہے اس میں خیر کثیر ہو جاتا ہے اور فرشتے داخل ہوتے ہیں اور شیاطین نکل جاتے ہیں۔ اور وہ گھر جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے تو وہ اپنے اہل پر تنگ ہو جاتا ہے اور خیر کم ہو جاتا ہے، ملائکہ نکل جاتے ہیں اور شیاطین کی آمد و رفت ہو جاتی ہے۔

(ف) آج عام طور پر لوگ آسیب و جنات کی شکایت کرتے ہیں، روزانہ خطوط آتے ہیں کہ فلاں کو آسیب لگا ہے اور فلاں پر جن سوار ہے، اور ہمارے گھروں پر شیاطین و جنات کا تسلط ہے۔ پریشان ہیں مگر ان تعلیمات کیطرف توجہ نہیں کرتے کہ جس گھر میں تلاوت کلام اللہ ہوتی ہے اس میں شیاطین کا گذر نہیں ہو سکتا۔ گھر میں وسعت و خیر و برکت ہوتی ہے۔ جانتے ہیں؟ یہ لوگ کیوں تعلیمات

لونہیں لیتے وجہ یہ ہے کہ بڑے ہوشیار لوگ ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ سب کرنے میں محنت ومشقت برداشت کرنی ہوگی۔ تقویٰ وطہارت کا اہتمام کرنا ہوگا۔ کون ان سب امور میں مشغول ہو۔ لاؤ پیر سے تعویذ لے لو وہی سب کام بنادیگی۔ یہ لوگ پیر اس لئے نہیں بناتے ہیں کہ دین سیکھیں اور اللہ تعالیٰ کا طریق معلوم کریں اور احکامِ الٰہیہ پر عمل کریں بلکہ اسلئے کہ دنیوی امور میں ہماری مدد کریں آسیب اتاریں، جنات نکالیں، نیز اور جس کام میں عاجز ہوتے ہیں تو وہ سب پیر صاحب کریں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو اب لکھدیتا ہوں کہ میں تعویذ گنڈہ نہیں جانتا کسی دوسرے کے یہاں رجوع کرو۔ یہ اس لئے کرتا ہوں کہ جب یہ لوگ بداعتقاد ہوگئے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو نہیں مانتے تو پھر انکی رعایت ہمارے ذمہ لازم نہیں رہی۔ یہ جب خدا کے اور رسول کے نہیں تو ہم کو ان سے کیا واسطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کا اتباع کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔ پھر جب کوئی مصیبت آئے تو ہم دل وجان سے شریک ہیں اور جو بھی ممکن صورت سہولت کی ہوگی ہم اختیار کریں گے تاکہ پریشانی دور ہو۔

(۷) ـــــ وقال احمد بن حنبل رأیت اللہ فی المنام فقلت یا رب ما افضل ما تقرب بہ المتقربون الیك قال بکلامی یا احمد قال قلت یا رب بفہم او بغیر فہم قال بفہم و بغیر فہم۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ یارب جن چیزوں سے مقربین نے آپ کا قرب حاصل کیا ہے۔ ان میں سے افضل کون سی چیز ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اے احمد وہ میرا کلام ہے۔ میں نے کہا سمجھ کر یا بلا سمجھے تو فرمایا کہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

(۸) ـــــ قال محمد بن کعب القرظی اذا سمع الناس القرآن من اللہ عزوجل یوم القیامۃ فکانہم لم یسمعوہ قط۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) محمد ابن کعب قرظیؒ نے فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ سے قرآن کو قیامت کے

روز سنیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا قرآن پاک کو کبھی سنا ہی نہیں تھا۔

(۹) ــــ قال الفضیل بن عیاض ینبغی لحامل القرآن ان لا یکون لہٗ الی احد حاجۃ ولا الی الخلفاء فمن دونہم فینبغی ان تکون حوائج الخلق الیہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت فضیل ابن عیاض نے فرمایا کہ حامل قرآن کیلئے مناسب ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ نہ تو خلفاء کا اور نہ ان کے غیر کا۔ بلکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ لوگوں کی ضروریات خود حامل قرآن کے ساتھ متعلق ہوں۔

(۱۰) وقال ایضًا حامل القرآن حامل رایۃ الاسلام فلا ینبغی ان یلھو مع من یلھو ولا یسہو مع من یسہو ولا یلغو مع من یلغو تعظیمًا لحق القرآن۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) اور حضرت فضیل ابن عیاض ہی نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن کا حامل اسلام کا علمبردار ہے۔ اس کے لئے حق قرآن کی تعظیم کیوجہ سے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ لہو ولعب کرنے والوں کے ساتھ لہو ولعب میں مشغول ہو اور سہو (غفلت) کرنیوالوں کے ساتھ وہ بھی سہو کرے اور جن لغویات میں لوگ مشغول ہیں وہ بھی مشغول ہو۔

(۱۱) ــــ وقال سفیان الثوری اذا قرأ الرجل القرآن قبلہ الملک بین عینیہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی قرارت قرآن کرتا ہے تو فرشتے اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی) کو بوسہ دیتے ہیں۔

(۱۲) ــــ وقال عمر ابن میمونؒ من نشر مصحفًا حین یصلی الصبح فقرأ منہ مأۃ اٰیۃ رفع اللہ عزوجل لہٗ عمل جمیع اھل الدنیا۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت عمر ابن میمونؒ نے فرمایا کہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد جس شخص نے قرآن پاک کھولا اور سو آیت تلاوت کی تو تمام اہل دنیا کے عمل کے برابر اللہ تعالیٰ اس کے لئے عمل کو رفع فرماویں گے (یعنی اٹھاویں گے)

(۱۳) ـــــ يروى ان خالدؓ بن عقبة جاء الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال اقرأ على القرآن فقرء عليه (إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى الاية) فقال له اعد فاعاد - فقال والله ان له حلاوة وان عليه لطلاوة وان اسفله لمورق وان اعلاه لمثمر وما يقول هذا بشر - (احیاء العلوم)

(ترجمہ) مروی ہے کہ خالد ابن عقبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ مجھ پر قرآن کی قرارت کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى الاية پوری آیت کو پڑھا تو خالد ابن عقبہ نے کہا کہ پھر اس کو پڑھ دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ قرآت فرمادی - حضرت خالد نے سن کر کہا کہ بیشک اس کے اندر بڑی مٹھاس ہے اور اس کے اوپر بڑی رونق وبہار ہے اور اس کا نچلا حصہ پتوں والا اور اوپر کا حصہ پھلدار ہے اور اس کلام کو کوئی بشر نہیں کہہ سکتا -

(**ف**) :- دیکھئے خالد ابن عقبہ کیسا ذوق رکھتے تھے کہ ایک آیت کو سنکر یہ فیصلہ کردیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہوسکتا - اور کوئی بشر قادر نہیں ہے کہ ایسا کلام کرسکے بیشک یہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہے -

(۱۴) ـــــ وقال القاسم ابن عبد الرحمٰن قلت لبعض النساك ما ههنا احد تستانس به فمد يده الى المصحف ووضعه على حجره وقال هذا - (احیاء العلوم)

(ترجمہ) قاسم ابن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے ایک عابد سے کہا کہ یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جس سے آپ اُنس حاصل کریں تو انھوں نے اپنا ہاتھ قرآن پاک کی جانب بڑھادیا اور اپنی گود میں اس کو رکھ کر فرمایا کہ (میرا مُونس تو) یہ ہے (جس سے انس حاصل کرتا ہوں)

(**ف**) سُبحان اللہ کیا عمدہ جواب دیا - قاریٔ قرآن خدا سے ہم کلام ہوتا ہے اور

ربّ العالمین سے مناجات کرتا ہے تو پھر اس سے بڑھ کر اُنس کی کیا چیز ہو سکتی ہے۔

(۱۵) ـــــــ وقال علی ابن طالب رضی اللہ عنہ ثلاث یزدن فی الحفظ و یذھبن البلغم۔ السّواک، والصیام وقراءۃ القرآن۔ (احیاء العلوم ج ۱)

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں حفظ کو زیادہ کرتی ہیں اور بلغم کو زائل کرتی ہیں۔ مسواک، روزہ رکھنا، قرآن کی قرارت کرنا۔

ان احادیث و آثار سے قرآن پاک کی کس قدر فضلیت معلوم ہوئی۔ مگر یہ سب فضائل اسی صورت میں ہیں جبکہ تلاوت ایمان و اعتقاد سے ہو اور اخلاص سے ہو، نفاق سے اور سرسری نہ ہو۔ اسلئے کہ اگر تلاوت محض لسان سے ہے قلب پر اس کا ذرا اثر نہیں اور اس کے احکام پر عمل نہیں تو ایسی قرارت کرنیوالا ہرگز ان فضائل کے پانے کا مستحق نہیں ہے بلکہ ایسی قرارت کرنیوالے کی مذمت احادیث و آثار میں کثرت سے وارد ہے۔ جیساکہ پہلے ضمناً معلوم ہو چکا ہے۔ مگر اب اور روایات نقل کی جاتی ہیں تاکہ مزید علم کا موجب ہو۔

احادیث و آثار تلاوت سے غفلت برتنے والوں کی مذمت میں

(۱) عن جابرؓ قال خرج علینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرؤا فکل حسن وسیجیٔ اقوامٌ یقیمونہٗ کما یقام القدح ویتعجلونہ ولا یتاجلونہ۔ (مشکوٰۃ شریف)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں ہمارے پاس تشریف لائے کہ ہم سب لوگ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور ہم میں دیہاتی لوگ اور اہلِ عجم بھی تھے (جوکہ اپنے اپنے لہجوں میں قرارت کر رہے تھے) آپ نے فرمایا کہ پڑھے جاؤ سب ٹھیک ہے عنقریب ایک قوم ایسی آئیگی جو اس کے الفاظ کو اس طرح درست

کرے گی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے (اور ان کا حال یہ ہوگا) کہ اس سے نفع دنیوی چاہیں گے اور آخرت کے ثواب کا قصد نہ کریں گے۔

اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ:

(فقال اقرؤا فکل حسن) ای فکل واحدۃ من قراءتکم حسنۃ مرجوۃ للثواب اذا اٰثرتم الاٰجلۃ علی العاجلۃ ولا علیکم ان لا تقیموا السنتکم اقامۃ القدح وھو السھم قبل ان یراش۔

(وسیجئ اقوام یقیمونہ) ای یصلحون الفاظہ وکلماتہ ویتکلفون فی مراعاۃ مخارجہ وصفاتہ (کما یقام القدح) ای یبالغون فی عمل القراءۃ کمال المبالغۃ لاجل الریاء والسمعۃ والمباھاۃ والشھرۃ۔

قال الطیبی وفی الحدیث رفع الحرج وبناء الامر علی المساھلۃ فی الظاھر وتحری الحسبۃ والاخلاص فی العمل والتفکر فی معانی القرآن الخوض فی عجائب امرہ۔ (یتعجلونہ) ای ثوابہ فی الدنیا (ولا یتأجلونہ) بطلب الاجر فی العقبیٰ بل یوثرون العاجلۃ علی الاٰجلۃ ویتاکلون ولا یتوکلون۔ (مرقات)

(ترجمہ) (فَکُلٌّ حَسَنٌ) یعنی تم میں سے ہر ایک کی قرأت ٹھیک ہے سب پر ثواب کی امید ہے مگر جب آخرت کو دنیا پر ترجیح دو (یعنی مقصود قرارت سے آخرت کا ثواب ہو دنیا مقصود نہ ہو) اور اگر تم لوگ اپنی زبان کو تیر کیطرح سیدھی نہ کرو تو کچھ ملامت نہیں ہے اور قدح تیر کی لکڑی کو کہتے ہیں جس میں ابھی پر نہ لگا ہو۔

(وَسَیَجِیءُ اَقْوَامٌ یُقِیْمُوْنَہٗ) کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کے الفاظ اور کلمات کی اصلاح کریں گے اور مخارج وصفات کی رعایت اس طرح تکلف سے کرینگے جیسا کہ تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ یعنی قرارت میں انتہائی مبالغہ کریں گے اور غرض (ان تمام سے) ریاء وسمعہ اور مباہات (نام ونمود، فخر) اور شہرت ہوگی۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ فوائد ہیں کہ امت سے حرج مرفوع ہے اور امر کی بناء ظاہر میں سہولت پر ہے اور عمل میں ثواب کی طلب اور اخلاص ہونا چاہیئے۔ قرآن

کے معانی میں تفکر اور اس کے عجائب میں غور و خوض کرنا چاہئے۔

(یتعجلونہ) اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا بدلہ دنیا ہی میں چاہیں گے۔ آخرت میں اس کے اجر و ثواب کو طلب نہ کریں گے۔ بلکہ دنیا ہی کو آخرت پر ترجیح دینگے، اس سے تاکل کرینگے (یعنی ذریعۂ معاش بنالیں گے) توکل نہ اختیار کریں گے۔

اس حدیث سے کس قدر مذمت ان قراء کی معلوم ہوئی جو کہ اغراض دنیویہ کی تحصیل کیلئے قراءت کرتے ہیں اور اسی نیت سے تجوید و تصحیح حروف کرتے ہیں۔ یہ لوگ مخلص نہیں ہیں اور اس مرتبہ عظمیٰ کے پانیکے مستحق نہیں ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصحیح حروف اور تجوید کلمات کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ اس پر مذمت فرمائی کہ ان لوگوں نے امر مہم یعنی آخرت کے اجر و ثواب کو ترک کر دیا اور ظاہر ہی کو کافی سمجھ لیا۔ ایسے لوگ اب بہت ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ کے لوگوں کا حال حضور نے بطور پیشین گوئی کے فرمایا وہ یہی زمانہ تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

منافقین عملی کے اوصاف

دوسری حدیث سنئے!

(۲) اکثر منافقی امتی قراءھا یعنی میری امت کے اکثر منافقین قراء ہوں گے۔

(جامع الصغیر عن ابن عمرو بحوالہ مسند احمد، طبرانی فی الکبیر، بیہقی فی شعب الایمان وغیر ذالک)

صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں کہ:

ای انھم یحفظون القرآن نفیا للتھمۃ عن انفسھم وھم معتقدون تضییعہ وکان المنافقون فی عصرہ صلے اللہ علیہ وسلم بھذہ الصفۃ۔

(ترجمہ) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی ذات سے تہمت کی نفی کیلئے قرآن پاک کا حفظ کریں گے اور ان کا یہ حال ہوگا کہ قرآن کے ضائع کر دینے کے معتقد ہوں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین اسی قسم کے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں منافقین سے مراد "اعتقادی" ہی نہیں ہیں بلکہ منافقین عملی بھی ہیں۔ ان لوگوں کی شان یہ ہوگی کہ قرآن کی قرأت نہایت خوش الحانی سے کریں گے اور تجوید کلمات سے واقف بھی ہونگے، مگر حال یہ ہوگا کہ ان کی قرارت گلے سے تجاوز نہ کرے گی اور دل پر ذرا اثر نہ ہوگا اور نہ اثر لینے کا ارادہ ہی کرینگے بلکہ انکی غرض محض ریار وسمعہ اور شہرت ہوگی۔ اسی کو ذریعۂ معاش بنالیں گے۔ آخرت کے ثواب کی نیت ہی نہ ہوگی۔ ایسے ہی قرار کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "ریحانہ" سے دی ہے۔ اور ایسی قرارت کرنے والے کو منافق فرمایا ہے۔

اس زمانہ میں اس قسم کے لوگ کثرت سے موجود ہیں ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ محض علم تجوید حاصل کرلینے اور زبان کو درست کرلینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ خشوع وخضوع اور تاثر کا ذرا ارادہ نہیں کرتے۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ الفوز الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

عارفے گفتہ است کہ از اں باز کہ قواعد تجوید را مردماں یاد گرفتند از خشوع در تلاوت باز ماندند

(یعنی ایک عارف نے کہا ہے کہ جب سے لوگوں نے تجوید کے قواعد کو یاد کرلیا اسی وقت سے تلاوت میں خشوع کو چھوڑ دیا ہے)

(۳) شرار الناس فاسق قرأ كتاب الله وتفقه في دين الله ثم بذل نفسه لفاجر اذا انشط تفكه بقراءته ومحادثته فيطبع الله تعالىٰ على قلب القارى والمستمع۔ (طحطاوی علی الدر صفحہ ۳/۱۷)

(ترجمہ) لوگوں میں سب سے بدترین شخص وہ فاسق ہے کہ کتاب اللہ کو پڑھا اور اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا پھر اس نے اپنے نفس کو (اغراض دنیویہ کی خاطر) فاجر کے ہاتھ بیچدیا اس فاسق کو جب نشاط ہوتا ہے تو اس کی قرارت سے اور اس کے کلام سے تفکہ اور لطف حاصل کرتا ہے (جیسے کہ اغنیار کھانا کھانے کے بعد پھل فروٹ سے تفکہ کرتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتوں سے دل بہلاتے ہیں) تو اللہ تعالے ایسے قاری اور سامع دونوں کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں (اور پھر اثر نہیں ہوتا)

قال انس بن مالك رُبّ تالٍ للقرآن والقرآن یلعنہٗ۔ (احیاء العلوم)

ترجمہ) حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ بہت سے قرآن کی تلاوت کرنیوالے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

۴) قال میسرۃ الغریب ھو القرآن فی جوف الفاجر (احیاء العلوم) حضرت میسرہؓ فرماتے ہیں کہ قرآن فاجر کے قلب میں غریب یعنی اجنبی اور بیگانہ رہے۔

۵) قال بعض العلماء ان العبد لیتلو القرآن فیلعن نفسہ وھو لا یعلم۔ یقول الا لعنۃ اللہ علی الظالمین وھو ظالم نفسہٗ۔ الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین وھو منھم۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بندہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور اپنے نفس پر لعنت بھیجتا ہے اور اس کو وہ جانتا بھی نہیں (مثلاً) کہتا ہے کہ (ظالمین پر خدا کی لعنت ہے) اور وہ خود ظالم ہوتا ہے (اسی طرح یہ کہتا ہے کہ) کاذبین پر خدا کی لعنت ہے اور خود وہ کاذب ہوتا ہے (اس طرح وہ اپنے نفس پر لعنت کرتا ہے)

۶) قال الحسن اتخذتم قراءۃ القرآن مراحل وجعلتم اللیل جملاً فانتم ترکبونہ فتقطعون بہ مراحلہ وان من کان قبلکم رأوہ رسائل من ربھم فکانوا یتدبرونھا باللیل وینفذونھا بالنھار۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے قراءتِ قرآن کو مراحلؑ بنالیا ہے اور رات کو اونٹ بنالیا ہے پس اس پر سوار ہوکر مراحل کو طے کرتے ہو اور تم سے پہلے کے لوگ (ایسے نہیں تھے وہ) قرآن کو اپنے پروردگار کی جانب سے رسائلؑ سمجھتے تھے تو اس کو رات میں سمجھتے تھے اور دن میں اسکو نافذ کرتے تھے (یعنی عمل کرتے تھے)

۷) قال ابن مسعودؓ انزل القرآن علیھم لیعملوا بہ فاتخذوا دراستہ عملاً ان احدکم لیقرأ القرآن من فاتحتہ الی خاتمتہ ما یسقط منہ حرفاً وقد اسقط العمل بہ۔ (احیاء العلوم)

؏ منزلیں۔ ؏ خط و پیغام

(ترجمہ) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے کہ لوگ اس پر عمل کریں۔ پس ان لوگوں نے یہ کیا کہ اس کے پڑھنے پڑھانے ہی کو عمل کے قائم مقام قرار دے لیا اور اب یہ حال ہے کہ تم میں کا ایک شخص شروع سے آخر تک اس طرح پڑھ جاتا ہے کہ ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا لیکن اس پر عمل کو بالکل ہی چھوڑے رہتا ہے۔

(۸) وفی حدیث ابن عمر وحدیث جندب رضی اللہ عنہما عشنا دھراً طویلاً واحدنا یؤتی الایمان قبل القرآن فتنزل السورۃ علیٰ محمد صلے اللہ علیہ وسلم فیتعلم حلالھا وحرامھا وآمرھا وزاجرھا وماینبغی ان یقف عندہ منھا ثم لقد رأیت رجالاً یوتی احدھم القرآن قبل الایمان فیقرأ مابین فاتحۃ الکتاب الیٰ خاتمتہ لا یدری ما آمرہ ولازاجرہ و لا ماینبغی ان یقف عندہ منہ ینثرہ نثرالدقل۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت ابن عمر اور حضرت جندب رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ہم نے ایک مدت اس حال میں گذاری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص کو قرآن سے پہلے ایمان ملتا تھا پھر کوئی سورہ حضور پرنور صلے اللہ پر نازل ہوتی تھی تب وہ (ایمان کے تقاضے سے) اس سورۃ کے حلال وحرام کو معلوم کرتا تھا اور اس کے اوامر ونواہی معلوم کرتا تھا۔ اور یہ بھی معلوم کرتا تھا کہ کہاں توقف کرنا مناسب ہے۔ اب میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جنکو ایمان تو ابھی نہیں ملا لیکن قرآن مل گیا تو ایک شخص سورۂ فاتحہ سے لیکر ختم قرآن تک پڑھ جاتا ہے مگر اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ قرآن اسے کس بات کا حکم کر رہا ہے اور کس بات سے منع کر رہا ہے اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ کہاں توقف کرنا چاہئے، بس قرآن کو ردی کھجوروں کیطرح بکھیرتا چلا جاتا ہے۔

یعنی جس طرح ردی کھجور کو آدمی دیر تک منہ میں نہیں لئے رہتا اس لئے کہ اس میں کوئی مزہ ومٹھاس نہیں پاتا۔ اسی طرح قرآن سے ذرا لطف وحظ جس کے قلب کو نہیں ملا رہتا اور دل میں کچھ تاثر نہیں رہتا وہ زبان سے فرفر پڑھتا چلا جاتا ہے۔ ذرا غور نہیں کرتا کہ کس کے کلام کی تلاوت کر رہا ہے۔ اس لئے اس کی قرارت نہایت پھیکی اور بے لطف معلوم ہوتی ہے۔ نہ خود اس کو کوئی حلاوت ملتی ہے اور

۔ سامعین ہی کو۔

ذرا اس پر غور فرمائیے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جندبؓ اپنا مشاہدہ بیان
فرمارہے ہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں کہ شروع سے آخر تک قرآن پڑھ جاتے
ہیں اور اس کے احکام پر اصلاً غور نہیں کرتے۔ اور یہ بھی فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ
قرآن ایمان سے پہلے ہی دیدیئے گئے ہیں قرات کررہے ہیں مگر ایمان ندارد یہ کتنی
بڑی بات فرمائی۔ حالانکہ حضور کے عہد مبارک سے بہت ہی قریب کا زمانہ تھا
تاہم اس قدر تفاوت احوال میں ہوگیا تھا تو اب کے زمانہ کے لوگوں کے حال کا پوچھنا
ہی کیا ہے۔ میں لوگوں کے حالات دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ اگرچہ قرات وغیرہ کررہے
ہیں مگر ایمان ضعیف اور تصدیق نہایت کمزور معلوم ہوتی ہے ورنہ تلاوت انہیں
کہاں سے کہاں پہونچا دیتی، ضرور بالضرور ان لوگوں کی تلاوت نفاقی اور سرسری
ہوتی ہے۔ اب حضرت ابن عمرو جندب رضی اللہ عنہما کے فرمانے سے تقویت ہوئی اور
بات خوب سمجھ میں آئی اور اب علی الاعلان اس بات کو کہہ سکتا ہوں۔

قرآن سے بے اعتنائی پر ایک ضرب کاری

(۹) وقد ورد فی التورٰة یا عبدی اما تستحی منی یاتیک کتاب من بعض
اخوانک وانت فی الطریق تمشی فتعدل عن الطریق وتقعد لاجلہ وتقرأہ
وتتدبرہٗ حرفاً حرفاً حتّٰی لا یفوتک شئ منہ وھٰذا کتابی انزلتہ
الیک انظر کم فصّلت لک فیہ من القول وکم کررت علیک فیہ لتتامل
طولہٗ وعرضہٗ ثم انت معرضٌ عنہ افکنتُ اھون علیک من بعض اخوانک
یا عبدی یقعد الیک بعض اخوانک فتقبل علیہ بکل وجہک وتصغی
الیٰ حدیثہ بکل قلبک فان تکلم متکلم اوشغلک شاغل عن حدیثہ
اومأت الیہ ان کف وھا انا مقبل علیک ومحدث بک وانت معرض
بقلبک عنی افجعلتنی اھون عندک من بعض اخوانک (احیاء العلوم)

(ترجمہ) توراۃ میں وارد ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) اے میرے بندے! کیا تم مجھ سے شرم نہیں کرتے کہ جب تمہارے کسی بھائی کا کوئی خط تمہیں راستہ چلتے ہوئے ملتا ہے تو تم راستہ سے کنارے ہو جاتے ہو اور اس کے لئے بیٹھ جاتے ہو اور پڑھتے ہو۔ اس کے ہر ہر حرف میں تدبر کرتے ہو کہ کہیں کوئی چیز تمہارے پڑھنے سے چھوٹ نہ جائے۔ اور یہ میری کتاب ہے جسکو میں نے تم پر نازل کیا ہے۔ دیکھو کس قدر میں نے اس میں تفصیل اور توضیح کی ہے اور کتنا تمہارے لئے تکرار کیا ہے تاکہ تم اس کے طول و عرض میں تامل کرو لیکن (تمہارا یہ حال ہے) کہ تم اس سے اعراض کرتے ہو۔ کیا میں تمہارے کسی بھائی سے بھی کمتر ہوں۔

اے میرے بندے تمہارا کوئی بھائی جب تمہارے پاس بیٹھا رہتا ہے تو تم کامل طور پر اس کیطرف متوجہ رہتے ہو اور اس کی گفتگو کیطرف ہمہ تن گوش بن جاتے ہو اگر کوئی درمیان میں بولنے لگتا ہے یا کوئی شاغل تم کو اس کے کلام سے روکتا ہے تو تم اشارہ کرتے ہو کہ ٹھہرو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ (کس قدر افسوس کی بات ہے) کہ میں تو تمہاری جانب متوجہ ہوں اور تم سے ہم کلام ہوں اور تمہارا قلب مجھ سے اعراض کر رہا ہے کیا تم نے مجھ کو اپنے ادنیٰ بھائی سے بھی کمتر سمجھ لیا ہے۔"

دیکھا آپ نے اللہ رب العالمین اپنے بندوں سے یہ فرما رہے ہیں کہ ہماری کتاب کے ساتھ ایسی بے اعتنائی اور بے وقعتی کا برتاؤ۔ گویا اس کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت و عظمت ہی نہیں۔ اس سے کہیں زیادہ تو تم اپنے دوست و احباب کے خطوط کی جانب توجہ کرتے ہو اور اس میں غور و خوض کرتے ہو کہ کوئی حرف بلا پڑھے اور سمجھے نہ رہ جائے۔ کیا میں تمہارے دوست سے بھی کمتر ہوں۔ اور میرا کلام تمہارے نزدیک تمہارے دوست کے مکتوب سے بھی بے وقعت ہے۔

یہ کلام کس قدر غیرت دلانے والا ہے ظاہر ہے مومن کا دل تو یہ سن کر موم ہی ہو جانا چاہئے اور قرآن کیطرف کامل توجہ اور اعتناء ہونا چاہئے اور کسی کلام کو اس پر فوقیت نہ دینا چاہئے۔ اگر اب بھی جمود (اور بے حسی) ہی رہے تو یہ مؤمن

مخلص کی شان سے نہایت بعید امر ہے۔

ان احادیث و آثار سے بھی قرآن پاک کی کس قدر عظمت معلوم ہوتی ہے۔ اسکی قرارت اور اس پر عمل کی کتنی تاکید ظاہر ہوتی ہے اسکی قرارت میں کوتاہی اور اس کی طرف سے بے اعتنائی پر کتنی تہدید اور وعید مفہوم ہوتی ہے۔

قرآن پاک کی تلاوت کے متعلق احادیث و آثار کثیر ہیں مگر جتنی نقل کی گئی ہیں طالبین کیلئے یہی کافی وافی ہیں اگر کسی کو تفصیل دیکھنا ہو تو مطولات (بڑی بڑی کتابوں) کا مطالعہ کرے۔

تلاوت بغیر معانی سمجھے ہوئے مفید اور باعث ثواب ہے

اس مسئلہ پر بھی سلف نے مفصل کلام فرمایا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جملہ مسائل پر تو شافی کلام کریں اور اسی بحث سے پہلو تہی کر جائیں جس پر دین کی بنیاد ہے اور جو اللہ تعالےٰ سے نسبت اور تعلق کا اہم و اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ اگر یہ خیال ہے کہ سلف نے اس مسئلہ پر کلام نہیں کیا ہے یا واضح طور پر بیان نہیں فرمایا ہے تو یہ ان حضرات قدسیہ کے ساتھ صریح بدظنی اور بداعتقادی ہے۔ جو نہایت مذموم اور منکر ہے اسلئے کہ جن حضرات نے اسقدر جانفشانی اور مشقتوں کو برداشت کر کے دین کی حفاظت کی اور ہم تک انھیں کے ذریعہ سے دین پہنچا انھیں کی تقصیر کا اعتقاد کیا جائے (نعوذ باللہ)

کام کا طریقہ اور کامیابی کی شرائط

سنئے! کام کرنے والوں کے لئے لازم ہے کہ پہلے لوگوں کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور اس کے مطابق کام کریں۔ جبھی کچھ کام کی توقع ہے۔ ورنہ سوائے دوڑ دھوپ اور محنت و مشقت کے کچھ نتیجہ نیک میسر نہ ہوگا۔ وہ حضرات کتاب و سنت کے ہم سے کہیں زیادہ عالم تھے اس لئے کہ ان کا زمانہ عہدِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے قریب تھا، خیر و صلاح زیادہ تھی، دین و تقویٰ لوگوں میں زیادہ تھا۔

اب وہ بات نہیں ہے اور روز بروز انحطاط ہوتا ہی جائے گا جب

اپنی عقل و رائے سے کام کیا جائیگا تو ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔ سلفؒ نے جو طریقہ اختیار کیا اس کے ثمراتِ حسنہ ظاہر و باہر ہیں کہ کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی اور واصل الی اللہ ہوئے بخلاف اب کے کہ کام ہو رہا ہے مگر چونکہ سلف کے طریقہ پر نہیں ہے اس لئے کامیابی نہیں ہو رہی ہے جیساکہ مشاہدہ ہے۔

حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے تعلیم الدین میں شیخ قوام الدینؒ کے اس قول کو نقل فرمایا ہے کہ (اے درویش محک و معیار ایں کار کتاب و سنت است و سیر سلف کہ اہل اقتدا بودند) یعنی اے درویش اس کام کی کسوٹی اور معیار کتاب و سنت اور ان اسلاف کی سیرت ہے جو کہ مقتدا تھے۔

دیکھئے شیخ قوام الدین جو کہ بہت بڑے شیخ ہیں فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کے علاوہ سلفؒ کی سیرت بھی اس کام کا معیار ہے اسلئے کہ اگر ان کی سیرت کو مستحضر نہ رکھا جائیگا تو فہم و عقل بھی دشوار ہو جائیگی ان حضرات کی سیرت کو دیکھ کر ہی عمل کرنیکا ڈھنگ و شعور حاصل ہوتا ہے نیز عمل کیطرف رغبت و شوق پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر امت کا تعامل نہ ہوتا تو نماز تو نماز کتاب دیکھ کر کسی کو رکوع و سجدہ کرنا بھی نہ آتا۔

اسلاف کا قرآن سے شغف

چنانچہ ان حضرات کی سیر کلام اللہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے

علامہ شعرانیؒ تنبیہ المغترین میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے جب کوئی شخص رات میں قرآن پڑھتا تھا تو صبح کے وقت لوگ اس کا اثر یعنی شدت تغیر اور زردی رنگ اور دبلا پن اس کے چہرہ میں محسوس کرتے تھے۔ اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ رات میں اگر پورا قرآن بھی پڑھتا ہے تو صبح کے وقت اس کے چہرے پر اس کا کوئی اثر دکھلائی نہیں دیتا اور اس کا قرآن پڑھ لینا ایسا معمولی معلوم ہوتا ہے جیساکہ چادر اٹھا لینا۔

اب آپ لوگ اپنے سلفؒ کے حال میں غور کیجئے اور سوچئے کہ کیا آپ کا حال اپنے پروردگار کے کلام کی تلاوت اور اس کے سماع کے وقت یہی ہوتا ہے؟ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ہمارے اور سلفؒ کے احوال میں کس قدر تفاوت ہو گیا ہے۔

مثال کے طور پر سیدنا امام ابو حنیفہؒ کا ایک واقعہ سنئے!

ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں امام نے سورۃ اذا زلزلت کی قرارت کی جب سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی داڑھی پکڑ کر مسجد ہی میں کھڑے ہو گئے اور صبح تک یہ فرماتے رہے کہ اے وہ ذات جو ایک ذرۂ خیر کی جزا خیر کے ساتھ اور ایک ذرۂ شر کی جزا شر کے ساتھ دے گا اپنے اس بندہ نعمان کو جہنم سے پناہ دیدیجئے۔

سبحان اللہ! یہ حال تھا ہمارے امام صاحبؒ کا بھلا اس سے بڑھ کر کیا حال ہو سکتا ہے۔ یہ حال قرآن سے تھا، قیامت کا خوف غالب تھا وہاں کا منظر پیش نظر تھا اس لئے وہاں کے حساب و کتاب سے لرزتے رہتے تھے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ پڑوسیوں کو رحم آجاتا تھا اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ ان کے قلب میں رجاء[^ع] کی کیفیت فرما دیجئے کہ بکاء (رونا) کم ہو جائے۔

اب ہم لوگ امام صاحبؒ کو محض احکام ظاہری میں تو اپنا پیشوا و مقتدا مانتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ آپ کی سیرت باطنی اور قلبی حال کس قدر زبردست تھا۔ آپ کو قرآن پاک سے کیسا تعلق و شغف تھا اور اس سے آپ پر کیسا حال طاری ہوتا تھا کہ رات رات بھر ایک ہی آیت کا تکرار کرتے رہ جاتے تھے۔ بھائی بات یہ ہے کہ امام صاحب تابعی تھے، آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھے ہوئے تھے۔ ان حضرات کے خوف و خشیت اور کلام الٰہی سے تعلق اور نسبت کو ملاحظہ فرمائے ہوئے تھے اور صحابہ کے شاگرد تھے اور ان سے نور باطن اخذ کئے ہوئے تھے۔ اس لئے امت کے سامنے صحابہ

[^ع]: ع خدا کے رحمتوں کی امید۔

کالنقش کھینچ دیتے تھے کہ قرآن پر اس درجہ کا ایمان و ایقان تھا اور قیامت کا اتنا استحضار تھا کہ کسی کل ان کو چین نہیں ملتا تھا۔

امام صاحبؒ کا کمال تو دیکھئے کہ انھوں نے سمجھا کہ میرے استنباط کئے ہوئے ظاہری احکام و مسائل کی لوگ اقتدار کریں گے اور میرے اقوال کو سند و حجت بنائیں گے تو بس اس پر اکتفار نہ فرمایا بلکہ احوال و کیفیات کو بھی پیش کیا کہ اس میں بھی ہماری اقتدار ہونی چاہئے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جس سے سلفؒ کا قرآن کے ساتھ انتہائی شغف و ذوق اور انتہائی خشوع و خضوع معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ سلف میں اکثر لوگ ایسے تھے کہ ایک ہی آیت کی رات رات بھر تلاوت اور اس میں تدبر کرتے رہ جاتے تھے۔ بہت سے حضرات تلاوت کے وقت بیہوش ہو جاتے تھے۔ اور کتنے تو قرآن کی آیتوں سے اس قدر متأثر ہوئے کہ انکی وفات ہی ہو گئی۔

جب سلفؒ کو اس قدر تعلق قرآن سے تھا تو کیا وہ اس کے متعلق کوئی گوشہ چھوڑ دیں گے کہ بعد والوں کو اس میں تحقیق کرنے کی ضرورت پڑے۔ چنانچہ اب میں سلفؒ کے اقوال نقل کرتا ہوں جس سے یہ مسئلہ کہ بغیر فہم معنیٰ بھی تلاوت قرآن مفید ہے، واضح ہو جائیگا۔

قَالَ اللهُ تعالیٰ اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتَابِ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اسکو پڑھا کیجئے۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ:

تقربا الی اللہ تعالیٰ بقراءتہ وتحفظا لالفاظہ واستکشافا لمعانیہ فان القاری المتأمل قد ینکشف لہ بالتکرار ما لم ینکشف لہ اول ما قرع سمعہ۔ انتہی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن کا امر اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اسکی تلاوت سے حاصل ہو اور اس کے الفاظ محفوظ ہو جائیں اور اس کے معانی منکشف ہوں کیونکہ غور سے پڑھنے والے

شخص پر بعض دفعہ تکرار سے ایسے مضامین منکشف ہوتے ہیں جو پہلی بار سننے سے نہیں کھلتے "۔

اس میں تصریح ہے کہ نفس قرارت سے تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے اور کثرتِ قرارت سے تدبر کی کیفیت اور معانی کا انکشاف بھی ہوتا ہے۔ نفس تلاوت خود مامور بہا ہے اور عبادت ہے جیسے نماز۔ تو جس طرح نماز بلا فہم معنیٰ کے صحیح ہو جاتی ہے اور موجبِ قرب ہے اسی طرح قرارتِ قرآن بلا فہم معنیٰ صحیح ہے اور موجبِ قرب ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ذکر اللہ فرمایا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اسکے محافظ ہیں) جیسا کہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے متعلق علماء نے یہی فرمایا ہے کہ چونکہ یہ ذکر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (پس تم اللہ کے ذکر کیطرف چل پڑا کرو) پس اس کے لئے فہم ضروری نہیں ہے اس لئے عربی ہی میں ہونا چاہئے، غیر عربی میں جائز نہیں۔ اگر فہم ضروری ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم و فارس ان کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہ کا گذر عجم پر ہوا جب بھی انکی زبانوں میں ترجمہ نہیں کیا بلکہ عربی ہی میں خطبہ دیتے رہے حالانکہ ان زبانوں کے جاننے والے موجود تھے۔ یہ صریح دلیل ہے کہ جو ذکر اللہ ہو اس کا تلفظ خود عبادت ہے، اس کے عبادت ہونے کے لئے فہم معنیٰ شرط نہیں خوب سمجھ لیجئے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

وقال ابن حجر اما الثواب علی قراءتہ فھو حاصل لمن فھم ولمن لم یفھم بالکلیۃ للتعبد بلفظہ بخلاف غیرہ من الاذکار فانہ لا یثاب علیہ الا من فھم ولو بوجہٍ مّا۔ وفیہ نظر لان نفی الثواب یحتاج الی نقل من حدیث اوکتاب والقیاس ان لا فرق بینھما فی اصل الثواب وان کان یتفاوت بین القرآن وغیرہ وبین من فھم و

من لا یفہم ۔ (مرقات)

(ترجمہ کلام) ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ قرآن کی قرأت پر تو ثواب حاصل ہی ہوتا ہے جو سمجھے اسے بھی اور جو نہ سمجھے اسے بھی، کیونکہ وہ قرآن کے الفاظ تو زبان سے ادا کر ہی رہا ہے اور اس کا تلفظ عبادت ہے برخلاف قرآن کے علاوہ دوسرے اذکار کے کہ ان کا یہ حال نہیں۔ کیونکہ انکو جب تک نہ سمجھے ثواب نہیں ملتا اگرچہ سمجھنا کسی درجہ کا ہو۔ مگر یہ بات قابل غور ہے کیونکہ (عام اذکار پر بلا فہم) ثواب کی نفی کرنے کیلئے کتاب و سنت سے کوئی نص و سند درکار ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ قرآن اور عام اذکار میں نفس ثواب کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہ ہو اگرچہ قرآن و غیر قرآن میں اور سمجھ کر پڑھنے والے اور بلا سمجھے پڑھنے والے کے اعتبار سے ثواب میں کمی و زیادتی ہو جائے۔"

علامہ ابن حجرؒ بہت ہی محقق شخص ہیں علماء ان کے اقوال کو سند بناتے ہیں اور انکو اپنی کتابوں میں نقل فرماتے ہیں جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے نقل فرمایا ہے اور اس پر کچھ نقض بھی وارد نہیں فرمایا ورنہ تو عموماً ان کے اقوال کو نقل فرما کر رد کر دیتے ہیں مگر اس قول کو سالم رکھا اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاریؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ نفسِ تلاوتِ کلام اللہ سے ثواب ملتا ہے، اگرچہ بلا سمجھے ہی ہو۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ سمجھ کر تلاوت کرنے میں ثواب زیادہ ملے گا مگر نفس ثواب کا انکار کب جائز ہو سکتا ہے۔

اور ابن حجرؒ نے جو یہ فرمایا کہ قرآن کے علاوہ اذکار میں بغیر فہم کے ثواب نہ ملے گا تو اس میں ملا علی قاریؒ نے کلام فرمایا ہے کہ نفیِ ثواب کے لئے نص کی ضرورت ہے تو یہ ٹھیک ہے مگر ذاکر کو اتنا تو سمجھنا ہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے رہا ہوں کسی مخلوق کا نام نہیں لے رہا ہوں۔ ایسی غفلت اور جہالت نہ ہو کہ کچھ کا کچھ کہتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر کر رہا ہوں۔ یہ بہت ہی بُرا ہے اور جاہلوں سے یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ ایسا کر ڈالیں اسلئے کہ ایک شخص دعا میں یہ کہتا

تھا کہ "اے اللہ صدق و کذب سے پناہ دیجئے۔" میں نے سنکر ایک دو بار تو تاویل کی کہ بھلا کوئی مسلمان صدق سے پناہ مانگے گا۔ مگر جب کئی بار سنا تو اس سے دریافت کیا تو بات صحیح نکلی واقعی صدق ہی سے پناہ مانگتا تھا۔ میں نے منع کیا کہ ایسا مت کرو ورنہ دعا قبول ہو جائے گی تو کبھی صدق و سچائی نصیب نہ ہوگی۔

اب ہم تلاوت کلام اللہ بلا فہم معنیٰ کے مفید اور موجب قرب ہونیکی تائید میں طبقات کبریٰ کی عبارت پیش کرتے ہیں وھو ھٰذا۔

کان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول فے معنیٰ قولِ الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین رأی رب العزۃ جل جلالہٗ فِی منامہ فقال یارب بما یتقرب الیك المتقربون قال یا احمد بتلاوۃ کلامی قال قلت یا رب بفہم او بغیر فہم فقال یا احمد بفہمٍ و بغیر فہم۔ المراد بفہم ما یتعلق بعلماء الشریعۃ وبغیر فہم مایتعلق بعلماء الحقیقۃ فان العلماء مالہم اٰلۃ لفہم کلام اللہ تعالیٰ الا بالفکر والنظر واما العارفون فطریقہم الی فہمہ الکشف والتعریف الالٰہی وذٰلك لایحتاج الی تفہم۔ فقیل لہٗ فما تقول فی من یقرأہ من العوام من غیر فہم فقال قد صح ان لہٗ بکل حرف عشر حسنات فتحت قولہ وبغیر فہم مسئلتان (طبقات کبریٰ للشعرانی ص ۱۳۷/۲)

(ترجمہ) ۔ سید علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کے بیان میں فرماتے تھے جبکہ انھوں نے (امام احمد نے) اللہ جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا تھا۔ اور یہ فرمایا تھا کہ آپ کا قرب پانے والوں نے سب سے زیادہ قرب کس چیز سے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد میرے کلام کی تلاوت سے انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب تلاوت سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔ ارشاد ہوا جیسے بھی ہو سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔" مراد بفہم سے (یعنی سمجھ کر تلاوت کرنا) تو اس کا تعلق علماء شریعت سے ہے اور بغیر فہم کا تعلق علمائے حقیقت سے ہے۔ اس لئے کہ کلام اللہ کے سمجھنے کا کوئی آلہ علماء شریعت کے پاس بجز غور و فکر کے نہیں ہے، اور رہے عارفین تو ان کیلئے کلام اللہ

کے سمجھنے کا طریقہ کشف اور تفہیم الٰہی ہے اور یہ سمجھنے اور نظر کرنے کی محتاج نہیں ہیں۔ پھر ان بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ اچھا عوام کی تلاوت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کہ بلا سمجھے تلاوت کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ تو حدیث صحیح ہے کہ ہر حرف پر دس نیکی ملتی ہے۔ پس امام کے قول بغیر فہم کے تحت دو مسئلے ہیں (ایک تو عوام کی قرارت دوسرے عارفین کی)

یہی حدیث تمام علمار کی مستدل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بغیر فہم معنیٰ کے بھی ثواب ملتا ہے کیونکہ اسی حدیث میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے۔ اسطرح اسکو تیس نیکی ملتی ہے حالانکہ کوئی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھتا۔

امام احمد بن حنبلؒ کے خواب کو امام غزالیؒ نے بھی احیار العلوم میں نقل فرمایا اور علامہ شعرانی نے بھی اس کتاب میں نقل فرمایا نیز اور بزرگانِ دین سے بھی سنا ہے تو گویا اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے پس اسکو سند میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سید علی خواصؒ نے اس کا خوب ہی مطلب بیان فرمایا ہے کہ بفہم کا تعلق علمائے شریعت سے ہے اسلئے کہ کلام اللہ کے سمجھنے کیلئے ان حضرات کو نظر و فکر کرنا ضروری ہے اسلئے کہ اس کے علاوہ کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے جس سے معانی تک رسائی ہو سکے اور بغیر فہم کو علمائے حقیقت کے ساتھ متعلق فرمایا اسلئے کہ ان نفوس قدسیہ کو نظر و فکر کی ضرورت ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ انکو خود سمجھاتے ہیں وہ جیسے جیسے تلاوت کرتے جاتے ہیں معانی منکشف فرماتے جاتے ہیں تو بھلا پھر انکو نظر و فکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ یہ حضرات تو نظر و فکر کو اپنے اور خدا کے درمیان حجاب سمجھتے ہیں

رہے عوام تو ان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ بلا فہم معنیٰ بھی نفس تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ اس کے متعلق صریح حدیث ہے کہ ایک حرف کی قرارت پر دس نیکی ملتی ہے جیساکہ اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نظر و فکر اور تدبر علمار کے لئے ہے، عوام اور عارفین کیلئے نظر و فکر ضروری نہیں ہے صرف تلاوت ضروری ہے اسی سے اور مراتب کی توقع کی جاتی ہے۔

عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم من قرأ حرفاً من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف۔ رواہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی وقال حدیث حسن صحیحٌ۔

(مشکوٰۃ۔ التبیان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کیلئے اس کے عوض ایک نیکی ہے، اور ایک نیکی دس گنا کرکے دی جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ (لفظ) الٓم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لآم ایک حرف اور مِیم ایک حرف ہے (یعنی الٓم تین حروف ہیں جن پر تیس نیکیاں ملتی ہیں) امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے حسن اور صحیح کہا ہے۔"

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حرف کی قرأت پر دسؔ نیکی کو فرمایا ہے ظاہر ہے کہ حرف کے معنیٰ تو کوئی بھی نہیں سمجھتا پھر بھی ثواب ملتاہے اس سے معلوم ہوا کہ بغیر فہم معنیٰ کے بھی ثواب ملتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ اہل اللہ صاحب دہلوی اپنے رسالہ چہار باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(فضیلت تلاوتِ قرآن) و قرأت آں نیک ترین عبادت است کہ رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرمودہ است کہ ہر حرف کہ از قرآن مجید بخواند ثواب آں یک حسنہ بیابد، ثوابِ آں حسنہ را دہ چند کردہ دہند نہ پندارند کہ الٓم یک حرف است بلکہ الف یک حرف است۔

تلاوتِ قرآن پاک کی فضیلت) قرآن پاک کی تلاوت عمدہ ترین عبادت ہے کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید کے ایک حرف کی تلاوت پر جو ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دسؔ گنا کرکے عنایت فرماتے ہیں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ الٓم ایک حرف ہے بلکہ (الف) ایک حرف ہے

ولام یک حرف است ومیم یک حرف است وفرمود کہ می خوانید قرآن راروز قیامت شفاعت خواہد کرد اصحاب وقاریان خودرا۔ وفرمود کہ روز قیامت خوانندۂ قرآن رانگویند کہ قرآن را بترتیل بخواں وور درجات بہشت ترقی کن مکان توآنجاست کہ تمام کنی قرات آں را۔ وفرمود کہ خواندنِ قرآن شریف بہتر است ازتکبیر وتسبیح وصوم وصدقہ پس لازم برہر مسلمان است کہ ہر روز قدرے بترتیل وتجوید بخواند وورد خود گیرد کہ فضیلت آں دراحادیث صحاح بسیار وارد شدہ۔

اگر مطلع باشد وبفہمد معانی آں پس بہتر است والا دروقت تلاوت ایں قدر داند کہ کلام خدا است وآنچہ درآں امرونہی وقصص ذکر کردہ است راست ودرست است ایمان آوردم بداں۔

(چہار باب ص۳)

لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن شریف پڑھا کرو اسلئے کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریگا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے سے کہا جائیگا کہ قرآن مجید ترتیل کے ساتھ پڑھتے جاؤ اور بہشت کے درجات میں ترقی کرتے جاؤ۔ جہاں قرات ختم ہوگی وہیں تمہارا مقام ہوگا۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت تکبیر اور تسبیح، صوم وصدقہ سب سے افضل ہے لہٰذا ہر مسلمان کیلئے لازم ہے کہ ہر روز کچھ قرآن ترتیل اور تجوید کے ساتھ پڑھتا رہے اور اپنا معمول بنالے کیوں کہ اس کی فضیلت صحیح حدیثوں میں بکثرت وارد ہے۔

اگر معنی سمجھ سکے اور اس پر مطلع ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ تلاوت قرآن پاک کے وقت اس کا استحضار رکھے کہ یہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اس میں جن باتوں کا حکم ہے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور جو قصص و حکایات بیان کئے گئے ہیں سب سچ اور درست ہیں میں ان سب پر ایمان لاتا ہوں"

دیکھئے حضرت شاہ صاحبؒ نے کس قدر تفصیل سے اس مسئلہ پر کلام فرمایا ہے کہ جو شخص معانی کو سمجھتا ہے اس کے لئے تو سمجھ کر تلاوت کرنا بہتر

ہے اور جو لوگ اس کے اہل نہیں انکو چاہیئے کہ بلا فہم ہی تلاوت کریں مگر اس استحضار کے ساتھ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جو کچھ اوامر و مناہی و قصص اس کتاب میں ہیں درست و راست ہیں، یہ تلاوت اللہ تعالےٰ کے نزدیک معتبر اور مقبول ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ خشوع و خضوع کیوجہ سے ایسی تلاوت سمجھ کر تلاوت کرنے والوں کی تلاوت سے بڑھ جائے۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف صاحب دانا پوری اصح السیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> نماز میں اگر آیاتِ قرآنی کو سمجھ کر پڑھے تو اسکی بہتری میں کلام نہیں لیکن نہ سمجھے تاہم نفس نماز میں اس سے کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی۔ نماز ایک عبادت ہے اور اس سے مقصود اصلی خشوع و خضوع پیدا کرنا ہے اور وہ آیات کے مطلب نہ سمجھنے سے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ایک بے علم جو آیات کو کلام اللہ سمجھ کر پڑھ لیتا ہے دل سے خدا کیطرف متوجہ رہتا ہے۔ خشوع و خضوع اس پر غالب رہتا ہے اس کی نماز اس عالم کی نماز سے ہزار گونہ بہتر ہے جو آیات کو پڑھ کر معانی کی تحقیق اور مسائل کے استخراج میں پھنس جاتا ہے اور عبادت کے وقت علمی تحقیقات کرنے لگتا ہے (اصح السیر)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ تلاوتِ کلام اللہ میں خشوع و خضوع فہم معانی پر موقوف نہیں بلکہ بغیر اس کے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہوا کہ تلاوت سے پہلے ہی آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور "ھٰذَا کَلَامُ رَبِّیْ۔ ھٰذَا کَلَامُ رَبِّیْ (یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے) بار بار فرمانے لگتے تھے۔ سبحان اللہ کس قدر عظمت و جلالت کلام اللہ کی صحابہ کے قلوب میں راسخ تھی۔ یہ سوچ کر کہ یہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہے بیہوش ہو جاتے تھے تو کیا اب ہر شخص تلاوت سے پہلے یہ سوچ نہیں سکتا اور کیا اس سے اثر نہیں لے سکتا؟

اس میں تو پڑھے، بے پڑھے، عربی، عجمی سب برابر ہیں۔ پس ہر شخص پر لازم ہے کہ کلام اللہ

کی عظمت و جلالت کے استحضار کے ساتھ تلاوت کرے۔

اور یہ بھی سنئے! عمل کا تعلق فہم سے نہیں ہے بلکہ ایمان سے ہے۔ عمل ایمان سے ہوتا ہے فہم سے نہیں۔ اگر فہم سے تعلق ہوتا تو جتنے عالم ہیں سب عامل ہو جاتے اور جتنے یہودی، نصرانی عربی جانتے ہیں ایسے مسائلِ اسلامیہ پڑھتے پڑھاتے ہیں سب عمل کرنے لگتے اور ایمان لے آتے مگر سب کافر کے کافر ہی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عمل کا تعلق فہم اور عربی دانی سے نہیں بلکہ اس کا تعلق محض ایمان سے ہے جس درجہ کا ایمان، اسی درجہ کا عمل ہوتا ہے اور اس کا مدار توفیق خداوندی پر ہے اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ایمان کبھی تلاوت سے پیدا ہوتا ہے۔ تلاوت ایمان کی مورث اور ازدیادِ ایمان کا ذریعہ و موجب ہے۔ جب تلاوت ہو گی ایمان میں اضافہ ہو گا۔ پھر ایمان کے خیرات و برکات بھی حاصل ہوں گے اور سب سے بڑا فیض و خیر نماز ہے جس کی نماز درست ہو جائیگی بقیہ اعمال بھی کامل طور پر ادا ہونے لگیں گے۔

تلاوت سے ایمان بڑھنے پر نصوص وارد ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا وعلیٰ ربھم یتوکلون ۰

(ترجمہ) پس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات انکو پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔"

صاحب روح المعانی نے اس آیت کے تحت ایک بہت عمدہ بات تحریر فرمائی ہے اسکو نقل کرتا ہوں:

(الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم) ای فزعت استعظاما لشانہ الجلیل وتھیبا منہ جل وعلیٰ والاطمینان المذکور فی قولہ سبحانہ تعالیٰ۔ (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) لاینافی الوجل والخوف لانہ عبارۃ من ثلج الفواد وشرح الصدر بنور المعرفۃ والتوحید وھو یجامع الخوف۔ (پ۹ ص۱۳۶)

(ترجمہ) "یعنی مؤمنین کے قلوب اللہ کے ذکر سے انکی ہیبت اور شان جلیل کی عظمت کے استحضار سے ڈر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول (خبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) میں جو اطمینان مذکور ہے تو وہ وجل اور خوف کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ اطمینان سے مراد قلب کی ٹھنڈک اور شرح صدر ہے جو نور معرفت اور توحید سے حاصل ہوتا ہے اور یہ خوف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔"

الحاصل تلاوت قرآن بلا فہم کے متعلق ہمارے اکابر کی یہ تصریحات ہیں۔ جو صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ تلاوت بلا فہم بھی مفید اور موجب قرب ہے۔ پھر بھلا ان علمائے محققین کے اقوال وارشادات کو کیونکر نسیاً منسیا کیا جا سکتا ہے ہر مسئلہ میں تو ان کے ارشادات کو حجت اور سند بنایا جائے پھر آخر اسی مسئلہ میں کیوں ساقط الاعتبار قرار دیا جائے۔

خود سوچئے کہ آج تلاوت کلام اللہ کو غیر ضروری قرار دیا جائے۔ کل کو کسی دوسرے امر دین کو غیر ضروری کہدیا جائے تو اس طرح سارا دین ہی ختم ہو جائیگا اور دین کا کوئی رکن سالم نہ رہ جائے گا۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ بلا فہم بھی تلاوت کرنی چاہئے، اس فکر میں رہنا کہ ہم میں فہم پیدا ہو جائے گی اور عربیت سے بخوبی واقف ہو جائیں گے تب تلاوت کریں گے یہ دھوکا ہے اور نفس و شیطان کا کید ہے اس کیطرف اصلا التفات نہ کرنا چاہئے۔ اگر فہم کو شرط قرار دیا جائے تو بہت سے مسلمان اس تلاوت کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جائیں گے اس لئے کہ اکثریت تو بے سمجھوں ہی کی ہے۔ جب تک سمجھ پیدا کریں گے عمر کا ایک کثیر حصہ ختم ہو چکے گا اور اکثر تو مر ہی جائیں گے تو نہ سمجھ ہی پیدا ہو گی اور نہ تلاوت ہی کے برکات سے حصہ ملے گا، خالی کے خالی ہی رہ جائیں گے اور تلاوت کے ذریعہ جو رشتہ اور تعلق اللہ سے جڑتا ہے وہ منقطع ہو جائیگا تو یہ کس قدر حرمان اور خسارہ کی چیز ہو گی۔ خوب سمجھ لیجئے۔

اور یہ بھی سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر طرح سے اعجاز رکھا ہے۔ الفاظ

کے اعتبار سے بھی اور معانی کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ عرب فصاحت، بلاغت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ کئی کئی سو شعر فی البدیہہ کہدیتے تھے مگر قرآن کی ایک چھوٹی سورہ کے برابر بھی نہ لاسکے۔ اسی طرح اس کے معانی کے سمجھنے میں اعجاز ہے۔ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ کتنی ہی کتب تفاسیر دیکھ لی جائیں مگر قرآن کے مطالب و معانی محفوظ نہیں رہتے۔ تو آخر کیا بات ہے۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ معنیٰ میں اسقدر وسعت ہے کہ احاطہ نہیں ہو پاتا، عقل حیران ہو جاتی ہے۔ ایک ہی آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ہوتے ہیں سب کا مستحضر رکھنا بہت دشوار امر ہے، بار بار مراجعت کی ضرورت پڑتی ہے۔

قرآن پاک کے الفاظ ہی کا یاد کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے چونکہ حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس لئے حفاظ پر اس کے حفظ کو آسان فرما دیتے ہیں ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ یاد رکھ سکے۔

پس اگر ہر شخص کو فہم کا مکلف کردیا جائے تو بہت ہی دشواری ہو جائے گی جیسے کوئی انگریزی اور ہندی نہ جانتا ہو، ایسے شخص سے کہا جائے کہ اس میں تدبر کرو تو بھلا کیسے تدبر کرسکتا ہے ظاہر ہے کہ یہ امر تکلیف مالایطاق[عہ] کے قبیل سے ہوگا۔

سنئے! میں تدبر و تفکر اور فہم قرآن کو منع نہیں کرتا۔ سب لوگ عالم ہو جائیں اور تفکر فی القرآن کرنے لگیں تو اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہوسکتی ہے۔ مگر تلاوت کا اسکو موقوف علیہ ٹھہرانا البتہ خلاف نقل و عقل ہے اور بزرگوں کی تصریحات کے مزاحم ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "التبیان" سے حامل قرآن کے آداب نقل کردیے جائیں جو نہایت ہی ضروری اور قابل رعایت ہیں۔ اس کے بعد انشاء اللہ قرآن کے آداب بیان کئے جائیں گے۔

عہ طاقت و تحمل سے باہر کام سونپنا۔ ۱۲

حاملِ قرآن کے آداب و اوصاف

حاملِ قرآن کو جن آداب سے مؤدب اور جن صفات سے متصف ہونا چاہئے وہ بہت ہیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس کے حالات نہایت ہی عمدہ اور خصال بہت ہی بہتر ہونی چاہئیں نیز قرآن کریم کی تعظیم اور اس کے اِجلال کی خاطر اسکو چاہئے کہ اپنے نفس کو ان تمام چیزوں سے دور رکھے جن سے قرآن شریف نے منع فرمایا ہے، نیز اسے چاہئے کہ رذیل کمائی سے احتراز کرے۔ شریف النفس ہو اور اہلِ دنیا جو ظالم اور جابر ہیں ان سے استغناء و ترفع برتے اور جو لوگ اہل خیر اور صالحین یا مساکین ہیں ان سے غایت تواضع کے ساتھ پیش آئے نیز حاملِ قرآن کو چاہئے کہ صاحبِ خشوع ہو اور صاحبِ وقار و اہل سکینہ ہو۔

حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے قراء کی جماعت اپنے سروں کو اٹھاؤ (دیکھو) تمہارے لئے راستہ واضح ہے لہٰذا نیکی میں سبقت کرنے والے بنو اور لوگوں پر بار نہ بنو۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس کے سینے میں قرآن ہو اس کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ سو رہے ہوں اور اپنے دن سے پہچانا جائے جبکہ لوگ کھا پی رہے ہوں (یعنی روزہ رکھے ہوئے ہو) اور اپنے حزن و غم سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ خوشیاں منا رہے ہوں اور اپنے گریہ و زاری سے پہچانا جائے جبکہ لوگ ہنس بول رہے ہوں۔ اور اپنی خاموشی و سکوت سے پہچانا جائے

ؐ عظمت و احترام

جبکہ سب لوگ ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہوں اور یہ اس میں مشغول ہوں۔ اسی طرح اپنی مسکنت و تواضع سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ فخر و غرور کی باتوں میں لگے ہوئے ہوں۔

حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے انکی حالت یہ تھی کہ قرآن کو اپنے رب کے پاس سے آیا ہوا مکتوب سمجھتے تھے چنانچہ رات کو اس میں تدبر کرتے تھے اور دن میں اپنے پر اسکو نافذ کرتے تھے یعنی اس کے احکام پر عمل کرتے تھے۔

حضرت فضیلؒ بن عیاض فرماتے ہیں کہ حامل قرآن کو اپنی کوئی حاجت خلفاء کے پاس اور دوسرے کسی اعیان سلطنت کے پاس نہیں لے جانا چاہئے۔ انہیں سے یہ بھی منقول ہے کہ حامل قرآن گویا پرچم اسلام کا حامل ہے لہٰذا اس کی شان سب سے الگ ہونی چاہئے یعنی نہ تو کسی لہو کرنے والے کے ساتھ لہو کرے اور نہ کسی سہو کرنیوالے کے ساتھ سہو کرے اور نہ کسی لغو کے کام کرنیوالے کیساتھ ہو کر لغو میں پڑے۔ حق قرآن کے اجلال اور اس کی تعظیم کا یہی تقاضہ ہے۔

فصل:۔ حامل قرآن کو جن امور کا حکم کیا جائے گا ان میں سے ایک اھم شئے یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو ذریعۂ معاش اور کمائی بنانے سے بہت ہی زیادہ حذر (پرہیز) کرے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن شبیلؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"قرآن کو پڑھو مگر اس کو کھانا نہ بناؤ، نہ اس پر ظلم و جفا کرو کہ سیکھو ہی نہ اور نہ اس میں غلو کرو کہ محض آواز درست کرنے اور حروف نکالنے ہی کے درپے رہو۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ قرآن کو اس سے پہلے پہلے پڑھ لو کہ ایک ایسی قوم آ دے جو اسکو تیر کے مانند سیدھا کرے گی اور دنیا ہی میں اس کا صلہ چاہے گی (یعنی تعریف و شہرت اور مال وغیرہ) اور آخرت اسکو مقصو

رہو گی۔

حضرت فضیل بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی میں سے دو شخص کسی مسجد میں گئے نماز کے بعد جب امام نے سلام پھیر تو کوئی شخص کھڑا ہوا اور قرآن شریف کی چند آیتیں تلاوت کیں پھر لوگوں سے سوال کیا یہ دیکھ کر ان دونوں صحابیوں میں سے ایک نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ عنقریب ایک قوم ایسی آئیگی جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرے گی سو جو شخص قرآن کے ذریعہ سوال کرے اسکو مت دو۔

معمولاتِ سلف

فصل:- مناسب ہے کہ تلاوت قرآن پر محافظت کی جائے اور اس کا زیادہ سے زیادہ معمول رکھا جائے چنانچہ اسلاف کا معمول ختم قرآن کی مقدار کے باب میں مختلف تھا۔ بعض سلف کا تو یہ معمول تھا کہ وہ دو ماہ میں ایک ختم کرتے تھے اور بعض ہر مہینہ میں ایک ختم۔ اور بعض ہر عشرہ میں ایک بار یعنی ایک ماہ میں تین ختم کرتے تھے، اور بعض ہر ہفتہ میں ایک ختم کرتے تھے بعض چھ دن میں اور پانچ دن میں، بعض چار دن میں قرآن شریف ختم کرتے تھے، اور بہت سے لوگوں کا معمول تین دن میں ختم کرنے کا تھا۔ بعضے دو ہی دن میں ختم کرتے تھے، بعض شبانہ روز میں ختم کرتے تھے اور بعض حضرات ایک دن میں دو ختم فرماتے تھے۔ بعضے حضرات رات دن میں تین ختم فرماتے تھے۔ بعضوں سے رات دن میں آٹھ آٹھ ختم منقول ہے۔ چار دن میں اور چار رات میں۔

چنانچہ حضرت سیدنا عثمانؓ، تمیم داریؓ، سعید بن جبیرؓ، مجاہدؒ اور حضرت امام شافعیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا معمول ا۔۔۔ دن رات میں سارا

قرآن ختم کرنیکا تھا اور جن لوگوں نے ایک دن رات میں تین تین ختم کیا ہے ان میں سے ایک حضرت سلیم بن عمرؓ ہیں جو خلافت معاویہؓ کے دور میں مصر کے قاضی تھے اور ابو بکر بن داؤد کے بیان کے مطابق تو وہ ایک شب میں چار ختم فرمایا کرتے تھے۔

اور ایک بزرگ ہیں ابن الکاتب ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دن میں چار ختم کرتے تھے اور پھر چار ہی ختم رات کو بھی فرمایا کرتے تھے اور یہی سب سے زیادہ مقدار ہے جو اس باب میں ہم تک پہونچی ہے یعنی روزانہ آٹھ ختم سے زائد کسی کے متعلق روایت نہیں پہونچی۔ رہا یہ کہ قرآن شریف کا ختم کم سے کم کتنے وقت میں کیا گیا تو اس کے متعلق سنئے!

حضرت منصور بن زاذان جو عُبّاد تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں وہ رمضان شریف میں روزانہ دو ختم فرماتے تھے ایک ظہر اور عصر کے مابین اور دوسرا مغرب و عشاء کے درمیان۔

نیز ابو داؤد کی روایت ہے کہ مجاہدؒ مغرب اور عشاء کے مابین قرآن ختم فرمایا کرتے تھے، منصور کہتے ہیں کہ علی ازدیؒ رمضان شریف میں مابین مغرب وعشاء ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد حبوہ باندھ کر بیٹھتے تھے اور اپنے حبوہ کو کھولتے نہ تھے یہاں تک کہ قرآن ختم فرمالیتے تھے۔

(احتباء :- یہ ایک طریقۂ نشست ہے کہ اس میں پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی رومال یا چادر وغیرہ سے باندھ لیتے تھے جس کی وجہ سے بیٹھنے میں راحت ملتی ہے اور اس کپڑے کو جس سے باندھتے ہیں حبوہ کہتے ہیں)

اور وہ حضرات جنھوں نے ایک رکعت میں ختم قرآن کیا تو وہ بھی بیشمار ہیں چنانچہ متقدمین میں سے حضرت عثمانؓ، تمیم داریؓ، سعید بن جبیرؓ اسی فہرست میں ہیں۔

اسی طرح جو حضرات ہفتہ میں ایک دفعہ قرآن شریف ختم فرماتے تھے وہ بھی
ثرت ہیں۔ چنانچہ صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ،
ضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور تابعین میں سے حضرت
بدالرحمٰن بن یزیدؒ، حضرت علقمہؒ، حضرت ابراہیمؒ وغیرہم کا یہی معمول تھا۔
یہی معمول "فمی بشوق" کہلاتا ہے۔ اس میں قرآن شریف کی سات منزلوں
یطرف اشارہ ہے۔ اس طرح کہ ہر منزل کی اول سورہ کا نام پہلے حرف سے
ادہے۔ یعنی فاؔ سے فاتحہ۔ میمؔ سے مائدہ۔ یاؔ سے یونس۔ باؔ سے بنی اسرائیل
ینؔ سے شعراء۔ واؔو سے والصّٰفّٰت۔ اور قافؔ سے سورۂ قٓ۔
یہی ہمارے بزرگوں یعنی حضرت حاجی صاحبؒ و حضرت مولانا تھانویؒ
بھی معمول[1] تھا۔ اسلاف کا معمول تلاوت کے باب میں جو تھا آپ نے ملاحظہ
رمایا اب سنئے کہ قول فیصل اس باب میں یہ ہے کہ یہ مقدار اشخاص کے اختلاف
سے مختلف ہے چنانچہ جس شخص کیلئے دقیق ذکر سے لطائف اور معارف قرآنیہ
اھر ہوں اسکو چاہیئے کہ اتنی مقدار پڑھے کہ جس سے اپنے پڑھے ہوئے کو کامل
ورسے سمجھ بھی سکے اور جو شخص اشاعت علم دین یا اسی طرح کے اور دوسرے
ہمات دین اور مصالح عامۂ مسلمین میں مشغول ہو تو اس کو چاہیئے کہ تلاوت
ں اتنی ہی مقدار پر اکتفاء کرے جس سے اس کے مقصد میں خلل واقع نہ ہو۔
ور اگر ان لوگوں میں سے نہیں ہے تو پھر جس قدر زیادہ تلاوت کر سکے کرے
س اس کا خیال رکھے کہ اتنی تکثیر نہ کرے جو موجب کلال[2] و ملال ہو جائے یا
لدی ختم کرنے کے لئے تیز تیز پڑھنے لگے۔ (جیسے گھاس کاٹ رہا ہو معاذاللہ)

---

[1] ہمارے حضرت قدس سرہٗ کا بھی یہی معمول تھا۔ [2] تھکن و اکتاہٹ۔ از ناقل

رات میں تلاوت کی کثرت

(ایک ادب حاملِ قرآن کا یہ ہے کہ) اسکو چاہئے کہ قرآن شریف کی تلاوت شب کے اوقات میں زیادہ کرے۔ بالخصوص تہجد کی نماز میں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لیسوا سواء من اہل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون اٰیات اللہ اٰناء اللیل وھم یسجدون یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصّٰلحین۝

(ترجمہ) یہ سب برابر نہیں ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہیں اللہ کی آیتیں اوقاتِ شب میں پڑھتے ہیں، اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں، اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں ہیں۔

نیز صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ بہت ہی خوب آدمی ہیں۔ کاش وہ رات میں بھی نمازیں پڑھتے دوسری صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ اس شخص کے مانند مت ہو جانا کہ وہ رات کو اٹھا کرتا تھا پھر اٹھنا ترک کر دیا۔

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا شرف قیام لیل میں ہے۔ احادیث و آثار اس باب میں بہت ہیں چنانچہ ابوالاحوص جشمی کہتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں کے خیموں کے درمیان سے شب میں گذرتا اور اس کے رہنے والوں کی آواز ایسی سنتا تھا جیسے کہ شہد کے مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے تو یہ سُنکر ترحّمًا کہتا تھا کہ کیا صورت ہو کہ یہ لوگ جس چیز سے خوف کر رہے ہیں (جیسا کہ انکی آواز سے ظاہر ہو رہا ہے) اس سے مطمئن اور بے خوف ہو جائیں۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شب میں قرآن ضرور پڑھا کرو چاہے تھوڑی ہی دیر سہی۔ مثلاً اتنی ہی دیر جتنا بکری دوہنے میں وقت لگتا ہے۔ حضرت یزید رقاشیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں شب میں سو رہوں اور آخیر شب میں آنکھ کھلے (تو بھی نہ اٹھوں) اور پھر سو جاؤں تو خدا کرے کہ میری آنکھوں کو کبھی سونا نصیب نہ ہو۔ (شب بیداری کی دولت پا کر پھر اس سے متمتع نہ ہونے کے قلق کو اس عنوان سے ظاہر کرتے تھے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ میں نے صلوٰۃ لیل اور اس میں تلاوت کی فضیلت اس لئے بیان کی اور اسکو راجح اسلئے کہا کہ اس وقت جو تلاوت ہوتی ہے وہ قلب کی جمعیت کے ساتھ ہوتی ہے۔ دیگر مشاغل، لہو ولعب اور ضروریات و حوائج کی فکر سے خالی ہوتی ہے۔ ریا سے پاک ہوتی ہے اور دوسری مُحبطاتِ اجر[ع] سے محفوظ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شریعت میں رات کے جو فضائل وارد ہیں مثلاً یہ کہ خیرات و برکات کا ایجاد رات ہی میں ہوتا ہے۔ وہ سب تالی کو حاصل ہوں گی۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج ہوئی وہ شب ہی میں ہوئی اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ تمہارا رب ہر شب میں نصف رات گذرنے کے بعد سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اعلان فرمایا جاتا ہے کہ ہے کوئی دعا کرنے والا جس کے دعا کی اجابت کروں الحدیث (تو دیکھو یہ بھی رات ہی میں ہوتا ہے) اور سنو! حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر رات میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسوقت کی دعا قبول فرماتا ہے۔

پھر یہ سمجھو کہ قیام لیل کی فضیلت اور اس میں قرارت کا شرف قلیل مقدار اور کثیر مقدار سب سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جس قدر زیادہ مقدار ہوگی اتنی ہی بہتر ہوگی باقی ساری رات کو گھیر لینا تو اگر کبھی کبھی ہو تو مضائقہ

ع اجر و ثواب کو ضائع کر دینے والی چیز۔ ۱۲

نہیں بشرطیکہ صحت کیلئے مضر نہ ہو لیکن اس پر دوام برتنا مکروہ ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ فضیلتِ قیامِ لیل مقدارِ قلیل سے بھی حاصل ہو جاتی ہے تو اسکی دلیل سنو!

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے شب میں دس آیتیں نمازیں پڑھیں تو وہ غافلین میں سے نہیں شمار ہو گا۔ اور جو شخص سو آیتیں پڑھے گا اس کا شمار قانتین میں ہو گا اور جو ایک ہزار آیتیں پڑھے گا وہ مقسطین میں شمار ہو گا۔

حضرت ثعلبیؓ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے رات میں صرف دو رکعتیں بھی پڑھ لیں تو گویا اس نے ساری رات اللہ کے آگے رکوع اور سجدے میں گذاری۔

قرآن کے بھلا دینے کی مذمت اور وعید شدید

ایک ادب حاملِ قرآن کا یہ ہے کہ وہ اپنے پڑھے ہوئے کو یاد بھی رکھے بھولنے نہ دے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قرآن کی اچھی طرح سے حفاظت کرو اور نگرانی رکھو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ یہ قرآن اس اونٹ سے بھی زیادہ بھاگ نکلنے والا ہے جس کی ٹانگیں رسی میں بندھی ہوں۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحبِ قرآن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ صاحبِ ابل جس نے اسکی ٹانگ باندھ رکھی ہو اب اگر اس نے اس کا خیال رکھا تب تو اونٹ پر اس کا قابو رہ سکے گا اور اگر کھول دیا تو اونٹ نکل بھاگے گا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اعمال کے اجور (اور ثواب) پیش کئے گئے یہانتک کہ اگر کسی شخص نے مسجد سے خس وخاشاک کو دور کیا تھا تو وہ بھی پیش ہوا۔ اسی طرح میری امت کے ذنوب (اور گناہ) بھی پیش کئے گئے۔ مجھے ان میں کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں نظر آیا کہ کسی انسان کو قرآن شریف کی کوئی سورۃ یا کوئی آیت یاد ہو اور پھر اس نے اسکو بھلا دیا ہو۔

حضرت سعد بن عُبادہؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن شریف کو پڑھا پھر اسکو بھُلا دیا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے بدن پر جذام ہو گا۔

فصل :۔ حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص شب میں اپنے ورد (وظیفہ اور معمول) وغیرہ سے سو جائے پھر اس کو صبح، فجر اور ظہر کے درمیانی وقت میں ادا کرے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے شب ہی میں ادا کیا ہو۔ حضرت سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں ایک شب اپنے ورد کو نہ پڑھ سکا اور میرا ورد سورۂ بقرہ کی تلاوت کا تھا جب صبح کو اٹھا تو میں نے "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا۔ اسی رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بقرہ (یعنی گائے) ہے جو مجھ کو اپنے سینگ سے مار رہی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کسی حافظ قرآن کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شب وہ سو گئے اور اپنے معمول کو نہ ادا کر سکے۔ شب کو انھوں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا ان سے کہہ رہا ہے کہ:

بڑے افسوس اور تعجب کی بات ہے کہ ایسا تن و توش اور ایسی صحت رکھنے والا جوان تو صبح تک پڑا سوتا رہے یعنی اس قدر غافل ہو۔ اور موت کا یہ حال ہے کہ اس کے جھپٹنے سے رات کی تاریکی میں امن نہیں ہے (اس کا تو تقاضہ تھا کہ انسان اس طرح سے غافل نہ سوتا)

آدابِ تلاوتِ قرآن پاک

میں نے شروع میں وعدہ کیا تھا کہ آدابِ تلاوت مستقل طور پر بیان کرونگا اس لئے بیان کرتا ہوں۔ بعض آداب پہلے بیان ہو چکے ہیں تاہم ثانیاً لکھتا ہوں تاکہ سب یکجا ہو جائیں وھو ھٰذا

کتاب الاذکار میں ہے کہ:

سب سے پہلی چیز جس کا قاری اپنی قرارت میں مامور ہے وہ اخلاص ہے اور قرآن پاک کے ادب کی رعایت ہے پس اس کو چاہئے کہ اپنے دل میں یہ استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہے۔ اور قرارت ایسے حال پر کرے گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ نہیں دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو دیکھتے ہیں۔

احیاء العلوم میں ہے کہ:

تلاوت کرنیوالے کو چاہئے کہ کلام اللہ کی عظمت کو سمجھے اور ابتداء تلاوت ہی میں متکلم کی تعظیم کو مستحضر کرے اور یہ سوچے کہ جس کلام کی تلاوت کرنے جا رہا ہے وہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ جل شانہٗ کا کلام ہے۔

نیز احیاء العلوم میں ہے کہ:

قاری کے لئے مناسب ہے کہ باوضو ہو۔ وقار اور سکون کی ہیئت میں ہو، قبلہ رُو ہو اس کا بیٹھنا تکبر کے طور پر نہ ہو بلکہ اس کا جلوس خلوت میں اس طور پر ہو جیسے ایک شاگرد رشید اپنے استاذ محترم کے سامنے بیٹھتا ہے اور افضل احوال یہ ہے کہ نماز میں کھڑے ہو کر پڑھے اور اگر وہ مسجد میں ہو تو

یہ افضل الاعمال ہے اور اگر بلا وضو کے لیٹ کر قرارت کرے تب بھی فضیلت ہے مگر پہلی قرارت سے اس کی فضیلت کم ہے۔

دورانِ تلاوت تالی کی کیفیت

کتاب الاذکار میں ہے کہ قاری کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اسکی قرارت میں خشوع وتدبر اور خضوع ہو اور یہی مطلوب و مقصود ہے اسی سے سینوں میں انشراح اور قلوب میں نور پیدا ہوتا ہے چنانچہ سلف کے کچھ لوگ ایک آیت کی تلاوت رات رات بھر کرتے رہ جاتے تھے۔ اور رات کے اکثر حصہ کو تدبر کرنے میں گذار دیتے تھے۔ اور ایک جماعت تو تلاوت کے وقت بیہوش ہو گئی اور کتنے لوگ مر بھی گئے اور مستحب یہ ہے کہ تلاوت کے وقت روئے، اگر رونے پر قادر نہ ہو تو رونے کی صورت بناوے اسلئے کہ قرارت کے وقت بکار عارفین کی عادت اور اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کا طریقہ ہے اور اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (الآیۃ) اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن انکا خشوع اور بڑھا دیتا ہے۔

صاحب روح المعانی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ:

وقد جاء فی مدح البکاء من خشیۃ تعالیٰ اخبار کثیرۃ اخرج الحکیم الترمذی عن النضر ابن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوان عبداً ابکی فی امۃ لانجی اللہ تعالیٰ تلک الامۃ من النار ببکاء ذٰلک العبد۔

وما من عمل الا لہ وزن وثواب الا الدمعۃ فانھا تطفیٔ بحوراً من النار وما اغرورقت عین بماءھا من خشیۃ اللہ تعالیٰ الا حرم اللہ تعالیٰ جسدھا علی النار فان فاضت علی خدہ لم یرھق وجھہ قتر ولا ذلۃ۔

واخرج ایضاً عن ابن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يقول عينان لا تمسّهما النار عين بكت من خشية الله وعين باتت تحرس في سبيل الله۔

واخرج هو والنسائی ومسلم قال قال رسول الله صلے الله علیہ وسلم لا يلج النار رجل بكى من خشية الله تعالےٰ حتیٰ يعود اللبن في الضرع و لا اجتمع على عبد غبار في سبيل الله تعالیٰ ودخان جهنم۔ وزاد النسائی في منخريه ومسلم ابداً۔ وينبغي ان يكون ذٰلك حال العلماء فقد اخرج ابن جرير وابن المنذر وغيرهما عن عبد الاعلى التيمي انه قال انّ من اوتی من العلم ما لا يبكيه لخليق ان قد اوتی من العلم ما لا ينفعه لان الله تعالیٰ نعت اهل العلم فقال ويخرّون للاذقان يبكون۔

(ترجمہ ملاحظہ) اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کی مدح میں بہت کثرت سے روایات آئی ہیں چنانچہ حکیم ترمذی نے نضر بن سعد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ کسی قوم میں (اللہ تعالیٰ کے خوف سے) روتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پوری امت کو (اس ایک بندہ کے رونے کے سبب) نارِ جہنم سے رہائی نصیب فرمادیتے ہیں اور ہر عمل کیلئے ایک خاص وزن اور ثواب ہوتا ہے بجز آنسو کے کہ وہ آگ کے بہت سے سمندروں کو بجھا دیتا ہے اور کوئی آنکھ ایسی نہیں ہے جس میں خدا کے خوف سے آنسو ڈبڈبا آئے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو دوزخ پر حرام فرمادیں گے اور اگر وہ آنسو اس کے رخسار پر گرجائے تو اس کے چہرہ پر ذرا بھی سیاہی چھائیگی نہ رسوائی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں کہ نارِ جہنم انکو نہ چھوئے گی۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں حفاظت کیلئے جاگی ہو۔

اسی طرح نسائی وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جو کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا ہو اسوقت تک دوزخ میں داخل نہ ہوگا جب

تک کہ دودھ تھن میں نہ لوٹ جائے (یہ تعلیق بالمحال ہے یعنی نہ یہ ہوگا اور نہ وہ ہوگا) اور یہ فرمایا کہ کسی انسان کے نتھنوں میں اللہ تعالیٰ کے رستہ کی گرد اور دوزخ کا دھواں یہ دونوں چیزیں ہرگز جمع نہیں ہوسکتیں (یعنی دنیا میں جب اللہ کے راستہ میں گرد کھائی ہے تو آخرت میں عذاب جہنم سے محفوظ رہے گا) اور لائق ہے کہ یہی حال علماء کا بھی ہو۔ اس لئے کہ ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ نے عبدالاعلیٰ تیمی سے تخریج کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایسا علم دیا گیا جو اس کو نہ رلائے تو حق ہے کہ کہا جائے کہ وہ ایسا علم دیا گیا جو اس کے حق میں نافع نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے وصف میں یہ فرمایا ہے کہ اپنے منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور روتے ہیں (پس جو عالم خدا کے خوف سے رویا نہیں وہ کیا عالم ہوا)

قرآن دیکھ کر پڑھنا

قرآن دیکھ کر پڑھنا افضل ہے زبانی پڑھنے سے۔ یہی ہمارے اصحاب نے کہا ہے اور سلف سے بھی مشہور ہے مگر یہ علی الاطلاق نہیں بلکہ اگر قاری کا حال یہ ہے کہ زبانی پڑھنے میں اس کو زیادہ تدبر و تفکر اور جمعیتِ قلب حاصل ہوتی ہے تو اس صورت میں اس کے لئے یہی افضل ہے اور دونوں میں تدبر و تفکر یکساں ہو تو پھر قرآن دیکھ ہی کر پڑھنا افضل ہے۔

قرا٫تِ جہری و سرّی

قراءت میں رفع صوت (بآواز بلند پڑھنے) کے بارے میں احادیث آئی ہیں اور اسرار (آہستہ پڑھنے) کی فضیلت میں بھی بہت سے آثار وارد ہیں۔ ان دونوں میں تطبیق اور جمع کی صورت یہ ہے کہ اسرار (یعنی آہستہ آواز سے پڑھنا) ریاء سے بہت بعید ہے تو جن لوگوں کو اس کا خوف ہو ان لوگوں کے حق میں اسرار ہی افضل ہے۔ اور اگر ریاء کا خوف نہ ہو تو جہر

(یعنی بلند آواز سے تلاوت کرنا) افضل ہے۔ بشرطیکہ اس سے کسی نماز پڑھنے والے یا سونے والے کو اذیت نہ ہو۔

جہر کے افضل ہونیکی دلیل یہ ہے کہ اس میں عمل بڑا ہے اور اس کا نفع غیروں کو بھی پہونچتا ہے، اور جہر قاری کے قلب کو بیدار کر دیتا ہے، اسکے خیال کو غور و فکر کیطرف جمع کر دیتا ہے، اس کے کان کو اس کی طرف پھیر دیتا ہے، نیند کو ختم کر دیتا ہے، نشاط کو زیادہ کرتا ہے، دوسرے نائمین و غافلین کو بیدار کر کے ان میں نشاط پیدا کر دیتا ہے۔ پس اگر جہر سے ان مذکورہ اشیاء میں سے کوئی شئے مقصود و مطلوب ہو تو جہر افضل ہے۔

تلاوت میں حسنِ صوت

قرارت میں تحسینِ صوت اور اسکی تزیین مستحب ہے مگر جبکہ حد سے تجاوز نہ ہو جائے۔ پس اگر ایک حرف بھی زیادہ کر دے یا کم کر دے تو یہ حرام ہے اور الحان سے قرارت کرنے میں اگر افراط نہ ہو تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

تلاوت کے آغاز و انتہا میں ربطِ معانی کا لحاظ

قاری کو چاہئے کہ ایسی جگہ سے قرارت شروع کرے اور ایسی جگہ پر وقف کرے کہ معنیٰ مربوط رہیں۔ اب اس امر میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے اسلئے ہرگز ہرگز اس میں لوگوں کی تقلید نہ کرنی چاہئے بلکہ سید جلیل ابو علی فضیلؒ ابن عیاض کے مقولہ کو اپنا لائحۂ عمل بنانا چاہئے وہ فرماتے ہیں کہ:

لَا تَسْتَوْحِشْ طُرُقَ الْهُدٰى لِقِلَّةِ اَهْلِهَا وَلَا تَغْتَرَّ بِكَثْرَةِ الْهَالِكِيْنَ۔

ہدایت کے راستوں سے اس بنا پر کہ ان پر چلنے والے کم ہیں متوحش نہ ہو اور کثرتِ ہالکین سے دھوکہ میں نہ (یعنی انکی کثرت کو دیکھ کر تم بھی انکی اتباع کرنے اور ہلاکت میں پڑ جاؤ (یہ سب آداب کتاب الاذکار للنووی سے ماخوذ ہیں)

پس اگر ان آداب مذکورہ کا لحاظ کرکے تلاوت کی جائے تو ضرور تلاوت کے فیوض و برکات حاصل ہوں گے اور تلاوت کی لذت و حلاوت ملے گی، اور جسکو تلاوت میں لذت و حلاوت مل جائیگی اسکو کبھی بھی تلاوت سے سیری نہ ہوگی۔ چنانچہ صحابہ کو قرآن پاک میں ایسی حلاوت حاصل تھی کہ انکو کسی دوسری چیز میں ایسی حلاوت ملتی ہی نہ تھی۔

روایت ہے کہ جب صلوٰۃِ خمسہ فرض ہوئیں تو صلوٰۃ تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ تہجد کی فرضیت کے ساقط ہو جانے کے بعد دیکھیں صحابہ کا کیا حال ہے۔ اخیر شب میں تلاوت کلام اللہ کرتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ آپؐ صحابہ کے حجروں سے گذرے تو شہد کی مکھیوں کیطرح بھنبھناہٹ سنی۔ یعنی بدستور سابق لوگ قرارتِ قرآن میں مشغول تھے۔ بھلا وہ کیسے چھوڑ سکتے تھے انکے گوشت و پوست، سمع، بصر، دل و دماغ میں قرآن رچ بس گیا تھا اور پوری طرح سرایت کر گیا تھا ان کا جزو لاینفک (لازم) ہوگیا تھا۔ اسلئے فرضیتِ تہجد رہے یا نہ رہے ہر حال میں تلاوت کرنے پر مجبور تھے انکو قرآن سے تعلق ہوگیا تھا اور اس بابرکت وقت سے تعلق ہوگیا تھا انکو اس وقت کی برکت و حلاوت مل چکی تھی تو پھر کیسے اس سے غافل ہو سکتے تھے۔

ایک صحابی قرآن پاک کی قرارت نہایت خوش الحانی سے کر رہے تھے، حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سنا تو فرمایا کہ فلاں شخص تو لحنِ داؤد دیئے گئے ہیں۔ انھوں نے یہ سنکر کہا کہ اگر میں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو اور زیادہ خوش الحانی سے پڑھتا۔

ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی طبیعت رمضان شریف میں ناساز ہوئی، امام صاحب سے لوگوں نے کہدیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو کچھ نقاہت ہے لہٰذا تراویح میں قرآن پاک معمول سے کم پڑھا جاوے

چنانچہ امام صاحب نے ایسا ہی کیا، جب امام صاحب فارغ ہوئے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا: کہئے امام صاحب مزاج تو اچھا ہے؟ کیوں کم پڑھا۔ امام صاحب نے کہا کہ حضرت کی طبیعت ناساز تھی اس لئے کم پڑھا تب حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں۔ میرا تو حال یہ ہے کہ جب قرآن شریف کوئی پڑھتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ سنتا ہی چلا جاؤں۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور اکابر کو قرآن پاک سے انتہائی مناسبت تھی اور اسکی تلاوت سے ان حضرات کو حظ، حلاوت ایسی ملتی تھی جس کیوجہ سے بس قرارت کرتے اور سنتے ہی چلے جاتے تھے ذرا تکان و ملالت محسوس نہ فرماتے تھے۔ سنئے! بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو معجزات عطاء فرمائے اور یہی معجزات ان کی نبوت و رسالت کیلئے حجت اور دلیل بنتے ہیں اور اولیاء کو انبیاء کی وراثت میں کرامات عطاء فرماتے ہیں تاکہ منکرین کو زیر کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں نہایت زبردست کشش اور تاثیر عطاء فرمائی ہے جسکی وجہ سے وہ بڑے بڑے منکر و معاند کو مغلوب و محجوج کر دیتا ہے آخر کوئی بات تھی جبھی تو عرب کے لوگ اسکی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر منہ کے بل گر پڑے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اقرار کیا حالانکہ وہ لوگ اپنے سامنے کسی دوسرے کو خاطر میں لاتے تھے اور انھوں نے یہ تسلیم کیا کہ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کوئی بشر ایسے کلام پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اس بات کو تو دل میں سب مان گئے مگر جن کی قسمت میں سعادت تھی وہ ایمان لائے اور جو شقی تھے وہ اپنے کفر و عناد ہی پر ڈٹے رہے۔

ایک بات اور سنئے! مختصر المعانی میں گھوڑوں کی تعریف میں یہ مصرع آیا ہے۔ ع

سَلُوْحٌ لَھَا مِنْھَا عَلَیْھَا شَوَاھِدٌ

یعنی ایسے گھوڑے ہیں کہ ان کیلئے انھیں سے ان پر شواہد ہیں۔ یعنی خارج سے انکی خوبیوں کیلئے دلائل وشواہد کی ضرورت نہیں ہے۔

اس مصرع کو میں قرآن پاک پر پڑھتا ہوں اور بیشک قرآن ہی ایسا ہے کہ اس پر یہ مصرع پڑھا جاوے کہ قرآن کے فضائل اور اسکی خوبیوں پر خود قرآن ہی شاہد ہے۔ ع : آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

حضرت مصلح الامتؒ کی نصیحت

بس اب اخیر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو نازل فرماکر فیوض وبرکات کے ابواب کو مفتوح فرمادیا ہے اور اپنے سے رشتہ وتعلق جوڑنے کیلئے اعلیٰ ترین ذریعہ ہم میں چھوڑ رکھا ہے۔ اب ہم اگر اس کی قدر نہ کریں بلکہ اسکے علاوہ دوسرے کلام واشعار سے ذوق وحال پیدا کریں اور کلام اللہ میں تدبّر وتفکر تو درکنار تلاوت کے بھی روادار نہ ہوں تو بہت ہی خُسران اور حرمان ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا موجب ہے۔

سنئے! اگر آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی رأفت وعنایت کو مبذول کرانا چاہتے ہیں تو بس کلام اللہ کیطرف توجہ کیجئے اور اپنا رشتہ کلام اللہ سے جوڑیئے اور قوی تعلق پیدا کیجئے پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کی عنایت متوجہ ہوتی ہے یا نہیں آخرت میں جو عزت وشرف وکرامت ملے گی اس کا تو پوچھنا ہی کیا، دنیا میں بھی اللہ تعالےٰ اس کی کفالت فرمائیں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جس کو قرآن کی قرارت اور ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھا تو سائلین کو جو کچھ دیتا ہوں اس سے افضل شئے اسکو دوں گا۔

قرآن سے متعلق ادعیۂ ماثورہ

اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ادعیہ پر مضمون کو ختم کرتا ہوں
وَاَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِي
كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ
عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَ
ذَهَابَ هَمِّيْ۔ یعنی سوال کرتا ہوں میں تجھ سے بحق ہر اس نام کے جو تیرا ہے کہ تونے
جس کے ساتھ اپنی ذات کو موسوم کیا ہے یا اس کو اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اُسے
اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا علم غیب ہی میں اسکو رہنے دیا ہے یہ کہ کردے
قرآن عظیم کو بہار میرے دل کی اور نور میری آنکھ کا اور کشائش میرے غم کی اور دفعیہ
میری فکر کا۔

دیکھئے یہاں قرآن کو قلب کی ربیع و بہار فرمارہے ہیں اس سے معلوم
ہوا کہ قرآن سے قلب میں بہار آجاتی ہے تو کوئی شئے ہے جبھی تو یہ دعا فرمارہے ہیں
اسی طرح کی دوسری دعائیں سنئے!

اَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِيْ اسْتَقَرَّ بِهٖ عَرْشُكَ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ
الطَّاهِرِ الْمُطَهَّرِ الْمُنَزَّلِ فِيْ كِتَابِكَ مِنْ لَّدُنْكَ وَبِاسْمِكَ الَّذِيْ
وَضَعْتَهٗ عَلَى النَّهَارِ فَاسْتَنَارَ وَعَلَى اللَّيْلِ فَاظْلَمَ وَبِعَظْمَتِكَ وَكِبْرِيَائِكَ
وَبِنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تَرْزُقَنِيَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ وَتَخْلِطَهٗ بِلَحْمِيْ وَدَمِيْ
وَسَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَتَسْتَعْمِلَ بِهٖ جَسَدِيْ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ فَاِنَّ
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

قرآن پاک ہی کے متعلق حضور نے یہ دعا بھی فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِ

وَاجْعَلْهُ لِيْ إِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً . اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ
مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاءَ اللَّيْلِ
وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

تمت بالخير

چند دیگر کتابیں

اسوۃ الصالحین
سلک السلوک
مناجات مقبول
رحمتوں کے دن برکتوں کی راتیں
بارہ مہینوں کے فضائل و احکام
حالات مصلح الامت رح مکمل (۳ جلد)
مصیبت کے بعد راحت
عمل مختصر ثواب زیادہ
معلم الحجاج
تلاوت قرآن
شاہنامہ اسلام مکمل (۴ حصہ)
محبت الٰہی اور نفس

زاد السعید
بہشتی ثمر اوّل، دوم
کمالات اشرفیہ
حکایات اولیا
اصلاحی نصاب
مسنون دعائیں
شہادۃ الاقوام علی صدق الاسلام
صفائی معاملات
مجموعہ تالیفات مصلح الامت رح
امداد الفتاوی مکمل (۶ جلد)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں
ٹی وی اور عذاب قبر

ملنے کا پتہ

دائرۃ الاشاعت خانقاہ مصلح الامت ۲۵/۲۳ بخشی بازار
الہ آباد ۳

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر :- احمد مکین

شمارہ ۱۵ ۔ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ مطابق مارچ ۹۷ء جلد ۱۹

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زرِ تعاون ستر روپیہ سماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین ۔ ۲۵/۲۳ ۔ بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D
Code No
0532

پرنٹر ۔ پبلشر ۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج ۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

(یہ ضرور پڑھ لیجئے)

افسوس کی بات ہے کہ ایک دینی اور اصلاحی رسالہ کے پڑھنے والے ایسا تغافل برتیں کہ پورا سال گذر جائے اور اپنا واجبی زر تعاون خود ارسال کرنے کا خیال تک نہ آئے بہت سے احباب نے ابتک ۹۶ء کا زر تعاون بھی ارسال نہیں فرمایا ایسے حضرات کو فوری طور پر اپنا زر تعاون ارسال فرماکر اپنی دینی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے۔

علم کو کارآمد بنانے کا طریقہ

فرمایا کہ میں نے اب اپنا طریقہ بدل دیا ہے اور چونکہ تجربہ کے بعد ایک نیا علم مجھ کو حاصل ہوا ہے اسلئے چاہتا ہوں کہ آپ لوگ بھی اس سے ناواقف نہ رہیں وہ یہ کہ میں نے یہاں کے رہنے والوں کے سامنے ایک مدت تک قرآن اور آیات کی تفسیر سنائی ایسی ایسی آیتیں کہ اثر کرنے کے لیے ایک دو آیت بھی کافی و وافی تھی مگر دیکھا کہ ان پڑھنے پڑھانے والوں پر اسکا کما حقہ اثر نہیں ہوا۔

اسی طرح حدیث شریف کا سبق شروع کرایا اور شراح حدیث نے اسکی کیسی کیسی شرح فرمائی ہے اسکو بھی سنایا لیکن میں اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیاب نہیں ہوا کیونکہ دیکھا کہ ان لوگوں نے اسکا بھی کوئی اثر نہیں لیا۔

پھر میں نے غور کیا کہ آخر کیا بات ہے کہ مجھ پر تو قرآن و حدیث کا بہت اثر ہوتا ہے اور اتنا وقت جو اس کے درس میں گذرتا ہے اسکو عمدہ ترین وقت اور زندگی کا اصل سرمایہ اور حاصل سمجھتا ہوں پھر ان لوگوں پر اثر کیوں نہیں ہوتا؟ تو بات سمجھ میں یہ آئی کہ اصل میں یہ لوگ غافل ہیں، غفلت انکے قلب میں موجود ہے تم جو علوم بیان کرتے ہو ذوق اور حال کے درجہ میں انکو نہیں پہونچتیں بلکہ صرف علم کے درجہ میں ہو کر رہ جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جب قلب میں غفلت بھری ہو تو پھر قرآن و حدیث کا اس پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟ اسلئے کہ یہ دوسرے ہی لوگ ہیں اور قرآن و حدیث سے جنکو نفع ہوتا ہے وہ کچھ دوسرے ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں لہذا انکے مناسب جو چیز ہے اسکو استعمال کروگے تب نفع ہوگا چنانچہ انکو ذکر میں لگاؤ کیونکہ بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جب کسی زنگ آلود چیز کو صاف کرنا ہو تو صابن استعمال کرنے سے پہلے ریت سے اسکو مانجھنا چاہیئے تب صابن

کا بھی فائدہ مرتب ہوگا ورنہ بدون اسکے ابتداءً ہی صابن لگائیے تو برتن بھی صاف نہ ہوگا اور صابن بھی برباد جائیگا چنانچہ صاحب ترصیع الجواہر المکیۃ فرماتے ہیں کہ:۔

اعلم ان اسرع الطاعات فی جلاء القلب و تنویرہ وتبدیل الاوصاف الردیۃ بالاوصاف الحمیدۃ ذکر اللہ تعالیٰ قال تعالیٰ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر قالوا ان عمل الذکر فی جلاء القلب عمل الرمل فی جلاء النحاس و عمل بقیۃ الطاعات فی جلاءہ عمل الصابن فی جلاء النحاس (ص۳۴ ترصیع)

جان لو کہ سب طاعات سے بڑھکر طاعت قلب کی جلاء اور تنویر کے حق میں نیز اسکے اوصاف ردیہ کو حمیدہ سے بدلنے کے باب میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بلاشبہ نماز بے حیائی کے کاموں اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے چنانچہ علماء طریق نے فرمایا ہے کہ قلب کو جلا کرنے میں ذکر کا وہ درجہ ہے جو تانبہ کے صاف کرنے میں ریت کا درجہ ہے اور تنویر قلب کے بارے میں بقیہ طاعات کی وہ حیثیت ہے جیسی کہ اسی تانبے کی صفائی میں صابن کی۔

چنانچہ اسکے پیش نظر ذکر پر لگایا تو دیکھا کہ نفع ہوا اور اپنی اس تبدیلی اور ترمیم میں معین ایک عالم کا وہ واقعہ بھی ہوا جس کو صاحب مرقات نے شرح مشکوٰۃ میں بیان فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اسکی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اسمیں کچھ شک نہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ افضل الذکر ہے
اور یہی وہ قاعدہ ہے جس پر ارکان دین کی بنا قائم ہے
اور یہی کلمۂ علیا ہے اور یہی وہ قطب ہے جس پر اسلام کی
چکی گھومتی ہے اور یہی وہ شعبہ ہے جو کہ اسلام کے تمام شعبوں
سے اعلیٰ ہے

اور علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ

بلکہ یہی کل ہے اور اس کے سوا کچھ ہے ہی نہیں

ــــ یہ شرح کرکے اسکے آگے لکھتے ہیں ــــ اور اس بات کو سمجھانے کے لئے یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ سید علی ابن میمونؒ مغربی نے جب شیخ علوانؒ حموی میں تصرف فرمایا جو کہ مفتی اور مدرس تھے تو انکو افتاء اور تدریس سب کاموں سے منع فرمادیا اور انکو ذکر اللہ میں مشغول کرایا پس جہلا نے سید علی بن میمون کے بارے میں زبان طعن دراز کیا اور کہنے لگے کہ انھوں نے تو شیخ الاسلام کو گمراہ کردیا اور مخلوق کے نفع سے انکو روک دیا پھر سید علیؒ کو یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شیخ علوان حموی کبھی کبھی تلاوت قرآن بھی کرتے ہیں تو اس سے بھی منع فرمادیا۔ اب لوگ کہنے لگے کہ یہ تو زندیق ہوگئے کہ تلاوت قرآن سے بھی منع کرتے ہیں جو کہ قطب ایمان اور غوث ایقان ہے لیکن مرید نے بلا خوفِ لومۃ لائم (بلا کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ کئے) اپنے شیخ کی اطاعت کی یہاں تک کہ انھیں مزید علم حاصل ہوا اور انکے قلب کا آئینہ روشن ہوگیا اور اپنے رب کا مشاہدہ حاصل ہوگیا تو انکو قرارت قرآن کی اجازت عطا فرمادی چنانچہ جب انھوں نے قرآن پاک کھولا تو فتوحات ازلیہ وابدیہ کے ابواب حاصل ہوئے اور ظاہری و باطنی عوارف و معارف کے خزانے ظاہر ہوئے۔ تب سید علی بن میمونؒ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو قرآن پاک کی تلاوت سے نہیں منع کرتا تھا بلکہ زبان کے لقلقے سے منع کرتا تھا اور اسکے بارے میں جو وعیدیں آئی ہیں ان سے غافل رہنے سے منع کرتا تھا۔ (مرقات ص ۱۳۱ -)

دیکھئے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ قلب میں جب غفلت رہتی ہے تو وہ طریقہ ہی سے زائل ہوتی ہے اور بدون طریقہ سے زائل کئے ہوئے

وہ از خود زائل نہیں ہوتی بلکہ بعض حالات میں تو قرآن و حدیث کی تلاوت اور مزاولت بھی اسکے لئے کافی نہیں ہوتی چنانچہ شیخ علوانؒ حموی اسی مرتبہ میں تھے۔ عالم تھے، مفتی تھے، مدرس تھے مگر کشود کار نہ ہوتا تھا بالآخر ایک صاحب باطن بزرگ نے توجہ فرمائی اور انکو ذکر پر لگایا تب انکے قلب سے غفلت دور ہوئی اسی لئے ہر زمانہ میں حضرات علماء، مشائخ کرام کے محتاج ہوئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ راستہ بدون اہل اللہ کی مصاحبت کے سطے نہیں ہوتا۔ آپ خود دیکھئے آپ کے قریب ہی زمانہ میں کیسے کیسے چوٹی کے علماء ہوئے ہیں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور ہمارے حضرت مولانا تھانویؒ جیسے زبردست اہل اللہ ہوئے مگر کوئی بات تو تھی جو ان سب حضرات نے حضرت حاجی صاحبؒ کے تعلق کو ضروری جانا یہ حضرات جانتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کے پاس کوئی دولت ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ اسی کے لئے گئے اور وہ وہی چیز تھی جس کیلئے شیخ علوانؒ سید علی بن میمونؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے غرضیکہ یہ سلسلہ یونہی چلا آرہا ہے کہ علماء ظاہر کو اپنے علم کو کارآمد بنانے کے لئے علماء باطن کے پاس جانا پڑا ہے اور ان حضرات نے اسی ذکر کے ذریعہ انکے قلوب کو ذاکر بنا دیا اور اس سے غفلت کو نکال پھینکا معلوم ہوا کہ غفلت دور کرنے کیلئے بجز ذکر کے اور کوئی دوسری شے نہیں ہے اس پر سب مشائخ کا اتفاق ہے۔ دیکھئے اسکے متعلق آپ کے بزرگ کیا فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کسی سالک کو تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

سلطان الاذکار حقیقی کے بعد خطرات سو کی گنجائش نہیں رہتی۔ ع۔ ہر جا کہ سلطاں خیمہ زد غوغا نماند عام را (جہاں بادشاہ نے اپنا خیمہ لگا دیا وہاں عوام کا شور وغل خود بخود ختم ہو جاتا ہے) مگر ہاں خیالی سلطان الاذکار رہوگا اب اسکی

تدبیر کثرت ذکر ہے کہ بہ سبب کثرت ذکر کے بیخ ذکر قائم ہو کر بیخ خطرات کو قطع کر دیوے ۔ (ص۳۰)

ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں :۔

توکل شاہ صاحب کے مرید کا جو حال لکھا ہے انکے خیال میں انفعال ہے قلب میں ذکر راسخ نہیں ہوا، انکو ذکر نا لازم ہے۔ خطرات رفع نہیں ہوتے جب تک کہ قلب میں ذکر نہ قائم ہو وے مخیلہ کا تصرف بے ثبات ہوتا ہے ۔ (ص۳۳)

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

جواب امر ثالث یہ ہے کہ نیستی تام نہیں ہوئی —— اگر فنا رتام ہو جائے تو اگلا راہ مفتوح ہو۔ بندہ کے نزدیک ابتدا رمیں نقصان رہا ہے، ذکر نے قیام نہیں پایا والغیب عنداللہ رات کو ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے (ص۳۹)

دیکھئے! ان تمام مکتوبات میں ذکر پر کسقدر زور دے رہے ہیں کہیں فرماتے ہیں کہ " اسکی تدبیر کثرت ذکر ہے " کہیں فرماتے ہیں کہ " انکو ذکر نا لازم ہے " کہیں فرماتے ہیں کہ " ذکر نے قیام نہیں پایا " اس سے معلوم ہوا کہ ابتدا میں جو چیز سالک کیلئے ضروری اور نافع ہے وہ ذکر اللہ ہی ہے۔

یہیں سے صاحب رسالہ قشیریہ کی اس عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مریدین کے آداب میں سے ظاہری اوراد کی کثرت نہیں ہے اس لئے کہ قوم کا اہم وظیفہ صرف تین امور ہیں اخلار خواطر، معالجۂ اخلاق اور قلب سے غفلت کی نفی، جسکا طریق ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ غفلت کا ازالہ کلی ذکر ہی سے ہوتا ہے اور خواطر کے بیخ کا بھی خاتمہ ذکر ہی کے بیخ کے قیام سے ہوتا ہے۔ پس ذکر بیک وقت دونوں ہی چیزوں کے لئے مفید ہے اسلئے اسکی جیسی ضرورت ہوگی معلوم ہے اور دوسری چیز معالجۂ اخلاق ہے

لہذا اب طریق کار یہ سمجھ میں آیا ہے کہ ان دونوں چیزوں کو ایک ساتھ ہی کیا جائے یعنی ذکر کلی اور معالجۂ اخلاق کلی، لیکن دیکھتا ہوں کہ اب نہ اخلاق کی درستگی کی جانب توجہ ہے اور نہ ذکر ہی کے ساتھ شغف ہے اسلئے یہ کام خراب ہو گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اب میں کلی ذکر ہی پر زیادہ زور دیتا ہوں اور اس پر آمادہ کرتا ہوں تاکہ کام کی صحیح ترتیب سامنے آوے اور جو کام کیا جاوے اس سے نفع ہو اور ذکر کے تقدیم کی یہ وجہ سمجھ میں آئی کہ ابتدا میں سالک کے لئے کسی بسیط ذکر کی ضرورت ہے تاکہ یکسوئی کے ساتھ وہ اسکی جانب توجہ رکھ سکے اور ایک مرکز پر اسکی توجہ مبذول ہو جاوے اور قلب پر اسکا اثر ہو سکے، اسلئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یا اَللّٰہ اَللّٰہ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وغیرہ اذکار ہیں۔ باقی تلاوت کلی گو ذکر ہی ہے مگر مرکب ہونے کی وجہ سے چونکہ سالک کا ذہن مختلف مضامین کی طرف ملتفت ہوتا رہتا ہے اس لئے مبتدی کے لئے باعث تشویش بنتا ہے اس لئے اس سے غفلت زائل نہیں ہوتی یا بہت دیر میں زائل ہوتی ہے علماء اور مشائخ کا اس پر اتفاق ہے۔

اور حضرت مولانا گنگوہیؒ نے یہ جو فرمایا کہ "نیستی تام نہیں ہوئی اگر فنا رتام ہو جائے تو اگلا راہ مفتوح ہو بندہ کے نزدیک ابتدا میں نقصان رہا ہے ذکر نے قیام نہیں پایا و الغیب عند اللہ"

اس کے متعلق کہتا ہوں کہ دیکھئے کیسی عمدہ بات بیان فرمائی ایسی اپنے اپنے زمانہ میں تمام مشائخ یہی کہتے چلے آئے ہیں مولانا گنگوہیؒ نے تو یہ فرمایا ہے "اگر فنا رتام ہو جائے تو اگلا راہ مفتوح ہو" بعینہ اسی مضمون کو خواجہ محمد معصومؒ اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ؎

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا

(یعنی کسی شخص کے لئے جب تک وہ فنا کے درجہ کو نہ پہونچ جائے بارگاہ کبریا میں رسائی ناممکن ہے)

اسی مضمون کو مولانا رومؒ بھی بیان فرماتے ہیں۔ مثنوی میں کہتے ہیں کہ ؎

آئینۂ ہستی چہ باشد؟ نیستی　　　نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی

یعنی ہستی کا آئینہ کیا ہے؟ نیستی ہے۔ اسلئے اگر تم بیوقوف نہیں ہو (اور ہستی چاہتے ہو) تو نیستی اختیار کرو)۔

اور سنیئے! حضرت سعدیؒ بھی یہی فرماتے ہیں بوستان میں کہتے ہیں ؎

مترس از محبت کہ خاکت کند　　　کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند

محبت سے اس وجہ سے نہ ڈرو کہ وہ تمکو خاک کردیگی کیونکہ وہ اگر تمکو ہلاک کردیگی تو　میں تمھاری بقا ہے)

نہ روید نبات از حبوب درست　　　مگر خاک بر دی بگردد نخست

(دیکھو دانہ سے پودا اسی وقت عمدہ طریقہ سے نکلتا ہے جبکہ پہلے اسکے اوپر مٹی ڈال دیتے ہیں اور اسکو خاک میں بالکل فنا کردیتے ہیں)

ترا با حق آں آشنائی دہد　　　کہ از دست خویشت رہائی دہد

یہی محبت تجھکو حق تعالیٰ سے آشنا کرتی ہے مگر اس وقت جبکہ تجھکو تیرے اپنے ہاتھ سے رہائی دلا دیتی ہے یعنی تیری ہستی کو مٹا دیتی ہے اور فنا کردیتی ہے)

کہ تا با خودی در خودت راہ نیست　　　وزیں نکتہ جز بیخود آگاہ نیست

(اور یہ اسلئے کہ تو جب تک اپنے آپ سے چھوٹے گا نہیں تجھکو خود اپنے اندر راہ نہ ملے گی راہ باطن میں نہیں کھلتی جب تک خودی نہیں چھوٹتی سوا بے خود کے یعنی جو شخص کہ نفس سے چھوٹ چکا ہوا ورکوئی دوسرا اس نکتہ سے آگاہ نہیں ہوسکتا یعنی یہ ایک ذوقی اور حالی شے ہے اسلئے قال کے ذریعہ سمجھ میں نہ آئیگی)

دیکھا آپ نے تمام مشائخ متقدمین وہی بات فرما رہے ہیں جو حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمائی ہے کیا اس سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت مولانا کا باطن میں بھی کیا مقام ہے اور باطنی امور کو کیسا سمجھتے تھے یعنی شیخ کامل تھے محض عالم ظاہر ہی نہ تھے۔

طلبہ کیلئے ذکر و شغل کی ضرورت

فرمایا کہ اسوقت طلبہ کا مجمع ہے اس لئے ان سے متعلق ایک نہایت کام کی بات کہتا ہوں سنئے :۔

ہمارے ہی اکابر کا یہ طریقہ تھا کہ وہ حضرات زمانۂ طالبعلمی میں بیعت ہونے کو اور طالبعلم کیلئے ذکر و اشغال میں لگنے کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اس شغل کو انکے مشاغل علمیہ کے حق میں مخل اور اسکے لئے مضر اور مفوت یکسوئی اور باعث تشتت سمجھتے تھے چنانچہ جہاں کسی نے اس زمانہ میں بیعت کی درخواست کی تو اسکو ڈانٹ دیتے تھے اور ذکر وغیرہ سے بھی یہ کہکر منع فرما دیتے تھے کہ یہ زمانہ تحصیل علم کا ہے پہلے اسکو حاصل کر و یہ سب شیطانی وساوس ہیں وہ تمکو اس طرح سے علم سے ہٹانا چاہتا ہے۔

اپنے بزرگوں کا یہ طریقہ اور انکا یہ ارشاد سر آنکھوں پر ان حضرات کے علم اور دیانت و تجربہ میں جو بات آئی انھوں نے صاف صاف کہدیا اس وقت کے لحاظ سے یہی مناسب رہا ہوگا لیکن موجودہ حالات اور اپنے دینی اداروں اور مدارس کا تجربہ و مشاہدہ کرنے کے بعد اب میری رائے اس باب میں بدل گئی ہے چنانچہ اسکے متعلق پوری بصیرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اب یہ طریقہ مفید نہ ہوگا بلکہ سخت مضر ہوگا۔

اسلئے کہ اس زمانہ میں لوگوں میں دین و دیانت تھی طلبہ بہت سا حصہ دین و اخلاق کا گھر ہی سے سیکھ کر مدرسوں میں آتے تھے، دین اور اہل دین کی کامل عظمت انکے قلوب میں تھی اسلئے مدرسہ میں صرف علم ہی سیکھتے تھے تب بھی اسکے خلاف انکو کوئی راہ انکو نہ سوجھتی تھی اپنے اساتذہ کی صحبت سے ہی جو کہ علاوہ ظاہر کے باطن سے بھی حصہ پائے ہوئے ہوتے تھے انکے اندر عمل

کا جذبہ اور اخلاص کا حصہ موجود رہتا تھا دین اور شعائر دین کا ادب قلب میں موجود ہوتا تھا کتاب وسنت کی عظمت اور وقعت قلوب میں موجود ہوتی تھی اسلئے اللہ ورسول سے محبت اور تعلق سے بھی دل خالی نہ رہتا تھا چنانچہ مشغلۂ علم انکے حق میں کچھ مضر نہ ہوتا اور اس سے فراغت کے بعد مشائخ کے یہاں جاکر بہت قلیل زمانہ میں اخلاق حسنہ سے بھی قلب کو منور کر لیتے تھے اور علم کی جو روح ہے عمل اور اخلاص اسکے ساتھ متصف ہو جاتے تھے اور اللہ ورسول کی محبت سے اپنے سینہ کو معمور کرکے ظاہری اور باطنی کمالات کے ساتھ متصف ہوکر اپنے اپنے کام میں لگ جاتے تھے - یہ تو اگلے زمانہ کا حال تھا -

لیکن اب یہ حالات باقی نہیں ہیں اور اس میں کچھ زیادہ بصیرت کی بھی ضرورت نہیں ہے مشاہدہ شاہد ہے کہ زمانہ فسادات سے بگڑ گیا ہے بد دینی عام ہوگئی ہے جن کے اثرات نے نہ صرف ہمارے گھر اور ماحول ہی کو متاثر کیا ہے بلکہ جو جگہیں کہ صلاح واصلاح کیلئے موضوع تھیں انکا حال تو بہت ہی برا ہوگیا ہے طریق پر نہ صرف یہ کہ عمل نہیں رہ گیا ہے بلکہ اسکا انکار پیدا ہوگیا ہے اور اسکا یہ اثر ہوا کہ مدارس اور خوانق دونوں دو مقابل کی چیزیں اور علماء ظاہر اور مشائخ میں باہم ایک تقابل اور بُعد سا ہوگیا ہے یا تو یہ دونوں انسان کی تکمیل کے لئے بمنزلہ دو درجات کے تھے کہ ایک سے فارغ ہوکر دوسرے میں آدمی جاتا تھا یا اب ایسے مدمقابل ہوگئے کہ مدارس میں کچھ علم ہے تو اخلاق کا پتہ نہیں ہے اور خانقاہوں نے کچھ ذکر وشغل کو باقی بھی رکھا ہے تو علم کا نام ونشان نہیں رہ گیا ہے -

اسلئے اب جبکہ بگاڑ کی نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے تو آپسے کہتا ہوں کہ طلبہ کو جو مدارس میں علم سیکھتے ہیں کس امید پر انکی باطن سے روکے رکھا جائے اور جب گھر، مدرسہ اور ماحول سب جگہ انکار اور بد اخلاقی کی آگ پھیلی ہوئی ہے

تو اگر ہم انکو باطن کی جانب توجہ نہ دلائیں تو دس پندرہ سال مزید جو یہ مدرسے میں گذاریں گے اور اس فضا میں گذاریں گے کیا اسکے بعد آپ توقع رکھتے ہیں کہ وہ کسی مصلح کی اصلاح اور کسی شیخ کی تربیت قبول کرلیں گے؟ ظاہر ہے کہ نہیں کریں گے تو علم سے تو یوں گئے کہ انکی آزادی نے انکو اس طرف توجہ کرنے سے ہٹائے رکھا اور اخلاق اور اخلاص بلکہ دین وایمان سے بھی یوں عاری رہے کہ اس کے حصول کا جو طریقہ تھا آپ نے اس پر ان کو لگنے نہیں دیا کہ یہ شغلہ علم کے منافی ہے پھر جو انکا حشر ہوگا ظاہر ہے۔

اسلئے میں کہتا ہوں اور پوری قوت اور انشراح کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان طالبعلموں کو زمانہ طالبعلمی ہی میں ذکر وشغل میں بھی لگاؤ اسکی وجہ سے اگر بالفرض انکی توجہ ادہر ہی زیادہ ہوگئی اور علم کچھ کم بھی آیا تو خیر تدین، زہد، تقوی اور ایمان ہی تو حاصل ہوا، بہت بڑے عالم نہ ہوں گے تو مومن، زاہد اور متقی تو رہیں گے۔ اور اگر آپ نے اس طرف نہ لگایا تو نہ علم آسئے گا اور نہ تقوی ہی پیدا ہوگا نہایت برا حال ہوگا اور قوم کے لئے برا نمونہ ہونگے۔

یہ مت سمجھو کہ علم دین ہی تو پڑھ رہے ہیں اسی سے تقوی بھی پیدا ہوجائیگا یہ صریح دھوکا ہے آج ان موجودہ حالات کی بنا پر قلوب میں غفلت اور اس پر شیطان کا کامل تسلط ہوگیا ہے تو اس قلب کی صفائی کے لئے تنہا علم کافی نہیں ہے بلکہ ہر کام اپنے طریقہ ہی سے ہوتا ہے اور اسکا طریقہ وہی ہے جو صوفیا کرام ہر زمانہ میں بتاتے آئے ہیں یعنی ذکر اللہ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ اہل علم مشائخ کے محتاج رہے ہیں اگر تنہا علم سے کشود کار ہو جاتا تو ایسے بڑے بڑے علماء مشائخ کے یہاں نہ جاتے بلکہ علم ہی کے ذریعہ راستہ طے کرلیتے اسلئے کہتا ہوں کہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو صرف علم کے ذریعہ کامل نہیں ہو سکتا

یہ دوسرا وقت ہے صحابہ کا زمانہ نہیں ہے وہ صحابہ ہی تھے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنتے تھے اور قلب ایمان سے بھر جاتا تھا اب تو ایمان قلب میں پیدا کرنے کیلئے مشائخ کا طریق اختیار کرنا ناگزیر ہے۔

چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر مشائخ نے اپنے لئے ایک راستہ سب حضرات سے الگ تجویز کیا کیونکہ ان حضرات نے دیکھا کہ اب صرف کتاب و سنت قلب سے غفلت دور کرنے اور ایمان حقیقی پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ ضرورت ہے کہ ان غفلت بھرے قلوب سے پہلے غفلت کو دور کیا جائے چنانچہ اسکے لئے ان حضرات نے اذکار اشغال اور مراقبات تعلیم فرمائے اور قلب ہی کی اصلاح کو اپنا وظیفہ قرار دیا یعنی اصل شئے کو لیا، چنانچہ ان حضرات کے کام میں اور علماء ظاہر کے کام میں ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ علماء نے مدارس میں جسکو پڑھایا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ دل سے انکا موافق بھی ہوتا لیکن مشائخ نے جس کو پڑھا دیا اس کو اپنا دلی دوست ہی بنا لیا۔

اور جس طرح سے اور حضرات نے ایک ایک فن کو لیکر اس میں کمال پیدا کیا اور اسکی اشاعت فرمائی اسی طرح ان حضرات نے قلب کو لیکر اس میں حقیقی ایمان پیدا کرنے کی سعی فرمائی اور کامیاب ہوئے یہ ان حضرات کا امت پر احسان عظیم ہے ورنہ اگر یہ جماعت نہ ہوتی تو لوگ صرف پڑھنے پڑھانے کو کافی سمجھتے اور صرف رسمی علوم کا زبانی چرچا رہتا اور قلبی حالات سے لوگ یکسر غافل ہی رہتے اور مغالطہ یہ ہوتا کہ سمجھا جاتا کہ صحابہ کرام کا اسلام اور ایمان بھی ایسا ہی تھا حالانکہ اسکو انکے ایمان و تقوے سے دور کا بھی تعلق نہیں اس لئے ان حضرات نے حقیقی ایمان کی جھلک لوگوں کو دکھلائی اور حقیقی ایمان اور اسلام کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اس میں شک نہیں کہ لوگوں کے ایمان کو سنبھال لیا۔

چنانچہ اخلاق اور اخلاص کی تحصیل اور ایمان و اسلام کی تکمیل

سکے لئے آپکو بزرگوں کے یہاں جانا ہوگا وہیں اسکی تکمیل ہوگی یہ تو ہے ہی
ہیں یہ کہہ رہا تھا کہ اس کام کو شروع اب مدرسہ ہی سے کرنا ہوگا باقی
یہ ضرور ہے کہ مدرسہ تعلیم کی جگہ ہے لہذا کسی طالب علم کو دوسری چیزوں
میں غلو دیکھو تو اسکو سمجھا دو کہ اس طرح سے کوئی کام نہ کرو کہ جس غرض
کے لئے گھر سے آئے ہو اور وقت صرف کر رہے ہو اس میں نقص رہ جائے
تو یہ صحیح ہے لیکن یہ طریقہ صحیح نہیں کہ مدرسہ کو علم کے لئے اس طرح سے
خاص کر لو کہ طلبہ کو عمل کا خیال نہ آوے اور طریق کے منکر ہی ہوکر وہاں
سے نکلیں، یہ طرز مضر ہے۔ اب۔ اگر اس پر قناعت کی کہ عمل اور حال
بعد میں پیدا کر لیں گے تو وہ علم سے بھی محروم ہی رہیں گے اور مدارس کو
فتنہ و فساد کا گھر بنالیں گے۔

ایک مولوی صاحب تھے حضرتؒ نے انکو اجازت دی تھی بڑے شخص
تھے ایک مدرسہ میں مدرس بھی تھے لیکن حضرتؒ نے جب اجازت واپس
لے لی تو دیکھا گیا کہ اس مدرسہ میں بھی نہ رہ سکے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر حضرتؒ
ان سے ناراض نہ ہوتے اور وہ حضرت کو خوش رکھتے، حضرتؒ کے طریقہ
پر ہوتے تو کم از کم حضرتؒ کے لوگ تو سب کے سب انکو مانتے ہی اور
دوسرے لوگوں میں سے اگر کچھ لوگ انکو نہ بھی مانتے تو کچھ تو ایسے ضرور نکلتے
جو مانتے کیونکہ بڑے شخص تھے اس طرح سے انکے ماننے والوں کی کثرت
ہوتی اور مدرسہ انھیں کے ہاتھ میں رہتا۔

اس سے میری سمجھ میں ایک مسئلہ آیا وہ یہ کہ بزرگوں کے ماننے میں آدمی
کا دنیاوی نفع بھی ہے مگر عقل ایسی ماری جاتی ہے کہ پھر کچھ نفع نقصان آدمی
کی سمجھ میں نہیں آتا۔

حدیث احسان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخاری شریف میں ہے مَا الْاِحْسَانُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ حضرت جبرئیل علیہ السلام بشر کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت حاضر تھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چند سوالات کیے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے حضرات صحابہ کی تعلیم ہو اولاً اسلام ثانیاً ایمان کی حقیقت دریافت کی پھر تیسری بار احسان کی حقیقت کا سوال کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ احسان نام ہے ایسی عبادت کا جس میں یہ دھیان جما ہو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو کیونکہ تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہو لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ تم کو قطعی دیکھ رہے ہیں پس انکا تمھیں دیکھنا جب قطعی ہے تو گویا کہ تم بھی دیکھ رہے ہو۔

یہ گویا (کَاَنَّ) صرف اِس عالم کے لئے ہے حیات دنیویہ جب حیات اخرویہ سے متبدل ہوگی تو پھر حق تعالیٰ اپنی رحمت سے اس (کَاَنَّکَ) کا کاف نکال دیں گے اور وہاں صالحین کے لئے دیدار باری تعالیٰ بدون اس کاف کے اَنَّ کے ساتھ نصیب ہوگا۔ یہ کاف اس عالم کے لئے حجاب رکھا گیا تھا تاکہ ایمان بالغیب کے لئے یہ عالم عالم امتحان ہو جائے۔

احسان کے معنی لغت میں کسی چیز کے اندر حسن اور اچھائی پیدا کر دینا ہے۔ احسان کا مادہ بھی حُسن ہے۔ اور شارع علیہ السلام کی اصطلاح میں احسان ایک خاص تصور اور مراقبہ کا نام ہے یعنی بندہ ہر عبادت میں یہ خیال دل میں جمائے ہوئے غلامی بجا لائے کہ میرا معبود حقیقی میرا مالک اور میرا خالق

اور تمام جہان کا پروردگار ہمیں دیکھ رہا ہے اگرچہ ہم اندھے ہیں ہم ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی صلاحیت اور تحمل نہیں رکھتے مگر چونکہ وہ ہم کو قطعی دیکھ رہے ہیں پس گویا ہم بھی انکو دیکھ رہے ہیں جس طرح کوئی اندھا کسی بینا سے ملاقات کر کے واپس آتا ہے تو اپنے گھر والوں سے کہتا ہے کہ ہم بھی دیکھ آئے ہیں یہاں اسکا دیکھنا بھی حقیقی دیکھنا نہیں ہے ہاں یہ کہا جائے گا کہ گویا اس نے بھی دیکھ لیا۔ عالم آخرت میں ان آنکھوں کے اندر اللہ تعالیٰ صلاحیت عطا فرمائیں گے یہ آنکھیں یہاں بنائی جا رہی ہیں، ایمان اسلام، احسان کے انوار سے بن رہی ہیں، بنیں گی یہاں اور کھلیں گی وہاں۔

احسان کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنوں میں کھلا ہوا ربط ہے ایمان اور اسلام میں حسن کب آتا ہے جب احسان کی روح بھی آجائے۔ احسان کا دوسرا نام اخلاص بھی ہے احسان اور اخلاص دونوں باعتبار حقیقت ایک ہی چیز ہے احسان فی الایمان بھی مطلوب ہے اور احسان فی الاسلام بھی مطلوب ہے۔ احسان فی الاسلام یعنی کلمۂ شہادت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں حسن کب حاصل ہوگا جب اس دھیان سے ان فرائض کو ادا کیا جائیگا کہ گویا ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں جتنے لمحات اس دھیان سے غفلت میں گزر جائیں گے وہ لمحات خواہ کلمۂ شہادت کے ہوں یا روزے کے ہوں یا حج کے ہوں یا زکوٰۃ کے ہوں وہ اخلاص والی اطاعت اور بندگی میں شمار نہ ہوں گے۔

اسی طرح احسان فی الایمان کا معاملہ ہے ایمان کا محل قلب ہے قلب میں یہ مراقبہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں جس قدر راسخ ہوگا اسی قدر ایمان کامل اور اکمل ہوگا جتنے لمحات اس دھیان سے غفلت میں گذریں گے ان لمحات کا ایمان بھی احسان کی روح سے خالی ہوگا ایمان اور اسلام کے جملہ ارکان کی روح احسان ہے بدون احسان کی کیفیت کے اور اس خاص روح کے عبادت تو ہے مگر اسمیں حسن نہیں ہے، جسم تو ہے مگر روح نہیں ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ میں جو عبدیت مذکور ہے یہ بندگی اور غلامی تو غلام سے کسی وقت بھی منفک (علیحدہ یا الگ) نہیں ہے

نماز کی حالت میں بھی بندہ ہے اور بازار میں چلنے کی حالت میں، خرید و فروخت میں کھانے پینے میں، سونے جاگنے میں ہر آن میں ہر حال میں بندہ ہے ابد الآباد تک کے لئے اللہ کا غلام ہے۔ مزدور تو کبھی مزدور ہے کبھی نہیں ہے نوکر کبھی نوکر ہے کبھی نہیں ہے مگر بندہ کسی حال میں طوق غلامی اور بندگی سے آزاد نہیں ہے یہ تو بندہ بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ بندہ ہونا خود اسکی ذات میں شامل ہے۔

پس اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ میں جو غلامی اور عبدیت مذکور ہے اسکے اندر بندوں کا ہر سانس داخل ہے بندہ حیات سے لیکر موت تک ہر حرکت و سکون میں غلام ہے اسلئے اس مراقبہ اور دھیان کا دل میں راسخ کرنا محض عبادتِ مُصْطَلَحَہ متعارفہ کے ساتھ خاص نہیں ہے ہر وقت یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ گویا اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ اپنی چال میں اپنے لب و لہجہ میں اپنے آنکھوں کے تیور میں طرز گفتگو میں اپنی عبدیت اور شان غلامی کا دھیان رہے نفس کی انانیت ہر سانس میں شامل ہوسکتی ہے ؎

نفس کا مارِ سخت جاں دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل اِدھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

ہر وقت عظمت الٰہیہ اس طرح سامنے رہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو ہم دیکھ رہے رہے ہیں یہ تصور اور دھیان زبردست آلہ تنبیہ اور کوڑا ہے جب اللہ کی عظمت سامنے رہے گی تو اپنی بندگی اور بے چارگی اور اپنی غلامی بھی پیش نظر رہے گی اس دھیان اور مراقبہ کی مشق کرنی پڑتی ہے۔ مشق سے اس خیال کا دل میں رسوخ ہو جاتا ہے۔ چند دن کی مشاقی کے بعد پھر بدون اہتمام وقصد بھی یہ دھیان بندھا رہتا ہے اگر معمولی سی غفلت ہوتی ہے تو حق تعالیٰ متنبہ فرما دیتے ہیں اس دھیان سے جب غفلت ہو جاتی ہے تو بندہ سے شان بندگی اور غلامی کا استحضار جاتا رہتا ہے اور اتنی دیر کے لئے یہ بندہ نفس کے حوالہ ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پلک جھپکنے کی قلیل مدت کے لئے بھی نفس کے حوالہ ہو جانے سے پناہ مانگی ہے ارشاد فرماتے ہیں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ بندوں کی تعلیم کے لئے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ "اے حقیقی زندہ اور اے حقیقی سنبھالنے والے میری ایک فریاد ہے اور آپکی رحمت کو بیچ میں واسطہ لایا ہوں" اب سوال ہوتا ہے کہ یہ استغاثہ کس ظالم پر ہے لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ یہ استغاثہ نفس پر ہے میں مدعی ہوں اور میرا مدعا علیہ نفس ہے سب دشمنوں سے بڑا دشمن نفس ہے جو ہر وقت پہلو میں ہے اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "سب دشمنوں سے بڑھکر تمھارا دشمن نفس ہے" ——— وہ فریاد کیا ہے استغاثہ کی عرضی کیا ہے؟ "اے میرے اللہ! میرے ہر کام کی اصلاح فرما دیجئے اور آپ مجھے میرے نفس کے حوالہ اتنی مدت کو بھی نہ فرمائیں جتنا وقت پلک جھپکنے میں صرف ہوتا ہے" سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے آپ نے امت کے لئے استغاثہ کا مضمون مرتب فرمایا آپ کا ہر قول اور ہر فعل امت کے لئے تعلیم ہے۔

اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت نفس کی نگرانی اور دیکھ بھال ضروری ہے

اندریں رہ می تراش و می خراش ۔ تا دمے آخر دمے فارغ مباش

(اس راہ سلوک میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہو اور مرتے دم تک ایک لمحہ کیلئے بے فکر ہو کر مت بیٹھو)

ایک لمحہ کو بھی بے فکری کا موقع نہیں ہے ہر وقت احسان کی روح کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کے دھیان کو بلوغ سے لیکر غلامی اور بندگی کے تمام حرکات و سکنات میں قائم رکھنا ضروری ہے اس دھیان کو قائم رکھتے ہوئے عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات میں غلامی کا حق

ادا کرنا ہے یہاں تک کہ وہ یقینی چیز یعنی موت آ جائے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ " اپنے رب کی غلامی میں لگے رہو یہاں تک کہ وہ یقینی چیز یعنی موت آ جائے" اس دھیان کو دل میں ہر وقت باقی رکھنے کے لئے مشقت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے غفلت کے لمحات کا گریہ زاری اور اشک ہائے ندامت سے تدارک کرنا پڑتا ہے۔ پھر اسی سعی اور چند دن کی مشاقی کو بندوں کی طرف سے دیکھکر حق تعالیٰ خود اپنی مددِ خاص سے اپنے راستے کھولتے چلے جاتے ہیں اور احسان کا درجہ عطا فرما کر اپنی خاص معیت سے نواز دیتے ہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ " جو ہماری راہ میں مشقت اٹھاتے ہیں ہم انکے لئے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں اور ان محسنین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص معیت ہے" ایسے محسنین بندوں کو صوفیا اپنی اصطلاح میں صاحب نسبت کہتے ہیں۔ احسان سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص رابطہ قائم ہوجاتا ہے اسی لگاؤ کا نام نسبت ہے، ایسے حضرات کو اولیاء اللہ بھی کہتے ہیں اس دوستی کی سند اللہ تعالیٰ نے آیت پاک میں بیان فرمائی ہے وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ اس دوستی کو کسقدر موکد فرمایا ہے اِنَّ بھی تاکید کے لئے ہے اور لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ کا لام بھی تاکید کے لئے ہے چند دن انہی کے دیئے ہوئے اعضا سے انہی کی دی ہوئی توفیق سے انکی راہ میں کچھ مشقت اٹھائی تھی اسکی کیا قدر دانی اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے (سبحان اللہ)

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در وہمت نہ آید آں دہد

(آدھی جان (یعنی ناقص و نکمی) لیتے ہیں اور سو جان عطا فرما دیتے ہیں اور جو چیزیں تمھارے وہم و خیال میں بھی نہ آسکیں وہ بھی دیدیتے ہیں)

نے ہمیں ملک جہانِ دوں دہد
بلکہ صد ہا ملک گونا گوں دہد

(اور نہ صرف یہ حقیر دنیا دیتے ہیں بلکہ طرح طرح کے سیکڑوں ملک عنایت فرماتے ہیں)

فرماتے ہیں ہم تمھارے ساتھ ہیں ؎

ہم تمھارے تم ہمارے ہو چکے
دونوں جانب سے اشارے ہو چکے

احسان سے اسلام میں حسن کیوں پیدا ہو جاتا ہے اسکو میں ایک مثال سے سمجھایا کرتا ہوں جب مزدور کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ میرے کاموں کو مالک پسِ پردہ چلمن سے دیکھ رہا ہے تو وہ خوب جی لگا کر اپنے فرائض منصبی کو بہت حسن و خوبی سے انجام دیتا ہے ہر وقت یہ خیال لگا ہوتا ہے کہ مالک دیکھ رہا ہے خواہ مالک سوتا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ مزدور کو اسکے سونے کا علم نہیں ہوتا اسکے دل میں یہ خوف لگا ہوا ہے کہ میاں چلمن سے دیکھ رہے ہوں گے کام خراب اور سستی سے ہوگا تو مزدوری کاٹ لیں گے اور ڈانٹ الگ سے پڑے گی اور اگر کام حسن و خوبی سے انجام دوں گا تو شاید میاں کچھ انعام کلی مقررہ مزدوری کے علاوہ خوش ہو کر دیدیں اور مجھے اپنا وفادار سمجھیں جب ایک مزدور ملازم بندہ اپنے ہی جیسے مالک کا بوجہ فرق مراتب اس دھیان اور خیال سے کہ مالک ہماری مزدوری یا نوکری کو دیکھ رہا ہے اس درجہ حسن و خوبی سے تابعداری کا جذبہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے تو ؎

جرعۂ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

(جب ایک گھونٹ مٹی ملی ہوئی شراب انسان کو مجنوں بنا دیتی ہے تو اگر خالص اور صاف ہوگی تو نہ جانے کیا کچھ کرے گی)

اس معبودِ حقیقی اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ جب یہ خیال جما رہے گا کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو اعمال میں کس درجہ اپنی عبدیت اور غلامی، تذلل اور خوار کی روح پیدا ہو جائیگی قاعدہ مسلمہ ہے کہ تُعْرَفُ الْأَشْيَاءُ بِأَضْدَادِهَا "ہر اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے" جب عظمت اور کبریائی اللہ کی سامنے ہو تو اپنی ذلت وخواری اپنی درماندگی اور بے چارگی، اپنی عاجزی اور محتا بھی سامنے آجائیگی ؎

چو سلطان عزت عَلَم بر کشد
جہاں سر بجیبِ عدم در کشد

جب عزت کا بادشاہ (اللہ تعالیٰ) پرچم بلند کرتا ہے تو سارا جہان سر کو عدم کے گریبان میں چھپا لیتا ہے (یعنی جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر ہوتی ہے تو سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں)

اگر آفتاب است یک ذرہ نیست
وگر ہفت دریا است یک قطرہ نیست

(اگر آفتاب ہے تو عظمتِ شان خداوندی کے سامنے اسکی حقیقت ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں، اگر سات دریا ہوں تو ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں)۔

یہ انانیت اور فرعونیت کہ میں یہ ہوں وہ ہوں یہ اسی وقت تک ہے جب تک دل کی آنکھیں بیٹھی ہیں اللہ کی کبریائی اور عظمت سامنے نہیں ہے عوام تو معاصی سے استغفار کرتے ہیں مقربین، عارفین اپنے حسنات سے بھی استغفار کرتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ حسنات میاں کو پسند بھی آئے یا نہ انکی عظمت کے لائق جب اپنی حسنات کو نہیں پاتے تو ندامت کا اظہار کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر جب سلام پھیرتے تو استغفار فرمایا کرتے آپ کا یہ استغفار کس لئے تھا نعوذ باللہ نماز کوئی معصیت کی بات

نہیں ہے یہاں اسی عظمت الٰہیہ کا استحضار تھا، بندوں کی بندگی اور غلامی لائق شان جلالت الٰہیہ نہیں ہو سکتی ہے پس اس امت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کی تعلیم دی تاکہ کوتاہیوں کا تدارک ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ کی غلامی کا حق آپکی جلالت وکبریائی کے شایان شان مجھ سے نہ ادا ہوا ہے

جان دی، دی ہوئی انھیں کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک بار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ اخلاص سے اونچا بھی ایک مقام ہے پھر خود ہی فرمایا کہ وہ مقام فنائیت ہے اسکی تشریح اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالی ہے کہ اخلاص میں بندے کو اپنے وجود کا اعمال میں ضمنا استحضار رہتا ہے اگرچہ كَاَنَّكَ تَرَاهُ کا پورا مصداق ہوتا ہے مگر انانیت کی جھلک باقی رہتی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ کام کیا اور یہ شرعاً مذموم نہیں ہے بلکہ محمود ہے مگر اس سے بھی اونچا ایک مقام ہے صوفیہ اس مقام کو فَنَاءُ الْفَنَاء کہتے ہیں۔ وہ کیا ہے کہ

تو مباش اصلا کمال اینست وبس
رو درو گم شو وصال اینست وبس

(تم اپنے کو بالکل مٹا دو کمال بس یہی ہے انھیں کے اندر گم ہو جاؤ اور فنا ہو جاؤ وصال دراصل یہی ہے)

اپنے کو بالکل فنا کر دے جو حسنات اپنے ان مستعار اعضاء سے صادر ہوں انکو اپنی طرف منسوب نہ کرے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ

(اے انسان تجھکو جو خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آئے وہ تیرے ہی سبب سے ہے)۔

جس درجہ نسبت احسانیہ کا رسوخ دل میں ہوتا ہے اسی قدر عبدیت کاملہ نصیب ہوتی ہے ایسی قوی نسبت احسان کی کہ کسی وقت غفلت نہ ہو ہر وقت ٹکٹکی بندھی رہے کہ میاں دیکھ رہے ہیں یہ مقام انبیاء و رسل کا خاص ہے ان حضرات کو ہمہ وقت یہ استحضار بدرجۂ اتم و اکمل میسر ہوتا ہے اولیاء امت پر کسی قدر اس دھیان سے غفلت کے لمحات گزر جاتے ہیں تدارک استغفار سے کرتے رہتے ہیں تاہم امت کے عوام سے انکا درجۂ احسان کمًا اور کیفًا نہایت اقویٰ اور اعلیٰ ہوتا ہے۔

بعض شراح حدیث نے اس حدیث سے احسان کے دو درجے بیان کئے ہیں ایک تو یہ کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں لیکن میں نے اپنے استاذ حدیث مولانا ماجد علی صاحب رحمہ اللہ جونپوری سے سنا کہ اس حدیث کی تقریر جب میرے استاذ حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمہ اللہ نے کی تو فرمایا کہ بعض شراح حدیث کا اس حدیث سے اس احسان کے دو درجے بیان کرنا اجتہادی چوک ہے فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ میں فا تعلیل کے لئے ہے پس حدیث کا ترجمہ یوں ہوگا ایسی غلامی کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اس واسطے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تو تمھیں دیکھ رہے ہیں پس انکا دیکھنا جب قطعی اور یقینی ہے تو گویا تم بھی دیکھ رہے ہو جب اس دھیان سے عبادت ہوگی تو ریا سے پاک ہوگی اور اس احسان کا مطالبہ بلوغ سے لیکر آخری لمحۂ حیات تک ہے عوام تو عوام اکثر اہل علم بھی اس دھیان کو کہ گویا ہم اپنے اللہ کو دیکھ رہے ہیں صرف نماز و تلاوت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں حالانکہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ سے صاف واضح ہے کہ موت تک حق غلامی اور حق بندگی میں لگے رہنے کا امر ہے غلام کا ہر سانس غلام ہے بازار میں خرید و فروخت کر رہا ہے لوگوں سے باتیں کر رہا ہے مگر یہ دھیان بندھا ہے کہ میاں دیکھ رہے ہیں

ینے لب و لہجہ میں، جنبش نگاہ میں، اپنی نشست کی ہیئت میں، اپنی چال
ں ہوشیار رہتا ہے کہ بندگی اور غلامی کی شان موجود ہے یا تکبر اور
ئیت کی باریک لہریں بھی شامل ہوگئی ہیں وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ
شُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا
ن کے بندے زمین پر اپنے کو غلام ذلیل سمجھ کر چلتے ہیں انکی چال سے
گی اور غلامی کی شان ظاہر ہوتی ہے دھیان بندھا ہوا ہے کہ میرا
بود حقیقی دیکھ رہا ہے ہم اسکے غلام ہیں اپنے اللہ کے لئے اپنے کو
ار و ذلیل سمجھکر چلتے ہیں انکو اپنی چال میں فکر رہتی ہے میاں نے جس
ون (اور عاجزی) کو میرے لئے پسند فرمایا ہے وہ میری چال میں ہے یا نہیں
ں تذلیل اور عبدیت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو مخلوق کی نگاہ
ں معزز اور کبیر فرما دیتے ہیں مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ وضع کے معنی
کھدینے کے ہیں اور تفاعل کے باب میں اپنے کو گرا دینے کے معنی ہیں
پنے کو گرایا نہیں کہ رفعت (دبلندی) کا ثمرہ فورا ملتا ہے فَرَفَعَهُ اللّٰهُ میں
عجیب شان رکھتی ہے یہ فا تعقیب کے لئے ہے پس اللہ بلند فرما دیتا
ہے، یہ ذلت جو انکے لئے ہے ہزاروں سلطنت سے بہتر ہے۔

بندگی او بہ از سلطانی است
کہ انا خیر دم شیطانی است

اسکی بندگی اور غلامی بادشاہی سے بدرجہا بہتر ہے کیونکہ اَنَا خَیْرٌ (یعنی میں
چھا ہوں اور ایسا ہوں ویسا ہوں) کہنا ایک شیطانی بات ہے)
ور جب ہمارے بندے ھَوْن (اور عاجزی) کی شان لئے ہوئے چلتے ہیں اور
ئی جاہل انکو چھیڑتا ہے تو وہ سلامتی کے ساتھ آگے بڑھ جاتے ہیں۔
ہلوں سے الجھتے نہیں کہ مبادا ہماری ھَوْن کی نعمت نفس کے حوالے نہ ہو جائے
ھَوْن کے معنی تذلیل و خواری کے ہیں۔

احسان کی روح سے بندگی اور فنائیت کی عجیب شان پیدا ہو جاتی ہے، ایمان میں حسن آجاتا ہے اسلام میں بھی حسن آجاتا ہے، پوری زندگی ایک خاص شان تعبدی لئے ہوئے حیات طیبہ سے مشرف ہو جاتی ہے۔ بظاہر کوئی اہل ظاہر اعتراض کر سکتا ہے کہ جب اعضار خرید و فروخت یا دیگر مشاغل ضروریہ میں مصروف ہیں تو یہ دھیان کیسے قائم رہ سکتا ہے کہ گویا ہم اپنے اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ اسکا جواب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب مثال سے سمجھایا ہے تمثیلات کے تو حضرت بادشاہ تھے۔

فرمایا کہ جون پور میں عورتیں گھڑوں میں پانی بھر کر ایک گھڑا بغل میں اور دو گھڑے سر پر اوپر نیچے رکھکر چلتی ہیں اور آپس میں باتیں کرتی ہوئی چلتی ہیں مگر دل میں سر کے گھڑوں کا برابر خیال رہتا ہے اگر گھڑوں سے ذرا بھی دل غافل ہوں تو گھڑے سر سے زمین پر آرہیں۔ یہی حال صاحب احسان اور صاحب نسبت کا ہوتا ہے نسبت کا ترجمہ میں نے کیا ہے لگاؤ اپنے اللہ سے ایسا لگاؤ دل میں رسوخ پکڑ لیتا ہے کہ کسی حال میں غفلت نہیں ہوتی کثرت ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ اس رسوخ کے لئے گر ہیں۔ انھیں دو اجزار کے نسخہ سے درجۂ احسان حاصل ہوتا ہے حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ نے اس مقصود یعنی درجۂ احسان کے لئے اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں) کا مراقبہ بھی تحریر فرمایا ہے چند دن کی مشق سے یہ رابطہ دل میں رسوخ حاصل کر لیتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ بیس منٹ بھی اگر تنہائی میں باوضو قبلہ رو بیٹھکر یہ سوچتا رہے کہ حق تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں تو یہ بیس منٹ کی مشق دن رات کے لئے کارآمد ہوتی ہے اگر اس مراقبے کے ساتھ یہ بھی تصور کر لے کہ میرے ہر بُن مو سے اللہ اللہ نکل رہا ہے تو نفع اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے اس طریقہ کو حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے مجھے خواب میں تعلیم فرمایا تھا ہر روز کم از کم بیس منٹ بھی کافی ہیں۔ میں اس تھوڑی سی مدت ذکر کو جو پابندی کے ساتھ ہر روز کر لیا جائے گھڑی کی کوک

(چابی دینا) کہا کرتا ہوں۔ گھڑی کو ایک دفعہ کوک دیا جاتا ہے تو چوبیس گھنٹہ چلا کرتی ہے اسی طرح یہ قلیل مدت جو پابندی معمولات میں صرف ہوتی ہے چوبیس گھنٹہ کے لیئے ملکۂ یادداشت کے لئے کافی ہو جاتی ہے یعنی چوبیس گھنٹہ کے تمام کاموں میں مشغولیوں کے باوجود قلب خدا سے غافل نہیں ہوتا اسی ایک دفعہ کی کوک کا اثر دل پر برابر قائم رہتا ہے جسکا جی چاہے عمل کرکے دیکھ لے مَنْ شَاءَ فَلْيُجَرِّبْ۔

بعضے اہل ظاہر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین سب کو یہ درجہ احسان حاصل تھا لیکن کسی سے مراقبے کا ثبوت نہیں ملتا اسکا جواب یہ ہے کہ احسان کی کیفیت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسدرجہ اقویٰ اور اعلیٰ تھی کہ آپ کی صحبت مبارکہ میں آپ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوب میں آپ کی احسانی نسبت کا فیض منتقل ہو جاتا تھا اور اور یہ فیض اس قدر قوی ہوتا تھا کہ آپ کی مجلس سے علیٰحدہ ہونے کے بعد بعض حضرات کو اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہونے لگا کیونکہ وہ کیفیت ایمانی احسانی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتو نبوت سے ان کے دلوں میں مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر ہوتی تھی وہ علیٰحدہ ہونے کے بعد بیوی بچوں میں مشغول ہونے کی حالت میں اس کیفیت کے ساتھ باقی نہ رہتی تھی۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ نَافَقَ حَنْظَلَةُ "حنظلہ تو منافق ہوگیا" اور آپ نے اپنے احسان کی کیفیت میں تغیر کو بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں تو یقین کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ گویا ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ جنت اور جہنم ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور جب ہم اپنے گھروں میں لوٹ کر آتے ہیں تو یہ کیفیت احسانی ایسی نہیں رہتی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ سنکر کہا کہ یہی حالت تو میری بھی ہے پھر یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہوئے اور اپنے احوال عرض کیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَ سَاعَةً

(اے حنظلہ کبھی یہ کیفیت ہوتی ہے اور کبھی وہ حالت) یعنی یہ تغیر مضر نہیں ہے بے فکر رہو اگر یہی حالت احسانی جو میری صحبت میں رہتی ہے یکساں طور پر ہر وقت رہے تو فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگیں تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَىٰ فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ یعنی انسانیت ملکوتیت سے بدل جائے اور امور معاش کے سارے کارخانے درہم برہم ہوجائیں چونکہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا میسر ہونا قیامت تک کیلئے ناممکن ہے اسلئے ایک ادنیٰ صحابی کے احسان کے برابر امت کے اندر قیامت تک کوئی ولی نہیں ہوسکتا۔ اعمال واذکار وتلاوت ونوافل کو باعتبار کمیت کے زیادہ سے زیادہ کوئی ولی جمع کرسکتا ہے لیکن احسان کی وہ روح ان (مقدار) اعمال میں کیسے آسکتی ہے جو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو فیض نبوت سے عطا ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابی کا ایک مُد جو خیرات کرنا بعد کے لوگوں کے احد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ انکے ایک مد جو کے صدقے میں احسان کی جو روح اور کیفیت ملی ہوئی تھی اس نے دوسروں کے احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرنے پر فضیلت حاصل کرلی۔ یہی راز ہے جو بزرگوں نے فرمایا ہے کہ عارف کی دو رکعت نماز غیر عارف کی ہزار رکعت نماز سے افضل ہے کیونکہ عارف کی دو رکعت نماز میں احسان کی روح موجود ہے وہ ایک خاص سمجھ اور فکر کے ساتھ عبادت کرتا ہے وَلَا يُجْزَوْنَ إِلَّا بِقَدْرِ عُقُولِهِمْ (قیامت کے روز لوگ اپنی اپنی عقل کے مطابق جزا پائیں گے) (الحدیث)

تابعین نے اس احسان کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حاصل کیا اور اسکے بعد تبع تابعین نے تابعین سے حاصل کیا۔ یہ تین زمانے ایسے ہیں جنکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیر القرون" فرمایا ہے بعد میں جیسے جیسے زمانۂ نبوت سے بُعد (دوری) ہوتا گیا علمائے محققین ربانیین نے اس احسانی کیفیت کے رسوخ کے لیئے ذکر اور مراقبہ تجویز کیا اور یہ نسخے بھی قرآن وحدیث ہی سے لیئے

ہیں حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ "اپنے اللہ کو خوب یاد کرو امید ہے کہ (میری یاد سے) تم کو فلاح نصیب ہوگی" قرآن سے کثرت ذکر اللہ کا ثبوت ہوگیا اور مراقبے کا ثبوت لیجئے احسان کی حدیث میں كَاَنَّكَ تَرَاهُ جو مذکور ہے تو یہ كَاَنَّ یعنی گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو یہ ایک تصور ہی تو ہے ورنہ گویا کیوں کہتے اگر یہ تصور نہ ہوتا تو كَاَنَّ کا کاف کلمہ نہ ہوتا یہ "گویا" فرمانا ایک نوع کا مراقبہ ہی ہے۔

مراقبہ رَقَبَہ سے ماخوذ ہے لغت میں رقبہ گردن کو کہتے ہیں باب مفاعلہ میں یہ رَقَبہ مُراقبہ ہوگیا ہے چونکہ جب کسی بات کی فکر میں اور کسی خیال میں آدمی مستغرق ہو جاتا ہے تو فطری طور پر عادتاً گردن خود بخود جھک جاتی ہے اسی مناسبت سے صوفیہ نے اسکا نام مراقبہ رکھدیا ہے اور ایک حدیث کلمہ یاد آگئی جس میں مراقبہ کا لفظ کلمہ موجود ہے رَاقِبِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ یہ رَاقِبْ امر کا صیغہ ہے جسکا مصدر مراقبہ ہی ہے میں اسکا ترجمہ یوں کرتا ہوں " اپنے اللہ کے سامنے اپنی گردن ڈال دو اپنے سامنے تم اللہ کو موجود پاؤ گے" مراقبہ سے مراد نگہداشت ہے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

کثرت ذکر اللہ کا ثبوت کلمہ منصوص ہے اور مراقبہ کلمہ حدیث سے ثابت ہوگیا اب صحبت اہل اللہ کا ثبوت کلمہ بیان کرتا ہوں يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ "اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو" اب بند دل کی طرف سے سوال ہوتا ہے کہ میاں کیسے ڈریں کیا طریقہ ہے ڈر حاصل کرنے کا! ہر کجا مشکل جواب آنجا رود، فرماتے ہیں وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ "اور رہو سچوں کے ساتھ" جن کے دل ہمارے خوف سے سچے ہیں جنکے دماغ ہمارے خوف سے سچے ہیں، جنکی آنکھیں ہمارے خوف سے سچی ہیں، جنکے تمام اعضاء

تقویٰ کی برکت سے امانت الٰہیہ کی حفاظت کرتے ہیں یعنی سارے اعضاء اپنے قوتوں کو مرضیات الٰہیہ کے خلاف صرف نہیں کرتے ہیں اسی کا نام صدق ہے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک شخص نے زمانۂ قید میں آپ کا ساتھی تھا اور آپ کے صدق کو دیکھے ہوئے تھا ایک عرصے کے بعد پھر جو ملاقات کی تو کس عنوان سے خطاب کیا اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ بھی عجیب فرمایا ہے یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ فرماتے ہیں" اے یوسف اے صدق مجسم!" سبحان اللہ اس ترجمہ سے وجد آجاتا ہے۔ اے صدق مجسم کیا بلیغ ترجمہ ہے۔

احسان کی تحصیل سے عام طور پر بڑی غفلت ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری عبادتیں بھی بے روح ہیں، احسان کی لذت سے عبادتیں بھی لذیذ ہو جاتی ہیں ایک شخص ہے جو نماز پڑھ رہا ہے مگر اسکو کچھ خیال نہیں ہے کہ کہ ہم کس کے سامنے کھڑے ہیں؟ کس کے سامنے جھک رہے ہیں؟ کس کو سجدہ کر رہے ہیں؟ دل کہیں مشغول ہے بس زبان ہے کہ گھڑی کی سوئی کی طرح خود بخود چل رہی ہے اور ایک شخص ہے جو وضو ہی کے وقت سے دل میں اہتمام کرتا ہے سوچتا ہے کہ بہت بڑے دربار کی حاضری ہے پھر نماز میں کھڑا ہوتا ہے دھیان بندھا ہوا ہے کہ میاں دیکھ رہے ہیں گویا کہ اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہے اب اس خیال کا اثر کیا ہوگا اسکا کھڑا ہونا دوسرے کے کھڑے ہونے کے برابر نہیں ہوسکتا، یہ کھڑا بھی ہے اور فنا بھی کر رہا ہے، کھڑا ہو کر فنا ہو رہا ہے کھڑا ہونا اکڑ کر بھی ہوسکتا ہے لیکن یہ کیسے کھڑا ہے قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِیۡنَ قانت بنکر کھڑا ہوتا ہے تابعدار بنکر اپنے کھڑے ہونے سے ہاتھ باندھے ہوئے غلامی کی شان ظاہر کر رہا ہے۔ اب عظمت الٰہیہ کے سامنے حمد وثناء بیان کرنے کے بعد اپنے اللہ کے سامنے رکوع میں جھک گیا کیا کیفیت ہوگی اس جھکنے میں؟ اسکا رکوع اور دوسروں کا رکوع برابر نہیں ہوسکتا۔ مثانے کی پیاس

اور بڑھی اور سجدہ میں پڑ گیا اپنے اللہ کے سامنے سجدہ میں پڑا ہوا ہے کیا کیفیت ہوگی اس سجدہ کی ؟ دوسروں کا سجدہ اس سجدہ کے برابر نہیں ہو سکتا ہے اس طرح عبادت کرنا گویا اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہے اس عبادت کی لذت ہی اور ہوتی ہے روزہ میں، بھوک پیاس میں دھیان بندھا ہوا ہے کہ میرا اللہ جس کے لئے میں بھوکا پیاسا ہوں میری بھوک اور پیاس کو دیکھکر خوش ہو رہا ہے ۔ حج کر رہا ہے گویا کہ اللہ کے گھر کا طواف کر رہا ہے کیا لطف اور کیا شان عبادت میں اس خیال یعنی احسان کی روح سے پیدا ہو جاتی ہے ۔ جہاد کر رہا ہے دھیان بندھا ہوا ہے کہ میاں اس منظر کو دیکھ رہے ہیں، جن کے لئے ہم جان قربان کر رہے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں ؎

تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائے است

گویا کہ اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہے اس مراقبے سے عجیب روح اور عجیب قوت دل میں پیدا ہو گئی کہ سر میدان کفن بر دوش حاضر ہے، عزیز اور محبوب جان قربان کرنے کے لئے بزبان حال کہہ رہا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ۔۔۔ سر دوستاں سلامت تو بہ خنجر آزمائی

مال کا چالیسواں حصہ مستحقین کو دے رہا ہے کہ میرا اللہ مجھکو دیکھ رہا ہے کس قدر لذت اور کسقدر اخلاص اس مراقبے کی برکت سے اعمال میں پیدا ہو جاتا ہے اور سارے اعمال آسان اور لذیذ ہو جاتے ہیں ۔ احسان کی برکت سے دین کی صحیح مٹھاس نصیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو احسان کی دولت نصیب فرمائیں ۔

واٰخر دعوانا ان الحمد رب العلمین والصلوٰۃ والسلام
علی سید المرسلین

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸۲)

حال : حضرت کی بڑی نوازش ہے کہ پہلی ہی درخواست پر نہ صرف مجھنا اہل کو بلکہ میری اہلیہ کو بھی اپنے خدام میں داخل فرمالیا نیز میری مالی پریشانیوں کی دوری اور حصول شرف صحبت کے لئے دل سے دعا بھی فرمادی ہے۔

حضرت اقدس کے رقم فرمودہ الفاظ کو پڑھکر میری مسرت کی کوئی حد نہ رہی غایت مسرت کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو نکل آئے کہ حضرت نے بلا پس وپیش مجھ جیسے سیاہ کار کو داخل سلسلہ فرماکر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اب تو ہردم حضرت ہی کی طرف خیال مائل رہتا ہے جی یہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں۔ حضرت کے رقم فرمودہ الفاظ بار بار دماغ میں حرکت کرتے رہتے ہیں اور ایک عجیب لطف محسوس ہوتا رہتا ہے دل میں شدت کے ساتھ یہ خیال آتا رہتا ہے کہ نجانے حضرت کس قسم کی غذائیں تناول فرماتے ہونگے؟ کس قسم کے ملبوسات استعمال فرماتے ہونگے کس قسم کے فرش پر نشست فرماتے ہونگے کیونکہ دل یہ چاہتا ہے کہ حضرت وہ غذائیں تناول فرمائیں جو شہنشاہوں کو بھی نصیب نہ ہو اور وہ کپڑے استعمال فرمائیں جو تاجداروں کو بھی حاصل نہوں اور ایسے مسند پر نشست فرمایا کریں جسے دیکھکر شاہان عالم کو بھی رشک آئے بار بار دل یہی کہتا ہے کہ اس وقت صرف حضرت ہی کی ذات جملہ آسائشوں اور نعمتوں کی مستحق ہے۔ طبیعت اسکو قبول ہی نہیں کرتی کہ حضرت کے سوا کسی اور کو یہ چیزیں حاصل ہوں اکثر دل میں یہ تقاضا پیدا ہوتا رہتا ہے

کہ میں حضرت کے پاس رہوں اور کسی کوتاہی کی بنا پر حضرت سرزنش اور تنبیہ فرمائیں تو ہمہ تن شوق بنکر سنوں اور یہ محسوس کروں کہ مجھ پر انوار کا نزول ہو رہا ہے نیز دل ہی دل میں یہ شعر پڑھتا رہوں ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعل شکر خارا

(آپ نے مجھے برا کہا مگر میں خوش ہوں، خدا آپ کا بھلا کرے آپ نے بہت خوب کہا۔ تلخ بات بھی شیریں سخن حسین منہ سے بھلی ہی لگتی ہے)

یہ سب لکھ رہا ہوں پھر یہ خوف غالب ہے کہ کہیں حد ادب سے تجاوز تو نہیں کر رہا ہوں۔ نماز میں بھی اکثر حضرت کا خیال آجایا کرتا ہے غرض حضرت کا جواب موصول ہونے کے بعد دل میں مختلف کیفیتوں کا ہجوم ہے دوبارہ حضرت سے ملتجی ہوں کہ دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ مجھے تمام قرضوں سے سبکدوش فرماکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی وسعت و توفیق بخشیں۔ **تحقیق**: آمین۔

حال: میں نے تو اپنے آپ کو ہمہ تن اصلاح و تربیت کے لئے حضرت کے سپرد کرہی دیا ہے انشاء اللہ اپنی آئندہ زندگی حضرت کے ارشادات کی روشنی میں ہی بسر کروں گا۔

تحقیق: مضامین کا ایک خاص اثر دل پر ہوا، اللہ تعالےٰ اپنی محبت عطا فرمائے۔

کمالات اشرفیہ

(۵۴)

(۱۳۰) ایک بیدار مغز عہدیدار حضرت والا کے خادم دو سو روپیہ تنخواہ پاتے تھے اور بوجہ غایت اتقا اپنی پوری تنخواہ والدہ کے ہاتھ میں لاکر دیتے تھے جب یہ خود والدہ کے اتنے مطیع تھے تو گھر میں کسی کی کیا مجال تھی کہ انکے سامنے دم مارے سب انھیں گھر کا مالک ذی اختیار سمجھتے تھے حتّٰی کہ وہ اس رقم میں سے کچھ گھر میں خرچ کرتیں اور کچھ پس انداز کر کے اپنے دوسرے بیٹوں کو بہوؤں کو امداد دیتیں انکی بیوی کو یہ انتظام پسند نہ ہوا اور گھر میں بے لطفی پیدا ہونے لگی۔ حضرت والا کے سامنے یہ سب واقعات ظاہر کئے گئے تو حضرت والا نے کل اختیار بی بی کو دلوادیا اور خرچ والدہ کا کل انکے ذمہ اور جیب خرچ دس روپیہ ماہوار مقرر کردیا اور بھائی، بہنوں، بھاوجوں سب کو الگ کردیا۔

ف: قرآن شریف میں ہے لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ یعنی مقدور والے کو عورت کا نفقہ اپنے مقدور کے موافق دینا چاہیئے۔ نیز حدیث میں ہے کہ عورت اسواسطے ہے کہ خاوند کے مال کی حفاظت کرے۔ حفاظت کرنا پہرا دینے کا نام نہیں بلکہ بدنظمی سے بچانے کا نام ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ گھر کا انتظام بی بی کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے اور بھاوج تو بالکل ہی غیر ہوتی ہے بھائی کا مال بھائی پر خرچ کرنا والدہ کو جائز نہ تھا اسواسطے اس سے روک دیا اور والدہ کی خدمت یہ بہت ہے کہ علاوہ خرچ کے دس روپیہ فاضل دیدئے جائیں وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ (اور انکے سامنے شفقت سے انکساری کیساتھ جھکے رہو) کی کافی تعمیل ہے۔ اس طرح مناقشات

کس خوشی سے رفع ہو گئے کہ نہ والدہ کا حق مارا گیا نہ بی بی کا نہ حفظ مراتب ہاتھ سے گیا۔ اس سے حضرت والا کا حفظ مراتب نیز صفائی معاملہ و غایت اعتنا بالاحکام الشرعیہ معلوم ہوا۔

(۱۳۱) مولوی ریاض الحسن الہ آبادی (یہ ایک طالب علم تھے جنھوں نے ڈاک لانے اور لیجانے کی خدمت اپنے ذمہ لے رکھی تھی) کی غلطی سے ایک خط ڈاک میں بیرنگ پڑ گیا انھوں نے عرض کیا کہ ابھی ڈاک روانہ نہیں ہوئی ہوگی میں پوسٹ ماسٹر سے کہکر وہ خط نکلوالوں اور ٹکٹ لگا دوں، فرمایا اسکا احسان ہوگا، عرض کیا کہ یہ کیا احسان ہے ہمارا خط ہے ہمیں واپس لیتے ہیں کسی کی چوری نہیں کرتے، فرمایا حسب قواعد ڈاکخانہ ایک روپیہ کا اسٹامپ دینا چاہیئے جبکہ وہ تمھاری یا میری خاطر سے بلا اسٹامپ دیدے گا تو گویا ایک روپیہ کا احسان کرے گا اور سرکاری نقصان بھی کریگا جو اسکو جائز نہیں یاد رکھو کوئی اگر تمھاری ایک چپہ بالشت بھر سے بھی اٹھا کر دیدے تو اسکو بھی احسان سمجھو ہمیشہ اسکو یاد رکھو حتی الامکان کسی کا احسان نہ لو اور اگر کوئی چھوٹے سے بھی چھوٹا احسان کرے تو اسکو احسان سمجھو آجکل اس سے بہت غفلت ہے۔ میرے والد صاحب کی جب میراث تقسیم ہوئی تو میری پھوپھی صاحبہ دادا صاحب کی میراث میں سے اور نانی صاحبہ نانا صاحب کی جائداد میں سے اپنے حصے ہم سب بھائیوں کو دیتی تھیں مگر میں نے انکار کر دیا اس وجہ سے کہ عورت کا احسان لینا طبیعت کے خلاف ہے۔ میرے گھر میں کا مہر پانچ ہزار تھا اور انھوں نے معاف کر دیا مگر میں نے کہا یہ تمھارا فعل تھا اور میرا فعل یہ ہے کہ میں ادا کرتا ہوں چنانچہ میں نے اتنی قیمت کا مکان دیا اور کچھ نقد بھی دیا اب مکان مسکونہ خالص انکی ملک ہے جو چاہیں کر سکتی ہیں (چنانچہ انھوں نے مولوی شبیر علی کو ہبہ کر دیا پھر مجھکو یہ بھی احسان گوارا نہیں ہوا کہ انکے مکان میں رہوں اس لئے پانچسو روپیہ اور زائد دے دیئے جس کو میں نے

بطور کرایہ سمجھا ہے گو ان سے اسکا اظہار نہیں کیا کہ یہ کرایہ ہے کیونکہ موجب دلشکنی ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کی احسان شناسی، حسن معاشرت بالاہل اور غایت تقویٰ ثابت ہوا

(۱۳۲) حضرت پیرانی صاحبہ اپنے بھائی کے یہاں گئی ہوئی تھیں مکان میں حضرت والا کے خادم نیاز خاں کی بیوی آگئی جب مکان میں اتر گئی تو معلوم ہوا کہ راستہ میں کوئی اسکا زیور گر گیا تو نیاز خاں اسکو ڈھونڈھنے کے لئے چلے عشاء کے قریب کا وقت تھا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب اور حضرت والا بیرونی مکان میں تھے، حضرت والا نے نیاز خاں سے فرمایا تم جاتے ہو اتنے بڑے مکان میں بہو اکیلی ڈرے گی لہٰذا یوں کرو کہ میں دروازہ پر بیٹھا جاتا ہوں بہو سے کہو بیرونی مکان میں آجاوے اور دروازہ اندر سے بند کرلے جب تک تم لوٹ کر آؤگے میں بیٹھا رہوں گا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب نے عرض کیا حضرت خدام کس واسطے ہیں حضور والا مدرسہ تشریف لیجاویں بندہ دروازہ پر بیٹھا رہے گا فرمایا نہیں اس میں کیا حرج ہے اگر ایسا ہی اصرار ہے تو آؤ ہم تم دونوں بیٹھیں حکیم صاحب نے چارپائی بچھا دی اور دونوں بیٹھ گئے اور جب تک نیاز خاں لوٹ کر آئے مزہ کی باتیں ہوتی رہیں۔

ف: اس سے حضرت اقدس کی تواضع و عبدیت کالشمس فی نصف النہار ظاہر و باہر ہے۔

(۱۳۳) حضرت والا سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ نوکر پر زبان سے یا ہاتھ سے زیادتی ہو جاتی ہے اور بعد میں پچھتانا پڑتا ہے کوئی ایسی تدبیر ارشاد ہو جس سے زیادتی نہو اور سیاست میں کلی فرق نہ آوے۔ فرمایا تدبیر یہ ہے کہ زبان سے کچھ کہنے یا ہاتھ بڑھانے سے پہلے یہ سوچ لیا جاوے کہ فلاں فلاں لفظ میں کہونگا یا اتنا ماروں گا پھر اسکا التزام کیا جاوے کہ جتنا

سوچا ہے اس سے زیادہ نہ ہونے پاوے (سبحان اللہ کیا چٹکلا ہے)
ف: اس سے حضرت والا کی حسن تدبیر ظاہر ہے۔
(۱۳۴) حضرت والا نے ظہر کے لئے وضو کیا تو وقت جماعت کا ہوگیا لہٰذا بلا سنتیں پڑھے ہوئے امامت کی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب نے بعد نماز دریافت کیا کہ امام نے اگر سنتیں نہ پڑھی ہوں تو امامت کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ فرمایا میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا تو فرمایا کچھ حرج نہیں۔ حضرت والا اوقات کے ایسے پابند ہیں کہ نظیر کا ملنا مشکل ہے۔ تمام دن و رات کے اوقات ایسے تقسیم ہوئے ہیں کہ ایک لحظہ بیکار نہیں رہتا لیکن ساتھ ہی اسکے وقتوں کی پابندی عامیانہ اور جاہلانہ نہیں جیسے بعض جگہ دیکھا کہ صف میں بیٹھے ہیں اور نظر گھڑی پر ہے ادھر گھنٹہ بجنا شروع ہوا اور ادھر تکبیر ہوئی اور اس پر لڑتے مرتے ہیں حضرت والا کے یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ تو لہو و لعب ہے عارف کی نظر ہر کام میں حقیقت پر ہوتی ہے اور زوائد کو بقدر ضرورت اختیار کرتا ہے، پابندی وقت کوئی مقصود بالذات فعل نہیں انتظام جماعت کے لئے ذریعہ ہے اسکو مقصود قرار دے لینا حقیقت ناشناسی ہے۔ حضرت والا کی مسجد میں قصبہ کے نمازی ایک دو سے زائد نہیں ہوتے کیونکہ یہ مسجد ایک کونے پر ہے تمام جماعت طلباء، خدام مدرسہ اور مہمانوں کی ہوتی ہے یہاں دو چار منٹ ادھر ادھر ہو جانے سے کسی کا حرج نہیں ہوتا اسواسطے حضرت والا کی عادت ہے کہ جب گھڑی میں وقت ہوگیا تو ادھر ادھر دیکھ لیتے ہیں کہ سب لوگ تیار ہیں یا نہیں اگر تیار نہوں تو دو چار منٹ کا کچھ خیال نہیں فرماتے حتیٰ کہ رمضان میں اذان مغرب ہو جانے کے بعد اطمینان سے مہمانوں کو افطاری سے فارغ ہونے اور کلی کر لینے کا موقع دیتے ہیں حتیٰ کہ کبھی دس منٹ کے قریب بعد ختم اذان لگ جاتے ہیں نہ عوام کی طرح کہ موذن نے اذان ختم کی اور ادھر تکبیر شروع ہوگئی حتیٰ کہ موذن کلی کرنے نہیں پاتا امام کے

منہ میں بھی لقمہ ہوتا ہے، جماعت میں سے کوئی بھی تکبیر اولیٰ میں شریک نہیں ہو سکتا یہ صرف لہو لعب اور بے علمی ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کی پابندی اوقات علیٰ قلانہ ثابت ہے

(۱۳۵) مدرسہ کے چھپرہ میں چڑیا کے گھونسلے میں سے دو پیسے گر سے وہ حضرت والا کے سامنے پیش کئے گئے ہنسکر فرمایا کہ ایک کی دال منگاؤ اور ایک کا چاول اور کھچڑی پکاؤ اور چڑیا سے کھائے اور جب چڑا آوے تو کہے ڈوڑ موئے میری آنکھیں دکھتی ہیں' یہ قصہ تو پرانے زمانے کا ہے کہ چڑا چڑیا دال چاول لائے تھے اب ترقی کا زمانہ ہے حیوانوں کو بھی روپیہ پیسہ ہی کی سوجھتی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ لقطہ ہے مصرفِ لقطہ میں صرف کرو یعنی خیرات کر دو۔

ف: اس سے ظرافت صاف ظاہر ہے۔

(۱۳۶) حضرت والا کے پیر میں بال توڑ نکل آیا تھا پچیس روز تک چلنے پھرنے معذوری رہی اول اول یہ رہا کہ فجر کے وقت مدرسہ میں تشریف لاتے اور عشاء کی نماز کے بعد تشریف لے جاتے اور نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تجربہ سے ثابت ہوا کہ چلنے سے نقصان ہوتا ہے اس واسطے یہ کیا کہ گڈو سے لنے میں بٹھا کر نیاز خاں ملازم یا اور کوئی خادم صبح کو پہنچا دیتے اور عشاء کے بعد اسی طرح مکان پہنچا دیتے مگر جماعت ترک نہ کرتے اور نماز کھڑے ہو کر پڑھتے پھر ثابت ہوا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مضر ہے تو نماز بیٹھ کر اختیار کی مگر نوافل حسب معمول پورے پڑھتے پھر ثابت ہوا کہ گڈو سے لنے کی حرکت بھی مضر ہوتی ہے لہٰذا مکان پر قیام فرمایا اور مسجد جانا موقوف کر دیا۔ زیارت کنندگان مکان ہی پر آتے کبھی کوئی کہتا بڑی تکلیف اٹھائی تو فرماتے جیسی تکلیف بال توڑ میں لوگ بیان کرتے ہیں وہ تو بحمد اللہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوئی ہاں چلنے پھرنے سے قدرے مجبوری ہے۔ حق تعالیٰ کو خلوت کا مزہ چکھانا تھا وہ حاصل ہوا اور ثابت ہوا کہ خلوت واقعی بہت اچھی چیز ہے گو مفید اور

موجب ثواب زیادہ جلوت ہو مگر خلوت لذید بہت ہے اسی واسطے کہا ہے

تعرچہ بگزید ہر کو عاقل است زانکہ در خلوت صفاہائے دل است

ف: اس سے حضرت والا کا شدت تعلق مع اللہ، مراعات حدود شرعیہ اظہر من الشمس ہے۔

(۱۳۷) ایک صاحب نے سیکڑوں صورتیں ناجائز آمدنی کی لکھکر علماء اور درویشوں پر طعن کیا تھا کہ اس زمانے میں کھانا کھانے پر لوگ مرے ہوئے ہیں نہ کوئی عالم پوچھے نہ درویش کہ کھانا کیسا ہے کیسا نہیں؟ اور واقعی دیکھ بھال ہی میں مصیبت ہے تو آیا شرع شریف میں تجسس کرنا منع ہے پھر سودخواری اور غلہ کی ناجائز صورتیں بیع کی لکھ کر لکھا کہ وہ سب نان و حلوا کے مثل سب کھائی جاتے ہیں، پیرجی اپنے نذرانے لے جاتے ہیں اور مولویوں نے اور بھی لٹیا منجدھار میں ڈبو دی حرام بھی کہتے جاتے ہیں اور کھاتے بھی جاتے ہیں۔ یہ بھی کہ قبل اسکے ایک قطعہ خط آنجناب کی خدمت میں ارسال بغرض استفسار فرمایا تھا آپ نے اسکا جواب یہ لکھدیا کہ تین سوالوں سے زیادہ نہ بھیجو اتنی باتوں کا جواب کیونکر دیا جاوے سو مولوی صاحب سوال تو ایک ہی تھا اسکی صورتیں جدا جدا تھیں تھوڑی سی عبارت میں آپ جواب دے سکتے تھے اب میں وہ سوال مکرر روانہ کرتا ہوں سوچ کر غور کر کے جواب تحریر فرمائیے گا یہ بھی لکھا تھا کہ مضمون ختم نہیں ہوتا ناچار ختم کر کے ملتمس کہ ان شبہات کو آپ رفع کر دیجئے اگر آپ نہ کریں گے تو اور کس سے یہ شبہات رفع ہو سکتے ہیں۔ اور پتہ کن حضرات سے آپ نے لکھوایا تھا پتہ بھی پورا نہ لکھا میں نے یہ (۔۔۔۔) پورا پتہ لکھدیا تھا افسوس پڑھے لکھوں میں یہ لاپروائی اور بدخلقی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی اخلاق تعلیم کر گئے تھے؟ اب میں انکے سو سوال بناؤں اور دو تین مسئلے سے زیادہ نہ بھیجوں تو پچاس آنے (۔۔ کے) ٹکٹ لفافوں پر خرچ کروں جب جواب آئے۔ اب اللہ واسطے اپنی ان گستاخ

کی معافی چاہتا ہوں میں تو آپ کا معتقد ہوں مخالف نہیں مگر دور از کار باتیں قلم سے نکل گئیں

ملامت کناں دوستدار تو اند ستائش سرایاں نہ یار تو اند

(تم کو ملامت کرنے والے تمھارے دوست ہیں (کیونکہ اس سے تمھاری اصلاح ہوگی) اور تمھاری تعریف کرنے والے تمھارے دوست نہیں (کیونکہ وہ عیوب پر پردہ ڈالتے ہیں)

جواب: - طالب ہو کر جس سے طلب کرتا ہو اس پر اتنا غصہ کرنا علامت عدم طلب کی ہے کیا امیدواروں کو اہلکاروں کے ناز اٹھاتے نہیں دیکھا مریضوں کو اطباء کے ناز اٹھاتے نہیں دیکھا اگر وہ زیادتی بھی کریں تو جھیلتے ہیں نہ یہ کہ انکو قواعد بتلاتے اور نصیحت کرنے بیٹھ جائیں اور بتلانا بھی بے قاعدہ مثلاً جو آپ نے بہت سے سوالوں کو ایک سوال قرار دیا دو حال سے خالی نہیں یا تو انکا جواب آپکو معلوم ہے اگر معلوم ہے تو پھر پوچھنا بیکار اور اگر معلوم نہیں تو یہ کیسے خبر ہو گئی کہ ان سب کا ایک ہی جواب ہے ممکن ہے کہ ہر ایک کا جواب جدا ہو پھر اگر سب کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا تو اسی طرح سب کا ایک ہی سوال ہو سکتا تھا پھر خوامخواہ اتنا طول دیا - پھر طرز سوال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ جوابوں سے بے خبر نہیں، چنانچہ بعض بعض صورتیں نہایت طعن آمیز عنوان سے ذکر کیا ہے اور براہ زیادتی سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ پوچھنا مقصود ہے صریح سب وشتم مقصود ہے جس میں ایک کا جواب بھی ذمہ نہیں - یہ تو سوال نہیں حکومت ہے جسکا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں - آپ کو جس طرح اپنی مصلحت پر نظر دوسرے کو بھی اپنی مصلحت پر نظر ہے پھر اگر کسی کثیر المشاغل نے اپنی سہولت کے واسطے کچھ خاص انتظامات تجویز کر لئے تو کون گناہ کیا جو آپ خوامخواہ آپے سے باہر ہوتے ہیں - ناتمام پتہ کا آپ بہت آسانی سے انتظام کر سکتے

تھے کہ خود لفافہ پر لکھکر وہ لفافہ خط کے اندر رکھ دیتے گویا آپ تو نواب ہوئے اور دوسرا آپ کا نوکر اس پر پھر اعتقاد کا دعویٰ یہ مہربانی کر کے جو بے نفس یا بے حس ہوا ور اس خطاب کو منافی اعتقاد نہ سمجھے اس سے اپنے سوالوں کو حل کر لیجئے ہم خوشامد پسندوں کو چھوڑ دیجئے۔ آپ فتویٰ کیا پوچھ رہے ہیں خود فتویٰ دے رہے ہیں۔ بہت صبر کر کے اتنا لکھا ہے قیامت میں معلوم ہوگا کس کی زیادتی ہے۔

ف: اس قدر ضبط و تحمل سے حضرت والا کا ابوالحال ہونا صاف ظاہر ہے۔

(۱۳۸) فرمایا اللہ تعالیٰ کی اسقدر بڑی شان ہے کہ اگر شاہانِ دنیا کی طرح اسکے خطاب کے لئے مناسبِ شان القاب و آداب کی قید ہوتی تو عمریں تمام ہو جاتیں اور ایک بار کبھی اسکے نام لینے کی نوبت نہ آتی القاب و آداب ہی کبھی ختم نہ ہوتے لوگ نام لینے کے لئے ترس جاتے لیکن اللہ اکبر کیا رحمت ہے کہ اپنے نام لینے کے لئے کسی قسم کی قید نہیں جس وقت اور جس حالت میں جی چاہے اسکا نام لیکر خطاب کر سکتے ہیں بجز چند خاص موقعوں اور چند خاص حالات کے کہ اس وقت زبان سے ذکر نا خلاف ادب ہے۔ غریب سے لیکر امیر تک اور عابد و زاہد سے لیکر فاسق و فاجر تک ہر شخص کو بے تکلف خطاب کرنے کی اجازت ہے ورنہ اسکی عظمت و جلال کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ ہماری زبان اگر سات سمندر کے پانی سے بھی دھوئی جاتی تب بھی اسکے نام لینے کے قابل نہ ہوتی کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

(ہزاروں بار مشک اور عرق گلاب سے منہ دھو کر بھی اگر آپ کا نام پاک اپنی زبان سے لوں تب بھی انتہائی بے ادبی کی بات ہے)

ف: اس ملفوظ سے حق تعالیٰ کی عظمت اور اسکے ساتھ تعلق کس قدر حضرت والا کے قلب میں راسخ معلوم ہوتی ہے۔

رفع الموانع

(۴)

حقوق مصائب

اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ مصیبت کے کیا حقوق ہم پر لازم کئے گئے ہیں سو ارشاد ہے اِذَا اَصَابَتْهُمْ
قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ یعنی ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ لیکن یہ مراد نہیں ہے کہ صرف زبان سے اناللہ کا وظیفہ پڑھتے رہیں۔ حضرت اگر نرا وظیفہ پڑھنا مراد ہوتا اور کوئی مناسبت آپ کے حال سے ان کلمات کو نہ ہوتی تو رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنے کی خصوصیت نہ ہوتی دونوں میں ایک قسم کا ذکر شروع ہوتا یہ ضروری ہے کہ سبحان ربی العظیم کو رکوع کی حالت سے مناسبت ہے اور سبحان ربی الاعلیٰ کو سجدہ کے ساتھ تعلق خاص ہے۔ جنکی وجہ سے دونوں میں تفاوت ہوا اور وہ بظاہر یہ ہے کہ سجدہ میں پستی زیادہ ہے کہ اَشْرَفُ الْاَعْضَاء (یعنی پیشانی) کو اَخَسُّ الْاَشْیَاء (یعنی زمین اور مٹی) کے ساتھ ملحق کر دیا تو یہ حالت مقتضی ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت زیادتِ علو کو مستحضر کیا جائے جو مدلول ہے افضل التفضیل کا کہ وہ پاک ذات سب سے برتر ہے۔ اور رکوع میں بہ نسبت سجدہ کے پستی کم ہے اس لئے اس حالت میں نفس عظمت کا استحضار مناسب ہوا کہ صیغہ فَعِیْل اَفْعَل کی طرح نہیں ہے معنیٔ تفضیل میں، پس معلوم ہوا کہ نرا وظیفہ پڑھنا مراد نہیں ہے بلکہ دل سے اسکو سمجھکر اس سے متاثر ہونا مقصود ہے اسی واسطے ہر قول کی نسبت ارشاد ہے قُلْ لَّهُمْ قَوْلًا بَلِیْغًا "کہ آپ انکو ایسی بات فرمایئے کہ جو مؤثر ہو" اور بات تو وہی ہے جسکا منشار قلب ہو۔ جیسا شاعر کہتا ہے ؎

اِنَّ الْکَلَامَ لَفِی الْفُؤَادِ وَاِنَّمَا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَی الْکَلَامِ دَلِیْلاً

(کلام تو اصل میں دل کے اندر ہوتا ہے زبان اسی کلام قلبی پر دلیل ہوتی ہے) یعنی کلام تو دل میں ہے اور زبان تو کلام کی نری ترجمان ہے بس قَالُوْا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قَالُوْا بِاللِّسَانِ (یعنی زبان سے کہتے ہیں) بلکہ یہ ہیں قَالُوْا مِنْ اَنْفُسِہِمْ یعنی اپنے دل سے کہتے ہیں صرف زبان سے نہیں کہتے آپ شاید اسکو سنکر یہ سمجھے ہونگے کہ دل میں یہ وظیفہ پڑھ لیں گے یعنی الفاظ کا خیال کرلیں گے۔ افسوس ؎

اگر غفلت سے باز آیا، جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

قرآن کا اعجاز

یاد رکھو کہ نرا دل کا فعل بغیر سمجھے بھی کام کا نہیں، حق تعالیٰ اسکی بھی شکایت فرماتے ہیں وَلَہُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَہُوْنَ بِہَا" یعنی ان کفار کے لئے ایسے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں پس دل سے کہنا (بے معنی سمجھے تخیل و تصور الفاظ) بھی کارآمد نہیں بلکہ مضمون کا فہم شرط ہے اس لئے ہم اسکی شرح بقدر ضرورت بیان کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وہ مصیبت کے وقت کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ یعنی دل سے اپنے یقین رکھتے ہیں کہ ہم اللہ کی ملک ہیں۔ سبحان اللہ کیا تعلیم ہے مطلب ہے کہ جب یہ امر ثابت ہے کہ ہم اللہ کی ملک ہیں اور ملک اور قبضہ اور تصرف کا کوئی حصہ ہمارا نہیں تو اگر مالک اپنی کسی شئے کے اندر تغیر تبدل کرے اور اپنی ایک مملوک چیز کو اپنی دوسری مملوک چیز سے جدا کردے تو یہ امر قابل اعتراض و مزاحمت نہیں ہے۔ دیکھئے اگر آپ کی بالک میں ایک الماری ہے اور اس میں کچھ کتابیں رکھی ہیں اگر آپ ان کتابوں کی ترتیب بدل دیں ان میں کی ایک کتاب کو کسی دوسرے خانہ میں رکھدیں تو وہ کتاب جس سے علیٰحدہ کیا ہے یہ نہیں کہہ سکتی کہ میری بہن کو علیحدہ کیوں کردیا اور

نہ کوئی اور کہہ سکتا ہے کہ اس کتاب کی جگہ کیوں بدل دی پس اگر ہمارا مالک ہمارے کسی عزیز کو ہم سے علٰحدہ کرکے دوسرے جہان میں منتقل کر دے تو ہمکو کوئی حق نہیں ہے کہ چوں وچرا کریں۔ وہ مالک ہیں یَتَصَرَّفُ فِیْنَا کَیْفَ یَشَاء (جیسے چاہیں ہمارے اندر تصرف اور تغیر کرسکتے ہیں) پس مومن کو چاہیئے کہ ان کے معنی کو سمجھکر تسلی حاصل کرلے اور واقعی اگر یہ مضمون قلب میں راسخ ہو جائے تو مادۂ غم کو جڑ سے کاٹنے والا ہے اسکے ہوتے ہوئے رنج وحسرت کا نام ونشان نہیں رہ سکتا۔ دیکھئے یہ ہے تعلیم اسلامی کہ بقراط اور سقراط اور جہان بھر کے فلاسفہ اسکا مقابلہ نہیں کرسکتے اور اگر کوئی مدعی ہو تو بتلائے کہ اس کے سوا کون سی تدبیر ہے کہ جس سے انسان کو تسلی حاصل ہو اور گو اس قدر جملہ بھی مصیبت کا اثر دور کرنے کے لئے کافی تھا لیکن یہ اس شخص کے لئے ہے کہ توحید کے اندر اسکا قدم راسخ اور اعتقاد کے ساتھ حال بھی میسر ہو اور جو اس مرتبہ کا نہو اسکے دل میں خیال گذر سکتا کہ اس پر تو ہمارا ایمان ہے کہ ہم سب اللہ کے ہیں اور نہ ہمکو حق چوں وچرا کا ہے لیکن چونکہ ہمارا بیٹا یا عزیز ہم سے جدا ہوگیا ہے اسکا رنج ہمارے دل کو پاش پاش کر رہا ہے اور اسکی مفارقت دائمی ہم کو ستا رہی ہے اسکا کیا علاج ؟ اسلئے اس پر وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن بھی بڑھا دیا گیا "یعنی ہم سب اسی کی طرف جانے والے ہیں" مطلب یہ ہے کہ اگر تمکو بہت ہی بیقراری ہے اور وہی شے تمھارا مطلوب ہے اور اسکے بغیر تم کو چین نہیں آتا تو تم اپنے نفس سے کہو کہ ہم سب اسی کی طرف جانے والے ہیں وہاں سب ایک دوسرے سے مل لیں گے اور حیات دنیوی کا زمانہ وہاں رہنے کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں کہ اب گذر جائے گا۔ جب یہ مضمون پیش نظر ہوگا اور یقین کامل اسکا ہو جائے گا تو پوری تسلی اور راحت اسکو حاصل ہو جائیگی۔ یہ ہے قرآن کا اعجاز معنوی اور یہ ہیں اسکی تعلیمات

آج کوئی دکھلائے تو کہ ایسی تعلیم کہاں ہے اور تمام تعلیم یافتہ اور فلاسفر جمع ہوکر تبلائیں کہ اسکے سوا کون سا طریقہ ہے تسلی کا؟ اور کچھ اسی باب میں یہ تعلیم نادر نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی تمام تعلیمات ایسی ہی ہیں وللہ الحمد۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ جسکا قرآن و حدیث پر ایمان نہیں ہے یا ایمان میں ضعف ہے اسکی راحت اور تسلی کا کوئی طریقہ ہی نہیں۔ اور قرآن مجید کی ہر ہر تعلیم اور ہر ہر ادا ایسی ہے کہ بے اختیار یہ شعر یاد آتا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(سر سے پاؤں تک جہاں کہیں نظر کرتا ہوں کرشمہ و ناز دل کے دامن کو کھینچتا ہے کہ دیکھنے کی جگہ تو یہ ہے)

یہ حق ہے مصیبت کا جو ہمکو تعلیم کیا گیا ہے اس حق کے ادا کرنے والے کو ناگواری رہ ہی نہیں سکتی۔ دیکھو اگر ہمکو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں عزیز حیدرآباد کا وزیر اعظم ہوگیا ہے تو ہم کو بجائے اسکے کہ اسکی جدائی کا رنج ہو خوشی ہوگی اور شوق ہوگا کہ کسی طرح ہم بھی وہاں پہونچیں اسی طرح معتقد آخرت کو وہاں جانے کا شوق ہونا چاہیئے اور جو وہاں پہونچ گئے ہیں ان پر خوش ہونا چاہیئے کہ اچھا ہوا دنیا کے قید خانہ سے انکو رہائی ہوئی۔ بعضے بزرگوں پر اس درجہ یہاں سے چھوٹنے کا شوق ہوا ہے کہ انھوں نے اسکی تمنا کی ہے چنانچہ بعض ان میں سے کہتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

(خوشی تو اس دن ہوگی جب اس ویران منزل سے روانگی ہوگی، جان کی راحت طلب کروں گا اور محبوب کے پیچھے پیچھے جاؤں گا)

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

(میں نے نذر مانی ہے کہ اگر غم کے (یعنی دنیوی زندگی کے) یہ دن ختم ہوگئے تو میکدہ کے دروازہ تک خوشی خوشی غزل پڑھتا ہوا جاؤں گا)

میکدہ اصطلاحی لفظ ہے اس سے مراد مقام قرب ہوتا ہے اور بعض مرتبہ میکدہ سے راہ محبت وعشق اور کعبہ سے طریق زہد وعبادت بھی مراد لیتے ہیں، چنانچہ حافظ شیرازی کہتے ہیں ؎

از مدرسہ بکعبہ روم یا بمیکدہ اے پیر رہ بگو کہ طریق صواب چیست

(مدرسہ سے نکل کر کعبہ کو جاؤں یا میکدہ کو اے پیر تو ہی بتادے کہ درست اور سیدھا راستہ کون سا ہے)

غرض اس مضمون کو سمجھنے کے بعد غم بالکل جاتا رہے گا اور اگر اب بھی رہے تو سمجھ کہ اس مضمون کا اسکو یقین ہی نہیں ہوا اور وہ غم کے اندر اپنی عمر فضول ضائع کر رہا ہے جس سے کوئی حاصل نہیں اس لئے کہ وہ محبوب اسے ملیگا تو بے نہیں جیسا عرفی کا شعر ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

(اے عرفی محبوب کا وصال رونے سے میسر ہوتا تو سیکڑوں سال بھی تمنا میں رو سکتے تھے)۔

محبت کا تقاضا

صاحبو! اگر آپ کا محبوب کوئی چیز آپکی لے لے تو وہ محبوب اگر آپ کا محبوب ہے تو آپ کچھ بھی چون وچرا نہ کریں گے بلکہ خوش ہوں گے اور اگر چون وچرا کرو تو معلوم ہوا کہ وہ محبوب آپکو محبوب نہیں بلکہ وہ شئے محبوب ہے بلکہ محبت کا مقتضی تو یہ تھا کہ آپ روویں بھی نہیں مگر اس پر یہ شبہہ آپ کریں گے کہ انبیاء بھی تو مصیبت میں روئے ہیں جیسا کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا صاحبزادہ کے انتقال پر مذکور ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے رونے اور ان حضرات کے رونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے، ہم تو محض اس شئے کی یاد میں روتے ہیں اور وہ حضرات دیکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت حق کو ہمارا رونا ہی مطلوب ہے کہ دلیل افتقار ہے اسلئے روتے ہیں سو آپ کو بھی رونے کی اجازت ہے۔

اس محبوب شئے کا لے لینا خود دلیل ہے اسکی کہ محبوب حقیقی کو مصلحت کے لیئے تمھارا رولانا بھی منظور ہے سو روؤ لیکن حدود کی رعایت رکھو کہ اس محبوب شئے کو محبوب حقیقی سے مت بڑھاؤ کہ اسکا ہی وظیفہ کر لو بس ذرا رلا کر پھر محبوب حقیقی کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ اگر بالکل نہ روئے تو بھی آپ نے اس مصیبت کے راز کو نہ سمجھا اور اگر ساری عمر روتے رہے اور اسی کو لے بیٹھے تو مالک حقیقی آپ کا محبوب نہ ہوا۔ خدا کے سامنے روؤ، اسکے دکھلانے کو روؤ تاکہ افتقار اور عجز تمھارا ظاہر ہو اور خدا سے دوسروں کے سامنے نہ روؤ۔ جو اس راز کو سمجھ گئے ہیں وہ روئے بھی ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

کین تضرع را بر حق قدرہاست وان بہا کانجاست زاری راکجاست

(اس تضرع اور زاری کی خدا کے نزدیک بڑی قدر ہے جو قیمت وہاں ہے زاری کے لئے دوسری جگہ کہاں ہے؟)

گر تو خواہی کز بلاجاں وا خری جان خود را در تضرع آوری

(اگر تو چاہتا ہے کہ بلا سے چھٹکارا نصیب ہو اپنی جان کو آہ وزاری میں لگا دے)

اے خوشا چشمے کہ آں گریان اوست وے ہمایوں دل کہ آں بریان اوست

(وہ آنکھ بڑی خوش نصیب ہے جو اسی کے لئے رونے والی ہے بہت ہی مبارک ہے وہ دل جو اسی کی یاد میں بھن رہا ہے)

پس جو مصیبت میں اسکے رلانے سے روتے ہیں وہ بھی گریان اوست میں داخل ہیں رونا اور مصیبت دونوں بڑی نعمت ہیں کہ اس میں بندہ کا افتقار ظاہر ہوتا ہے پس جو نہ روئے اور ضبط کر کے پتھر سا بنا رہے اس نے مراد حق کو پورا نہ کیا۔ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیسی طبیعت ہے فرمایا اچھی نہیں بیمار ہوں، کسی نے پوچھا حضرت آپ تو بڑے عارف ہیں جزع فزع کرتے ہیں؟ فرمایا کہ دیوانے ہو گیا؟ میں اپنے خدا کے سامنے بہادر بنوں کہ وہ تو میرا ضعف ظاہر کریں اور

اور میں قوت ظاہر کردں - ایک بزرگ رو رہے تھے کسی نے پوچھا آ
کیوں رو رہے ہیں فرمایا کہ بھوک لگ رہی ہے اس شخص نے کہا حضرت
آپ بھوک میں روتے ہیں؟ فرمایا محبوب حقیقی جب ہمارے رونے
کو بھوک لگا دیں تو ہم کیوں نہ رو ویں، مگر ایسا رونا نہیں جس رونے کی مشق
عورتوں کو ہوتی ہے جب کہیں تعزیت وغیرہ میں جاتی ہیں تو ڈولی گاڑی میں
اچھی خاصی ہوتی ہیں اور اس سے اترتے ہی ہو ہو کرنا شروع کردیتی ہیں
غرض رونا جو غم میں بیساختہ جوش زن ہو ممنوع نہیں بلکہ عین مرادِ حق یہ بھی ہے
کہ بطریق مذکور نفس کو تسلی دو پس جب مرادِ حق پوری ہو جائے تو اب رونے
کے شغل کو چھوڑدو اور اگر سوچ سوچ کر اسکو لے کر بیٹھ گئے تو یہ بُرا ہے۔ او
حق تعالیٰ بزبان حقیقت ایسکو پکار پکار کر کہتے ہیں کہ اے شخص جس کے پاس
ہم ہوں اسکو کون چیز غمگین کر سکتی ہے؟ تو جو اسی کو لے بیٹھا ہے
معلوم ہوا کہ ہم تجھکو محبوب نہیں۔

محبت کا مظاہرہ

اور صاحبو! غور تو کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے
قلوب میں جیسے محبوب تھے اتنا محبوب کسی محب کی نظر
نہ کوئی ہوا اور نہ کوئی ہوگا آپ کی محبوبیت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کا آبِ دہنِ مبارک
اور آبِ بینی صحابہؓ زمین پر گرنے نہ دیتے تھے فوراً اپنے منہ کو اور بدن کو مل لیتے
تھے اور چاٹ لیتے تھے کوئی اس قصہ کو سنکر دل میں اپنے گھن نہ کرے اسلئے
کہ اول تو محبت وہ شے ہے کہ کسی مرد اور عورت کے ساتھ اگر تعلق ہو جاتا ہے
تو یہ معاملہ اسکے ساتھ بھی لوگ کرتے ہیں حالانکہ یہ محبت محض نفسانی و
شہوانی ہوتی ہے اور جہاں محبت حقیقی ہو وہاں اگر یہ امر ہو تو تعجب کیا ہے
دوسرے یہ کہ حضورؐ کی ذات اقدس نفاست اور لطافت میں اس درجہ پر تھی کہ
ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ حضورؐ کا بول و براز بھی پاک تھا ایک صحابی نے
غلطی سے حضورؐ کا خون پی لیا تھا انکی اولاد میں کئی نسل تک خوشبو رہی اور

ورکا پسینۂ مبارک بجائے عطر کے استعمال کیا جاتا تھا پس جب آپ کے
لات میں نہ بو تھی نہ کدورت تو پھر طبعی گھن بھی نہیں ہوسکتی اور آپ کی محبوبیت
یہ کیفیت تھی کہ عورتیں طبعًا اپنی اولاد کی محبت میں غرق ہوا کرتی ہیں لیکن
صؐ کے ساتھ انکی محبت کی یہ حالت تھی کہ ایک غزوہ سے حضورؐ تشریف لارہے
تھے ایک عورت سرِراہ اشتیاق میں کھڑی تھی کسی نے کہا کہ تیرے بھائی اور بیٹے
شہید ہو گئے تو وہ پوچھتی ہے کہ یہ تو بتلاؤ کہ حضور بھی صحیح سلامت ہیں؟ لوگوں نے
کہا کہ ہاں وہ تو ہیں کہنے لگی کہ کچھ پرواہ نہیں، انکی تو یہ حالت تھی

فَاِنَّ اَبِیْ وَوَالِدَتِیْ وَعِرْضِیْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْکُمْ وِقَآءُ

(میرے باپ، میری ماں اور میری آبرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے
تم سے بچاؤ ہے اور سامان حفاظت ہے)

پھر اس قدر آپ کی محبوبیت پر آپ قیاس کیجئے کہ حضور کی وفات پر
صحابہ کی کیا حالت ہوئی ہوگی؟ صحابہ پر یہ صدمہ ایسا ہوا ہے کہ اس صدمہ کی نظیر
روئے زمین پر نہ پہلے کبھی ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس

خدمت دین صدمہ میں کیا کیا سب سے زیادہ ہوش وحواس
اس صدمہ میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو رہے جو سب
سے زیادہ عاشق تھے ورنہ بقیہ صحابہؓ کے شدت صدمہ سے ہوش
بجا نہ تھے جب صدیق اکبرؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو فورًا منبر پر تشریف
لے گئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بعد حضورؐ کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
پر خاص نظر تھی جب انکو منبر پر دیکھا سب منبر کے گرد جمع ہو گئے۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۴ : ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق اپریل ۱۹۹۷ء جلد ۲۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D Code No 0532

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

اصلاح الطلبہ

سنیئے! جو طلبہ ہم لوگوں کے پاس آتے اور رہتے ہیں انکی نگرانی بے حد ضروری ہے بغیر اس کے انکی تعلیم و تربیت ناممکن ہے اسلئے کہ جب تک ہم کو یہ نہ معلوم ہو کہ کیا ہو رہا ہے اس وقت تک نظم کیسے قائم ہوگا اور جب ہم کو علم ہی نہ ہوگا تو اسکا انتظام کیا کر سکیں گے تجسس تو حرام اور منع ہے غیبت اور سوء ظن بھی حرام اور منع ہے لیکن باوجود اسکے احوال کا تفقد اور نگرانی ضروری ہے۔

ہم نے طلبہ سے برابر کہا ہے اور کہتے رہتے ہیں کہ علم تو بہت بڑی چیز ہے کسی کو حاصل ہوتا ہے کسی کو نہیں لہٰذا اس جگہ رہ کر تم کو علم آوے یا نہ آوے تم یہاں ضروریات دین کے پابند ہو اور کوئی بری خصلت اگر اپنے گھر سے تمھارے اندر موجود ہو تو اسکو دور کرو، اور یہ چیز تو بہت ہی بری ہے کہ کوئی خصلت گھر پر تو تم میں نہیں تھی اور یہاں آکر طالبعلمی کے زمانے میں تم میں پیدا ہو جائے۔ اسلئے یہاں رہ کر ایک دوسرے کے اختلاط (میل جول) کی وجہ سے تم میں کوئی بری خصلت نہ پیدا ہونی چاہیئے۔ یہ صاف صاف بات تم کو سمجھا رہا ہوں اور رہ گیا علم تو پہلے تم اسکے لائق اپنے کو بناؤگے تب کہیں کچھ تھوڑا سا علم آجائے گا اسلئے کہ یہ بہت بڑی چیز ہے۔

میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ طلبہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کو یہاں رہکر کیا کرنا ہے اور یہاں پر ہمارا قیام کس لئے ہے؛ جو کوئی بری خصلت ہوتی ہے وہ عالم بالا سے تھوڑے ہی آتی ہے بلکہ یہیں پیدا ہوتی ہے

اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب کسی جگہ پر ہر طرح کے لوگ مجتمع ہوتے ہیں تو ان میں جو اچھی خصلت والا بھی ہوتا ہے وہ اپنے ساتھیوں سے بری خصلتیں سیکھ لیتا ہے لہذا مہتمم وغیرہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ لوگ طلبہ کو برابر دیکھتے رہیں کہ ان میں کوئی بری خصلت تو نہیں پیدا ہو رہی ہے اگر کسی ایسی چیز میں انکو دیکھیں تو اس سے انکو نکالنے کی سبیل اختیار کریں۔

کل مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ فلاں مدرسہ میں ایک مرتبہ تمام طلبہ مشتعل ہو گئے تو چونکہ میں طلبہ میں صدر تھا اس لئے میں نے ہی اسکو فرو کیا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا آخر بات کیا تھی جس کی وجہ سے اتنا برہم و مشتعل ہو گئے تھے تو انھوں نے بتایا کہ بات کچھ بھی نہیں تھی بس صرف اتنی بات تھی کہ اور دوسرے مدارس میں تعطیل تین دن کی تھی اور اس مدرسہ میں ایک ہی روز کی تھی اس پر ان سب کو اشتعال تھا کہ سب مدرسوں میں تین روز کی چھٹی ہوتی ہے ہماری ایک ہی روز کی کیوں ہے؟

میں نے کہا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ بھلا یہ بھی کوئی مطالبہ اور اشتعال کی بات ہے اسکے لئے تو جا کر ارباب اہتمام سے کہدو وہ مناسب سمجھیں گے کر دیں گے اور اگر تمھارے حق میں مفید نہ سمجھیں گے تو جو مفید ہو گا وہ کریں گے اور اسکی معقول وجہ تم سے بتا بھی دیں گے مگر یہ لوگ تو نفس کے گھوڑے پر سوار ہیں، یہ علم پڑھ رہے ہیں انکو اتنا نہیں معلوم کہ یہ بھی کوئی مطالبہ کی چیز ہے؟

بات یہ ہے کہ یہ لوگ الفاظ پڑھتے جاتے ہیں مگر تربیت چونکہ ہوتی نہیں اس لئے انکا نفس روز بروز بگڑتا ہی جاتا ہے اور اس میں قصور ان کے اساتذہ کا بھی ہے کہ یہ بزرگان دین الفاظ تو پڑھاتے ہیں مگر طلبہ کو ٹھیک نہیں کرتے اور ان کے اخلاق کی اصلاح نہیں کرتے۔ غور کرنے

سے معلوم ہوگا کہ یہ طلبہ جو مدرسوں میں جمع ہوتے ہیں ان کے مطالبات کے کچھ اسباب نہیں ہوتے بلکہ محض یہ اپنی بد اخلاقی کا ثبوت دیتے ہیں۔

میں ان سے کہتا ہوں کہ تم اپنے گھر جا کر اپنی بد اخلاقی کا ثبوت دو اور اپنے بھائی کے ساتھ، باپ کے ساتھ، بیوی کے ساتھ، اہل خاندان کے ساتھ گڈ مڈ کرو مدرسہ کو کیوں تباہ کر رہے ہو، کیا مدرسہ اسی کیلئے موضوع ہے؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم زبردستی اپنی حکومت چلانا چاہتے ہو جانتے ہو یہ کس بات کا فساد ہے؟ یہ سب کھانے کا فساد ہے۔ مدرسوں میں لوگ کتنی محنت و مشقت کر کے چندہ کر کے رقمیں اکٹھا کرتے ہیں اور ان لوگوں کو مفت کھلاتے ہیں انکو بیٹھے بٹھائے مفت کا کھانا ملتا ہے، انکو کمانا نہیں پڑتا، یہ سب اسی کا فساد ہے کہ انکے اخلاق بگڑتے ہی چلے جاتے ہیں۔ آپ لوگوں نے یہ کہیں نہیں سنا ہوگا کہ یہ سب کھانے کا فساد ہے۔ اس زمانہ میں اسکو کوئی بتاتا ہی نہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

ایں نہ عشقست آنکہ در مردم بود　　ایں فساد خوردن گندم بود

یعنی آج کل جو عشق لوگوں میں ہوتا ہے یہ عشق نہیں ہے بلکہ یہ سب گیہوں کھانے کا فساد ہے۔

طالب علم کو بہکانے کے لئے شیطان بھی اپنی پوری کوشش کرتا ہے اسلئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر ایک آدمی بھی سیکھ لیگا تو وہ ٹھیک ہو جائیگا اور معلوم نہیں کتنوں کو راستہ پر لگا دیگا اسلئے وہ اپنی پوری کوشش انکو بہکانے میں صرف کر ڈالتا ہے۔

لہٰذا انکی حفاظت اور تربیت کیلئے زبردست قوت کی ضرورت ہے اور وہ قوت ہم لوگوں میں رہی نہیں اسلئے فساد بڑھتا جا رہا ہے۔ پہلے بزرگوں میں یہی قوت تھی جس سے وہ بڑی سے بڑی شیطانی و نفسانی قوت کو ختم کر دیتے تھے۔

چنانچہ ایک آدمی جو اچھا تھا اسکی حالت بدل گئی اور کسی بری خصلت میں مبتلا ہوگیا، حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ اسکی طبیعت بدل گئی ہے مگر اسکے باوجود نہ اسکو ڈانٹا اور نہ خفا ہوئے اور نہ یہ کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ بلکہ آہستہ آہستہ اس سے ربط و ضبط بڑھایا یہاں تک کہ خود ہی اسکا ذکر چھیڑا وہ اسکو چھپانا چاہتا تھا لیکن مولاناؒ کے پوچھنے کی وجہ سے شرم و حجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا کہ بھائی یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں اس میں چھپانے کی کیا بات ہے۔ غرض اس طریق سے اس سے گفتگو کی کہ خود اسکی زبان ہی سے اقرار کرالیا اس پر کوئی خفگی اور ناراضگی نہیں ظاہر فرمائی بلکہ دلجوئی کی۔ بالآخر ایک دن اس نے خود آکر مولانا سے عرض کیا کہ حضرت للہ میری اعانت فرمائیے میں تنگ آگیا اور عاجز ہو چکا ہوں، ایسی دعا فرما دیجئے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے، تو ہنسکر فرمایا بس مولوی صاحب! کیا تھک گئے؟ بس جوش ختم ہوگیا؟ اس نے کہا حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہوگیا، نکما ہوگیا، اب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا خدا کے لئے میری امداد فرمائیے ۔ فرمایا بہت اچھا بعد مغرب فلاں (شاید چھتّہ والی) مسجد میں آجاؤ۔ جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔ بہت نرمی اور شفقت سے گفتگو فرمائی حالانکہ بات بہت سخت تھی لیکن ذرا بھی خفا نہ ہوئے اس لئے کہ ان حضرات کا مقصود اصلاح نفس ہوتا ہے جہاں نرمی کا موقع ہوتا ہے وہاں نرمی سے کام لیتے ہیں اور جب سختی کی ضرورت پڑتی ہے تب ہی سختی برتتے ہیں۔ یہاں مولاناؒ نے سوچا کہ یہ بیچارہ تو خود ہی مبتلا ہے اور اس سے نکلنا چاہتا ہے ایسی صورت میں یہ خود قابل رحم ہے اس پر غصہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا اگر اسکو خفا ہوکر نکال بھی دوں تو یہ تو نکل جائیگا مگر یہ مرض تو اسکے ساتھ ہی رہیگا اسلئے

دوسری صورت اختیار کی اور فرمایا کہ بعد مغرب صلوٰۃ اوابین سے فراغت کے بعد میرے پاس آجانا چنانچہ وہ بعد مغرب حضرتؒ کے پاس پہونچے تو اپنے سامنے بلاکر بٹھایا اور فرمایا کہ اپنا ہاتھ لاؤ انھوں نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا تو اسکے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھکر انکی ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اسطرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔ وہ صاحب خود بیان کرتے تھے کہ خدا کی قسم میں نے بالکل عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کرلیا ہے گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کپکپی اور خوف طاری نہ ہوا تھا میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور بالکل خودی سے گزر گیا اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے تھے، جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی فرو ہوگئی، فرمایا کہ جاؤ تو میں اٹھکر چلا آیا دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کا تصور اور عشق تو کجا دل میں اس لڑکے کی گنجائش بھی باقی نہیں فرمایا کہ اللہ کا شکر کرو فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

دیکھئے حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کی یہ شان تھی اور ایسی قوت وتاثیر رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ حضرت کا کھلا ہوا تصرف تھا کہ اس سے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ خدا کے سامنے کھڑا کردیا اور منٹوں میں جو مرض تھا اس کو کھرچ کر ختم کردیا اور اسکا دل بالکل صاف ہوگیا اور مرض کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔

اب طلبہ پر ہم لوگوں کو شفقت بھی نہیں اور رحم بھی نہیں اسلئے انکی طرف پوری توجہ نہیں کرتے جسکی وجہ سے نہ تو انکو علم ہی آتا ہے اور نہ دین ہی آتا ہے۔

علم پڑھانے سے زیادہ دین سکھانا مشکل ہے اس لئے کہ اسکے

لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے جس سے لوگوں کے دل میں دین کی محبت اور عمل کی محبت پیدا ہو جائے اور اچھے احوال کی بھی محبت ہو جائے اور یہ جب ہی ہوگا کہ کسی کامل شخص سے پڑھے۔

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے تھے کہ ایک امیر آدمی تھے کسی بزرگ سے پڑھتے تھے وہ پڑھاتے بھی تھے اور ساتھ ہی ساتھ تربیت بھی کرتے تھے ایک دفعہ وہ آئے تو استاد کو دیکھا کہ انکے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ فاقہ سے ہیں اور ایسا مضمحل تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کچھ کھایا پیا نہیں ہے تو انھوں نے بجائے اسکے کہ استاد سے یہ کہتے کہ حضرت کو ضعف ہے یا فاقہ کا اثر ہے یہ کہا کہ حضرت آج پڑھنے کو جی نہیں چاہتا اس لئے چھٹی دے دیجئے ان پر ضعف کا اثر تو تھا ہی فرمایا کہ اچھی بات ہے چنانچہ وہ چلے گئے اور جاکر اپنے گھر میں کہا کہ جلدی سے خوب عمدہ عمدہ کھانے تیار کرو حضرت کے پاس لیجائیں گے چنانچہ گھر والوں نے کھانا تیار کردیا اور وہ اسکو لیکر خود استاد کی خدمت میں پہونچے وہ ان کو دیکھکر ہنسے اور فرمایا کہ تم جو یہ کھانا لائے ہو تو ضرورت اور حاجت کے وقت لائے ہو لیکن جب تم جارہے تھے تو میں سمجھ گیا کہ تم کھانا لانے جارہے ہو اور مجھکو اس کھانے کا انتظار ہوگیا اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ جب بغیر اشراف نفس (اور انتظار) کے آوے تو لے اور اشراف نفس کے ساتھ مت لو لہٰذا چونکہ اس وقت مجھکو اشراف نفس ہوگیا اسلئے اسکو قبول نہیں کرسکتا۔ شاگرد بھی ہوشیار اور سمجھدار تھا عرض کیا کہ بہتر ہے اور فوراً کھانا لیکر واپس ہوگیا اور دیر کے بعد واپس آیا اور انکی خدمت میں پھر اس کھانے کو پیش کیا اور عرض کیا کہ حضرت آپکو اس کھانے کے لینے سے اور کوئی امر بجز اشراف نفس مانع نہ تھا اور جبکہ میں اس کھانے کو لیکر واپس چلا گیا تو اب اشراف نفس باقی نہیں رہا لہٰذا اسکو قبول فرمالیجئے۔ استاد

اس بات سے بہت خوش ہوئے اور سمجھ لئے کہ واقعی مجھ سے کچھ سیکھا ہے، اور مجھ سے تعلق و محبت رکھتا ہے اسلئے اس کھانے کو لے لیا۔

سبحان اللہ کیسے استاد تھے اور کیسے سمجھدار انکے شاگرد تھے اگر کوئی ناسمجھ ہوتا تو جب انھوں نے اس کھانے سے انکار کیا تھا اس وقت وہ اصرار کرتا کہ قبول فرما لیجئے مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور کیسا عمدہ طریقہ اختیار کیا کہ استاد نے کھانا بھی کھا لیا اور اشراف نفس سے بھی محفوظ رہے اور یہ فہم و عقل بھی استاد ہی کی برکت سے انکو حاصل ہوئی تھی۔

اسی لئے میں طلبہ سے کہتا ہوں کہ تمھارے سیکھنے کا وقت ہے اور یہاں جو تم آئے ہو تو اگر اسی وقت تم نہیں سیکھو گے اور اس وقت کو ضائع کر دوگے تو پھر اپنے گھر جا کر بہت مصیبت میں پڑ جاؤ گے اگر سیکھے رہو گے تو تمھارے ہی کام آوے گا اور بہت سی دنیا دی مصیبتوں سے نجات پا جاؤ گے ورنہ بڑی پریشانی اٹھاؤ گے۔

حضرت مولانا شہیدؒ ایک مرتبہ کسی جگہ وعظ فرما رہے تھے آواز کسی طرح چلتی نہیں تھی کسی آدمی سے ایک شخص نے کہا کہ آخر کیا بات ہے جسکی وجہ سے حضرت کی آواز نہیں چلتی انھوں نے بتایا کہ حضرت کو تین وقت سے فاقہ ہے اس وجہ سے آواز میں ضعف ہے تو اس شخص نے حضرت سے عرض کیا کہ آج مجھکو بہت کام ہے اس واسطے وعظ کو موقوف فرما دیجئے چنانچہ موقوف فرما دیا اسکے بعد وہ شخص اپنے گھر گیا بڑا آدمی تھا اپنے گھر میں خوب عمدہ کھانے کا انتظام کیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو آکر عرض کیا کہ حضرت تشریف لے چلئے اور کھانا تناول فرما لیجئے تو فرمایا کہ نہیں بھائی۔ اس نے کہا کہ یہ کیوں؟ کیا مجھ پر اعتماد نہیں ہے، فرمایا نہیں بھائی یہ بات نہیں ہے بلکہ قافلے کے جو لوگ میرے ساتھ ہیں وہ سب کے سب فاقہ سے ہیں اسلئے میں تنہا نہیں کھا سکتا، ان صاحب نے کہا کہ حضرت سب کا

کھانا پکا ہوا ہے۔ چنانچہ سب حضرات تشریف لے گئے اور ان کے یہاں دعوت کھائی اسی طرح کئی وقت انھوں نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ مولانا اور انکے رفقاء کو دعوت کھلائی۔

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کو کسی نے روپیہ دیا کہ اسکو لوگوں میں تقسیم کر دیجئے انھوں نے لیکر رکھ لیا پھر ایک شخص سے فرمایا کہ اسکو تقسیم کر دو چنانچہ وہ لیجا کر تقسیم کرنے لگے، ایک صوفی تھے انھوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس شخص نے امام صاحبؒ سے جا کر عرض کیا کہ حضرت فلاں صاحب نہیں لیتے تو فرمایا اب جا کر دو تو لے لیں گے، وہ صوفی ہیں اس وقت جبکہ تم لے گئے ہوگے تو ان کو اشراف ہوگیا ہوگا اسلئے نہیں لیا چنانچہ وہ دوبارہ لے گئے تو لے لیا۔

اس قصہ سے جس طرح ان بزرگ کا کمال معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ضرورت کے اشراف نفس کی وجہ سے روپیہ لینے سے انکار فرما دیا اسی طرح امام احمد ابن حنبلؒ کے کمال کا بھی پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے یہ سمجھ لیا اور فرمایا کہ اس وقت کچھ اشراف ہوگیا ہوگا جسکی وجہ سے نہیں لیا۔

ان واقعات سے آپکو یہ تبلانا چاہتا ہوں کہ بزرگوں کے یہاں لینے دینے اور کھانے پینے کے بھی آداب ہیں اور یہ حضرات ان آداب کی رعایت ہر چیز میں فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اور آداب سکھلائے ہیں اسی طرح کھانے پینے کے اور لینے دینے کے بھی آداب سکھلائے ہیں اب ان آداب کو حضرات اولیاء جو نائب ہیں آپؐ کے وہ نہیں برتیں گے تو پھر کون برتے گا۔

امام مالکؒ موطا کا درس دیتے تھے بہت سے لوگ اس میں شریک ہوتے تھے، ہارون رشید جو خلیفہ وقت تھا اس نے خواہش ظاہر کی

کہ مجھکو الگ وقت دے کر پڑھا دیجئے امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس طرح اور دوسرے لوگ آکر پڑھتے ہیں اگر تم بھی انھیں میں شامل ہوکر بیٹھ جاؤ گے تو پڑھا دیں گے ورنہ مستقل الگ نہیں پڑھائیں گے ۔ طلبہ بیٹھے ہوئے تھے اور ہارون رشید بھی بیٹھے ہوئے تھے امام صاحبؒ نے ایک طالبعلم سے فرمایا چلو سبق شروع کرو اور بادشاہ سے فرمایا کہ علم دوسری چیز ہے اور اسکی شان یہ ہے کہ اسکے پاس آیا جاتا ہے خود علم دوسرے کے پاس نہیں جایا کرتا ۔ اسکے بھی بہت زیادہ آداب و شرائط ہیں اور سب سے بڑی چیز علم کا ادب اور اسکی وقعت ہے جتنی زیادہ وقعت ہوگی اتنا ہی علم حاصل ہوگا ۔

حضرت مولانا شاہ اسحٰق صاحبؒ بہت بڑے عالم تھے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نواسے تھے ان کے پاس حدیث کا درس ہوتا تھا اور اسکے بعد کے تمام سلسلے حدیث کے انھیں سے چلے ہیں ۔ ایک آدمی انکے پاس پڑھنے کے لئے گئے انکا کھانا گھر ہی سے مقرر کردیا تھا وہ سمجھے ہوں گے کہ یہ شخص مستحق ہے جب کھانا ان کے پاس آیا تو اسکو نہیں کھایا ان سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے ؟ تو کہا کہ یہاں پر جو آم کی بیع ہوتی ہے وہ ناجائز ہے اور کھانے کے ساتھ جو سالن آیا ہے اس میں آم کی کھٹائی پڑی ہوگی ، انکی اس بات کو سنکر شاہ صاحب بہت خوش ہوئے اور سوچا کہ یہ تو ہمارا استاد ہے چنانچہ انھوں نے اپنے وہاں یہ حکم دیدیا کہ آج سے جو سودا بازار سے خرید کر آئے وہ شریعت کے مطابق ہونا چاہئے اور آم کی بیع یہاں ناجائز ہوتی ہے وہ نہ لیا جائے ، ہمارے گھر اب ایک ایسا آدمی ہے اسکی رعایت ضروری ہے ۔

سنو ! ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ کوئی آدمی بڑا ہونے کے بعد یک بیک کامل متقی و پرہیزگار نہیں ہوجاتا بلکہ جب ابتدا ہی سے تقویٰ

وطہارت کا اہتمام رکھتا ہے اور برابر اسکا التزام کرتا رہتا ہے تو تقویٰ اور طہارت کا رسوخ ہوجاتا ہے اور جب آدمی ایک مدت اسی طرح گذار لیتا ہے تب کہیں جاکر کامل مکمل ہوتا ہے۔

طلبہ جو مدرسوں میں رہتے ہیں انکی توجہ بھی ان چیزوں کی طرف رہنی چاہیئے اور اسکے ساتھ ساتھ مہتمم اور مدرسین کی توجہ بھی ہونی چاہیئے تب جاکر طلبہ میں کچھ کمال پیدا ہو سکتا ہے جس طرح پیر کی طرف سے توجہ ضروری ہے اسی طرح مرید کی توجہ بھی درکار ہے، اور یہاں یہ حال ہے جسکی مثال ایک واقعہ سے بیان کرتا ہوں کہ:۔

ایک شخص نے اپنے کسی دوست سے پوچھا کہ کس خیال میں ہو تو اس نے کہا شادی کے خیال میں ہوں، اس نے پوچھا کہ کس سے نکاح کرنا چاہتے ہو تو بتایا کہ شاہزادی سے، اس نے پھر پوچھا کہ کچھ انتظام اس سلسلہ میں ہوا ہے یا نہیں؟ جواب دیا کہ ہاں آدھا کام تو ہوگیا آدھا باقی ہے اس نے پوچھا کہ کیا ہوگیا اور کیا کام باقی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں راضی ہوں وہ راضی نہیں

اسی طرح طالبعلموں کے بارے میں کہتا ہوں کہ اہل مدرسہ تو انسے راضی ہیں کہ انکو بھرتی کرتے ہیں اور ان کے لئے کہاں کہاں سے چندے اکٹھے کرتے ہیں لیکن یہ لوگ راضی نہیں۔

اور درحقیقت یہ خدا سے راضی نہیں رسول ؐ سے راضی نہیں علم سے راضی نہیں، آپ کے دینی ماحول سے راضی نہیں، اپنے باپ دادا کا ماحول یہاں بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ لوگ اگر اپنے گھر رہیں تو وقت پر ناشتہ بھی نہ ملے اور یہاں مدرسہ میں وقت سے پہلے ہی ناشتہ اور کھانا پکا پکایا مل جاتا ہے اسی کو کھا کر فساد مچاتے ہیں حالانکہ کھانے کے بعد شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ کی

نعمت کا، تو کیا اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسان کا شکر یہی ہے کہ فساد مچاؤ ؟

یہی لوگ جب اپنے گھر پر رہتے ہیں تو باوجودیکہ اپنا گھر ہے اپنے لوگ ہیں لیکن وقت پر ناشتہ کھانا نہیں ملتا اور مدرسہ میں برابر وقت سے ملتا ہے جب کبھی اسکا شکرادا نہیں کرتے اور منتظمین کا احسان نہیں مانتے آخر تم نے یہ کبھی پڑھا ہے یا نہیں کہ شکر ادا کرنا چاہیئے تو یہی شکر ہے جسکو تم کرتے ہو۔ بات اصل یہ ہے کہ ان چیزوں کو بتایا ہی نہیں جاتا تو ظاہر ہے کہ بغیر بتائے کیسے آئیگا۔

حضرت مولاناؒ سے سنا کہ ایک آدمی کو جب معلوم ہوا کہ اسکی بیوی حاملہ ہے تو اس سے کہا کہ دیکھو بہت احتیاط سے رہنا تاکہ لڑکے پر اچھا اثر پڑے اور وہ خراب نہ ہو تو وہ بہت احتیاط کرتی تھی جب لڑکا پیدا ہوا اور کچھ بڑا ہوا تو اس نے چوری کی بس شوہر نے تلوار نکالی اور عورت کے سامنے آکر غصہ میں کہا کہ بتا میرے لڑکے نے کیوں چوری کی ؟ معلوم ہوتا ہے تو نے اس قسم کی کوئی حرکت ضرور کی ہے، سچ سچ بتا تو اس نے کہا کہ پڑوسی کے گھر میں بیر کا درخت تھا اسکی شاخ میرے گھر میں جھکی ہوئی تھی ایک روز اس میں سے بیر توڑ کر کھا لیا تھا شوہر نے کہا بس ٹھیک ہے یہی بات ہے اسی کا اثر لڑکے پر پڑا جسکی وجہ سے اس نے چوری کی۔

پہلے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ لڑکا اگر خراب ہے تو ہماری وجہ سے اور اچھا ہوگا تو ہماری وجہ سے، اب یہ چیز نہیں رہی اس وجہ سے جو حالت ہے آپ سب پر ظاہر ہے۔

اسی کو کہتا ہوں کہ جب تم نے اپنے بزرگوں کے طریقہ کو چھوڑ دیا ہے اور اس پر نہیں ہو تو اسکو بھگتو، یہ طالب علم جو کچھ کریں گے انکو آخر

کون بھگتے گا؟ اس وقت تو تم ہی کو بھگتنا ہوگا پھر جب یہ نکل کر مدرسہ سے جائیں گے تو یہ خود بھگتیں گے۔

اے طالبعلمو سنو! تمکو بھی بھگتنا ہوگا اگر مدرسہ میں رہ کر اساتذہ کا ادب نہیں کرو گے تو جب پڑھکر تم کسی مدرسہ میں جاؤ گے تو وہاں تمھاری بھی بے ادبی کیجائیگی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے بڑے کا ادب کرتا ہے وہ جب اپنے سِن کو پہونچتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک جماعت اس کے لئے مقرر کرتے ہیں جو اسکا ادب کرتی ہے۔

یہ طالبعلموں سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ انکی تربیت کرنی ہے اگر اسوقت تربیت نہیں کیجائیگی تو پھر کب ہوگی، یہ ہماری اولادیں، بزرگان دین اولاد کی تربیت کا بہت اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

ایک آدمی تھے انھوں نے اپنے لڑکے کو توکل اس طرح سکھایا کہ اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو جی اس الماری میں کھانا رکھدیا کرو اور جب کھانے کا وقت آوے تو لڑکے سے کہو کہ اللہ تعالےٰ سے کھانا مانگو کہ یا اللہ کھانا دیجئے اس کے بعد اس سے کہو کہ الماری کھولو کھانا ملے گا چنانچہ وہ روزانہ ایسا ہی کرتا تھا ایک دفعہ اسکی ماں کھانا رکھنا بھول گئی لڑکے نے حسب معمول کھانا اللہ تعالےٰ سے مانگا پھر الماری کھولا تو اسمیں کھانا نکلا۔ جب یہ معاملہ اسکے والد نے دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا کہ اب کھانا رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اسکا توکل تام ہوگیا اب یہ اسی طرح عمر بھر کھاتا رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عمر بھر وہ لڑکا اسی طرح جاکر کہتا کہ یا اللہ! کھانا دیجئے اور الماری میں اسکو کھانا ملتا۔

حضرت مولاناؒ اسی واقعہ کو بیان کرکے فرماتے تھے کہ بزرگوں نے اس طرح اپنی اولاد کو توکل سکھلایا ہے۔ اب یہ جو طلبہ ہمارے

یہاں ہیں یہ ہماری اولاد ہی تو ہیں اور یہ آخرت میں ہمارے کام آنیوالے ہیں۔ دین کا سب سے بڑا سرمایہ یہی لوگ ہیں آخرت میں کام آوینگے انکا عمل کام آوے گا۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ تعلیم و تربیت کی چیزیں کتابوں میں موجود ہیں۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے اور جتنے بڑے بڑے چوٹی کے علماء تھے انھوں نے لکھا ہے۔ اب ان کے ذریعہ ہمارے لئے تعلیم و تربیت بہت سہل ہے۔ لیکن جب ہم اسکو کریں گے تب ہی ہوگا ورنہ کیسے ممکن ہے۔

میں نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ مدرسہ امانت ہے۔ اب یہ کہتا ہوں کہ جس طرح مدرسہ امانت ہے اسی طرح اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں انکے بارے میں بھی ہم خود مختار نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ جیسا چاہیں برتاؤ کریں۔ اسی طرح طلبار بھی ہمارے ہاتھوں میں امانت ہیں انکے بارے میں بھی ہم سے بازپرس ہوگی۔ اس لئے طلبار کا بھی بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیئے اور انکی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہیئے۔

مولانا شاہ احمد سعید صاحبؒ دہلی میں ایک بزرگ تھے نقشبندی سلسلہ کے، حضرت حاجی صاحبؒ سے ان کے بہت مراسم تھے، مولانا عبدالغنی صاحبؒ کے بڑے بھائی تھے انکا واقعہ لکھا ہے کہ کہ ایک مرتبہ انکی خانقاہ میں کوئی شخص آیا اور لوگوں میں پیسے تقسیم کرنے لگا کسی کو چار آنہ کسی کو آٹھ آنہ اسی طرح سب کو تقسیم کیا، سب لوگوں نے لے لیا جب اس نے شاہ احمد سعید صاحبؒ کے لڑکے کو دینا چاہا تو صاحبزادے نے ہاتھ کھینچ لیا۔ شاہ صاحب دیکھ رہے رہے تھے حضرت کو صاحبزادے کا ہاتھ کھینچ لینا ناگوار ہوا، پس اپنے

پاس بلایا اور پوچھا کہ سب لوگوں نے تو پیسے لئے تم نے ہاتھ کیوں کھینچ لیا اسکی وجہ سے نہ کہ سمجھا ہوگا کہ صدقہ خیرات ہے، اور فرض کرو کہ سو روپیہ ہوتا تو تم اس کو لے لیتے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اسوقت ہاتھ پھیلا دیتے تو کیا وہ خیرات نہ ہوتا؟ سنو! تمھارا باپ تو خیرات ہی میں پلا ہے، پھر اس شخص سے فرمایا لاؤ جی مجھکو دو اور اسکے ہاتھ سے وہ پیسے اپنے تمام مریدین کے سامنے مانگ کر لے لئے۔ یہ تھی تربیت اور اس طریقہ سے بزرگان دین اپنی اولاد کا خناس نکالتے تھے اب یہی چیز ہمارے پاس نہیں رہی اس وجہ سے تعلیم و تربیت سب ختم ہے۔

وہ لوگ اس درجہ کے تھے تو سکھاتے تھے ہم لوگ چونکہ ویسے نہیں ہیں اسلئے نہیں سکھا سکتے۔ اس زمانہ میں تربیت کی روح نکل گئی ہے حالانکہ لوگ اسکی وجہ سے اتنے پریشان ہیں کہ رو رو دیتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ماں کے پیٹ ہی میں تھے انکے وہاں ایک مرتبہ کوئی سائل آیا اور کہا کہ اللہ کے نام پر روٹی دیدو انکی والدہ نے نوکرانی سے کہا کہ اسکو آدھی روٹی دیدے شاہ صاحب پیٹ میں سے بولتے ہیں کہ اللہ کے نام پر آدھی روٹی؟ تو اسکو پوری روٹی دے دی گئی اور انکی والدہ سے کہا گیا کہ بہت احتیاط سے رہو یہ کوئی دوسرا آدمی ہے جو معلم امت ہونے والا ہے اور پیٹ ہی سے اس نے تعلیم شروع کردی۔

میں اس وقت یہ سمجھا رہا ہوں کہ ظاہری کام کر رہے ہو تو ہو رہا ہے اسی طرح اگر باطنی کام کروگے تو وہ بھی ہوگا اسکی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت اور اخلاق پر بھی نظر رکھنی چاہئے اور طلبہ کو بھی ابتدا ہی سے اپنی اصلاح کی طرف توجہ اور اسکی فکر رہنی چاہیئے اسلئے کہ اسوقت اگر اپنی اصلاح نہ کرینگے اور اتنا زمانہ غفلت میں گذار لینگے تو پھر اصلاح دشوار تر ہو جائیگی۔

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸۲۱)

حال : حکیم صاحب فرما رہے تھے کہ حضرت مولٰنا سے جاتے وقت ملاقات نہ ہونے سے بہت افسوس ہے، انشاء اللہ گرمی کے بعد چلوں گا اور جس طرح اہل اعظم گڈھ لوا گئے ہیں تنہا جاکر لوا آؤنگا۔ گرمی ختم ہوجانے کا انتظار ہے۔

تحقیق : حکیم صاحب کی تشریف آوری میرے لئے باعث فخر ہے تنہا حکیم صاحب ہزاروں آدمی پر بالا تر ہیں، انکا امتثال امر میرے لئے باعث خیر وبرکت ہے مگر چونکہ یہاں کے لوگوں نے میرے سب شرائط منظور کر لئے تھے اور کرتے جا رہے ہیں اسلئے میں دو چار روز کے قیام کے خیال سے آگیا تھا، مگر عام طور پر لوگوں کا رجحان دینداری کی طرف دیکھکر اپنا ارادہ اور عزم کچھ بدل گیا۔ اور اب یہاں کے احوال کو بنظر غائر دیکھ رہا ہوں اور خیال ہوا کہ جب آگیا ہوں تو کچھ روز قیام کرکے یہاں ایک دینی ماحول پیدا کردوں اور الحمد للہ کام ہو رہا ہے۔

دینی ماحول پیدا کرنا مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہے اور باعث فلاح اور بہبودی سمجھتا ہوں، آپ تو خود ہی عالم ہیں میں آپ کو کیا سمجھا سکتا ہوں۔

میں اپنے کو عالم کیسے کہہ سکتا ہوں مگر نام نہاد عالم کے لئے بھی دینی ماحول کے بغیر گذر مشکل ہے۔

(مکتوب نمبر ۸۲۲)

سوال : بعد نماز مغرب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خانصاحب اپنا ایک خط لیکر تشریف لائے جس میں جناب نے ایک مضمون تحریر فرمایا تھا کہ میرے زمرہ میں رہکر میرے ہی آدمی کو نقصان پہونچا رہے ہیں اسکو پڑھنے کے بعد میری طبیعت پر ایک تبض جیسا بیٹھا تھا جو فوراً ٹوٹ گیا ۔ اور آج یہ عریضہ ارسال ارسال خدمت ہے ۔

گرامی نامہ پڑھنے کے بعد مجھے سب سے بڑی مسرت ہوئی کہ ہم جیسے بے اثر اور بے خاندان اور بے برادری، مظلوم کا حامی بھی کوئی ہے ۔ اور ہم لوگ حضرت والا کو یاد ہیں ورنہ آجکل تو دنیا قوت کے ساتھ ہے کہاں کا عدل کہاں کا انصاف !

الہ آباد کے قیام میں ہم سے نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق شرعی بھی ادا نہو سکا مگر پھر بھی جی نہیں مانتا کہ الہ آباد میں حضرت کا قیام نہو، جدائی برداشت نہیں ہوتی اسلئے آپ الہ آباد ضرور تشریف لادیں اور ہم جیسے مشغول و ضعیف سے مار کر کام لیں کہ اسی میں ہماری سعادت ہے ۔

تحقیق : حاجی صاحب دام اقبالہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میں ۔ ۔ ۔ ۔ خانصاحب کے خط کا منتظر تھا اور اب تک ہوں خدا کرے انکو جواب کی توفیق ہو تو پھر کچھ تفصیل سے عرض کروں آپ کے خط کا جواب دینا ضروری ہے اس لئے لکھ رہا ہوں ۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ خانصاحب خط لیکر آئے تو اسکو دیکھکر آپ پر اثر ہوا اس میں کوئی کیا کلام کر سکتا ہے، مگر آپ کا تعلق مجھ سے ارادت کا ہے آپ نے ان کئی سالوں میں کتنے خطا اصلاحی

لکھے اور میرے وہاں کے قیام سے آپ نے کیا نفع حاصل کیا بلکہ بہت بہت دن تک آنا جانا بھی بند رہتا تھا - کلام و سلام کے بھی روادار نہ تھے آخر ساری دنیا عقلمند ہوگئی ہے بیوقوفی کے لئے ہم ہی لوگ منتخب ہوگئے ہیں آخر میرے پاس لوگ آمد و رفت رکھتے ہیں اور میں بہت دن سے یہ کام کر رہا ہوں کچھ تو زمانہ کی اور زمانہ والوں کی پہچان ہوتی ہوگی صادق اور کاذب کی تمیز کا ملکہ ہوا ہوگا ؟ دنیا والے تو خوب سب کو پہچانیں اور ہم لوگوں کی تمیز اور امتیاز سلب ہو جائے ؟

میں وہاں رہ کر ہر ایک کو دیکھ چکا جیسا کہ مجھکو لوگ دیکھ چکے اب کام پر بصیرت سے عامل ہوں اور رہوں گا انشاء اللہ تعالےٰ اگر جواب عنایت فرمائیں تو آپ کی عنایت ہے - والسلام

(مکتوب نمبر ۸۲۳)

حال : بہشتی زیور کا پہلا حصہ ختم ہو چکا ہے دوسرا حصہ بھی شروع کر چکا ہوں دعاء فرمائیے کہ ان کتابوں کے سب مسئلے زبانی یاد ہو جائیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپکی دعاء سے نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف دل اول زیادہ لگنے لگا ہے ، دعاء فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دل اور زیادہ لگنے لگے ، احقر عالم باعمل ہو جائے ، نیک عمل کرنے کی توفیق ہو اور حضرت والا سے صحیح تعلق اور محبت پیدا ہو جائے ، ہمارے اخلاق درست ہو جائیں اور بداخلاقی سے بچیں - والدین کے حقوق ادا کرنے کی توفیق ہو - اور دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ مجھے فلاح دارین عطا فرمائیں -

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم

شریف لے جا رہے تھے میں بھی حضورؐ کے ساتھ گیا اور حضورؐ آپ کے یہاں
شریف لائے اور آپ وعظ کر رہے تھے ابھی حضورؐ دروازے ہی
کے پاس پہونچے تھے کہ سب لوگ باہر نکل آئے اور حضورؐ کے گرد
جمع ہو گئے پھر حضورؐ تشریف لے جانے لگے تو ہم سب لوگ ساتھ گئے
کسی نے حضورؐ سے کچھ پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا میں انھیں لوگوں کو دیکھنے
آیا تھا۔ حضرت والا اس خواب کی تعبیر بیان فرمادیں۔

تحقیق: برخوردار سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ الحمد للہ کہ بہشتی زیور کا پہلا حصہ ختم ہوچکا
دوسرا حصہ شروع کردیا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ الحمد للہ کہ نماز میں دل
زیادہ لگنے لگا ہے، دعا کرتا ہوں کہ اور زیادہ لگنے لگے۔ عالم باعمل
ہوجاؤ، نیک عمل کی توفیق ہو۔ اپنے شیخ سے صحیح تعلق اور محبت پیدا
ہوجائے۔ اخلاق درست ہوجائیں اور بداخلاقی سے اللہ تعالیٰ
بچائیں، والدین کے حقوق ادا کرنے کی توفیق ہو، فلاح دارین عطا ہو۔

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بڑی چیز ہے،
بڑے خیر و برکت کی چیز ہے، ایمان کی علامت اور خاتمہ بالخیر کی علامت
ہے۔ میرے لئے بڑی بشارت ہے۔ حضورؐ کی عنایات متوجہ ہیں۔
شعر۔ بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست (اس خوشخبری پر جان بھی قربان
کردوں تو بجا ہے)۔

غرض خواب بڑی بشارت ہے دیکھنے والے کے لئے اور میرے
لئے بھی۔

اللہ تعالیٰ سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

(مکتوب نمبر ۸۲۴)

حال : حضرت والا کے ارشادات کو غور سے سنا، ہرایک بات پر اپنے کو دیکھا تو سمجھ آیا کہ ابھی ہم بہت دور ہیں محض کچھ ظاہری صورت اختیار کرلیا ہے، حقیقت سے تعلق نہیں ہوا۔ تحقیق : اور کیا

حال : جس کا احساس ابتک موجود ہے۔ حضرتا ! اچھی طرح یہ بات سمجھ میں آچکی ہے کہ بغیر دین اختیار کئے فلاح نہیں ہے۔

تحقیق : اچھا آچکی ہے، ٹھیک ہے۔

حال : نہ دنیا میں سکون ہوگا نہ آخرت میں۔ تحقیق : بالکل ٹھیک ہے۔

حال : آج تک ہم نے محض دنیا کی وہمی خوش نامی کے لئے دین کی بہتیری باتوں کو چھوڑ کر غلط تاویل کرکے دنیاداری اختیار کیا۔

تحقیق : صحیح لکھ رہے ہو۔

حال : اسی کی نحوست ہے۔ تحقیق : بیشک

حال : کہ ابتک ہمیں دین ودیانت سے صحیح لگاؤ نہیں ہوا نہ دنیا ہی میں ہمارا قلب فارغ ہوا۔ تحقیق : صحیح لکھ رہے ہو۔

حال : اس لئے اب یہ عزم کرلیا ہے تحقیق : عزم کرلیا ہے، بہت جلدی

حال : کہ انشاء اللہ دین پر جم کر، اور کھل کر، سختی سے رہیں گے اگرچہ دنیا ناخوش ہوجائے بلا سے اسکی پروا نہیں کریں گے۔ البتہ اسکا خیال ساتھ رکھیں گے کہ کسی کا شرعی حق نہیں فوت ہونے دیں گے اس لئے کہ یہ بھی عین دین ہے بقیہ اور دینی معاملات میں دنیا داروں سے صلح نہیں کروں گا بلکہ شریعت کی پیروی کو اپنے اوپر فرض سمجھوں گا۔

تحقیق : کرو تب نا۔

حال : حضرت سے دست بستہ درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ

ہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر قائم رکھے ۔ تحقیق: آمین

(مکتوب نمبر ۸۲۵)

حال: حضرت والا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال: میری حاضری حضرت کی بارگاہ میں میری زندگی کا جزو اعظم ہوگئی ہے جب تک زندگی کے رشتے باقی ہیں بار بار حاضری سے آنکھوں کو نور دل کو سرور حاصل ہونے کا موقع ملتا رہے گا۔ اب تک بارگاہ والا کی حاضری میں اپنی طالب العلمی کی مصروفیتیں رکاوٹ بنتی رہا کرتی تھیں انشاء اللہ دنیا کے جھمیلے اس حاضری میں اس قسم کی رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔

حضرت والا دیوبند کے عہد طالبعلمی میں جو پانچ سال سے زائد کی مدت پر حاوی ہے دیوبند، سہارنپور، دہلی ان مختلف مقامات میں نجانے کتنے اہل اللہ کے دربار انتہائی قریب سے دیکھے اور کچھ وقت لگا کر دیکھے، اصلاح ہوتی ہوئی ہر جگہ دیکھی اور اسکے طریقے بڑی عجیب و غریب قابل صد ستائش پائے، اخلاص و اطمینان کا یہ بھوکا طالبعلم جہاں کہیں گیا اس لئے گیا کہ اسکو اخلاص کے دو چار لقمے میسر آجائیں اخلاص کا یہ سائل جو بے شعوری کے عالم میں سہی نجانے کتنی بار فتحپوری بارگاہ کی زیارت سے سرفراز ہو چکا تھا اسکے دل بیقرار نے اسکو کسی بارگاہ میں ٹکنے نہ دیا اور ہر جگہ سے دھکے دیکر آخر میں اسی فتحپوری بارگاہ میں لاکر ڈال دیا اور جما دیا، اب امید لگائے بیٹھے ہیں ہار رہے یا جیت رہے۔

حضرت والا والدین کی غریبی بوڑھاپا اور ان سب کے ساتھ انکا حکم کہ اب تک جہاں تک طاقت تھی تمکو پڑھایا اور اب ہمارا خیال کرو

احقر کے ساتھ وابستگی ہے۔

اپنے دیار میں کئی جگہیں آئیں مگر ان میں نصاب کی گڑبڑ، مدرسہ کی مالی حالت کمزور ہونے کے باعث بہت زیادہ تعطیل ہونا اور دیگر وجوہ کے باعث ان مدرسوں میں طبیعت لگی ہی نہیں اور نہ اس سے وابستگی کی اس سلسلہ میں دیار دیوبند کا عزم کر لیا، دیوبند میں بعض اساتذہ کے پاس برابر جگہیں آتی رہتی ہیں حضرت والا کی دعاء اور خدا کے فضل وکرم سے امید ہے کہ کوئی اچھی ہی جگہ انشاء اللہ مل جائیگی۔

تحقیق: خدا کرے مل جائے

حال: کنشیشن ٹکٹ براہِ راست اپنے اسٹیشن سے دیوبند تک کا ہے اس ٹکٹ پر کل شام تک قیام کی گنجائش ہے۔

حضرت والا یہ ہے اپنی صورت حال لیکن یہ کوئی ایسی پتھر کی لکیر نہیں جو مٹ نہ سکے، حضرت والا کے حکم پر یہ اور اس جیسے ہزاروں کنشیشن ٹکٹ قربان ہو سکتے ہیں۔ تحقیق: نہیں، جانا چاہیئے:

حال: حضرت والا اس وقت احقر کی سب سے بڑی تمنا سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ اس گم گشتہ راہ کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرما کر ؂ جو راستہ ہو سیدھا ہمکو وہی بتا دے۔ ؂ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا۔

تحقیق: آج بعد مغرب آجائیے۔

(مکتوب نمبر ۸۲۶)

حال: حضرت والا کی خدمت میں عرض ہے کہ بھائی مولوی ... صاحب وغیرہ کو خط دکھلایا ان لوگوں نے سمجھایا کہ بیشک حضرت والا کے کہیں تشریف رکھنے اور نہ رکھنے میں تو فرق ظاہر ہے مگر ہملوگوں کو دیکھنا یہ ہے کہ آخر ہملوگوں نے رہنے کی صورت میں کیا حق ادا کیا اور کتنا خلوص وصدق اختیار کیا اور اسکے بعد

ہمارا کیا طرز اور رویہ رہا آیا دونوں حالت میں یکساں ہی رہا یا بدل گیا اگر بدل گیا تو سمجھنا چاہیئے کہ حضرت والا کے رہنے کے وقت ہی خلوص ومحبت نہ تھی محض رسم کے درجہ میں تھا، اسلئے کہ خلوص ایسی شئے نہیں کہ آناً فاناً بدلتی رہے۔ اصل میں ہم لوگوں کے اندر خلوص پیدا ہی نہیں ہوا مخلص کا حال ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اہل الٰہ آباد ہی میں جو مخلص ہیں انکا حال معلوم کر لیجئے کیسا ہے۔ بہرحال آپ نے جو "روح" نکلنے کے متعلق فرمایا تو کس روح کے متعلق لکھا ہے ظاہر ہے کہ اپنی روح کے متعلق لکھے ہونگے تو نکلنا فرع ہے رہنے کی جب آپ کے اندر روح یعنی خلوص ومحبت تھی نہیں تو پھر نکلنے کے کیا معنی؟ ـ اس قسم کے بے سوچے سمجھے جملے بہت سے لوگ لکھتے ہیں یہ اس زمانہ کی خاص بات ہے کہ بڑے بڑے الفاظ لکھدیتے ہیں مگر اسکے معنی اور حقیقت نہیں سمجھتے سنی سنائی باتیں لکھدیتے ہیں مگر اسکی کھپت اہل حقیقت کے یہاں کب ہے اس لئے اخلاص اختیار کیجئے اور فہم پیدا کیجئے بہت سا کام ہملوگ بے فہمی کی وجہ سے خراب کردیتے ہیں"۔

یہ باتیں ان لوگوں نے سمجھایا۔

تحقیق: الحمدللہ کہ خوب سمجھایا۔

حال: الحمدللہ حضرت بات سمجھ میں آئی

تحقیق: غنیمت ہے کہ سمجھ میں آئی۔

حال: حضرت والا سے دعا کا طالب ہوں۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

کمالات اشرفیہ

(۵۵)

(۱۳۹) بارہا فرمایا میں بقسم کہتا ہوں کہ مجھے آخرت کے درجوں کا وسوسہ کبھی نہیں ہوتا بلکہ صرف تمنا یہ ہے کہ جنت میں جگہ مل جاوے چاہے جنتیوں کے جوتیوں ہی میں ہوا اور یہ تمنا بطور استحقاق کے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ عذاب کا تحمل نہیں ۔ ایک مولوی صاحب کو خط اسطرح لکھا تھا ۔ " از احقر الانام اشرف برائے نام ۔ بخدمت ۔ ۔ ۔ ۔

ف : اس ملفوظ سے تواضع و افتقار و انکسار کا کسقدر رسوخ حضرت والا کے قلب میں معلوم ہوتا ہے ۔

(۱۴۰) ایک صاحب نے بلا مشورہ و اجازت بازار سے مٹھائی منگوا کر بطور ہدیہ حضرت والا کی خدمت میں پیش کی ناپسند فرمایا کہ جب آپ نے یہیں سے منگوائی ہے تو مجھ سے بے تکلف دریافت کر لینا چاہیئے تھا کیونکہ دیکھئے آپ کا تو روپیہ خرچ ہوا اور میرے یہاں یہ مٹھائی کس کام آویگی میرے کوئی بچہ نہیں جو کھاوے، بس ہم دونوں میاں بی بی ہیں ہمیں مٹھائی کا شوق نہیں، اب سوائے اسکے کہ اوروں کو تقسیم کر دی جائے اور کیا ہو سکتا ہے ؟ احسان اور بوجھ تو میرے اوپر ہوا بھلا ایسا ہدیہ لینے سے کیا جی بھلا ہو ؟ لیکن آپ کی دلشکنی کے خیال سے خیرا تنا کرتا ہوں کہ نِصۡفٌ لِیۡ وَ نِصۡفٌ لَّکَ آدھی میں لے لوں گا اور آدھی آپ رکھئے تاکہ آپ کو بھی معلوم ہو کہ بے دلی سے جو چیز کھائی جاتی ہے وہ کیسی بری معلوم ہوتی ہے ۔ اب آپ ہی اس مٹھائی کے دو حصے آدھے آدھے کیجئے ۔ (ہنسکر فرمایا) لیکن استادی نہ کیجئے گا ۔ ان صاحب نے اپنی طرف کا حصہ کم رکھا حضرت کی طرف کا زیادہ ، حضرت نے انکی طرف کا حصہ اٹھا لیا کہ اب آپ اسکے خلاف تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ یہ آدھا نہیں ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اسکا آدھا ہونا مسلم ہے وہ صاحب بے چارے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے ، میں آخر شیخ زادہ ہوں شیخ زادے بڑے فطرتی ہوتے ہیں سب مجھے بھی فطرتی کہتے ہیں

بہت آتی ہیں لیکن الحمد للہ انھیں کبھی استعمال نہیں کرتا ہوں ہاں اگر کبھی ضرورت ہوتی ہے اور دوسرے کا نقصان نہیں ہوتا تو اپنے دفع ضرر کے لئے استعمال بھی کرلیتا ہوں جیسے اس وقت کیا۔

ف : اس سے تکلف کو ناپسند کرنا نیز دلجوئی مزاح ثابت ہوا۔

(۱۴۱) فرمایا کہ موجدان یورپ کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے ایسی ایسی ایجادیں کی ہیں حالانکہ ان سب ایجادوں کی جو چیز جڑ ہے وہ کسی کے بھی اختیار میں نہیں یعنی کسی صورت صنعت کا قوت فکریہ میں فائض ہو جانا اگر یہ انکے اختیار میں تھا تو قوت فکر تو بیس برس پہلے بھی تھی اس وقت کیوں وہ صورت ذہن میں نہیں آگئی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بات ذہن سے اتر جاتی ہے تو لاکھ قوت فکر کو عمل میں لائے وہ یاد ہی نہیں آتی کسی بات کا سجھا دینا یہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

ف : دقت نظری وحقیقت شناسی اس سے صاف ظاہر ہے

(۱۴۲) فرمایا کہ جب میں کسی ہدیہ کو رد کرتا ہوں تو گو وجہ کے ساتھ ہو لیکن بہت ڈرتا ہوں کیونکہ غور کرنے سے کسی قدر شک کبر کا ہوتا ہے جس سے خوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔ استغنار اور کبر میں فرق نہایت دشوار ہے، دونوں بہت مشابہ ہیں کبھی اس میں دھوکا ہو جاتا ہے۔ کہ جس کو ہم استغنار سمجھ رہے ہیں وہ دراصل ہوتا ہے کبر۔ خدا ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہمارا قول فعل قال حال سب ہی پر از خطر ہے مجھے تو اب وہ شعر یاد آیا کرتا ہے جو کبھی بچپن میں پڑھا تھا ؎

من نہ گویم کہ طاعتم بہ پذیر
قلم عفو بر گناہم کش

(میں یہ نہیں کہتا کہ میری عبادت قبول کرلیجئے البتہ میرے گناہوں پر معافی

کا قلم کھینچ دیجئے اور مجھے بخش دیجئے۔

(۱۴۳) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے گھر کے لوگوں سے ایک روپیہ لیا تھا آدھی رات کو خیال آیا کہ دینا ہے بس چین نہ پڑا اٹھکر یہ دیکھا کہ آیا جاگ رہی ہیں یا سو رہی ہیں چونکہ انکی نیند بھی کم ہے انھوں نے کہا کیا ہے میں نے کہا یہ روپیہ لے لو، انھوں نے کہا اللہ ایسی کیا جلدی تھی، میں نے کہا میرے پاس سے لے لو ورنہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئیگی۔ جب انکو دیدیا تب نیند آئی۔ اسی طرح رات میں جب کوئی مضمون آتا ہے ذہن میں تو اسی وقت چراغ جلا کر پرچہ پر لکھکر سرھانے رکھ لیتا ہوں ... طمینان ہوتا ہے۔ اسی جلدی اور تقاضا کی بنا پر کبھی بطور ناز کے میں حق تعالیٰ سے دعا کیا کرتا ہوں کہ یا اللہ آپ مجھے بلا سزا کے بخشدیجئے گا ورنہ سزا میں مجھے کیسے صبر ہوگا کہ کب مغفرت ہوگی۔

(۱۴۴) فرمایا کہ میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے عزیزوں کو میرے تعلق کی وجہ سے دیا جاوے اسکا بھی تو احسان آخر میرے ہی اوپر ہوتا ہے۔ میں ایسے بار کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

ف: اس سے حضرت والا کی نفرت احسان لینے سے معلوم ہوئی

(۱۴۵) فرمایا کہ بیماری میں اگر حق تعالےٰ ایک تکلیف دیتے ہیں تو اسکے ساتھ پچاس راحتیں بھی مہیا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ میری اس بیماری میں بہت سے مسلمان دعا کرتے ہیں اور جو دعا نہیں کرتے وہ صحت کی تمنا ہی کرتے ہیں تو اتنے قلوب کا کسی کی طرف متوجہ ہو جانا کتنی بڑی رحمت ہے دوسرے ہر شخص کو ہمدردی ہو جاتی ہے ناز نخرے اٹھانے والے بہت سے ہو جاتے ہیں اگر کوئی خفگی یا ترشی بیمار کی طرف سے ہو جاتی ہے تو کوئی خیال نہیں کرتا کہ بیماری کی وجہ سے مزاج چڑچڑا ہو گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ بیماری میں تیزی نہیں رہتی خستگی اور شکستگی پیدا ہو جاتی ہے

متانت اور وقار بھی آجاتا ہے، چھچھوراپن نہیں رہتا۔ غرضیکہ بیماری خوش اخلاق بنا دیتی ہے ؎

درد از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

(درد یار کی طرف سے آتا ہے اور دوا بھی وہیں سے ملتی ہے، جان و دل سب اس پر فدا ہوں)

(۱۴۶) ایک صاحب نے پوچھا کہ طبیعت کیسی ہے فرمایا کہ طبیعت تو اچھی ہے ناک البتہ بُری ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ چھوٹی سی پھنسی نے تمام جگہ اپنا اثر پھیلا رکھا ہے، فرمایا کہ جناب خدائی لشکر ہے خدائی لشکر کا ایک ادنیٰ پیادہ بھی کچھ کم نہیں وہ بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔

ف: حقیقت رسی و توحید صاف ظاہر ہے۔

(۱۴۷) ایک گمنام خط آیا جس میں کچھ اعتراض واہی تباہی لکھا تھا حضرتؒ نے فرمایا کہ جوابی تو ہے نہیں جس کے جواب لکھنے کی ضرورت ہو اسکو علیٰحدہ رکھنے پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ایک تو اس نے لایعنی حرکت کی اور ایک میں لایعنی حرکت کروں کہ اسکو سنوں اور خواہ مخواہ اپنا جی خراب کروں، چنانچہ بلا سنے ردی میں رکھوا دیا۔ پھر فرمایا کہ موضع اعظم گڈھ دوران وعظ میں ایک شخص نے ایک پرچہ لاکر مجھکو دیا اور دیتے ہی چلا گیا میں نے بعد وعظ وہیں پرچراغ میں بلا پڑھے اسکو جلا دیا۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ بلا پڑھے جلا دینے کا آپ کا جی کیسے مانا ہم کو تو بے پڑھے صبر نہ آتا کہا کہ جی عقل کی تو یہی بات ہے کیونکہ اگر جواب کی ضرورت ہوتی تو وہ دینے والا بلا جواب لئے کیسے چلا جاتا؟ پھر میرے پڑھنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نہ معلوم اس میں گالیاں لکھی تھیں یا نہ جانے کیا بلا لکھی ہو۔

ف: اس سے حضرت کی فراست اور لایعنی سے حذر صاف ظاہر ہے۔

(۱۴۸) ایک بار حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور دعا رسے ضرور یاد رکھا کریں۔ فرمایا آپ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ میں دعا رسے غافل ہوں، آپ سے تو خیر تعلق ہے، اب تو نہیں مگر ایک زمانۂ مدت تک میں نے جانوروں تک کیلئے دعا رمانگی ہے کیوں کہ ان کے بھی حقوق ہیں۔

(۱۴۹) فرمایا کہ بعضے استاد بچوں کو بہت مارتے ہیں، بعضوں کا فہم قدرۃً کم ہوتا ہے لہذا انکو مارنا پیٹنا زیادتی ہے۔ بچوں کو جو زیادہ مارتے ہیں ان سے مواخذہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ الحمد للہ غصہ میں میرے ہوش بجا رہتے ہیں اور ضرورت کے وقت رسّی سے مارتا ہوں اس میں خطرہ ہڈی وغیرہ ٹوٹنے کا نہیں ہوتا اعتدال سے مارنا پیٹنا چاہیئے۔ مجھے بچوں کے مارنے پیٹنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔

ف: اوپر کے دونوں واقعوں سے حضرت والا کی شفقت ورافت صاف ظاہر ہے۔

(۱۵۰) کسی مسلمان کی ناخوشی کی خبر سنکر نہایت افسوس کے لہجہ میں فرمایا کہ خدا جانے مسلمان کوئی ہو کہیں کا ہو رائی برابر بھی اسے گزند پہونچے تو دل پگھل جاتا ہے۔ مسلمان کی تکلیف سے بڑا دل دکھتا ہے، پانچوں وقت دل سے دعا رمانگتا ہوں۔

ف: اس سے حضرت والا کی کمال شفقت مخلوق کے ساتھ اظہر من الشمس ہے

(۱۵۱) ایک صاحب مع اہل وعیال کے ایک سال یہاں رہ کر رخصت ہونے لگے گھر بھر رونے لگے حضرت ہنستے رہے، فرمایا دل تو میرا بہت کڑھتا ہے کسی کے رونے سے لیکن ایک تو مجھے رونا نہیں آتا دوسرے میں ہنسا اسلئے کرتا ہوں کہ رونے والوں کی تسلی ہو جاوے۔

ف: اس سے بھی حضرت والا کی شفقت وحکمت ظاہر ہے۔

(۱۵۲) فرمایا کہ امراء کی طرف اگر خود التفات کیا جاوے خواہ کیسے ہی خلوص سے ہو لیکن انکو پھر بھی گمان گذرتا ہے کہ انکی کچھ غرض ہے۔ بخلاف غرباء کے کہ اگر ان سے ذرا شیریں کلامی کیجاوے تو پانی پانی ہو جاتے ہیں نثار ہونے لگتے ہیں۔ دین کی وقعت محفوظ رکھنے کے لئے میں امراء سے از خود کبھی تعلق نہیں پیدا کرتا، ہاں وہ خود ہی تعلق پیدا کرنا چاہیں تو انکار بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جب ہمارے پاس دین کی وجہ سے آیا تو وہ نرا امیر نہیں رہا وہ نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْر (وہ امیر بہت اچھا ہے جو فقیر کے دروازے پر آئے) دنیا دار سمجھکر ہرگز اس سے بے التفاتی نہیں کرنا چاہیئے۔

ف: اس سے حضرت والا کی شان استغناء، دین کی عزت وعظمت اور حکمت صاف ظاہر ہے۔

(۱۵۳) فرمایا کہ عافیت بڑی نعمت ہے اس سے دین میں مدد ملتی ہے باقی زیادہ تمول تو بھلا ہی دیتا ہے عذاب ہے ہر وقت ہزاروں فکریں پھر بدون عافیت ہیچ۔ ایک نواب لکھنؤ کے تھے انکا معدہ ایسا ضعیف ہو گیا تھا کہ ململ میں قیمہ رکھکر چوسا کرتے تھے وہ بھی ہضم نہیں ہوتا تھا۔ کنارۂ شہر مکان تھا ایک لکڑہارے کو دیکھا سر پر سے لکڑیوں کا گٹھا اتارا پسینہ پوچھا گرمی کے دن تھے منہ ہاتھ دھوئے دو روٹ نکالے اور پیاز سے کھائے پھر وہیں پڑ کر سو رہا، ان حضرت کو نیند بھی نہیں آتی تھی اسکو دیکھکر وہ اپنے مصاحبوں سے کہتے تھے کہ میں دل سے راضی ہوں اگر میری یہ حالت ہو جائے تو اسکے عوض میں اپنی ساری نوابی اور ریاست دینے کے لئے تیار ہوں۔ ان کے پاس سب کچھ تھا ابنکے کتے تک سب کچھ کھاتے تھے لیکن انکو میسر نہ تھا واقعی ایسی دولت جو اپنے کام نہ آ سکے سوا اسکے کہ حمالی ہے اور کیا ہے؟ ہاں اگر اللہ تعالیٰ بدون انہماک کے

ے تو ہر حال میں پھر وہ نعمت ہے اسکا حق ادا کرے۔
ت : اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی، کمال عقل ظاہر ہے۔
۱۵۴) ایک صاحب نے کہا کہ حضور کا تو ہر کام عبادت ہے، سونا بھی
بادت ہے، فرمایا جی عبادت تو کہاں ہاں اتنا تو ہے کہ سونے میں گناہوں سے
فاظت رہتی ہے۔
ت : اس سے انکسار و تواضع ظاہر ہے۔
۱۵۵) فرمایا کہ ڈھاکہ میں اِدھر اُدھر سے اہل علم میرے ملنے کے لئے
ئے تھے میں نے ان سے کہدیا کہ آپ اپنے کھانے کا انتظام علیٰحدہ
ر لیجئے کیونکہ آپ مدعو نہیں ہیں۔ نواب صاحب کو معلوم ہوگیا انکھوں
صرار انکو بھی مدعو کیا۔ ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا ہاں اب
بول کرلو۔ اب عزت سے کھاؤ گے پہلے ذلت سے کھاتے۔
ت : اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت والا اہل دین اور اہل علم کی ذلت
گوارا نہیں فرماتے۔
۱۵۶) وعظ المراد کے متعلق فرمایا کہ یہ وعظ شاہی جامع مسجد مرادآباد میں ہوا
تھا، وہاں ہمیشہ ڈھائی بجے جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور اسٹیشن پہونچنے
کے لئے مجھکو ۴ بجے وہاں سے روانہ ہوجانا ضروری تھا کیونکہ ۵ بجے
اڑی چلتی تھی ۳ بجے کہیں نماز ختم ہوتی تب وعظ شروع ہوتا چار بجے
ک کیا ہوسکتا تھا وہاں لوگوں نے خاص اس دن کے لئے جمعہ کا
قت بدل دیا اور سب جگہ خوب اعلان کردیا کہ بجائے ڈھائی بجے کے
یڑھ بجے نماز ہوگی لیکن مجھکو یہ گوارا نہ ہوا کہ نماز کا وقت بدلا جائے میں نے
اس رائے کی مخالفت کی کیونکہ میں نے کہا کہ اگر ایک متنفس کو بھی نماز نہ ملی
اسکی محرومی کا باعث میں ہوں گا۔ دوسرے ایسی حرکتوں سے مولوی
گ خوامخواہ بدنام بھی ہوتے ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص کو اعلان کی خبر

پہنچ جاوے چنانچہ میں نے تجویز کیا کہ نماز تو اپنے مقررہ وقت ہی پر پڑھو یعنی ڈھائی بجے ہیں البتہ اپنے وعظ کو مقدم کر دوں ڈیڑھ بجے وعظ شروع کر دینگے، ڈھائی بجے بند کر کے نماز پڑھیں گے، نماز سے فارغ ہو کر پھر وعظ کہنا شروع کر دینگے، اسمیں کیا حرج ہے! چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ نماز سے قبل تو گھنٹہ بھر تک تمہید ہی کی تقریر کرتا رہا بعد نماز کے پھر شروع کر کے ٹھیک چار بجے ختم کر دیا لیکن سب ضروری مضامین بیان ہو گئے بہت کافی وقت مل گیا تھا گاڑی مسجد کے دروازے پر پہلے سے مع اسباب کھڑی کروا رکھی تھی انتظام تو آخر کرنے ہی سے ہوتا ہے بے کئے تو کچھ ہو نہیں سکتا، اور گو انتظام میں تھوڑی بہت کلفت ضرور ہوتی ہے لیکن انجام میں بڑی سہولت اور راحت ہوتی ہے۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کا حسن انتظام و اہتمام حفظ نظام دین و غایت احتیاط صاف ظاہر ہے۔

(۱۵۷) فرمایا کہ میرا قاعدہ ہے کہ جہاں کوئی بزرگ ہو وہاں میں کچھ بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہاں ان بزرگ کی خود فرمائش ہو تو اور بات ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کا ادب حضرت کی فطرت میں اور تواضع حضرت کی سرشت میں داخل ہے۔

(۱۵۸) فرمایا کہ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جب مسجد میں آئے تو اوروں کی جوتیوں کو ادھر ادھر ہٹا کر جگہ کر کے اپنی جوتیاں اتار دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے میں اسکو ناجائز سمجھتا ہوں کیونکہ جس نے اپنی جوتیاں جس جگہ اتاری ہیں وہ وہیں انکو تلاش کرنے آئے گا اور جب نہ پائیگا تو پریشان ہوگا۔ دوسرے کو ایذا دینا کہاں جائز ہے؟ جہاں تک جوتیاں رکھی جا چکی ہیں اس سے علحدہ اپنی جوتیاں اتار دے، دوسروں کی جوتیاں منتشر کرنے کا کوئی حق نہیں۔

ف: اس سے غایت احتیاط و تقویٰ و حذر از ایذا مسلم ثابت ہے۔

رفعُ الموانع

(۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد حمد و نعت فرمایا اَلَا اِنَّ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ یعنی آگاہ ہو جاؤ بیشک جو تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پاگئے اور جو اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہیں انکو کبھی موت نہ آئیگی۔ اور اسکے بعد یہ آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا یعنی نہیں محمد مگر ایک رسول ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں کیا پس اگر وہ مرجائیں گے تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو شخص پھر جائے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فانی ہونا بیان فرمایا اور جس کے واسطے حضورؐ دنیا میں تشریف لائے تھے اس پر استقامت کی تعلیم فرمائی اور اسکے بعد حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا یعنی کسی جان کے لئے یہ نہیں ہے کہ وہ بغیر حکم الٰہی کے مرسکے اور اس نے موت کا وقت مقرر کرکے لکھ رکھا ہے اور آپ نے یہ آیت بھی پڑھی اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ (آپکو بھی مرنا ہے اور انکو بھی مرنا ہے)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کلام سنکر ہماری یہ حالت ہوئی کہ گویا ہم نے یہ آیت پہلے کبھی سنی

تھی مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں کلام اللہ سنکر جو حالت قلب کے تاثر کی ہوا کرتی ہے اسکو سنکر وہی حالت ہوگئی اور ہوش سے آگئے۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غور کرنا چاہیئے کہ حضور جس کام کے لئے تشریف لائے تھے یعنی دین حق کی اشاعت اور احیاء وہ کام ہمکو کرنا چاہیئے، چنانچہ صحابہؓ اس شغل کو لیکر نہیں بیٹھے اور سب کے سب فوراً خدمت دین میں مصروف ہوگئے۔ چنانچہ غزوات اور فتوحات اور تفسیر اور حدیث اور فقہ وعلوم کی اشاعت، خدمات دین اس درجہ تک کیں کہ نادان آدمی کو دیکھکر سرسری نظر سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جو کام حضورؐ کے وقت میں نہیں ہوئے تھے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد کے علماء نے کئے حالانکہ یہ غلط ہے اسلئے کہ بنیاد حضور ہی نے رکھی تھی اور بنیاد رکھنا ہی کسی کام کی مشکل کام ہے اور جب بنیاد رکھی جائے اور بنیاد درست ہوجائے تو آگے اسکو چلانا کون سا مشکل کام ہے اسی مشکل کے موقوف علی الرسول ہونے کے مضمون کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ یعنی جو لوگ کافر ہوئے ہیں اہل کتاب اور مشرکین سے وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہیں تھے یہاں تک انکے پاس دلیل روشن آئی اور وہ دلیل اللہ کیطرف سے ایک عظیم الشان رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں کہ ان صحیفوں میں لکھے ہوئے مضبوط مضمون ہیں۔ غرض صحابہؓ نے اس صدمۂ جانکاہ کا وظیفہ نہیں کیا حالانکہ صحابہؓ کے نزدیک حضورؐ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور اس وجہ سے صدمہ بے حد سخت تھا پس ہمکو بھی چاہیئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتدار کریں۔

نسخۂ کیمیا | حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فَلْيَتَعَزَّ

بِمُصِیْبَتِی یعنی جسکو کوئی مصیبت پہونچے اسکو چاہئیے کہ میری مصیبت سے وہ تسلی حاصل کرے، یعنی میری وفات سے میری امت کو جو صدمہ پہونچا ہے اسکو یاد کرے یعنی یہ سوچے کہ حضور تو اس میرے محبوب سے بھی زیادہ محبوب ہیں جب آپ ہی اس حیات ظاہری میں نہ رہے اور اس ہم نے صبر کرلیا تو اسکی کیا پرواہ ہے۔ اس پر وہ شخص شبہہ کرسکتا ہے جو یہ کہے کہ مجھے حضورؐ کے ساتھ محبت ہی نہیں، لیکن مسلمان تو ایسا کہہ نہیں سکتا بفضلہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی جان و اولاد اور مال سے زیادہ محبت حضور کے ساتھ ہے اور جس کو نہیں اسکی طرف ہمارا روئے سخن نہیں ہے۔

غرض ان طریقوں کے اختیار کرنے سے مصیبت کا جز زیادہ ناگواری کا کا درجہ ہے وہ نہ رہے گا ورنہ مصیبت اپنی حد سے بڑھکر حضرت حق سے مانع ہوجائے گی اور یہ اور زیادہ مصیبت پر مصیبت ہوگی یہ آداب ہیں مصیبت کے۔ الحاصل دو چیزیں حضرت حق سے مانع ثابت ہوئیں نعمت اور مصیبت پھر انکی اور بہت سی جزئیات ہیں پس ان میں سے امہات جزئیات کی فہرست ان آیات میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی کوئی مصیبت نہیں پہونچتی مگر اللہ کے حکم سے۔ یہ علاج ہے مصیبت کے مانع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم مالک و محبوب ہیں اور مصیبت ہمارے ہی حکم سے آتی ہے تو تم کو اس پر اعتراض اور چوں وچرا کا حق نہیں ہے اگر حق تعالیٰ کی مالکیت اور محبوبیت اور اسکا اعتقاد کہ مصیبت اسی کے حکم سے آتی ہے قلب میں راسخ ہوجائے تو مصیبت کی شدتِ اَلَم قلب کو ہرگز از جا رفتہ نہ کرے گی۔ یہ نسخہ کیمیا کا اثر رکھتا ہے۔

فقدان عمل آگے ارشاد ہے وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو اس علاج کی ہدایت فرماتا ہے" یہ جواب ہے ایک سوال کا جو جملۂ اولیٰ کو سنکر ناشی (پیدا) ہوسکتا ہے۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے علاج تو بتلادیا اور ہمارا اس پر ایمان بھی ہے کہ مصیبت اسکے حکم سے آتی ہے لیکن قلب میں اسکا کچھ اثر نہیں ہوتا تو اسکا جواب ارشاد ہے کہ تمھاری طرف سے ایمان وایقان ہونا چاہیئے، کام تم شروع کرو یعنی یقین تم پختہ کرلو باقی ہدایت اور اثر تو ہم دینگے۔ ہاں جو تمھارا کام ہے اگر تم وہی نہ کرو تو اسکا کوئی علاج نہیں، ہم لوگوں کی آجکل یہ حالت ہے کہ کام تو کچھ کرتے نہیں اور ثمرات کی امیدیں باندھتے ہیں۔ ہماری ایسی مثال ہے جیسے مریض کسی حکیم کے پاس گئے اور اس سے نسخہ لکھوایا (لیکن دوا استعمال نہیں کی)، اور شکایت کرتے پھرتے ہیں کہ ہمکو شفا نہیں ہوئی کسی نے پوچھا کہ میاں کسی طبیب سے تم نے معالجہ نہ کیا ایک نے کہا کہ جناب نسخہ تو میں نے لکھوالیا تھا، دوسرے نے کہا میں نے نسخہ کے دام بھی پوچھ لئے تھے، تیسرے نے کہا میں نے خرید بھی لیا تھا، چوتھے نے کہا میں نے اسکو پکا بھی لیا تھا، پانچویں نے کہا میں نے پکایا بھی اور اسکو برتن میں انڈیل بھی لیا تھا، چھٹے نے کہا کہ جناب میں نے پیا بھی مگر فوراً قے کردی۔ خدا کی بتلائی ہوئی تعلیمات پر ہمارا ایسا ہی عمل ہے جیسا کہ ان مریضوں کا ہے کہ تعلیم پر ایک نے بھی عمل نہ کیا پھر شفا ہو تو کیسے ہو، میں بقسم کہتا ہوں کہ لوگ کام نہیں کرتے اُس طرف سے کچھ کمی نہیں، کوئی ذرا کام شروع کرکے دیکھے ہماری تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ حرکت ہی نہیں۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ نظر روکنے پر قدرت نہیں ہے۔ میں نے کہا قدرت تو ہے ہاں یہ کہو کہ روکنے میں کلفت ہوتی ہے اسکو برداشت نہیں کرتے اور کرسکتے ہو

تو بہت دیر تک الجھتے رہے اور میں انکی ہر بات کا جواب دیتا رہا مگر انکی سمجھ ہی میں نہ آیا وہ اطراف کانپور کے رہنے والے تھے وہاں جا کر انھوں نے خط بھیجا کہ واقعی میری سمجھ میں آگیا کہ قدرت تو ہے تو وہ بات کیا ہوئی کہ وہاں پہونچکر انھوں نے کام شروع کیا یعنی نظر کو روکا تو تجربہ ہوا اور اس سے پہلے کام تو نہیں کیا تھا خالی باتیں بنا رہے تھے اور اپنے خیال میں اسکو محال سمجھ رکھا تھا اسلئے الجھتے رہے اور بعضے لوگ کام بھی شروع کرتے ہیں اسکا کچھ اثر بھی ہوتا ہے مگر پھر کچھ غلبہ شہوات کا ہوتا ہے اور کام چھوڑ دیتے ہیں سو یہ لوگ طریقہ سے کام نہیں کرتے واللہ اگر طریقہ کے موافق کام کریں تو ضرور ہدایت ہو۔

ہدایت کا راستہ حق تعالے خود ارشاد فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں تو ہم فوراً انکو اپنے راستے بتلاتے ہیں اسی طریق پر یہاں ارشاد ہے کہ تم کام کرو جب تم کام کروگے تو تمھارے قلب کو ہم ہدایت کریں گے آگے ارشاد ہے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ یعنی اللہ ہر شے کو جانتا ہے پس یہ بھی جانتا ہے کہ کون اسکی راہ میں سعی کرنے والا ہے اور کون نہیں ہے اسکے بعد جاننا چاہیئے کہ مریض کو جو مرض پیش آتا ہے اس کا ایک علاج تو خاص اسی ایک مرض کا ہوتا ہے اور اسی کا خاص پرہیز ہوتا ہے مثلاً مرض اگر غلط سودا کے سبب سے ہے تو اسی کا خاص علاج اور خاص پرہیز کرایا جاتا ہے کہ نسخہ بھی اسی کا اور جو چیزیں سودا بڑھانے والی ہیں ان ہی سے بچنا بھی اور ایک عام علاج اور عام پرہیز ہے کہ جس کو تمام امراض میں پیش نظر رکھنا مریض کو ضروری ہے وہ یہ کہ جو چیزیں عامۃً مُضْعِفْ اور کلیۃً منافی طبیعت ہیں ان سے بچنا چاہیئے۔ یہاں تو حق تعالے نے اس مرض یعنی مصیبت کے مانع عن الطریق

کا خاص نسخہ کہ جو ایک خاص مراقبہ ہے کہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ارشاد فرمایا تھا آگے ایک عام نسخہ جسکا تمام اوقات میں ہر شخص کو التزام کرنا چاہیئے ارشاد فرماتے ہیں اسلئے کہ اگر خاص مرض کے سلئے خاص نسخہ کا التزام کیا اور قواعد عام صحت کی رعایت نہ رکھی تو اس خاص نسخہ کا کوئی نفع مرتب نہ ہوگا اور وہ عام علاج یہ ہے جس میں تندرست اور مریض سب شریک ہیں یعنی وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی ہم سنے جو خاص علاج خاص مرض کے لئے تم کو تعلیم کیا ہے اسی پر اقتصار نہ کرو۔ کہ بس مراقبہ تو کر لیا اور دیگر احکام شرعیہ میں اخلال (اور کوتاہی) کیا بلکہ اسکے ساتھ اللہ و رسولؐ کی تمام امور میں اطاعت کرو اور یہی وجہ ہے کہ اَطِيْعُوْا کا متعلق ذکر نہیں فرمایا جس سے بقاعدۂ بلاغت عموم مستفاد ہوتا ہے یعنی اگر تم نے صرف خاص اسی نسخہ کو استعمال کیا اور عام قواعد کی رعایت نہ کی مثلاً احکام کی پابندی نہ کی اور معاصی کا ارتکاب کرتے رہے تو اس خاص نسخہ کا کوئی نفع معتد بہ تمکو نہ ہوگا اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے جس مضمون کو ارشاد فرمایا ہے اسکا کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔ اسکے بعد سمجھو کہ بعضے مریض ایسے سست اور کاہل یا کنجوس اور بد پرہیز ہوتے ہیں کہ طبیب سے نسخہ لکھوانا اور دوا خریدنا اور پھر اسکو پکا کر پینا اور پرہیز کرنا انکو نہایت شاق اور پہاڑ معلوم ہوتا ہے، ہاں مرض کی شکایت کیا کرتے ہیں اور یہ کہا کرتے ہیں کہ دوا دارو تو صاحب ہم سے ہوتی نہیں کوئی شخص ایسا سلئے کہ چھو کر دے اور مرض جاتا رہے۔

طبیب کا منصب ایسے ہی روحانی مرض کے مریض بھی دیکھے جاتے ہیں بلکہ ایسے لوگ بکثرت ہیں کہ جو مجاہدہ وریاضت تو اختیار کرتے نہیں ہاں یہ چاہتے ہیں کہ کوئی بزرگ توجہ ڈال دیں اور ہمارا مرض جاتا رہے ہمکو کچھ کرنا نہ پڑے، حالانکہ محض توجہ سے بغیر اپنے کئے

کچھ نہیں ہوتا تو ایسے مریضوں کے لئے ارشاد ہے فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ یعنی ہم نے جو تمھارے مرض کا علاج اپنے رسول کی معرفت ارشاد فرمایا ہے اگر تم اس نسخہ کے استعمال کرنے اور اسکا جو خاص و عام علاج و پرہیز ہے اس سے اعراض کرو تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ تمکو علی الاعلان دوا اور پرہیز بتلا دیں جو طبیب کا منصب ہے کیا طبیب کا یہ احسان تھوڑا ہے کہ تم کو دیکھکر وہ دوا بتلا دے، اس کے ذمہ یہ نہیں ہے اور نہ اسکے بس میں ہے کہ شفا اور صحت تمھارے منہ میں زبردستی ٹھونس دے اگر تم کو اپنی صحت مدنظر ہے تو جو دوا بتلائی گئی ہے ہمت سے اسکا استعمال کرو ورنہ تم جانو، اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ انبیاء اور اولیاء کی توجہ میں برکت نہیں بے شک برکت ہے لیکن وہ توجہ مشروط ہے اس کے ساتھ کہ تم بھی کچھ ہاتھ پاؤں ہلاؤ ورنہ توجہ موثر نہیں ہوگی اور نہ اس کے متوجہ کرنے کا یہ طریق ہے کہ ہم لوگ کچھ نہ کریں اور نری تمنائیں کیا کریں کہ کوئی ہماری طرف متوجہ ہو جائے، کسی کو کیا غرض پڑی ہے کہ تمھاری طرف متوجہ ہو۔ ہاں تم کام کرو بزرگوں کو بھی توجہ ہوگی پھر اس توجہ کی برکات تم کو خود مشاہد ہو جاویں گی۔ دیکھو طبیب شفیق جب یہ دیکھتا ہے کہ یہ مریض ہمارے نسخہ کو استعمال کر رہا ہے تو اسکو مریض کے حال پر خود توجہ ہوتی ہے اور پھر اس کے لئے قسم قسم کی دوائیں وہ خود تجویز کرتا ہے بلکہ اپنے پاس سے دیتا ہے اور دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح اسکو صحت ہو جائے اور اگر یہ دیکھتا ہے کہ یہ دوا نہیں پیتا یا دوا پینے کیساتھ ساتھ جان کر بد پرہیزی کرتا ہے تو اسکو کچھ بھی توجہ نہیں ہوتی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ کے وقت میں حضورؐ کو اور حضورؐ کے بعد آپ کے وارثوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا تمھارے اختیار میں ہے جب وہ دیکھیں گے کہ

ـ۵۔ اگر تم منہ موڑ لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہونچا دینا ہے۔

یہ شخص اللہ کی راہ میں مرکھپ رہا ہے اور اس نے کوئی دقیقہ اپنی وسعت کا اٹھا نہیں رکھا اور اس وقت اگر اسکی امداد نہ کی گئی تو کچھ عجب نہیں کہ ہمت ہار دے تو اسُ وقت ادھر سے فوراً مدد ہوگی۔ واللہ وہ بڑے شفیق ہوتے اور بڑے دینے والے ہوتے ہیں ہاں کوئی لینے والا چاہیئے۔ یہ بیان تو ان لوگوں کا تھا جو کام میں لگے ہی نہیں، اب ایک وہ ہیں جو کام کرتے ہیں اور انکو اس کے کچھ ثمرات بھی حاصل ہوئے

ناز اور عُجبُ مگر ان میں ایک مرض پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ جہل اور کمئ بصیرت سے یہ سمجھے کہ یہ ثمرات ہمارے کام کرنے سے مرتب ہوئے اور اس پر انکو ناز اور عجب پیدا ہوگیا تو ان کے اس مرض کے دفعیہ کے لئے ارشاد ہے اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (خدا جو معبود برحق ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں تو مومنوں کو چاہیئے خدا ہی پر بھروسہ رکھیں) مطلب ہے کہ تم کو حضرتِ حق اور موجودِ حقیقی کے سامنے اپنے وجود کا دعویٰ کرتے ہوئے شرم نہیں آتی ارے یاد رکھو! کہ ما سوا اسکے کوئی موجودِ حقیقی نہیں ہے پس ناز چہ معنی! مومنین کو یہ چاہیئے کہ اسی ایک ذات پر بھروسہ رکھیں اور غیر کو کہ جس میں اپنا وجود بھی ہے فانئ محض اور ہالکِ بحت (خالص) سمجھیں نہ کہ اپنے وجود کا دعویٰ کریں تم کچھ بھی نہیں ہو اور نہ کچھ کر سکتے ہو یہ ہمارا ہی کام تھا کہ تم کو کام کی توفیق دی اور اسکے اسباب مہیا کر دیئے اور پھر اس میں کامیابی عطا فرمائی۔

یہاں تک مصیبت کے متعلق بیان تھا جو مانع عن الطریق ہوتی ہے

(جاری)

دل کی بیماریاں
اور
طبیب روحانی کی ضرورت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن به ونتوکل علیه ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلا ھادی له، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک له ونشھد ان سیدنا و نبیّنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله۔ صلی اللہ تعالٰی علیه وعلٰی اٰله واصحابه وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا۔

امابعد۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ، اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۱۵۳)

(سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ صحیح ہو جاتا ہے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خوب یاد رکھو وہ لوتھڑا انسان کا دل ہے)

اخلاق کی اہمیت

اخلاق کی درستی اور اسکو اللہ جل جلالہٗ کے احکام کے مطابق بنانا اتنا ہی ضروری اور اتنا ہی اہم اور واجب ہے جتنا کہ عبادات کو بجالانا ضروری ہے بلکہ اگر ذرا

اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ عبادات، معاملات اور معاشرت کے جتنے احکام ہیں ان میں سے کوئی بھی حکم اس وقت تک صحیح طریقہ سے بجا نہیں لایا جاسکتا جب تک اخلاق درست نہ ہوں، اگر اخلاق درست نہ ہوں تو بعض اوقات یہ نماز روزہ بھی بیکار ہو جاتا ہے نہ صرف بیکار بلکہ الٹا وبال بن جاتا ہے۔ اسی لئے اخلاق کی درستی اور اس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق بنانا عملی زندگی کی بنیاد ہے۔ یہ بنیاد نہ ہو تو عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی۔

اخلاق کیا چیز ہیں

اخلاق کا مطلب آجکل عرف عام میں کچھ اور سمجھا جاتا ہے اور جس اخلاق کی میں بات کر رہا ہوں وہ کچھ اور ہے، عرف عام میں اخلاق اسکو کہتے ہیں کہ ذرا مسکرا کر کسی آدمی سے مل لئے، اسکے ساتھ خندہ پیشانی سے نرمی سے بات کر لی، اسکو کہتے ہیں کہ یہ بہت خوش اخلاق آدمی ہے اسکے اخلاق بہت اچھے ہیں لیکن جس اخلاق کی میں بات کر رہا ہوں اور جس اخلاق کا مطالبہ دین نے ہم سے کیا ہے اسکا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے صرف اتنی بات نہیں ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے مل لئے یہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی اسکا ایک نتیجہ ہوتا ہے لیکن اصل اخلاق یہ نہیں ہے بلکہ اصل اخلاق انسان کے باطن کی، اسکے دل کی، اسکی روح کی ایک صفت ہے۔ انسان کے باطن کے اندر مختلف قسم کے جذبات، خیالات، خواہشات پروان چڑھتے ہیں ان کو اخلاق کہتے ہیں اور انکو درست کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

روح کی اہمیت

اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ سمجھنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کس کو کہتے ہیں؟

انسان نام ہے جسم اور روح کے مجموعے کا صرف جسم کا نام انسان نہیں

بلکہ انسان وہ جسم ہے جس میں روح موجود ہو، فرض کرو کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا بتائیے کہ اسکے ظاہری جسم میں کیا فرق واقع ہوا؟ آنکھ اسی طرح موجود ہے ناک اسی طرح موجود ہے، کان اسی طرح موجود ہیں، زبان اسی طرح موجود ہے، چہرہ ویسا ہی ہے، ہاتھ پاؤں ویسے ہی ہیں، سارا جسم جوں کا توں ہے لیکن کیا فرق پیدا ہوا؟ فرق یہ ہوا کہ پہلے اس جسم کے اندر روح سمائی ہوئی تھی اب وہ روح نکل گئی اور روح کے نکل جانے سے انسان انسان نہیں رہتا لاش بن جاتا ہے، جمادات میں داخل ہوجاتا ہے۔

جلدی سے دفن کردو

وہی انسان جو روح نکلنے سے پہلے دیکھنے والوں کی نگاہوں کا پیارا تھا، عزیز تھا لوگ اس سے محبت کرتے تھے زمین جائداد کا مالک تھا، بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا تھا، دوست احباب کا عزیز تھا، سبھی کچھ تھا لیکن ادھر روح جسم سے نکلی اُدھر نہ تو زمین جائداد اسکی رہی نہ وہ بیوی کا شوہر رہا اور نہ بچوں کی خبرگیری کرنے والا رہا جو لوگ اس سے محبت کرتے تھے اسکو اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے اسکو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے، اب وہ اس فکر میں ہیں کہ جلد از جلد اسکو اٹھا کر قبر میں پہونچا کر ٹھکانے لگائیں کوئی کہے کہ بھئی یہ تمھارا عزیز ہے اسکو ذرا اپنے گھر میں رکھ لو تو کوئی اسکو رکھنے کو تیار نہیں، زیادہ سے زیادہ ایک دو دن رکھے گا، بہت کوئی رکھ لیگا تو برف وغیرہ لگا کر ہفتہ بھر رکھ لیگا لیکن اس سے زیادہ کوئی نہیں رکھے گا۔ اب سب اس فکر میں ہیں کہ جلد سے جلد اٹھا کر اسکو قبر میں پھینکو اور دفن کرو۔ وہی محبت کرنے والے جو دن رات اسکی چشم وابرو کو دیکھتے تھے، اسکے اشاروں پر ناچتے تھے، روح کے نکلنے کے بعد اب یہ حالت ہوگئی کہ بیٹا اپنے ہاتھ سے باپ کو قبر میں رکھنا چاہتا ہے اور مٹی دے کر

جلد از جلد اسکو دفن کر دینا چاہتا ہے بلکہ کسی نے قصہ بتایا کہ اخبار میں چھپا تھا کہ ایک آدمی کو جسے شاید سکتہ ہوگیا تھا لوگوں نے غلطی سے مردہ سمجھکر دفن کر دیا جب سکتہ ختم ہوا تو وہ بے چارہ قبر پھاڑ کر کسی طرح گھر پہونچا جب اس نے دستک دی تو باپ نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ جب اس نے اپنا نام بتایا تو باپ گھر سے لاٹھی لیکر نکلا اور لاٹھی سے اسکو مارا کہ یہ اسکا بھوت کہاں سے آگیا، جو غریب پہلے نہیں مرا تھا اب لاٹھی سے مرگیا۔

آخر یہ کیا انقلاب عظیم واقع ہوا کہ سارا جسم اسی طرح ہے جیسے پہلے تھا مگر اب کوئی اسکو گھر میں رکھنے کو تیار نہیں۔ فرق یہ واقع ہوا کہ اس کے جسم سے روح نکل گئی معلوم یہ ہوا کہ انسان کے جسم کے اندر اصل چیز اسکی روح ہے جب تک یہ روح انسان کے اندر موجود ہے اسوقت تک انسان انسان ہے لیکن جب یہ روح نکل جائے تو پھر وہ انسان نہیں ہے محض ایک لاش ہے جس سے کسی کو کوئی تعلق نہیں سب اس فکر میں ہیں کہ اس کو جلد سے جلد قبرستان میں لیجاکر دفن کر دیں۔

روح کی بیماریاں

جس طرح انسان کے جسم کے اندر بہت سی صفات ہوتی ہیں کہ بعض اوقات جسم صحتمند ہے، خوبصورت ہے، طاقتور ہے توانا ہے، اور بعض دفعہ جسم نحیف کمزور اور دبلا پتلا، بیمار، بدصورت ہے اسی طرح انسان کی روح کی بھی کچھ صفات ہوتی ہیں بعض اوقات روح طاقتور ہوتی ہے اور بعض اوقات کمزور ہوتی ہے بعض اوقات روح اچھی صفات کی مالک ہوتی ہے اور بعض اوقات خراب صفات کی مالک ہوتی ہے۔ جس طرح انسان کے جسم کو بیماریاں لگتی ہیں کہ کبھی بخار ہوگیا کبھی پیٹ خراب ہوگیا، کبھی قبض ہوگیا، کبھی دست آگئے۔ اسی طرح روح کو بھی بیماریاں لگتی ہیں۔ روح کو کیا بیماریاں لگتی ہیں؟ روح کو یہ بیماریاں لگتی ہیں کہ کبھی اسمیں تکبر پیدا ہوگیا، کبھی

اس میں حسد پرورش پانے لگا، کبھی اس میں بغض پیدا ہوگیا، کبھی اسمیں ناشکری پیدا ہوگئی یہ ساری کی ساری روح کی بیماریاں ہیں۔

روح کا حسن وجمال

اسی طرح جیسے انسان کے جسم کی خوبصورتی ہے مثلاً کہتے ہیں کہ اسکا چہرہ بہت خوبصورت ہے، اسکی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں، اسکا جسم بہت خوبصورت ہے، اسی طرح روح کی بھی کچھ خوبصورتی ہے اسکا بھی کچھ جمال ہے اسکا بھی کچھ حسن ہے۔ روح کا حسن کیا ہے؟ روح کا حسن یہ ہے کہ انسان کے اندر تواضع ہو، صبر و شکر ہو، اخلاص ہو خود پسندی نہ ہو ریاکاری نہ ہو، یہ سب روح کا حسن وجمال ہے۔

جسمانی عبادات

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو بہت سے احکام دیئے ہیں جنکا تعلق ہمارے ظاہری جسم سے ہے مثلاً نماز ہے کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے؟ جسم کو کبھی کھڑا کیا جاتا ہے، کبھی رکوع میں چلے جاتے ہیں، کبھی سجدے میں چلے جاتے ہیں، کبھی سلام پھیرتے ہیں، یہ ساری حرکات جسم کے ذریعہ انجام پاتی ہیں تو یہ ایک جسمانی عبادت ہے۔ روزہ کس طرح رکھتے ہیں؟ ایک مقررہ وقت تک بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ یہ بھی ایک جسمانی عبادت ہے مال کی ایک خاص مقدار غریب کو دینا فرض کیا گیا ہے جس کو زکوٰۃ کہتے ہیں یہ بھی اپنے ہاتھ سے دی جاتی ہے اور حج بھی ایک جسمانی اور مالی عبادت ہے۔ حج کے اندر محنت کرنی پڑتی ہے، سفر کرنا پڑتا ہے، خاص ارکان انجام دینے پڑتے ہیں۔ یہ سارے کام جسم سے ادا کئے جاتے ہیں اسلئے یہ بھی ایک جسمانی عبادت ہے۔

تواضع دل کا فعل ہے

جس طرح یہ ساری عبادتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے جسم

سے متعلق رکھی ہیں اسی طرح بہت سے فرائض ہماری روح اور باطن سے متعلق رکھے ہیں مثلاً یہ حکم دیا کہ ہر انسان کو تواضع اختیار کرنی چاہئے اب یہ تواضع جسم کا فعل نہیں ہے یہ دل کا فعل ہے، باطن کا فعل ہے، روح کا فعل ہے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ صفت اپنے دل میں پیدا کی جائے۔

بہت سے بے پڑھے لوگ تواضع کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ کوئی مہمان آیا تو اسکی خاطر تواضع کرو کچھ کھانا وغیرہ اسکو کھلا دو اسکو تواضع کہتے ہیں۔ تواضع کا مطلب یہ نہیں ہے۔ جو کچھ پڑھے لکھے ہیں وہ بھی تواضع کا مطلب سمجھتے ہیں انکسار، دوسروں سے انکساری کے ساتھ پیش آنا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی کی ذرا گردن جھکی ہوئی ہو، کچھ سینہ مڑا ہوا ہو تو جو آدمی اس طرح لوگوں سے ملتا ہے اسکو کہتے ہیں بڑا منکسر المزاج آدمی ہے، بڑا متواضع ہے۔

خوب سمجھ لیجیے کہ تواضع کا کوئی تعلق جسم سے نہیں ہے۔ تواضع کا تعلق قلب اور روح سے ہے انسان اپنے دل میں اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھے کہ میری کوئی حقیقت نہیں ہے، میری کوئی قدرت نہیں ہے، میں تو ایک بیکس بے بس بندہ ہوں، یہ خیال دل کے اندر پیدا ہو جائے اس کو کہتے ہیں تواضع اور اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

اخلاص دل کی ایک کیفیت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخلاص کا حکم دیا ہے کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کرو عبادتوں میں خلاص پیدا کرو، جو کام کرو اللہ جل جلالہ کی رضامندی اور خوشنودی کیلئے کرو، یہ ہے اخلاص۔ اخلاص زبان سے کہنے سے نہیں حاصل ہوتا، یہ دل کی ایک کیفیت ہے۔ طن کی ایک صفت ہے جس کو حاصل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

شکر دل کا عمل ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے شکر کا حکم دیا ہے کہ جب

کوئی نعمت تمھیں حاصل ہو تو اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرو، یہ شکر بھی انسان کے قلب کا فعل ہے، انسان کی روح کا فعل ہے، جتنا شکر ادا کریگا روح اتنی ہی زیادہ طاقتور ہوگی۔

صبر کی حقیقت اللہ تعالےٰ نے صبر کا حکم دیا ہے کہ اگر تمھیں کوئی ناگوار بات پیش آجائے تو سمجھو کہ اللہ جل جلالہٗ کی طرف سے ہے جو کچھ بھی ہوا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت سے ہوا ہے، اسکی مشیّت کے مطابق ہے چاہے یہ مجھکو کتنا ہی ناگوار ہو لیکن مصلحت اسی میں تھی۔ انسان ہر ناگوار واقعے کے وقت یہ سوچے اور اور اسکا احساس دل میں پیدا کرے اسکو صبر کہتے ہیں۔

اخلاق باطنہ کا حصول فرض ہے لہٰذا بہت سے احکام ایسے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری روح اور ہمارے باطن سے متعلق ہمکو عطا فرمائے ہیں۔ یاد رکھیے کہ صبر کے موقع پر صبر کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا نماز پڑھنا فرض ہے۔ شکر کے موقع پر شکر کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ روزہ رکھنا فرض ہے، اخلاص کے موقع پر اخلاص کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ زکواۃ دینا فرض ہے یہ سب بھی فرائض ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائے ہیں۔

باطنی بیماریاں حرام ہیں بہت سے کام ظاہری اور جسمانی اعتبار سے گناہ قرار دیئے گئے ہیں مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، رشوت لینا، سود کھانا، شراب پینا، ڈاکہ ڈالنا یہ سارے کے سارے کام گناہ ہیں جو ہمارے ظاہری جسم سے متعلق ہیں ہمارے اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے بہت سے باطنی کاموں کو بھی گناہ قرار دیا ہے۔ مثلاً تکبر ایک باطنی بیماری ہے جو ہاتھ پاؤں سے انجام نہیں دی جاتی یہ انسان کے باطن کا ایک روگ

ہے اللہ تعالیٰ نے اسکو حرام قرار دیا ہے اور یہ اتنا ہی حرام ہے جتنا شراب پینا حرام ہے، جتنا سور کھانا حرام ہے، جتنا زنا اور بدکاری کرنا حرام ہے۔ اسی طرح حسد بھی ایک باطنی بیماری ہے اور اسکو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور یہ بھی اتنا ہی حرام ہے جتنے وہ گناہ حرام ہیں جنکا میں نے پہلے آپ کے سامنے ذکر کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے باطن اور روح سے متعلق بھی کچھ احکام رکھے ہیں کچھ صفات کو پیدا کرنے کا حکم دیا ہے اور کچھ صفات سے بچنے کا حکم دیا ہے جن صفات کو اللہ تبارک تعالیٰ نے پیدا کرنے کا حکم دیا ہے وہ صفات اپنے باطن کے اندر پیدا کرلے اور جن صفات سے بچنے کا حکم دیا ہے وہ صفات اپنے باطن سے الگ کرلے تو کہیں گے کہ اس کے اخلاق درست ہوگئے۔ اخلاق انہی باطنی کیفیات اور روح کی صفات کا نام ہے جنکا اوپر ذکر کیا گیا ہے اچھے اخلاق جنکو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے انکو اخلاق فاضلہ اور بُرے اخلاق جنکو دور کرنا چاہیئے انکو اخلاق رذیلہ کہتے ہیں۔

امید ہے کہ اب یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اخلاق کا مطلب ایک دوسرے سے اچھی طرح بات کرلینا یا اچھی طرح مسکرا دینا نہیں ہے یہ اسکا ایک نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ جب اخلاق درست ہوجاتے ہیں تو انسان کا رویہ ہر دوسرے انسان کے ساتھ بہتر ہوجاتا ہے لیکن بنیادی طور پر اسکو اخلاق نہیں کہتے اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا باطن درست ہوجائے، اخلاق فاضلہ پیدا ہوجائیں، اخلاق رذیلہ دور ہوجائیں اور انسان کا باطن اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کے مطابق ڈھل جائے۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۵، ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۶ھ مطابق مئی سنہ ۱۹۹۶ء جلد ۲۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ : الحمد لاھلہ والصلوٰۃ لاھلہا۔ حسب معمول امسال بھی خانقاہ مصلح الامت قدس سرہٗ میں احباب کی جانب سے فریضۂ قربانی کی ادائیگی کا نظم کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا و مقتدانا حضرت اقدس قاری صاحب مدظلہم کی ذات گرامی پر اعتماد کی بناء پر شہر، بیرون شہر اور دوسرے ملکوں سے بھی احباب کی ایک کثیر تعداد نے اہل ادارہ کو اپنے فریضہ کی ادائیگی کا ذمہ دار بنایا

ہمارے یہاں اصول یہ ہے کہ جو حضرات اس سلسلہ میں بذریعہ خط یا ٹیلیفون وغیرہ رابطہ قائم فرماتے ہیں انکی رقم کی وصولیابی پر پوسٹ کارڈ کے ذریعہ وصولیٔ رقم سے فوری طور مطلع کردیا جاتا ہے تاکہ صاحب معاملہ کو یہ اطمینان ہو جائے کہ ہماری رقم ادارہ کو پہونچ گئی اور انشاء اللہ وقت مقررہ پر ہماری جانب سے قربانی کردیجائیگی

اب قربانی کے بعد انفرادی طور سے ہر شخص کو اسکی اطلاع دینا ایک طول طویل اور دشوار گذار مرحلہ ہے اسلئے اسکی اطلاع رسالہ وصیۃ العرفان کے ذریعہ کردی جاتی ہے۔

لہٰذا تمام شرکا رکو اطلاع دیجاتی ہے کہ الحمد للہ حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ کے مدرسہ وصیۃ العلوم کے اساتذہ کرام کے زیر نگرانی پوری احتیاط اور خوش اسلوبی کے ساتھ فریضہ قربانی آپ سب حضرات کی جانب سے ادا کردیا گیا۔

تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنْکُمْ جَمِیْعًا وَجَعَلَ اَعْمَالَنَا کُلَّھَا صَالِحَۃً وَلِوَجْھِہٖ خَالِصَۃً

ہم اپنے ان تمام احباب کرام کے ممنون ہیں جنھوں نے اپنی گرانقدر مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر بالواسطہ مدرسہ کا تعاون فرمایا۔

رب کریم انکو جزاء خیر عطا فرمائے اور اپنی محبت و معرفت اور رضا و قرب خاص سے سرفراز فرمائے اور ہم سب کو اخلاص اور اتباع سنت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل توفیق عطا فرمائے ؎

انھیں کے نقش قدم پر ہو یا خدا جینا ویرحم اللہ عبداً قال اٰمینا

(ادارہ) (آمین)

بچوں کو انکے فیشن اور اتراپن پر مارنا چاہئے

فرمایا کہ —— تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے، حضرت عکرمہ بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا کوئی بچہ انکے پاس آیا جسکا حلیہ یہ تھا کہ اس نے اپنے بالوں میں کنگھی کر رکھی تھی اور خوب عمدہ نفیس کپڑے پہن رکھے تھے حضرت عمرؓ نے اسکو دُرّہ سے مار مار کر رلا دیا، حضرت حفصہؓ بولیں کہ بچہ نے آخر کیا قصور کیا تھا آپ نے اسے کیوں مار دیا؟ فرمایا کہ میں نے اسکو دیکھا کہ اپنے مانگ کی سجاوٹ پر اور حسن لباس پر اترا رہا ہے اور اسکی وجہ سے مجھے اسکے اندر کچھ عجب کا شائبہ محسوس ہوا کہ وہ اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھ رہا ہے تو میں نے یہ چاہا کہ اسکو خود اسکی نظروں میں حقیر و ذلیل کر دوں جسکا آسان اور فوری طریقہ اسوقت یہی تھا کہ اسکو ضرب و سرزنش کر کے رلا دوں۔

سبحان اللہ! دیکھئے حضرات صحابہ کرامؓ کس کس طرح سے اپنے بچوں کو رذائل نفس سے بچاتے تھے یہ تعلیم تھی اور یہ تربیت تھی جو آج ہم سے رخصت ہو گئی ہے جسکا انجام یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی آج زیبائش دیکھ لیجئے اور پھر اسکی وجہ سے جو فتنے پیدا ہو رہے ہیں انکا برأی العین (کھلی آنکھوں) مشاہدہ فرما لیجئے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ اسی نوع کا ایک اور واقعہ "تنبیہ الغافلین" میں فقیہہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں شام سے روغن زیتون بڑے بڑے کپّوں میں بھر کر آیا تھا حضرت عمرؓ پیالہ بھر بھر کر اسکو مسلمانوں میں تقسیم فرمانے لگے۔ حضرت کے پاس ہی ایک بچہ کھڑا تھا جس کے سر پر کچھ بال تھے جب ایک کپّے سے تیل انڈیل لیا جاتا اور وہ خالی ہو جاتا تھا تو ما سکا بچا بچایا تیل اپنے ہاتھ سے پونچھ پونچھ کر دو

لڑکا اپنے بالوں میں لگانے لگا یہ دیکھکر حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ میاں صاحبزادے میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے سر کے بال کو مسلمانوں کے زیتون کے تیل کی جانب بڑی رغبت ہے (اور اسکو اپنا ہی مال سمجھ رہے ہو) یہ فرمایا اور خود ہی اسکا ہاتھ پکڑ کر حجام کے پاس تشریف لے گئے اور اسکے بال منڈوا دیئے اور یہ فرمایا کہ یہی تمھارے مناسب حال ہے (یعنی نہ بال رہے گا نہ کسی کے تیل کی جانب رغبت ہوگی)

یہیں سے حضرات مصلحین نے نابالغ بچوں کے لئے مانگ پٹی اور تیل کنگھی کو ناپسند فرمایا اور عملاً سر کے منڈوانے کو بال ہونے سے راجح سمجھا ہے اس سے بہت سے فتنوں کا انسداد مقصود تھا چونکہ اس طریقہ میں نفس کا پورا علاج تھا اسی لئے اہل نفس پر آج بال کا منڈانا موت ہے۔ چنانچہ اہل دین کو بھی اپنے بچوں پر اس باب میں قابو نہیں رہ گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عالم کسے کہتے ہیں؟

فرمایا کہ ـــــ فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں احیاء العلوم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ عالم کا اعتماد علوم میں اپنی خداداد بصیرت اور ذاتی فہم نیز اپنے صفائے قلب پر ہونا چاہئے نہ کہ صحف وکتب پر یا دوسروں سے سنے ہوئے مضامین یا غیروں سے نقل کی ہوئی باتوں پر، کیونکہ اگر اسکے اندر خود فہم و بصیرت اور صفائے قلب وغیرہ امور تو نہ ہوئے اور اس نے محض دوسروں کی کہی اور صرف دوسروں سے سنی ہوئی باتوں کے حفظ کرنے پر اکتفا کر لیا تو اسے علم کا ایک برتن تو کہا جا سکتا ہے عالم نہیں کہا جائے گا۔ (فیض القدیر ص۳۳ ج ۱)

اسلئے عالم کے لئے ضروری ہے کہ جہاں حق تعالیٰ سے فہم و بصیرت

طلب کرے وہیں اپنے اندر صفائی قلب و باطن بھی پیدا کرنے کا اہتمام رکھے۔

علم کی فضیلت

فرمایا کہ ــــ شامی میں ہے کہ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت تفقہ فی الدین حاصل کرنے سے بڑھکر کسی ذریعہ سے نہیں کی گئی اور بزازیہ میں ہے کہ علم و فقہ کا طلب کرنا جبکہ تصحیح نیت کے ساتھ ہو جملہ اعمالِ بر (نیک کاموں) سے بڑھکر ہے اسی طرح زیادتی علم کے ساتھ مشغولی بھی کیونکہ اسکا نفع تو اور عام ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اسکی وجہ سے اسکے دوسرے فرائض میں نقصان نہ ہو رہا ہو۔

اور تصحیح نیت یہ ہے کہ اس تحصیل علم سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا پیش نظر ہو، مال و جاہ مطلوب نہ ہو اور اگر کسی کی نیت تحصیل علم سے یہ ہے کہ وہ جہالت سے نکل جائیگا یا یہ کہ خلق خدا کو نفع پہونچائے گا اور علم کے احیار اور بقا کا ذریعہ بنے گا تو کہا گیا ہے کہ خیر یہ بھی صحت نیت میں داخل ہے، اور اگر کسی شخص نے کچھ علم قرآن حاصل کیا اور اسکو فرصت اور فراغت ہے تو افضل اسکے لئے یہ ہے کہ تحصیل فقہ میں مشغول ہو کیونکہ قرآن شریف کا حفظ کرنا تو فرض کفایہ ہے اور امور ضروریہ کا علم فرض عین ہے خزانہ میں کہا گیا ہے کہ اور تمام ہی فقہ کا جاننا ضروری ہے۔ مناقب میں ہے کہ حضرت محمد بن الحسن شیبانیؒ نے حرام و حلال (جائز و ناجائز) سے متعلق دو لاکھ مسائل کتاب و سنت سے مستنبط فرما کر جمع کئے ہیں لوگوں کے لئے انکو معلوم کرنا اور یاد کرنا ضروری ہے۔ (شامی ص۲۷ ج ۵)

چند پند مصلح الامۃ قدس سرہٗ

طلبہ، مدرسین اور سالکین کو ھدایات

اَلحمدُ للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ،

حضرات طلبہ جو میرے پاس بغرض علم مقیم رہتے ہیں انکی خدمت میں عرض پرداز ہوں کہ انکو یہاں رہ کر یہ کام کرنے ضروری ہوں گے۔ ایک تحصیل علم اور اپنی استعداد کی تکمیل میں سعی۔ دوسرے علاوہ فرائض کی پابندی کے اپنے اخلاق کی اصلاح اور اسکی نگہداشت اور اس امر میں ان کو مطمئن کرنا مجھکو ضروری ہوگا۔

انھیں دو امور کے حضرات مدرسین بھی مکلف ہوں گے اور انکو اپنی اصلاح کے ساتھ طلبہ کے ان دونوں امر کا لحاظ ضروری ہوگا۔ محض طلبہ کو ورق گردانی کرا دینا اور انکو محض تختۂ مشق بنائے رکھنا یہ سراسر منصب کے خلاف ہے، حضرات مدرسین اس امر میں مستقل نہیں ہیں۔ مجھکو ان دونوں امر سے جو طلبہ کے متعلق ہیں اطلاع کرتے رہنا اور وقتاً فوقتاً مشورہ لیتے رہنا ضروری ہوگا۔ یہ بات تو ختم ہوئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو حضرات دینی اصلاح کے لئے آمد و رفت رکھتے ہیں انکو اس طرف پوری توجہ مبذول کرنا چاہیئے، اپنے اوقات کو منضبط رکھنا چاہیئے اور بیکار وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے ذکر و فکر سے جو وقت فارغ ہو انھیں دینی کتب کا مطالعہ میرے مشورہ سے کرنا چاہیئے اور اس میں خود بینی نہ کرنا چاہیئے، اسکے پڑھنے کے بعد اسکے تسلیم و استحسان سے مجھکو بھی مطلع کر دینا چاہیئے۔ وما علینا الا البلاغ

وصی اللہ عفی عنہٗ

معلمین خانقاہ کو انکی غفلت پر انتباہ

فرمایا کہ ــــ یہاں کوئی (باقاعدہ) مدرسہ نہیں بلکہ اس جگہ کی شہرت خانقاہ کے نام سے ہو گئی ہے اور میں بھی ایسے ہی لوگوں میں بدنام ہوں یعنی خانقاہی آدمی سمجھا جاتا ہوں، باقی تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ جو میں نے یہاں شروع کیا ہے تو محض اس لئے کہ اس سے علم میں ازدیاد ہو اور وہ سبب بنے عمل کی ترقی کا کیونکہ ان دونوں سلسلوں کو میں ایک دوسرے کے لئے معین اور توام سمجھتا ہوں یعنی علم کو عمل کے لئے اور عمل کو علم کے لئے لازم سمجھتا ہوں، لیکن یہ دیکھا کہ جب سے یہ سلسلہ شروع ہوا ہے جس کو میں نے دین کے لئے شروع کیا تھا تو لوگ اسکی وجہ سے اور بھی زیادہ غفلت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ آج علم کو عمل کے لئے معین ہی نہیں سمجھا جاتا اور علم ہی سبب ہو جاتا ہے غفلت کا اور ان دونوں سلسلوں کو ایک دوسرے کے مُبائن اور مُغائر سمجھا جاتا ہے۔

اس لئے اب یہ سوال کرتا ہوں کہ میرے اس کہنے کے بعد آپ کا کیا خیال ہے؟ یہاں آنے سے پہلے مجھے اسکا جواب مرحمت فرمایا جائے۔

مدارس کا یکساں حال

سنیئے! بمبئی سے ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھ رہے ہیں کہ "کل شام بہت ہی بارہ گھنٹوں سے گھر پہونچا اس دفعہ عام متوسلین اور دستمند حضرات بیحد متاثر اور حضرت والا کی مفارقت بخیر۔ بے حد ہی گرفتہ دل ہیں چہروں پر رونق معلوم نہیں ہوتی حق تعالیٰ ظل رحمت کو بکمال صحت و سلامتی ہمیشہ کرم پاش خلائق رکھیں"۔

میں نے انکو یہ جواب لکھا ہے :۔

آپ کے خط سے آپ کا نیز دوسرے احباب کا حال معلوم ہوا۔ فراق پر ان سب کے تاثرات سے متاثر ہوا اور ان کے اس حال سے مسرور کلی ہوا اسلئے کہ اہل اللہ وصل و فراق دونوں ہی حالات سے دوچار ہوتے ہیں لیکن فرماتے ہیں کہ فراق وصال سے بہتر اور بڑھکر ہے اسلئے کہ سالکین کو جو مدارج اور مقامات ملتے ہیں وہ فراق ہی میں ملتے ہیں اسی لئے اہل اللہ کو اپنی یہ حالت بہت ہی محبوب ہوتی ہے اور جن حضرات کو محبوب کی معرفت ہوجاتی ہے انکے لئے دونوں حالتیں یکدرجہ مساوی ہوجاتی ہیں اور اسوقت وہ یوں مترنم ہوتے ہیں کہ ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

(فراق اور وصل ہے کیا؟ دوست کی رضا چاہو کیونکہ اس کے سوا کی تمنا کرنا ظلم اور زیادتی ہے)

اسی کو کسی نے یوں کہا ہے کہ ؎

میلِ من سوئے وصال و میلِ او سوئے فراق
ترکِ کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

(میرا میلان وصال کی طرف ہے اور اسکا میلان فراق کی طرف ہے میں نے اپنا مقصد و خیال ترک کر دیا تاکہ دوست کا مقصد پورا ہو)

اور عربی کے ایک شاعر نے یوں کہا ہے کہ ؎

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَ یُرِیْدُ ھِجْرِیْ
فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

(میں اسکا وصال چاہتا ہوں وہ مجھ سے جدا رہنا چاہتا ہے اپنی مراد کو میں نے چھوڑ دیا تاکہ اسکی مراد پوری ہو جائے)

بہت اچھا حال لوگوں کا آپ نے لکھا ہے ان سے فرما دیجئے کہ آپلوگوں کے اس تاثر سے خوش ہوا کہ الحمد للہ جو حال ہونا چاہیئے تھا اور جی چاہتا تھا کہ آپ کو اس پر دیکھوں، الحمد للہ کہ اسکے آثار نمودار ہو چلے ہیں، آپ کو فراق و جدائی کا قلق ضرور ہوگا۔

بہرحال ان تھوڑے سے ایام کو کسی طرح گذار لیجئے، یہاں بھی کچھ کام کرنا ہے کام کر کے حاضر ہوتا ہوں۔

ایک دوسرا خط سنیئے! :-

ایک دوسری جگہ سے ایک صاحب لکھ رہے ہیں کہ کل عالی قدر ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کے گرامی نامہ سے علم ہوا کہ آنمحترم ۲۳ فروری ۶۷ء تک الہ آباد تشریف لے آویں گے امید ہے کہ مزاج گرامی الحمد للہ بحال ہوگا، حق تعالےٰ سایۂ عاطفت کو تا دیر قائم رکھے۔

معرفت میں آنمحترم کی تحریر گرامی پڑھکر بے انتہا خوشی ہوئی جو دار العلوم کے حق میں اپیل پر مشتمل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دار العلوم کا حقیقی سرمایہ یہی توجہات اہل اللہ

ہیں انھیں پر اسکی بنیاد قائم ہے اور انھیں پر اسکی عمارت قائم ہے۔
خیال ہوا کہ اس تحریر گرامی کو اگر عام اخبارات میں بھیجدیا جائے تو اسکا نفع اور زیادہ عام ہوجائے گا اور دار العلوم کی طرف توجہات لوگوں کی اور زیادہ منعطف ہوجائیں گی اگر یہ خلاف مصلحت نہ ہو تو اسکی اجازت مرحمت فرمادی جائے

پھر اور بہت سی باتیں لکھکر لکھتے ہیں کہ "اپنے لئے خصوصیت سے دعا رکا ملتجی ہوں، طبیعت سادہ اور فتن کا ہجوم جنکی بنیاد چالاکیوں پر ہے۔
عجیب حیرتناک بات ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ میں دینی جذبات بڑھ رہے ہیں، عقیدہ وعمل درستی کی طرف آرہا ہے اور دینی مدارس کے طلبہ کا رجحان خواہ قلیل ہی کا سہی خلاف ذوق اکابر ہوتا چلا جارہا ہے۔

حضرت مولانا... صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ طلبہ کی اصلاح اور انھیں قابو میں لانے کی تدابیر میں تو ساری ہی استعمال کرچکا ہوں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ مظاہر العلوم کے بارے میں ہے۔
مظفر پور بہار سے بھی خط آیا کہ طلبہ کے ہنگاموں نے مدرسہ کی جڑیں ہلا رکھی ہیں۔ کیا کیا جائے گذشتہ سال یہی صورت راندیر کے دینی مدارس میں بھی پیش آچکی ہے اور اسی قسم کا ہنگامہ دو سال پہلے مدرسہ جلال آباد میں بھی ہوچکا ہے۔ افسوس ہوتا ہے کہ دینی مراکز میں دنیوی ذوق اور وہ بھی ارذل ترین ذوق ہنگامہ وفساد زور پر ہے۔ البتہ یہ خوشی بھی ہے کہ دنیوی مدارس میں اسکے برعکس ذوق وذہن بن رہا ہے
بہرحال دعا کی درخواست ہے"۔

سنیئے! مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اشاعت اسلام میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

شریعت اسلام نے دونوں پہلوؤں کو (یعنی اشتراک اور امتیاز کو) اعتدال سے سنبھالا ہر ایک کی حد مقرر کر دی، ہر ایک کے احکام بتا دیئے اشتراک کے پہلو کا اس حد تک لحاظ کیا کہ کسی موقع پر اسکو نظر انداز نہیں کیا اور امتیاز کو بقائے نظام عالم اور ترتیب احکام آخرت کے لئے لازم و واجب قرار دیا، اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لَنْ یَزَالَ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا تَبَایَنُوْا فَاِذَا تَسَاوَوْا هَلَكُوْا یعنی آدمی ہمیشہ خیریت کے ساتھ رہیں گے جب تک کہ ان میں فرق مراتب قائم رہے گا اور جب سب برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

اسی طرح امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جب ہلاک ہو جائینگے تو انکو یہ خبر بھی نہ ہوگی کہ ہم ہلاک ہو گئے ہیں۔

ایک بات ہم نے اور لکھی ہے کہو تو کہدیں نہیں تو بس تم آؤ اور ہم کو دیکھو اور ہم تم کو دیکھیں اسکے بعد چلے جاؤ۔

سنو! جب ہم پہلی مرتبہ بمبئی پہونچے اور لوگ ہمارے پاس جمع ہوئے تو سوچا کہ ان سے کیا گفتگو کروں پھر ان سے یہ کہا کہ آپ لوگوں کو شاید یہ خیال ہوتا ہو کہ معلوم نہیں کس لئے یہاں آگیا ہوں تو میں آپ لوگوں کو دیکھنے کے لئے آگیا ہوں ۔ اور دیکھنے سے مراد تمھاری صورت دیکھنا نہیں ہے بلکہ سیرت دیکھنے آیا ہوں کہ کس حال میں ہو آیا تم میں کچھ حیات باقی ہے یا سب کھو چکے ہو۔

جو خط میں نے سنایا ہے اسکے بارے میں چوٹی کی جو بات لکھنی ہے وہ یہ کہ ابکی دفعہ بمبئی میں یہاں آنے سے ایک روز قبل جبکہ لوگ مجلس کیلئے وہاں جمع ہو چکے تھے اور میں ٹہل کر واپس آیا تو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اخبار میں آپ کا نام آگیا ہے حالانکہ میں پہلے ہی سے ان لوگوں کو منع کر چکا تھا کہ اس قسم کی کوئی حرکت مت کرنا اور وہاں کے عوام و خواص طبقہ کو برابر دیکھتا رہا

ان عوام الناس کو ہم لوگ دیکھتے رہتے ہیں کہ یہ کدھر کو چل رہے ہیں اسیطرح علماء کو بھی دیکھتے رہتے ہیں۔ چنانچہ وہاں کسی نے کچھ نہیں کہا لیکن چلتے چلاتے یہ بات پیش آگئی میں نے اخبار منگا کر دیکھا تو اسمیں میرے متعلق یہ بات نکلی کہ میرا ایک خاص چیز سے تبریہ کیا گیا تھا کہ وہ اس میں شریک نہیں اور فلاں آدمی نے غلط انکے بارے میں یہ شہرت کی ہے۔

پھر میں نے حاجی صاحب سے کہا کہ میں کسی سے کچھ نہ کہونگا تم کو اگر کچھ کہنا ہو تو کہدو اسکے بعد ایک آدمی سے کہا کہ موٹر لاؤ اسٹیشن جائیں گے اور کسی گاڑی پر سوار ہوکر چلے جائیں گے راستہ میں کسی اسٹیشن پر رہیں گے جب بقیہ لوگ جنکا ٹکٹ کل کا ہے روانہ ہوں گے تو راستہ سے ان کا ساتھ ہو جائے گا۔

وہاں بہت سے لوگ موجود تھے میں نے کسی طرف رخ بھی نہیں کیا اور نہ ان سے کچھ کہا اور ان میں سے کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ کچھ کہتا یا آکر مجھکو روکتا آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ آخر بات کیا ہوئی جسکی وجہ سے بہت ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ کسی آدمی نے بتلایا کہ اخبار دیکھو اسمیں یہ بات لکھی ہے جسکا یہ نتیجہ ہوا۔ لوگوں نے جب اخبار دیکھا تو بہت خفا ہوئے کہ اخبار میں انکا نام کیوں آیا وہ تو ان چیزوں میں رہتے نہیں اور میں وہاں سے موٹر پر بیٹھکر روانہ ہوگیا اور ایک مسجد میں جاکر بیٹھ گیا جہاں میرے کچھ لوگ تھے، پھر لوگوں نے آکر بہت کوشش کی اور کہا کہ چلئے میں نے کہا وہاں سے تو چلے آئے اب پھر وہیں جائیں؟ ایسا نہیں کریں گے۔ ایک صاحب نے کہا ہمارے وہاں چلئے میں نے کہا ہاں آپ کے یہاں چل سکتا ہوں لیکن گھر کے لوگ جہاں ہیں وہیں پر رہیں اور وہیں سے اسٹیشن جائیں گے۔

اصل میں مجھے ان لوگوں کو یہ بتلانا تھا کہ ہم منع کر چکے تھے کہ کوئی چیز خلاف نہ کرنا شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم کبھی اسی طرح آتے ہیں کہ تمھاری پھونک سے اڑ جائیں تو ایسا نہیں ہے ہم یہاں سمجھ بوجھ کر آئے ہیں کہ تمھاری خصلت یہ ہے کہ عوام وخواص سب مل کر ایک آدمی کو اڑا دینا چاہتے ہو تو ہم تمھاری پھونک سے اڑ نہیں سکتے۔

اور چاہو کہ یہاں سے نکال دو تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔

چنانچہ اسکا اچھا اثر ہوا اور اسی کا یہ نتیجہ ہے جسکو حکیم صاحب لکھ ہیں کہ لوگوں کے چہرے پر رونق نہیں ہے حالانکہ میں نے یہ اسلئے نہیں کیا تھا کسی کے چہرے پر رونق نہ رہے یا گھٹنوں سے چل نہ سکے بلکہ میرے دل میں بات آئی کہ یہاں بہت دن رہ چکے اب یہاں سے چلیں، اور جانا دو طرح کا ہے ایک خوشی کے ساتھ اور ایک ناخوشی کے ساتھ، اب یہ ان لوگوں کے ا میں ہے جس صورت کو چاہیں ترجیح دیں اگر کوئی بات نہ ہوتی تو خوشی خوشی جا ناخوشی کے ساتھ جاؤں گا لیکن دیکھا کہ اسکا لوگوں پر بہت اثر ہوا اور میں۔ اندازہ کیا کہ اتنے دنوں کی تعلیمات سے جو اثر ہوا اس سے کہیں زیادہ لوگ اس بات سے متاثر ہوئے۔

وہاں پر میری حیثیت ایک مسافر کی سی تھی اور وہ جگہ بہت بڑی تھ لیکن میں کسی سے بھی ڈرا نہیں۔ اور نہ اس لئے یہ معاملہ کیا تھا کہ ان پر اثر بلکہ یہ سوچا کہ جب یہ لوگ اثر پذیر نہیں ہو رہے ہیں تو یہاں سے چلا جانا چاہیئے جب میں نے دیکھا کہ یہ متاثر ہیں اور یہ سمجھ گئے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا ا ہم لوگوں کو انکے مذاق کو سمجھنا چاہیئے تھا اور اسکے خلاف کوئی بات نہ چاہیئے تھا اور وہاں اسٹیشن پر بھی بہت کافی تعداد میں لوگ آئے اور لئے ہوئے تھے اور پھر یہ خط بھی آگیا کہ لوگوں کے چہرے پر مفارقت۔ رونق نظر نہیں آتی تو میں نے لکھدیا کہ تھوڑے سے ایام کو کسی طرح گ لیجئے یہاں بھی کچھ کام کرنا ہے کام کرکے حاضر ہوتا ہوں۔

سنیئے! محبت سے اصلاح ہوتی ہے اور خوف سے بھی کسی عا اگر اتنا بھی خوف نہ ہو کہ اسکی ناراضی سے لوگ کوئی اثر نہ لیں تو پھر اسکے وجود و عدم دونوں برابر ہے۔

خوف و محبت یہ دونوں الگ الگ چیزیں نہیں کہ ایک دوسرے

منافات ہو بلکہ محبت میں بھی خوف ہوتا ہے یعنی محب کو محبوب کی ناراضی کا خوف ہوتا ہے اور ہر وقت وہ ڈرتا رہتا ہے کہ کوئی بات نہ سرزد ہو جائے جو محبوب کو ناگوار ہو۔

میں نے یہ تحریر لکھکر شائع کی ہے کہ مدرسہ دارالعلوم ہمارے بزرگوں کی امانت ہے انھوں نے اسکا حق ادا کیا اور اب ہمکو سپرد کیا ہے تو اسکی حفاظت کی ذمہ داری اب ہم پر عائد ہوتی ہے اور اس امانت سے میری مراد مدرسہ کی دیوار و عمارت نہیں ہے بلکہ بزرگوں کے اخلاق امانت ہیں۔ اسلئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اخلاق اور حدیث و قرآن دین ہیں اسلئے اسکی اشاعت کرتے تھے۔

میں یہ سمجھتا ہوں اور اسکو برابر کہتا بھی رہتا ہوں کہ اخلاق محمدیؐ اگر نہیں اختیار کروگے تو دین تو بجائے خود رہا دنیا کی بھی فلاح نہیں ملے گی دنیا کا قیام بھی اخلاق ہی پر موقوف ہے اگر اخلاق نہیں اختیار کروگے تو تباہ ہوجاؤگے اور اب تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ بداخلاقی کی وجہ سے لوگوں کے گھر بھی تباہ ہیں اور باہر بھی اور اسی کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ مدرسہ میں جو طلبہ پڑھتے ہیں وہ مدرسین مہتمم سے اپنے مطالبات کرتے ہیں حالانکہ مدرس و مہتمم کو چاہیئے کہ اپنے حقوق کا مطالبہ ان سے کریں لیکن آج اس وقت بالکل قلب موضوع ہوگیا ہے

میرے مخاطب اس وقت یہ طلبہ ہیں جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ان سے کہہ رہا ہوں کہ آخر تم نے یہ بداخلاقی کہاں سے سیکھی ؟ تم کو استعداد تو خاک نہیں ہوتی کہ اگر کوئی کتاب دیدی جائے تو اسکو پڑھا سکو اور مطالبات منوانے کے لئے تیار۔ اسکی اصل وجہ یہی ہے کہ مدرسوں میں آکر اسی قسم کی خرافات میں اپنے اوقات ضائع کرتے ہو نہ تعلیم کی طرف توجہ کرتے ہو نہ اخلاق کی طرف اسی کو برابر کہا کرتا ہوں کہ تم نے اپنی بداخلاقیوں کی وجہ سے اپنے گھر کو فاسد کرلیا مدرسہ کو فاسد کرلیا اب ہماری جگہ کو فاسد کرنے کیلئے یہاں جمع ہو۔ لیکن

یاد رکھو تم اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ طالب علم اپنے اساتذہ کے سامنے ایسا مرعوب ہوتے تھے جیسے بادشاہ کے سامنے رعایا کوئی بھی دم نہیں مار سکتا تھا اب یہ چیز نہیں رہی اور اس رعب کے نکلنے کی وجہ کہ اعتقاد نہیں رہا اور پہلے بزرگوں سے اعتقاد تھا اور محبت بھی تھی اور خوف بھی تھا اور اعتقاد نکل جاتا ہے تو خوف و محبت سب ختم ہو جاتی ہے۔ ایک لوی صاحب کہتے تھے کہ بعض ایسے تھے جو دین کیطرف نہیں آتے تھے آزاد تھے مگر ایمان اتنا تھا کہ جب مسجد کیطرف سے گذرتے تو کھڑے ہو جاتے تھے اور تھوڑی دیر تک اسیطرح اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہتے تھے کہ ہم ہیں اور پھر چلے جاتے تھے اسی طرح برابر کرتے تھے یہ حالت تھی ان مسلمانوں کی جو بد دین کہلاتے ہیں اور۔۔۔ صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ "دارالعلوم کا سرمایہ یہی توجہات اہل اللہ ہیں انکی اسکی بنیاد قائم ہے اور انھیں پر اسکی عمارت قائم ہے" تو اس کے متعلق یہ کہ "یہ بات پہلے ضرور تھی لیکن اب تو یہ بات رہی نہیں لہٰذا یوں کہنا چاہیے کہ — حقیقی اہل اللہ کی توجہات تھیں انھیں پر اسکی بنیاد قائم تھی اور انھیں پر اسکی عمارت قائم تھی اور سے اہل اللہ کی توجہات کو لوگوں نے ختم کر دیا اسی وقت سے اسکی بنیاد کھوکھلی ہونے لگی سے بڑا کام ان بزرگان دین نے یہی کیا کہ اہل اللہ کی توجہات کو اپنی طرف سے ہٹا نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان موقع پاکر گھسا اور اس نے خوب اچھی طرح اپنا کام کیا اسکا کچھ آسان نہ تھا لیکن پورا زور اس کے ختم کرنے میں صرف کیا گیا — مگر اب بھی اگر کو کا بندہ کھڑا ہو جائے تو سب لوگ مل کر بھی اسکو ختم نہیں کر سکتے۔

اب ایک بات اور سنو! ایک شخص لاہور میں تھا وہ کہتا پھرتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو لاہور کو ا ایک بزرگ نے خیال کیا کہ واقعی یہ شخص اس مرتبہ کا ہے یا یونہی کہتا ہے متوجہ ہوئے اللہ تعالیٰ کی طر معلوم ہوا کہ یہ شخص اس درجہ کا نہیں پھر اسکے پیر کیطرف متوجہ ہوئے تو معلوم کہ وہ واقعی اس درجہ کے تھے اپنے پیر کے بھروسے پر یہ شخص ایسا کہا کرتا ہے اب اسکو کچھ نہ کہنا چاہیے یہ خود تو ایسا نہیں ہے لیکن اس تھا اس سے معلوم ہوا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی خود کچھ نہیں ہوتا مگر پیر کے بھروسے پر کچھ کہہ دیتا ہے۔

میں ایک مضمون لکھوا رہا ہوں اسکو مدرسے میں بھیجو نگا کہ سب بڑے سین اور طلبہ کو جمع کر کے سنا دیا جا اسکے بعد جو چاہیں کریں۔

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸۲)

حال: نہایت مؤدبانہ خدمتِ بابرکت میں یہ ناکارہ عرض رسا ہے کہ تربیت سے ممانعت کا خط اس ناکارہ کو وصول ہو چکا ہے۔

حضرتا! ایسی تعلیم و تربیت سے جو اللہ و رسول کی ناراضگی، اپنے حرمان اور دوسرے بھائیوں کی ضلالت اور گمراہی کا موجب اور مقدمہ بن جائے الحمدللہ ثم الحمدللہ قلبی نفرت اور بغض، حضور والا ہی کی دلی دعاؤں شفقتوں اور عنایات خصوصی کی برکت سے پیدا ہے، اللہ نہ کرے اس حقیقت کے برعکس کی ہوس پیدا ہو۔

اپنے اختیار کو ایسی مہلک تعلیم میں صرف کرنے کے بجائے یہ کہیں اچھا ہے کہ حق تعالیٰ اختیار اور قدرت ہی کو سلب کرلیں اور سا تھ ایمان کے دنیا سے اٹھالیں۔ آمین ثم آمین۔

حضور والا ہی کے توسل سے حق تعالیٰ کی پناہ کا بجان و دل طالب ہوں۔ بامراد ہونے کی دلی دعاؤں کا یہ ناکارہ اشد درجہ محتاج ہے

تحقیق: دعا کرتا ہوں

حال: اپنی موجودہ پریشانیوں، ضیق اور اضطراب کو مستحضر کر کے یہ ناکارہ خدمت بابرکت میں بجان و دل ملتجی ہے کہ اگر یہ ناکارہ شروع سے آج تک جملہ امور و معاملات میں ارشادگرامی کے خلاف اپنے ہوش و حواس سے تلبیس و نفسانیت کو کام میں لاتا رہا ہے

تحقیق: یہ سچ کہہ رہے ہیں۔

سال: اور نفاق وکذب کو پال کر آمد ورفت اور مراسلت جاری رکھا ہے
تحقیق: بیشک یہی بات ہے۔
سال: تو اپنی اس ریا کاری کی پاداش میں جو سزا ملی ہو کم ہے اور تکالیف بھگتنی ناگزیر ہے۔
تحقیق: اعتراف اسکا کم نہیں ہے، اس پر ندامت اور حقیقی ندامت یہ کم سزا نہیں ہے۔
سال: البتہ اپنی کم فہمی اور جہل اور قلت فکر وطلب سے آج تک جتنی بھی کوتاہیاں ظہور پذیر ہوتی رہی ہیں اور اپنے اور دوسروں کے حرمان کا موجب اور حضور والا کے قلب مطہر کے تکدرات کا پے درپے سالہا سال سے کسی نہ کسی لون سے موجب بنتی رہی ہیں ان سب کو اللہ واسطے دل سے معاف فرما دیں۔
تحقیق: بھائی اب تو نہ کرو۔ دیکھو! میں نے لکھا تھا کہ "اپنے مرتبہ سے بڑھکر بات نہ لکھا کرو" آپ نے پھر لکھا کہ "ہاں ہاں اس کور دہ میں میں مامور من اللہ ہو جاؤں" یہ سب باتیں انتہائی مذموم ہیں۔ جانتے ہیں کیا بات ہے کسی نے میرے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہوگا آپ کے نفس نے اپنے لئے بھی اس مرتبہ کو تسلیم کرلیا اور دعا کی صورت میں اسکو ظاہر کیا۔
سال: اور عنداللہ معافی کی دل سے دعا فرما دیں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں
سال: حضور والا سے اس ناکارہ نے اپنی عاقبت کی درستگی کے لئے یہ تعلق قائم کیا تھا وائے برمن کہ منشا گرامی کو کما حقہ سمجھنے سے قاصر رہا کیا معلوم کہ آئندہ کیا ہو طرح طرح کے پریشان کن خیالات دل ودماغ کو ماؤف کر رہے ہیں للہ اس ناکارہ کی دستگیری فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔
تحقیق: کرتا رہا ہوں۔
سال: حضور والا ہی کی دلی دعاؤں اور تعلیم وتربیت کی برکت سے حضور والا سے جو عقیدت وعظمت ومحبت قلب میں جاگزیں ہے انکے

البقا اور انکے فضل وکرم سے اسی کے صدقہ میں نوازے جانے کی نہایت وثوق کے ساتھ جو امیدیں بفضلہٖ تعالےٰ وابستہ ہیں انکے قائم ودائم رہنے کی دل سے دعا فرمادیں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: یہ ناکارہ اپنی پوری قدرت سے بگریہ والحاح نہایت پابندی سے تلافیٔ مافات کے لئے اپنی فہم ناقص میں توبہ واستغفار کر رہا ہے اور انشاء اللہ تادم آخر جاری رکھوں گا۔ انکے عنداللہ مقبول ہونے اور جو جو نعمتیں حضور والا کے واسطے سے اس ناکارہ کو وصول ہو چکی ہیں انکے بقا اور اپنی کھوئی ہوئی صحت کو واپس پانے اور مالی سد باب کے دفعیہ کی دل سے دعا فرمادیں۔ والسلام۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۲۹)

حال: حضرت مرشدی ومولائی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی۔

عرض ہے کہ گرامی نامہ نے بجواب عریضۂ احقر صادر ہوکر مشرف فرمایا جناب والا نے جو شفقت اور مرحمت فرمائی اسکا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں بس یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اس سایۂ رحمت کو بعافیت اور سلامتی کے ساتھ برقرار رکھیں اور ہمکو اس چشمۂ ہدایت سے فیضیاب فرمائے۔

جناب والا نے تحریر فرمایا ہے کہ "دیکھو بھائی! میرے ہی لوگوں نے بعض میرے ہی لوگوں کے خلاف قصداً اضرار پہونچانے کی کارروائی کی ہے اور بہت دنوں سے یہ کارروائی کر رہے ہیں مجھکو بہت تکلیف ہے اور لوگ انکی بزرگی کے معتقد ہیں اس وجہ سے میرا جی چاہتا ہے کہ الہ آباد نہ آؤں۔ آپ بتائیے کہ یہ حرکت میرے زمرہ میں داخل ہو کر

کرنی کیسی ہے ؟ میں ایسے لوگوں کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کرتا جو مسلمانوں کے درپئے آزار بنے ہوئے ہوں ، اگر یہ خط اگر آپکی مصلحت کے خلاف نہو تو دکھلا کر اسکا جواب حاصل کرکے جلد روانہ فرمایئے ؟"

جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے وہ بالکل بجا اور درست ہے واقعی ہم اگر حضور کے خدام میں داخل ہو کر ایسی حرکات شنیعہ کریں تو ہمارے اوپر تف ہے اور انتہائی محرومی ہے۔

احقر نے بسر و چشم تعمیل ارشاد کی اور بہت سے خدام والا کو وہ خط دکھلایا سبھوں نے ارشاد والا کی تحسین فرمائی اور اسکا اقرار کیا کہ ہم کو کسی حالت میں بھی درپئے آزار نہونا چاہیئے اور حضور والا کے ارشاد کو قبول کیا اور کہا کہ ہم کوشش کرینگے کہ کسی کو ضرر نہ پہونچائیں۔ حاجی صاحب نے بہت اس ارشاد کو سراہا اور تعریف کی اور یہ بھی فرمایا کہ میرے اوپر بہت مظالم ہوئے ہیں۔ آج شام کو ان مظالم کی تفصیل بیان کرنے کو مجھے بلایا ہے ، جاؤں گا۔

حافظ صاحب نے بھی بہت ارشاد والا کی تحسین کی اور یہ بھی کہا کہ سب سے زیادہ مظالم میرے اوپر کئے گئے ہیں۔ اب ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب اور ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب سے بھی آج ملوں گا اور مفصل عریضہ ارسال خدمت کروں گا۔ فقط۔

تحقیق : خانصاحب سلمہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط عین انتظار میں آیا۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ میری تحریر بہت لوگوں کو پسند ہوئی ، میں نے صرف اس وجہ سے لکھا تھا کہ میری نااہلی ظاہر ہو اور اسکا ثبوت ہو۔

اب تو آپ کے خط سے ظاہر ہو گیا کہ سب مظلوم ہیں۔ حاجی صاحب کے خط سے انکی مظلومیت نکلتی ہے۔ وہ لکھ رہے ہیں انکے یہ الفاظ ہیں

" مجھے سب سے بڑی مسرت یہ ہوئی کہ ہم جیسے بے اثر اور بے خاندان اور بے برادری مظلوم کا بھی کوئی حامی ہے ورنہ آجکل تو دنیا قوت کے ساتھ ہے کہاں کا عدل اور کہاں کا انصاف " حافظ صاحب سے دریافت فرمائیے اور ان سے کہئے کہ اس کے متعلق ضرور کچھ فرمائیں ـــــ ہر شخص مظلوم ہے اور ظالم کا کہیں پتہ نہیں۔

اب میں کچھ نہیں لکھوں گا ان حالات کے متعلق آپ لوگوں کے فیصلہ کا منتظر ہوں ضرور کوئی فیصلہ اور کوئی بات جس کو آپ اپنے ایمان اور دین سے سمجھتے ہوں لکھکر انتظار رفع فرمائیے اور معاملہ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں، ہر شخص خود وہاں اپنا جواب دہ ہے۔ اور میں نا اہلی کا اقرار کرتا ہوں کہ میرے لوگوں کو ایسا ہونا میرے نقصان کی دلیل ہے

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

اب اپنے دین کا ہر شخص ذمہ دار ہے۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۸۳۰)

حال: عرض ہے کہ ۳ رجون کو ایک عریضہ ارسال خدمت کرچکا ہوں جس میں کچھ لوگوں کے جوابات جو انھوں نے اس خط اور ارشاد عالی کو دیکھکر دیا تھا تحریر کیا تھا اور یہ عرض کیا تھا کہ کچھ لوگ باقی ہیں ان سے مل کر اور جوابات حاصل کرکے دوسرا عریضہ بھی روانہ کروں گا۔

واقعی حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ "میرے ہی لوگوں نے بعض میرے ہی لوگوں کے خلاف اضرار پہونچانے کی کارروائی کی ہے" بہت قبیح ہے اور حضور والا کے زمرہ میں داخل ہو کر ایسا کرنا تو بہت ہی زیادہ برا اور قبیح ہے

اللہ تعالیٰ اس قباحت سے محفوظ رکھیں، انشاء اللہ تعالیٰ اس سے کامل پرہیز کروں گا کہ مسلمانوں کا درپئے آزار ہوں، اللہ تعالےٰ میری مدد فرمائیں اب ان لوگوں کے تاثرات اور جوابات نقل کرتا ہوں، اور وہ یہ ہیں :۔

(۱) حاجی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب انکو میں نے وہ خط دکھلایا، انھوں نے بہت غور سے پڑھا اور ارشاد عالی کی بہت تحسین فرمائی اور فرمایا کہ حضرت نے میرے دل کی بات لکھدی واقعی حضرت کے زمرے میں داخل ہو کر اضرار پہونچانے کی کارروائی کرنا بہت برا اور معیوب ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں تم سے خود ملنا چاہتا تھا کہ اپنی پوری سرگذشت سنادوں۔

میرے اوپر بہت مظالم ہوئے ہیں تم مجھے کسی روز وقت دو تو مفصل بیان کروں ایک روز انھوں نے تقریبًا دو گھنٹہ تک اپنے اوپر مظالم کی داستان سنائی اور نام بنام بتایا اور یہ بھی کہ اب تک ان لوگوں کے ظلم میں مبتلا ہوں مقدمہ چل رہا ہے ۔ یہ فرمایا کہ حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے کل روانہ کروں گا۔

(۲) حافظ ۔ ۔ ۔ صاحب کو وہ خط اور حضرت والا کی تحریر دکھائی پڑھا اور اپنی پسندیدگی کا بہت اظہار فرمایا اور فرمایا کہ ہم لوگوں کو اپنے کو ایسا بنانا چاہیئے کہ ہم سے کسی کو اضرار اور ایذا نہ پہونچے اور یہ فرمایا کہ مجھ پر سب سے زیادہ مظالم ہوئے ہیں۔

انھوں نے اسکا بھی اظہار کیا کہ اگر حضرت والا ایسے لوگوں کو اپنے زمرے سے خارج فرمادیں تو انکو تنبہ ہو اور ہم لوگ بھی ان سے آگاہ ہوجاویں اور انکی بزرگی کا اعتقاد بھی جاتا رہے ـــــ یہ بات مجھ ہی سے کہی ہے اسکو حضرت کی خدمت میں لکھنے کو نہیں کہا ہے، میں نے انکی یہ بات خود ہی لکھدی کہ انکے خیالات حضرت والا کو معلوم ہوجائیں۔

(۳) حاجی ع ب ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کو بھی میں نے دکھلایا بہت توجہ اور

کے ساتھ پورا خط پڑھا اور بہت متاثر ہوئے اور یہ فرمایا کہ مجھ پہ بہت
ظلم ہوئے ہیں اور فرمایا کہ حضرت والا کو ہماری اصلاح اور ہماری بھلائی
کی کتنی فکر ہے کہ باوجود ہماری غفلتوں کے ایسی عنایتیں فرمارہے ہیں
کہ یہ تحریر روانہ فرمائی ہے جس پر عمل کرنے سے ہمارا ہی نفع ہے۔

میں نے عرض کیا کہ مجھ سے بھی کچھ فرمائیے جو آپکی طرف سے اس کے
جواب میں حضرت والا کو میں لکھدوں۔ فرمایا کہ تم اتنا ہی لکھدو کہ حضرت کی
اس تحریر کو دیکھکر میرا قبض دور ہوگیا طبیعت میں ایک جمود سا تھا وہ جاتا رہا
اب میں کل ہی حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھوں گا اور مفصل اپنے تاثرات
تحریر کروں گا

۴) ماسٹر ۔ ۔ ۔ صاحب کو بھی وہ خط دکھلایا انھوں نے بھی بہت پسند
فرمایا اور کہا کہ ہم لوگوں کو آپس میں ایسا برتاؤ کرنا چاہیئے کہ کسی کو ایذا نہ پہونچے
میں اسکا بہت خیال رکھتا ہوں کہ مجھ سے کسی کو ایذا نہ ہو اور میں حکیم الامت
رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سب سے بڑا بزرگ اور محقق حضرت والا ہی کو سمجھتا ہوں
اور کوئی دوسرا میری نظر میں جچتا ہی نہیں۔ اب میں اور زیادہ حضرت کے ارشاد
کا خیال رکھوں گا کہ مجھ سے کسی کو ضرر اور ایذا نہ پہونچے اور عریضہ لکھنے کا بھی ارادہ
ہے۔

۵) ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب نے فرمایا کہ پہلے جو کچھ ہوگیا وہ تو ہوگیا مگر آب انشاء اللہ
میری طرف سے ایذار رسانی نہ ہوگی

۶) قاری صاحب نے بھی اس خط کو بہت دلچسپی سے پڑھا اور بہت
متاثر ہوئے اور پوری موافقت حضرت والا کے ارشاد سے کی اور عمل کرنے کا
عزم کیا اُس خدمت کی انجام دہی میں مجھے نیک مشورے بھی دیتے رہے۔

شب میں ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب نے حضرت والا کی وہ تحریر بھی سنائی
جو اپنے ہمراہ لائے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کروں گا، خانہ جنگیوں سے

دور رہوں گا، آپس میں میل جول رکھوں گا، کسی کی دل آزاری نہ کروں گا ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کروں گا جو خدا اور رسول کی مرضی کے موافق ہو۔ اور حضرت والا اس کو پسند فرمائیں۔

ہمارے قلوب میں حضرت والا کی سچی قدر پیدا ہو جائے اور ہماری زندگی حضرت کے زیر سایہ گذرے اور حضرت کے برکات اور فیوض سے ہم لوگ بہرہ اندوز ہوں اور اپنے بزرگوں کے بدنام کنندہ نہ بنیں **تحقیق:** آمین

حال: ہمارے اعمال و اطوار سے ہمارے بزرگوں کی نیک نامی ہو۔ **تحقیق:** آمین

حال: اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہماری یہ نیک تمنائیں پوری فرمائیں۔

تحقیق: آمین۔

حال: ہم نے واقعی حضرت والا کی قدر نہ کی۔

جواب

خان صاحب سنئے! آپ کو معلوم ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خان کی وجہ سے میں اپنا مکان اور خانقاہ اور مسجد سب چھوڑ کر چلا گیا تھا اب اسکے تعلقات سنیئے ہر کام میں ہمارے پیش پیش رہتا ہے، ہمارے مشورہ میں شریک اور دل سے شریک رہتا ہے یہاں تک کہ اسکے ایک بچی کو اسی کے ذلیق کے ایک آدمی نے مار دیا تھا جس پر اس کو بہت غصہ آیا مگر یہ کہا کہ ہم مولانا کو لانے میں پیش پیش تھے اسلئے ہم فساد نہ کریں گے ورنہ بتاتے۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ کہاں تک وہ مان گیا ہے۔ اب گاؤں کا حال سنئے! چار بریلوی لوگوں نے اس مذہب سے تائب ہو کر مجھکو تحریر لکھدی کہ ہم دیوبندی ہیں اور آہستہ آہستہ امید ہے سب تائب ہو جائیں گے۔

(جاری)

کمالاتِ اشرفیہ

(۵۶)

(۱۵۹) کسی کو ایک صاحب نے قریب مغرب طالب علموں کی دعوت کی اطلاع کرنے کو بھیجا حضرت والا نے فرمایا کہ عین کھانے کے وقت اطلاع کا طریقہ نہیں، یہی علامت اسکی ہے کہ ان کو طلبار سے محبت نہیں صرف اس نیت سے طلبار کو کھلاتے ہیں ایسے موقعوں پر کہ کوئی آلا بلا ہو تو دور ہو جاوے۔ اگر محبت تھی تو جیسے برادری کو صبح کے وقت اطلاع کی تھی ان کو بھی اسی وقت کی ہوتی اخفیں تو صبح اطلاع کی اور ان غریبوں کو شام کو اطلاع کرنے آئے ہیں، بس وجہ یہی ہے کہ انکو فضول بیکار مد سمجھا گیا سو ہمارے یہاں کے طلبار گو غریب ہیں لیکن ایسے گرے پڑے نہیں۔ یہ کسی کے بھروسے یہاں نہیں پڑے ہوئے ہیں خدا کے بھروسہ ہیں۔ عزت سے روکھی روٹی کھانا اس سے اچھا ہے کہ بریانی اور تنجن کھائیں مگر ذلت ہو۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ حضرت جنیدؒ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ کچھ کام ہے ایک درویش کو میرے ساتھ کر دیجئے حضرت نے خانقاہ میں ایک درویش سے فرمایا کہ ہم لوگ اسی کے واسطے ہیں کہ مخلوق کی خدمت کریں کیونکہ ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست　　بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(مخلوق خدا کی خدمت ہی اصل طریقت اور راہِ سلوک ہے، صرف تسبیح اور مصلی اور گدڑی خرقہ کی کوئی حیثیت نہیں)

بھائی جاؤ مسلمان بھائی کا کام کر آؤ۔ وہ سمجھلے کہ اسکا کوئی کام ہوگا تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص لوٹا اور درویش کے سر پر خوان تھا خانقاہ والوں کے لئے کھانا لایا تھا اسی واسطے یہاں سے آدمی لوا گیا تھا حضرت جنیدؒ دیکھکر مارے غصہ کے سرخ ہو گئے، فرمایا کیوں صاحب کیا یہی قدر ہے اللہ اللہ کرنے والوں کی؟ انھیں کے لئے تو کھانا اور انھیں کے سر پر رکھوا کر لائے اسی وقت وہ کھانا واپس کردیا کہ ایسے کھانے کی ہمیں ضرورت نہیں پس اگر یہ تکبر ہے تو ہمیں حضرت جنیدؒ نے سکھلایا ہے وہ درویش بھی تھے اور عالم بھی تھے، اب اس میں یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح طالب علم بڑے مغرور ہو جائیں گے لیکن اسکے لیے میں نے کہہ رکھا ہے کہ مزدوری کر لیا کرو، چنانچہ مہمانوں کا سامان اسٹیشن تک پہونچانے کیلئے طالب علم چلے جاتے ہیں اور چار آٹھ آنے کما لیتے ہیں۔ سر پر اسباب لیجانا اور مزدوری کرنا ذلت نہیں، اور اس طرح لینا کھانے کا ذلت ہے تکبر کا تو میں نے یہ علاج کیا اور ذلت کا یہ کہ کسی کے دروازہ پر نہ جانے پھر فرمایا کیا کروں جہاں کسی کے کلام سے ذرا طالبعلموں کی اہانت مترشح ہوئی بس فوراً طبیعت متغیر ہو جاتی ہے۔ اجی اگر وہ (داعی) یہ کرتے کہ دعوت کو تو کہتے نہ، کھانا بھیجدیتے اور اس طرح کہتے کہ اجی ہم ایک چیز کھانے بیٹھے جی چاہا کہ اپنے محبوب کو بھی کچھ بھیجدیں۔ اس میں کیا حرج ہے؟ مگر ایسی ترکیب و باتیں صحبت سے معلوم ہوتی ہیں۔

ف: اس سے قدر طلباء و شان تربیت و طرز سلف سے موافقت ظاہر ہے۔

(۱۶۰) ایک طالب علم نے عرض کیا کہ میری سمجھ میں کتابیں تمام فن کی نہیں آتی، فرمایا کہ بس یہ کافی ہے کہ استاد کی تقریر کے وقت نفس مطلب سمجھ میں آجاوے یاد رہے یا نہ رہے، کتاب اگر حل ہو جاوے انشاءاللہ بعد ختم کے جب خود مطالعہ کریں گے استعداد ہو جاوے گی، بیدل نہ ہوجئے

یاد رہے یا نہ رہے کچھ پرواہ نہ کیجئے۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی کو نفس مطلب بھی سمجھ میں نہ آوے تو ایسی صورت میں ضروری مسائل اردو میں پڑھ لینا کافی ہے۔

ف : اس سے حضرت والا کا تجربہ سہولت پسندی عقل سلیم صاف ظاہر ہے

(۱۶۱) فرمایا کہ دو چیزیں باوجود تکرار مطالعہ کے بھی ضبط نہیں رہتیں۔ مطالب مثنوی شریف اور معانی قرآن مجید۔

(۱۶۲) ایک صاحب نے دق کے لئے تعویذ مانگا فرمایا پڑھنے کا زیادہ اثر ہوگا تعویذ کا کیا اثر۔ پابندی کے ساتھ روزانہ بعد فجر ۴۱ بار الحمد شریف پانی پر دم کرکے دن بھر پلاتے رہیں جب پانی کم رہ جاوے اور ملالیں۔

ف : شفقت اور سہولت پسندی صاف ظاہر ہے۔

(۱۶۳) فرمایا کہ کسی کا جھوٹا خواہ اپنے بزرگ ہی کا ہو مجھ سے نہیں کھایا جاتا طبیعت کی بات ہے۔

ف : یہ دلیل نفاست طبع کی ہے اور صاف کہہ دینا علامت بے تکلفی وعدم تصنع کی ہے

(۱۶۴) حضرت کے ایک عزیز ہیں جو واعظ ہیں انھوں نے اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھائی ہے، حضرت ان سے بہت ناراض ہیں، حضرت نے انکو منع کر دیا ہے کہ میرے پاس خط مت بھیجا کرو فرمایا کہ انھوں نے اس بات کو گوارا کرلیا لیکن انگریزی پڑھانا نہ چھوڑا۔ فرمایا کہ میں نے کہا کہ شرم نہیں آتی کہ وعظ کہنے ہو اور انگریزی اپنے بچوں کو پڑھاتے ہو اگر مولوی نہ ہوتے تو اتنا ناگوار نہ ہوتا۔ اب کیا منہ رہا منبر پر بیٹھکر دین کی ترغیب دینے کا۔ انھوں نے عذر پیش کیا کہ لڑکے کم عقل ہیں اسلئے علم دین پڑھانے کے قابل نہ تھے۔ میں نے کہا سبحان اللہ اس صورت میں تو انکو علم دین پڑھانا اور بھی زیادہ ضروری تھا کیونکہ اگر کم عقل نہوتے

تو انکے بگڑنے کا اتنا اندیشہ نہ تھا عقل انکو برائیوں سے روکے رہتی اب جبکہ عقل بھی نہیں اور علم دین بھی نہ ہوگا تو کیا چیز ان کے پاس رہی جو شر اور فتنوں سے محفوظ رکھ سکے گی یہی دو چیزیں ہیں جنکے ذریعہ سے آدمی برائیوں سے بچ سکتا ہے اسکا ان سے کچھ جواب نہ بن سکا۔

ف: اس سے حضرت والا کا کمال فہم اور تجربہ و فراست اور اصلی محبت عزیزوں کے ساتھ صاف ظاہر ہے۔

(۱۶۵) فرمایا کہ جب میں کوئی مضمون یا کتاب لکھتا ہوں تو ناغہ نہیں کرتا بعض روز بالکل فرصت نہ ملی تو برکت کے لئے صرف ایک ہی سطر لکھ لی اس سے تعلق قائم رہتا ہے ورنہ اگر ناغہ ہو جائے تو پھر بے تعلق ہو کر مشکل سے دوبارہ نوبت آتی ہے۔

ف: اس سے کمال ضبط اوقات ظاہر ہے۔

(۱۶۶) ایک ذی علم عشق مجازی میں مبتلا ہو گئے ان کو دھوکہ ہوا کہ یہ نفسانی محبت نہیں حضرت نے قطعًا محبوب سے علٰحدگی کرادی۔ ان صاحب کی رائے ہوئی کہ اس افتراق سے بجائے نفع کے نقصان ہوا وہ کہتے تھے کہ میں اپنی طبیعت سے خوب واقف ہوں اگر مجھے علٰحدہ نہ رکھا جاوے تو میں اس بلا سے نکلکر دکھلادوں، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو زہر عام طبائع کے اعتبار سے مضر ہے لیکن بعض خاص طبائع کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ حضرت کو انکی اس رائے کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اول تو مریض کو حق نہیں کہ طبیب کی تجویز میں دخل دے۔ دوسرے یہ کہ زہر تو کبھی جائز بھی ہے لیکن معصیت تو ہر حال میں معصیت ہے جب میں اسکو معصیت سمجھتا ہوں پھر اختلاط کی کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔ البتہ خود انکو اپنی نیت کا معلوم ہے اگر وہ اسکو معصیت نہیں سمجھتے تو وہ بطور خود جو تدبیر نافع سمجھیں کریں مگر اس طرح پر کہ مجھے علم نہو کیونکہ جب میں معصیت

سمجھتا ہوں تو میں اجازت دے کر کیوں گنہگار رہوں۔ پھر فرمایا کہ یہ انکا خیال غلط ہے کہ اختلاط سے کمی ہو جاوے گی اس وقت ایک تسلی سی ہو جاتی ہے لیکن پھر افتراق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محبت کم نہیں ہوئی بلکہ اور زیادہ بڑھ گئی یہ بھی فرمایا کہ یہ نفسانی ہی محبت ہے لیکن انکی سمجھ میں نہیں آتا اور انکی گریہ و بکا کی حالت سنکر مسکرا کر فرمایا کہ برسات کا موسم ہے، ہوا ہے بارش ہے سب ٹھیک ہو جاویں گے۔ میرے دل میں حق تعالےٰ نے ڈال رکھا ہے کہ انھیں جلد اس سے نجات ہو جاوے گی اسلئے مجھے اطمینان ہے انھوں نے اسکو اپنے توہمات سے اور بڑھا لیا ہے اور بہت بڑا سمجھ رکھا ہے مجھے معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مبتلا پر مجھے غصہ نہیں آتا۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کا ملکۂ شناخت کیود نفسانیہ کا اور کمال تجربہ اور ظرافت اور مبتلا کو بغایت درجہ تشفی و تسلی دینا معلوم ہوا جس کو بیحد دخل ہے مرض کے ازالہ میں۔

۱۶۷) ایک طالب علم جو حضرت کی خدمت میں حاضر تھے ان کے پانچ روپیہ قرض کسی دوسرے طالب علم کے ذمہ تھے جو سہارنپور کے مدرسہ میں پڑھتے ہیں، انکو روپیہ کی ضرورت ہوئی انھوں نے قرض دار طالب علم کو لکھا ہوگا قرض دار طالب علم نے سہارنپور سے حضرت کو خط لکھا کہ آپ پانچ روپیہ میری جانب سے دیدیجئے میں آپ کو بھیجدونگا۔ حضرت نے فرمایا اس قصہ میں کون پڑے، یاد رکھنے اور پھر وصول کرنے کا کام اپنے ذمہ کیوں بڑھایا جاوے اس سے یہ سہل ہے کہ خود ان موجودہ طالب علم کو مدرسہ سے بطور امداد کے خرچ دے دیا جاوے پھر یہ اپنا روپیہ ان سے جب چاہیں وصول کریں (یہ طالب علم غریب ہیں) پھر فرمایا کہ مجھے قرض لینا دینا دونوں ناپسند ہیں چنانچہ حضرت ملا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

مدہ شاں قرض مستاں نیم حبہ فان القرض مقراض المحبۃ

نہ لوگوں کو قرض دو اور نہ آدھے جو کے برابر کسی سے قرض لو۔ کیونکہ قرض ہر صورت محبت کی قینچی ہے (جو دوستی کو کاٹ کر رکھدے گی اور صداقت عداوت سے بدل جائے گی)

ف: اس سے حضرت والا کا کمال تجربہ اور قلب کو ہر وقت ہلکا پھلکا رکھنا گرانی سے فارغ رکھنا صاف ظاہر ہے۔

(۱۶۸) فرمایا کہ اب تو کانپور کے گلی کوچوں میں ظلمت برستی ہے شہر کی شکل بھونڈی بھونڈی معلوم ہوتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نہ دین ہے نہ علم، بالکل ظلمت ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کا نور معرفت و نورانیت قلب صاف ظاہر ہے۔

(۱۶۹) فرمایا کہ میں تو یہاں تک احتیاط کرتا ہوں کہ ایسے شخص سے بھی قرض نہیں لیتا جسکی امانت میرے پاس ہو یا مجھے علم ہو کہ اس کے پاس روپیہ آنے والا ہے اور اسے بھی علم ہو کہ اسے علم ہے ہمیشہ ایسے شخص سے لیتا ہوں جو انکار کر سکے اور کسی قسم کا اس پر اثر یا دباؤ نہ ہو ان امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے جو اپنا لحاظ کرے کیا اسکا یہی حق ہے کہ اس سے منتفع ہوا کرے؟ طالب نفع تو ایسے شخص سے ہونا چاہیئے جو اگر چاہے تو صاف آزادی سے انکار کر سکے اور جو انکار پر بوجہ عقیدت یا لحاظ یا دباؤ کے قادر نہ ہو اس سے کبھی نہ چاہیئے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا دوسرے کی گرانی قلب کا کس قدر لحاظ فرماتے ہیں۔

(۱۷۰) فرمایا کہ میں تو فتویٰ نہیں دیتا مگر مشورہ ضرور دونگا کہ گھر کا انتظام بیوی کے ہاتھ میں رکھنا چاہیئے یا خود اپنے ہاتھ میں، اوروں کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیئے چاہے وہ بھائی یا بہن ہو یا ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں

اس سے بیوی کی بڑی دل شکنی ہوتی ہے یا تو خاوند خود اپنے ہاتھ میں خرچ رکھے ورنہ اور رشتہ داروں میں سب سے زیادہ مستحق وہی ہے بیوی کا صرف یہی حق نہیں کہ اسکو کھانا کپڑا دیدیا بلکہ اسکی دلجوئی بھی ضروری ہے۔ دیکھئے فقہاء نے بیوی کی دلجوئی کو یہاں تک ضروری سمجھا ہے کہ اسکی دلجوئی کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز فرما دیا اس سے کتنی بڑی تاکید اس امر کی ثابت ہوتی ہے، یہاں سے بیوی کے حق کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسکی دلجوئی کے لئے خدا نے بھی اپنا ایک حق معاف کر دیا۔

ف: اس سے حضرت والا کی مراعاۃ بالاہل کی تعلیم وتاکید اظہر من الشمس ہے

(۱۷۱) حضرت خواجہ صاحب جبکہ بوضع تنخواہ طویل رخصت لیکر تھانہ بھون حاضر ہوئے تھے تو انکی اہلیہ نے حضرت کی دعوت کرنے کا مع متعلقین و چند اعزاء و مہمانان کے ارادہ کیا حضرت نے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ آپ یہاں مقیمانہ زندگی بسر کیجئے بلکہ مسافرانہ طور پر رہیئے دعوتوں کو بالکل حذف کیجئے نہ میری نہ کسی کی اگر ایک پیسہ بھی کہیں سے بچ سکے تو بچائیے اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکی اور محبت سے کھلانے کو جی چاہا تو ایک پیالہ میں رکھکر بھیجدی جاوے دو روٹیاں بھی اوپر سے رکھدیں کوئی خاص تکلف کی ضرورت نہیں یہ کیا ضرور ہے کہ دعوت ہی ہو اور خاص طور سے اہتمام کر کے کوئی نئی چیز بھی پکوائی جاوے۔ اور آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ فلاں وقت آپ کے یہاں سے جو کھانا آیا تھا وہ زیادہ تھا اجی ہم دو میاں بیوی ہیں باقی اور تو سب جی جوڑا کنبہ ہے جس وقت چاہیں حذف کر دیں اگر کبھی کوئی چیز بھیجی جاوے تو بس صرف اس قدر کہ ہم دونوں مل کر کھالیں مع اس کھانے کی رعایت کے جو خود ہمارے یہاں پکا ہو یعنی بس وہ کھانا ایک شخص کے لائق ہو پھر ہم چاہے سب خود کھالیں چاہے تھوڑا تھوڑا سب کو تقسیم کر دیں، آپ ایک شخص کے اندازہ سے زیادہ نہ بھیجیں۔

ف: اس سے حضرت والا کی کس قدر سادگی طبیعت کی اور مراعاۃ اپنے احباب کی معلوم ہوتی ہے اسی طرح تکلف وتصنع سے عذر صاف ظاہر ہے۔

(۱۷۲) فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے مال خرچ کرنا تو آسان مگر سفارش میں زبان ہلانا جہاں تک ہم ہو کہ ہمارا دباؤ مانے گا موت ہے کیونکہ یہ وہم پیدا ہوجاتا ہے کہ نہ معلوم بیچارے کی کیا مصلحت فوت ہو کیا اثر ہو، ایک صاحب سفارش لکھانے آئے میں نے سفارش کی مذمت کی بھی باتیں سنائیں مگر پھر بھی انھوں نے کہا لکھدو میں مغلوب ہوگیا میں نے کہا تم ایک رقعہ میرے نام لکھ لاؤ جس میں سفارش کی درخواست ہو میں اس پر لکھدوں گا (میں جب سفارش کرتا ہوں تو ایسا ہی کرتا ہوں تاکہ اس بیچارے مخاطب کو معلوم تو ہوجائے کہ کاتب کی ابتدائی رائے نہیں ہے دوسرے کی درخواست پر لکھا ہے، غرض حد تو معلوم ہو کہ آیا سفارش کرنے والا ایسا شخص ہے کہ اسکو خود کوشش ہے یا محض دوسرے کے کہنے کا اثر ہوا) چنانچہ انھوں نے رقعہ لکھدیا، میں نے اس پر لکھدیا کہ انھوں نے مجھ سے سفارش کی یہ درخواست کی ہے اگر آپکی کوئی مصلحت فوت نہ ہوتی ہو اور آپکی وضع کے خلاف بھی نہ ہو، کسی قسم کا بار بھی نہ ہو تو یہ خاص آپ کے ممنون ہونگے اور دعا کیا کریں گے (میں یہ نہیں لکھتا کہ میں ممنون ہوں گا لکھتا ہوں کہ یہ ممنون ہوں گے)۔ پھر میں نے لفافہ پر بھی لکھدیا کہ یہ صاحب قیام وطعام کا بندوبست خود کریں گے آپ تکلیف یا تکلف نہ کیجئے۔ لفافہ پر اسلئے لکھا کہ یہ صاحب بھی دیکھ لیں ورنہ جناب یہ ہوتا ہے کہ سفارش کا خط لے لیا اور پڑے ہیں مہینوں روٹیاں کھا رہے ہیں لوگوں کو کچھ سہارا چاہیئے یوں ہو رہے ہیں قصے اس قدر بے حیا بے مروت بننا پڑتا ہے کہ کچھ پوچھئے نہیں۔

ف، اس سے حضرت والا کے سفارش کا طرز صاف ظاہر ہے کہ کسی کے مصلحت کو فوت کرنا یا کسی کے قلب پر ذرا بھی گرانی ڈالنا خصوصًا جو اپنا لحاظ کرتا ہو ذرا بھی نہیں چاہیئے۔ نیز کمال عقل وتجربہ پر بھی دال ہے۔

(جاری)

رفع الموانع

(۶)

عفو و درگذر اب دوسرا مانع نعمت ہے کہ جو اپنی زیادہ گوارائی کے سبب مانع عن الطریق ہے اور ہمارے لئے رہزن بن جاتی ہے۔ آگے اس کے متعلق ارشاد ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ" یعنی اے ایمان والو! تمھاری بیبیوں اور تمھاری اولاد میں سے کچھ تمھارے دشمن بھی ہیں تو تم ان سے احتیاط رکھو" ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو اپنے اندر مشغول کرکے راہ حق سے ہٹادیں، اور گو نعمتیں تو بہت ہیں لیکن دنیا میں اولاد اور ازواج انسان کو بہت محبوب ہوتی ہیں اسلئے بالتخصیص ان کا ذکر فرما کر ان سے تحذیر فرماتے ہیں۔ اور اس آیت میں جو ازواج اور اولاد کو حق تعالیٰ نے مانع عن الطریق فرمایا ہے تو انکا مانع ہونا دو طریق سے ہے۔ اول طریق تو یہ ہے کہ اولاد و ازواج ایسی فرمائشیں کریں کہ جو خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہیں اور یہ مغلوب ہوکر انکا ارتکاب کریں۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ وہ تو کچھ نہیں کہتے مگر یہ خود انکی محبت میں ایسا مستغرق ہے کہ وہ محبت اسکو مانع بن رہی ہے۔ پہلی صورت میں مانعیت اختیاری ہوگی یعنی وہ مانعیت اولاد اور ازواج کے اختیار میں ہے اور دوسری غیر اختیاری ہرچند کہ ظاہر نظر میں یہ جملہ دونوں طریق کو عام معلوم ہوتا ہے لیکن آگے جو ارشاد ہے وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

ا اگر معاف کردو اور درگذر کردو اور بخش دو تو خدا بھی بخشنے والا مہربان
ہے) وہ قرینہ اسکا ہے کہ یہاں مانعیت اختیاری ہی مراد لی جائے جس پر
یہ محتمل ہونے کے بعد عفو و صفح کی ترغیب واقع ہوئی۔ چنانچہ شان نزول
سے بھی اس مراد کی تعیین ہوتی ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ قصہ یہ ہوا تھا
حضور کی خدمت میں باہر کے کچھ مسلمان علوم سیکھنے کے لئے آکر رہنا چاہتے
تھے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جو شخص کسی گھر میں بڑا ہوتا ہے اگر وہ کہیں
چلا جاتا ہے تو گھر بے رونق ہو جاتا ہے کبھی بعضی کلفتوں کا بھی خیال
ہوا کرتا ہے اسلئے گھر کی بیبیاں بچے یہ ہی چاہا کرتے ہیں کہ یہ کہیں نہ جائیں
چنانچہ انکو بھی اسی طرح روکا مگر بعد چندے جب یہ لوگ حضور کی خدمت میں
آئے تو انھوں نے دیکھا جو صحابہ ان سے پہلے آئے ہوئے تھے وہ اور مسائل
میں بہت دور نکل گئے انکو بڑی حسرت اور ندامت ہوئی کہ ہم بیوی بچوں ہی
میں رہے اور دوسرے لوگ بہت دور نکل گئے اور ہم سے بہت زیادہ
بڑھ گئے، یہ سوچ کر انکو اپنی اولاد اور ازواج پر غصہ آیا اور یہ ارادہ کیا
کہ گھر جاکر انکو خوب ماریں گے کہ ہم کو راہ حق سے مانع ہوئے تو جس وقت
انھوں نے روکا تھا اس وقت جزو اول آیت کا یعنی فَاحْذَرُوْهُمْ تک
نازل ہوا، اور جب انھوں نے انکے مارنے کوٹنے کا ارادہ کیا تو وَاِنْ
تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا الخ نازل ہوا مطلب یہ ہے کہ اگر تم معاف کردو اور سزا سے
درگذر کردو اور انکا گذشتہ قصور معاف کردو تو اللہ تعالے بخشنے والا رحم والا
ہے تمھارے گناہ بھی بخش دیگا اور تمھارے حال پر رحم فرمائے گا۔ پس
یہ قصہ اور جزو قرینہ اسکا ہے کہ یہاں اختیاری طریق مراد ہے۔

نہاک محبت اور دوسری صورت اس سے مستنبط ہوتی ہے کہ گو وہ
مدلول مطابقی نہیں ہے لیکن مدلول التزامی ضرور ہے
یوں کہو کہ مدلول نصی نہیں تو مدلول بدلالۃ النص ضرور ہے اور اس صورت

ہیں انکو عَدُوًّا لَّکُمْ (تمھارے دشمن) فرمانا اس معنی کے اعتبار سے ہوگا کہ گو وہ مانعیت اور عداوت کے مباشر (اور مرتکب) نہیں ہیں لیکن سبب تو ہیں، پس انکو عدو فرمانا جو مُشعِر ذم ہے درجۂ سبب میں ہوگا نہ کہ اس عداوت میں وہ عاصی ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص ایک کبوتر کے پیچھے بھاگا جاتا تھا تو حضورؐ نے فرمایا شَیْطَانٌ یَتْبَعُ شَیْطَانَۃً یعنی ایک شیطان ایک شیطانہ کے پیچھے جارہا ہے اسکو شیطانہ اسلئے فرمایا کہ اس کے حق میں تو اس نے شیطان کا کام دیا کہ اسکو ذکر اللہ سے غافل کردیا، پس ایسے ہی اولاد و ازواج اس محب کے حق میں بلا قصد عدو بن گئے کہ وہ انکی محبت میں ایسا منہمک ہوا کہ اپنا اصلی کام بھول گیا، پس اصل مانع اور مدارِ منع انہماک فی المحبۃ ہوا اور اس مدار کے اعتبار سے یہ ہر محبوب کو عام ہو سکتا ہے۔

یہ مضمون جیسا کہ اولاد اور ازواج کو شامل ہے غیر اولاد اور غیر ازواج کو بھی جس شے کی محبت میں بھی مبتلا ہوکر آدمی مولا کو بھول جائے عام ہوگیا جس کو صوفیہ نے اس عبارت سے ادا کیا ہے مَا شَغَلَکَ عَنِ الْحَقِّ فَھُوَ طَاغُوْتُکَ کہ جو چیز بھی تجھکو حق سے مانع ہوجائے وہی تیرا بت ہے۔ حکیم ثنائیؒ اسی مضمون کو فرماتے ہیں ؎

بہرچہ از دوست وا مانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
بہرچہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

(جس چیز کی وجہ سے دوست سے چھوٹ جاؤ (وہ بری ہے) خواہ وہ کفر کی بات ہو یا ایمان کی۔ اور جس چیز سے محبوب حقیقی سے دور جا پڑو کیا برا وہ نقش کیا اچھا (سب برابر ہیں)

اور اس میں ایمان سے مراد ایمان حقیقی نہیں اسلئے کہ وہ تو عین مطلوب ہے نہ کہ مانع عن المطلوب بلکہ یہ ایسا ہے جیسے حق تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ یہ افعال تو بہت برے ہیں جنکی تعلیم تمھارا ایمان تمکو کر رہا ہے) ۔ اور اگر زیادہ غور کیا جائے تو یہ مانعیت غیر اختیاری بھی آیت کا مدلول مطابقی بن سکتا ہے، اور اِنْ تَعْفُوْا الخ اس پر بھی منطبق ہو جائے گا ۔ تقریر اسکی یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جیسے مباشرت مانعیت پر غصہ آتا ہے، تسبب مانعیت بھی موجب غیظ ہو جاتا ہے کہ اس شئے کی محبت ہم کو ہمارے مقصود میں مانع ہوئی ہے اسکو ہی اڑانا چاہیئے ۔ باقی رہا شان نزول تو اسکا جواب یہ ہے کہ اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ الْاَلْفَاظِ لَا لِخُصُوْصِ الْمَوْرِدِ (اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ موقع و محل کی خصوصیت کا) پس اس صورت میں آیت مانعیت کی دونوں طریق کو دلالۃ مطابقی شامل ہو جائے گی اور اِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا الخ بھی بلا تکلف دونوں پر منطبق ہو جائے گا اور دو یہ طریق تو مانعیت کے ازواج اور اولاد کی حیات میں تھے کہ یا تو اولاد و ازواج نے اس کو خود روکا تھا یا خود انکی محبت میں اس قدر مغلوب تھا کہ اللہ کی یاد سے رک گیا تھا ۔

ابتلاء محبت تیسری صورت انکی مانعیت کی ایک اور ہے کہ اولاد یا ازواج مرگئے یہاں مصیبت اور محبت دونوں مانع جمع ہو گئے، محبت تو مقتضی ہے یاد کو کہ اسکی وجہ سے یہ سب اشغال سے معطل ہو گیا اور محبوب کے فقدان کے اَلَم (اور تکلیف) کا مصیبت ہونا ظاہر ہی ہے اور وہ بھی شاغل عن الحق (اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والا) ہو رہا ہے ۔ اور جاننا چاہیئے کہ حیاتِ محبوب میں جو مانعیت اور مماتِ محبوب میں جو مانعیت ہے یہ دونوں مانع، نفس مانعیت میں تو مشترک ہیں لیکن ان میں ایک فرق ہے جس پر نظر کرکے بعد ممات والی مانعیت زیادہ عجیب اور فہم سلیم سے زیادہ بعید ہے، وہ یہ کہ محبوب کی حیات کی صورت میں تو فی الجملہ

گو حقیقتاً نہ سہی مگر ظاہراً بہ نسبت حالتِ ممات کے یہ شخص کسی قدر معذور بھی ہے کہ محبوب مجازی کا کچھ قرب ہے کچھ مشاہدہ ہے یا امید مشاہدہ ہے یہ محرک ہو گیا ہے اسکی محبت میں ایسا مبتلا رہنے کا کہ وہ محبت اس محبوب حقیقی سے مانع ہو گئی مگر اسکے فقدان و ممات کی صورت میں تو کوئی عذر نہیں ہے اس لئے کہ اس سے مفارقت بھی ہو گئی اور اسکی محبت کا کوئی محرک بھی نہ رہا اور دوسرا محبوب یعنی محبوب حقیقی موجود ہے اور اس سے تسلی کرنا ممکن پھر تعجب ہے کہ جو محبوب اسکے پاس موجود ہو اس میں تو مشغول ہو کر تسلی نہ پائے اور محبوب مجازی جو کہ سامنے موجود بھی نہیں اسکی یاد میں گھلے کہ جسکا کوئی نتیجہ سوائے اپنی جان گھٹانے کے نہیں ہے ۔ واقعی یہ شخص بالکل معذور نہیں اور یہ ساری خرابی غیر اللہ کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق بڑھانے کی ہے ۔

محبت اور شرک

یاد رکھو کہ یہ محبت بعض مرتبہ شرک کے درجے میں پہنچ جاتی ہے چنانچہ ایسی محبت کے بارے میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ " یعنی بعضے لوگ ایسے بھی ہیں کہ سوائے اللہ کے انھوں نے شریک بنا رکھے ہیں کہ ان سے مثل اللہ کی محبت کے محبت کرتے ہیں " دیکھئے اس آیت میں جیسے کہ اِتخاذِ انداد یعنی شرک فی الالوہیت (یعنی شریک بنانے اور معبودیت میں شریک ٹھہرانے) کی شکایت ہے اسی طرح یہ عمل بھی اسی درجہ میں محل شکایت ہے کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی خدا کے ساتھ ہونی چاہیئے یعنی جیسے خدا کی محبت سے کسی وقت قلب خالی نہونا چاہیئے ایسی محبت دوسروں سے کرتے ہیں واقعی ایسی محبت شرک کا شعبہ ہے اور شرک کا شعبہ ہونے کے علاوہ عذاب جان بھی ہے اور وہاں تو عذاب ہووے ہی گا یہاں بھی سخت مصیبت ہے ۔

چنانچہ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو ارشاد فرماتے ہیں وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپکو ان منافقین کے اموال واولاد اچھے نہ معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ کا بس یہ ارادہ ہے کہ ان اولاد واموال کے سبب سے ان کو دنیا کی حیات ہی میں عذاب دے" غرض سخت حسرت وافسوس ہے کہ محبوب حقیقی کے ہوتے ہوئے محبوب مردہ یا زندہ کے ساتھ کہ وہ بھی اہل بصیرت کے نزدیک مردہ ہی ہے دل لگایا جائے ۔ اگر کوئی کہے کہ اس تعجب کا مبنیٰ تو یہ مقدمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا زیادہ محبوب ہو تو اس کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ احب کے ہوتے ہوئے محبوب ادنیٰ کی طرف کیوں التفات ہے ؟ سو یہ زیادہ محبوب ہونا کہاں ثابت ہے ، ہمارا زیادہ محبوب تو وہی تھا جس پر ہم مفتون ہیں تو جناب من ! آپ اسکے زیادہ محبوب ہونے کو تسلیم کر چکے ہیں ایمان لانا یہ خود اس اَحَبِّیَّت کے اقرار کو مستلزم ہے ۔ چنانچہ اسی آیت میں ارشاد ہے ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ " یعنی جو لوگ ایمان لائے ہیں انکو سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہے " پس آپ تو رجسٹری شدہ محب ہیں ضرورت ہی اس بات کو ثابت کرنے کی نہیں ہے ۔ پس جب آپ عاشق اور محب ٹھہرے تو عاشق کیلئے بڑی غیرت کی بات ہے کہ محبوب کو چھوڑ کر غیر پر نظر ڈالے ۔ مولاناؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک عورت چلی جارہی تھی اس نے دیکھا کہ میرے پیچھے ایک مرد آرہا ہے پوچھا کہ میرے پیچھے کیوں آرہا ہے اس نے کہا کہ میں تیرا عاشق ہوں اس عورت نے کہا کہ میرے پیچھے میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے وہ شخص پیچھے مڑکر دیکھنے لگا ، عورت نے بڑھکر اسکے ایک دھول رسید کی اور یہ کہا ؎

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی　　در بیان دعویٰ خود صادقی
پس چرا بر غیر افگندی نظر　　ایں بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

(کہا اے بیوقوف اگر تو عاشق ہے اور اپنے دعوی کے اظہار میں سچا ہے تو تو نے کیوں غیر پر نظر ڈالی اے بے ہنر عشق کا دعویٰ ایسے ہی ہوتا ہے) دیکھئے! ایک ادنیٰ عورت نے جب شرکت پسند نہیں کی تو احکم الحاکمین (جس کو بے انتہا غیرت ہے اسکو کب پسند ہوگا کہ ہمارے چاہنے والے غیر پر نظر ڈالیں، غرض عشق تو سوائے محبوب کے کسی شئے کو نہیں چھوڑتا ہے

عشق آں شعلہ است کوچوں برفروخت　　　ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑک جاتا ہے تو معشوق کے سوا جو کچھ ہوتا ہے سب کو جلا کے خاک کر دیتا ہے)

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہمؒ کی حکایت ہے کہ جب سلطنت چھوڑ کر درویشی اختیار کی تھی تو گھر میں ایک بچہ چھوڑ گئے تھے جب وہ بچہ جوان ہوا تو اس نے اپنے باپ کا پتہ پوچھا کہا گیا کہ وہ تو درویش ہو گئے مکہ معظمہ میں ہیں یہ لڑکا مکہ معظمہ حج کو پہونچا مطاف میں دونوں باپ بیٹے کا اتفاقی اجتماع بلاتعارف ہوگیا اور حضرت ابراہیم کی نظر اس پر پڑی محبت کا جوش ہوا کئی بار اسکو دیکھا) مریدوں نے دیکھا کہ حضرت شیخ ایک امرد حسین کو دیکھ رہے ہیں اسلئے کہ یہ لڑکا بادشاہ کا لڑکا ناز و نعمت کا پلا ہوا نہایت حسین و جمیل تھا اور وہ زمانہ یہ زمانہ تو تھا نہیں کہ جتنا زیادہ کوئی امرد پرست ہو اتنا ہی زیادہ بزرگ ہو، اس زمانہ میں تو شریعت کے احکام کا غلبہ تھا، مریدوں کو گمان ہوا کہ بے شک شیخ کو لغزش ہوئی ہے بعد طواف کے ہم متنبہ کرینگے وہ لڑکا حضرت ابراہیمؒ کی جستجو میں آیا تھا بعد طواف کے ہر ایک سے پتہ حضرت ابراہیمؒ کا پوچھتا تھا لوگوں نے بتایا خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں آپ کا بیٹا ہوں اور میرا نام محمود ہے۔ حضرت ابراہیمؒ نے پوچھا تم نے کچھ پڑھا بھی ہے؟ عرض کیا قرآن مجید اور علم دین پڑھا ہے، پھر پوچھا صوم و صلوٰۃ اور احکام شرعیہ کے پابند ہو؟ معلوم ہوا کہ پابند ہیں، دیکھئے

اللہ کے بندوں کی ایسی محبت ہوتی ہے۔ اسلئے پوچھا کہ اگر معلوم ہوگا کہ جاہل اور خدا رسول کی مرضی کے خلاف ہے تو میرے کس کام کا ہے۔ جب اسکا ہر طرح سے کامل ہونا معلوم ہوا تو اور زیادہ محبت کا جوش ہوا اور سینہ سے لگایا فوراً الہام ہوا کہ اے ابراہیم ہمارے ہوتے ہوئے غیر پر نظر؟ سہ

حُبِّ حق ہو دل میں یا حُبِّ پسر   جمع ان دونوں کو تو ہرگز نہ کر

دعا کی کہ اے اللہ! یہ لڑکا میرے اور تیرے درمیان میں حجاب ہے اس حجاب کو اٹھا لے فوراً اسکے گردہ میں درد ہوا اور جاں بحق ہوا۔ لیکن اہل سیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؒ کے ایک مرتبہ سینے سے لگا دینے سے سلطان محمود کے اندر نسبت قوی پیدا ہوگئی تھی۔ مزار انکا مکہ کے باہر اب تک موجود ہے اہل بصیرت انکی نسبت کی قوت کا احساس کرتے ہیں۔ لیکن اس قصہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اولاد کے ساتھ محبت حرام ہے۔

درجاتِ محبت بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا معاملہ ہر بندہ کے ساتھ جدا ہے بعضوں کے لئے وہ غیر کے ساتھ ادنیٰ درجہ محبت کا بھی بلاضرورت ادائے حقوق پسند نہیں فرماتے اسلئے ان کے ساتھ اس قسم کا معاملہ ہوتا ہے ورنہ اولاد کے ساتھ محبت رکھنا اسی طرح ازواج کے ساتھ اسی طرح دوسرے تعلق والوں کے ساتھ مشروع ہے بشرطیکہ غلو نہ ہو۔ جسکا ضابطہ یہ ہے کہ جیسے مصیبت کے دو درجے تھے اسی طرح محبت کے بھی دو درجے ہیں ایک محبت لِاَدَاءِ الحقوق اور دوسری محبت لِتَحْصِیْلِ الحُظُوْظ، اداۓ حقوق کے لئے جو محبت ہے وہ فی نفسہ عقلی محبت ہے اگرچہ اس میں شمول طبیعت بھی ہو، اور تحصیل حظوظ کے لئے جو محبت ہے وہ نری طبعی ہے اسی کا نام عشق ہے، پس اداۓ حقوق کیلئے جو محبت ہے اس میں کوئی ملامت نہیں بلکہ ایک درجہ میں اسکی تحصیل ضروری ہے اور تحصیل حظوظ کے لئے بھی محبت منع نہیں بشرطیکہ واجبات اور محرمات میں اس سے اختلال (اور گڑبڑی) نہ ہو۔

(جاری)

دل کی بیماریاں اور طبیب روحانی کی ضرورت

(۲)

غصہ کی حقیقت

اخلاق کی اصلاح کیسے ہوتی ہے؟ یہ بات ایک مثال کے ذریعہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجائیگی، مثلاً غصہ انسان کے باطن کی ایک صفت ہے یہ غصہ انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے پھر اسکا مظاہرہ بعض اوقات ہاتھ پاؤں سے ہوتا ہے، بعض اوقات زبان سے جب غصہ آگیا اور غصہ سے مغلوب ہوگیا تو چہرہ سرخ ہوگیا، رگیں تن گئیں، زبان بے قابو ہو کر اول فول بکنے لگی، ہاتھ پاؤں چلنے لگے، یہ غصہ کا نتیجہ ہے لیکن اصل غصہ اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے یہ غصہ ایسی چیز ہے کہ بے شمار باطنی رذائل کی بنیاد اور جڑ ہے، اسکی وجہ سے بہت سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور بہت سی باطنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

غصہ نہ آنا ایک بیماری ہے

اگر یہ غصہ انسان میں بالکل بھی نہ ہو کوئی کچھ بھی کرتا رہے لیکن اسکو کبھی غصہ آتا ہی نہیں یہ بھی بیماری ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو غصہ اس مقصد کے لئے دیا ہے کہ انسان اپنا اپنی جان کا، اپنی آبرو کا، اپنے دین کا دفاع کر سکے۔ اب اگر کوئی شخص پستول تانے کھڑا ہے اور اسکی جان لینا چاہتا ہے اور ان صاحب کو غصہ آتا ہی نہیں یہ بیماری ہے۔ اگر کوئی آدمی نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو اس وقت

یک آدمی کو غصہ آتا ہی نہیں، اسکے معنی یہ ہیں کہ یہ بیمار ہے۔ یہ مواقع یسے تھے کہ غصہ آنا چاہیئے تھا اگر نہیں آرہا تو یہ بیماری ہے۔

غصہ میں بھی اعتدال مطلوب ہے

اور اگر غصہ حد اعتدال سے زیادہ ہے تو یہ بھی بیماری ہے۔ غصہ اسلئے آئے تاکہ دوسرے آدمی کے شر سے اپنی حفاظت کرسکے اس حد تک تو غصہ صحیح ہے اب اگر غصہ کرنے کی جتنی ضرورت تھی اس سے زیادہ کر رہا ہے مثلاً ایک تھپڑ مار دینے سے کام چل سکتا تھا لیکن اب یہ غصہ میں آکر ایک تھپڑ کے بجائے مارے چلا جا رہا ہے، یہ غصہ حد اعتدال سے زیادہ ہے اور گناہ ہے۔ لہٰذا غصہ اگر کم ہو تو یہ بھی باطن کی بیماری اور زیادہ ہو تو یہ بھی باطن کی بیماری۔ غصہ اعتدال کی حد میں ہونا چاہیئے کہ ضرورت کے موقع پر آئے اور بلا ضرورت نہ آئے۔ اور اگر بلا ضرورت آئے بھی تو آدمی اسکو استعمال نہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غصہ

حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ کہدیا، حضرت علیؓ کہاں سننے والے تھے وہ اس یہودی کو گراکر اسکے سینہ پر چڑھ بیٹھے، یہودی نے جب دیکھا کہ اب کچھ اور نہیں کرسکتا تو اس نے وہیں زمین پر لیٹے لیٹے حضرت علیؓ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا حضرت علیؓ فوراً اسکو چھوڑ کر الگ کھڑے ہوگئے، کسی نے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ اب تو اس نے مزید گستاخی کی اسکو اور مارنا چاہیئے تھا، فرمایا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ پہلے میں نے اسکو اسلئے سزا دی تھی کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی اس وقت میرا غصہ اپنی ذات کے لئے نہیں تھا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی حفاظت کے لئے تھا اس واسطے میں اس پر چڑھ بیٹھا، جب اس نے مجھ پر

تھوکا تو میرے دل میں اپنی ذات کے لئے غصہ پیدا ہوا کہ اس نے میرے منہ پر کیوں تھوکا، اپنی ذات کا انتقام لینے کا جذبہ میرے دل میں پیدا ہوا اس وقت مجھے خیال آیا کہ اپنی ذات کے لئے انتقام لینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا اسلئے میں اسے چھوڑ کر الگ کھڑا ہو گیا۔ یہ ہے غصے میں اعتدال کہ پہلے غصہ کا صحیح موقع تھا تو غصہ آیا اور اس پر عمل بھی کیا اور دوسرے غصہ کا صحیح موقع نہیں تھا اسلئے اس پر عمل نہیں کیا اور اس یہودی کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔

حد اعتدال کی ضرورت

انسان کے باطن کے جتنے بھی اخلاق ہیں اُن سب کا یہی حال ہے کہ اپنی ذات میں وہ برے نہیں ہوتے جب تک وہ حد اعتدال میں رہیں اسوقت تک وہ صحیح ہیں لیکن اگر اعتدال سے کم ہو گئے تو وہ بھی بیماری اور اعتدال سے زیادہ ہو گئے تو وہ بھی بیماری۔ اصلاح نفس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان اخلاق کو اعتدال پر رکھا جائے نہ کم ہوں نہ زیادہ ہوں۔

دل کی اہمیت

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ

(اتحاف ج ۳ ص ۱۰۳)

یعنی خوب یاد رکھو کہ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ خوب سن لو کہ وہ لوتھڑا جسکی وجہ سے سارا جسم صحیح ہوتا ہے یا خراب ہوتا ہے وہ انسان کا دل ہے۔

مگر اس لوتھڑے سے وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں ہے اس لئے

کہ اگر دل کو چیر کر دیکھو تو اس میں یہ بیماریاں نظر نہیں آئیں گی نہ تکبر نظر آئے گا نہ حسد نظر آئے گا نہ بغض نظر آئے گا اور اگر ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو وہ دل کی ظاہری بیماریاں چیک کرکے بتا دے گا کہ اسکی دھڑکن صحیح ہے یا نہیں رگیں صحیح کام کر رہی ہیں یا نہیں اس میں خون کی سپلائی صحیح ہو رہی ہے یا نہیں، لیکن یہ تمام چیزیں جو چیک اپ اور آلات کے ذریعے معلوم کیجا سکتی ہیں یہ دل کے صرف ظاہری عمل کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔

یہ اندیکھی بیماریاں ہیں

لیکن انسان کے قلب کے ساتھ کچھ چیزیں ایسی وابستہ ہیں جو اندیکھی ہیں آنکھوں سے نظر نہیں آتیں، وہ یہی ہیں جنکا میں نے اوپر ذکر کیا لیعنی یہ کہ دل میں تکبر ہے یا نہیں، حسد ہے یا نہیں، بغض ہے یا نہیں، صبر و شکر کی کیفیات ہیں یا نہیں یہ ایسی چیزیں ہیں جو ظاہری امراض کا ڈاکٹر دیکھکر نہیں بتا سکتا اور کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوئی ہے جس کے ذریعہ چیک کرکے بتا دیا جائے کہ اسکو یہ باطنی بیماری ہے۔

دل کے ڈاکٹر صوفیہ کرام

اس بیماری کے ڈاکٹر اسکی تشخیص کرنے والے، اسکا علاج کرنے والی کوئی اور ہی قوم ہے۔ یہی وہ قوم ہے جن کو حضرات صوفیا رکرام کہتے ہیں۔ جو علم الاخلاق کے ماہر ہوتے ہیں، باطن کی بیماریوں کی تشخیص اور انکا علاج کرتے ہیں۔ یہ ایک مستقل فن ہے، ایک مستقل علم ہے۔ اسکو بھی اسی طریقہ سے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جس طرح ڈاکٹری پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے

پھر آپ نے ظاہری بیماری میں دیکھا ہوگا کہ بہت سی ظاہری بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کا انسان کو خود پتہ لگ جاتا ہے۔ بخار ہوگیا تو معلوم ہوگا کہ گرمی لگ رہی ہے، بدن میں درد ہے معلوم ہوگا کہ بخار ہے، بیمار خود بھی پہچان لے گا کہ بخار ہے اور اگر خود نہیں پہچان سکے گا تو تھرمامیٹر لگا کر دیکھ لے گا

اسے پتہ چل جائے گا کہ بخار ہے۔ اگر خود بھی نہیں پہچان سکا، اسکے گھر والے ذاتی آلات سے بھی نہیں پہچان سکے تو ڈاکٹر کے پاس چلا جائے گا وہ ڈاکٹر بتادے گا فلاں بیماری ہے۔

لیکن باطن کی بیماریاں ایسی ہیں کہ نہ تو بسا اوقات مریض کو خود پتہ لگتا ہے کہ میرے اندر یہ بیماری ہے اور نہ کوئی آلہ ایسا انسان کے پاس موجود ہے جس سے پتہ لگ جائے کہ تکبر کا ٹمپریچر کیا ہے؟ اور ظاہری ڈاکٹر کے پاس جائے تو وہ بھی بے چارہ نہیں بتا سکتا کہ اسکے اندر یہ بیماری ہے یا نہیں اسکے لئے ضروری ہے کہ آدمی کسی باطن کے معالج کے پاس جاکر تشخیص کرائے کہ میرے اندر تکبر ہے یا نہیں۔

تواضع یا تواضع کا دکھاوا

تواضع کا مطلب آپکی سمجھ میں آگیا کہ --- تواضع کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھنا، اسکو عرف عام میں انکساری بھی کہتے ہیں۔ اب سنئے! حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات لوگ کہتے ہیں کہ میں تو بڑا بے کار آدمی ہوں، میں تو بے حقیقت ہوں، جاہل ہوں، بہت گنہگار ہوں، بڑا ناچیز آدمی ہوں، میری کوئی حقیقت نہیں، اس سے بظاہر شبہہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بیچارہ بہت تواضع کر رہا ہے کہ اپنے آپ کو بے حقیقت، ناکارہ، ناچیز، جاہل، گنہگار سمجھ رہا ہے

بظاہر دیکھنے میں یہ تواضع معلوم ہو رہی ہے لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص یہ الفاظ کہہ رہا ہوتا ہے حقیقت میں وہ متواضع نہیں ہوتا بلکہ اس میں دو بیماریاں ہوتی ہیں ایک تکبر اور دوسری تواضع کا دکھاوا یعنی یہ جو کہہ رہا ہے کہ میں بڑا بے حقیقت آدمی ہوں، جاہل آدمی ہوں، یہ سچے دل سے نہیں کہہ رہا بلکہ اسلئے کہہ رہا ہے تاکہ دیکھنے والے اسکو متواضع سمجھیں اور کہیں کہ یہ تو بڑا منکسر المزاج ہے۔

ایسے شخص کی آزمائش کا طریقہ

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہو کہ میں بڑا گنہگار، جاہل ناکارہ اور ناچیز ہوں اسکے امتحان کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو اگر اسوقت دوسرا آدمی یہ کہہ دے کہ بے شک آپ ناکارہ بھی ہیں اور ناچیز بھی، گنہگار بھی جاہل بھی ہیں اور بے حقیقت بھی، پھر دیکھو کہ اسوقت اسکے دل پر کیا گذرے گی؟ کیا اسکا شکر گزار ہوگا کہ آپ نے بڑی اچھی بات کہی۔ میرے خیال میں تقریباً سو فیصد معاملات میں اگر دوسرا کہہ دے گا کہ بیشک آپ ایسے ہی ہیں تو طبیعت کو بڑی ناگواری ہوگی کہ دیکھو اس نے مجھے ناچیز، ناکارہ اور جاہل کہہ دیا۔

معلوم ہوا کہ صرف زبان سے کہہ رہا تھا کہ ناکارہ ہے، ناچیز ہے، جاہل ہے لیکن دل میں یہ خیال نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ جب میں اپنی زبان سے کہوں گا کہ جاہل ہوں، ناکارہ ہوں، ناچیز ہوں تو سامنے والا یہ کہیگا کہ نہیں حضرت یہ تو آپکی تواضع ہے آپ تو حقیقت میں بڑے عالم فاضل آدمی ہیں، بڑے متقی، پارسا ہیں۔ یہ کہلوانے کے لئے یہ سب کچھ کہہ رہا ہے اور دکھاوا کر رہا ہے کہ میں بڑا متواضع ہوں حقیقت میں دل میں تکبر بھرا ہوا ہے دکھاوا بھرا ہوا ہے اور ظاہر یہ کر رہا ہے کہ میں بہت متواضع ہوں۔

آپ اندازہ لگائیے کہ اسکو کون پہچانے گا کہ یہ الفاظ سچے دل سے کہے جا رہے ہیں یا اندر بیماری بھری ہوئی ہے، اسکو تو وہی پہچان سکتا ہے جو باطنی امراض کا ماہر اور معالج ہو، اسی لئے ضرورت ہوتی ہے معالج کے پاس جانے کی کہ اکثر اوقات انسان خود اپنے باطنی امراض کو نہیں پہچان سکتا

دوسروں کی جوتیاں سیدھی کرنا

ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ کی مجلس میں آیا کرتے تھے ایک دن والد صاحب نے دیکھا کہ انھوں نے خود اپنی مرضی سے مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کرنے

شروع کردئیے اسکے بعد سے ہر دفعہ وہ آکر پہلے مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کرتے اور پھر مجلس میں بیٹھتے والد صاحب نے کئی مرتبہ انکو یہ کام کرتے دیکھا تو ایکدن انکو منع کردیا کہ یہ کام مت کیا کرو، پھر بعد میں بتایا کہ بات دراصل یہ تھی کہ یہ بیچارہ یہ سمجھا تھا کہ میرے اندر تکبر ہے اور اس تکبر کا علاج اپنی رائے سے تجویز کرلیا کہ لوگوں کے جوتے سیدھے کروں گا تو اس سے میرا تکبر دور ہوگا ' تو والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس علاج سے فائدہ ہونے کے بجائے اسکو الٹا نقصان ہوتا، تکبر اور عجب میں اضافہ ہوتا اسلئے کہ جب جوتے سیدھے کرنے شروع کئے تو دل ودماغ میں یہ بات پیدا ہوتی کہ میں نے تو اپنے آپ کو مٹا دیا ' میں نے تو تواضع کی حد کردی کہ لوگوں کے جوتے سیدھے کرنے شروع کردئیے اس سے مزید خود پسندی پیدا ہوتی اسلئے اسے روک دیا کہ تمھارا کام یہ نہیں اور اسکے لئے دوسرا علاج تجویز فرمایا۔

اب بتائیے بظاہر دیکھنے میں جو شخص دوسروں کے جوتے سیدھے کر رہا ہے وہ متواضع معلوم ہو رہا ہے لیکن جاننے والا جانتا ہے کہ یہ کام حقیقت میں تکبر پیدا کر رہا ہے تواضع سے اسکا کوئی تعلق نہیں لہٰذا نفس کے اندر اتنے باریک نکتے ہوتے ہیں کہ آدمی خود سے انداز نہیں لگا سکتا جب تک کہ کسی باطنی امراض کے ماہر سے رجوع نہ کرے اور وہ نہ بتائے کہ تمھارا یہ عمل اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی حد کے اندر ہے یا نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے کہ اس حد تک درست ہے اور اس حد سے باہر یہ عمل درست نہیں ہے۔

تصوف کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ آج تصوف نام ہوگیا اس بات کا کہ کسی پیر صاحب کے پاس چلے گئے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھدیا بیعت کرلی اور بیعت کرنے کے بعد انھوں نے کچھ وظیفے بتا دیے، کچھ اوراد سکھا دئیے کہ صبح کو یہ پڑھا کرو، شام کو یہ پڑھا کرو اور

بس اللہ اللہ خیر سلا، اب نہ باطن کی فکر، نہ اخلاق درست کرنے کا ا
نہ اخلاق فاضلہ کو حاصل کرنے کا شوق، نہ اخلاق رذیلہ کو ختم کرنے کی
یہ سب کچھ نہیں بس بیٹھے ہوئے وظیفے پڑھ رہے ہیں اور بعض اوقات
پڑھنا ان بیماریوں کے اندر اور زیادہ شدت پیدا کر دیتا ہے۔

وظائف اور معمولات کی حقیقت

ان وظائف، اذکار
کی مثال ایسی ہے جی

اور مقویات کا اصول ہے کہ اگر کسی کے اندر بیماری موجود ہے اور بیم
کی حالت میں وہ مقویات کھا تا ہے تو بسا اوقات نہ صرف یہ کہ اسکو ق
حاصل نہیں ہوتی بلکہ بیماری کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ بیماری بڑھ
رہی ہے۔ اگر دل میں تکبر بھرا ہوا ہے، عُجب بھرا ہوا ہے اور بیٹھک
گھونٹ رہا ہے اور ذکر بہت کر رہا ہے تو بعض اوقات اس کے نتیجے
اصلاح ہونے کے بجائے تکبر اور بڑھ جاتا ہے اسلئے یہ جو بتایا جاتا
جب کبھی کوئی وظیفہ کرو یا ذکر کرو کسی شیخ کی رہنمائی میں کرو۔ اس
شیخ جانتا ہے کہ اس سے زیادہ اگر بتاؤں گا تو وہ اسکے اندر بیماری
کرے گا، اسواسطے وہ اسکو روک دیتا ہے کہ بس اب مزید ذکر ک
نہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے کتنے آدمیوں کے لئے
تجویز کیا کہ تمام وظائف اور اذکار ترک کر دیں۔ حضرتؒ نے ان کے تما
چھڑوا دیئے۔ خاص حالات میں جب دیکھا کہ اس کے لئے یہ ذ
مضر ثابت ہو رہا ہے تو وہ چھڑوا دیا۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر: احمد مکین

شمارہ ۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مطابق جون ۱۹۹۷ء جلد ۲۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریر

۱۔ مدارس کا یکساں حال	مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ
۲۔ انبیاء کرام کے وارثین	〃 〃 〃
۳۔ دل کی بیماریاں اور طبیب روحانی کی ضرورت	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ
۴۔ سیرت النبی کے جلسے اور جلوس	〃 〃 〃
۵۔ کمالات اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب قدس سرہٗ
۶۔ رفع الموانع	حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارس کا یکساں حال

ایک مشہور حکیم صاحب شریک مجلس تھے جن کا حضرت والا سے م
کا تعلق تھا انکی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ
یہ حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ صحت کے متعلق بہت سے احکام
ہیں انکی رعایت صحت کے لئے ازبس ضروری ہے انکو اپنی اصطلاح
یہ حضرات ضروریات ستہ سے تعبیر کرتے ہیں اس پر میں متفرع کر کے کہتا
کہ جب صحت جسمانی کے لئے اتنے احکامات ہیں تو صحت روحانی سے متع
جس کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام تشریف لائے کتنے احکام ہوں گے
بھی پیش نظر رکھنا اور انکی رعایت کرنا صحتِ روحانی اور ایمانی کے
ازبس ضروری ہے ورنہ ساری امت بیمار ہو جائیگی پھر انکا علاج مرشد
کاملین پر بھی دشوار ہو جائے گا
اس سلسلہ میں ایک بات اور بتلاتا ہوں وہ یہ کہ ایک مولوی ص
میرے یہاں آئے تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ میرے وہاں مدرسہ میں
ہو گیا ہے اسلئے میں جا رہا ہوں میں نے ان سے کہدیا کہ اچھی بات ہے
چنانچہ وہ چلے گئے، جب وہ چلے گئے تو میں نے انکے پاس لکھوا بھیجا کہ
نہ تو آپ میرے یہاں آئیے اور نہ آپ کے دیار کا کوئی آدمی یہاں آ
آپ لوگ جو کام کر رہے ہیں اسی کو کیجئے یعنی فتنہ اور فساد اسکے علاوہ آ
پاس رہ ہی کیا گیا ہے چنانچہ آپکی دین اور دنیا سب اسی فساد ہی کی وجہ
تباہ و برباد دیکھ رہا ہوں۔

بھائی میں جو کچھ کرتا ہوں وہ اپنے پاس آنے والوں کی اصلاح اور انھیں کے فائدہ کے لئے کرتا ہوں لیکن یہ لوگ اسکو سمجھتے نہیں، جو باتیں بتائی جاتی ہیں اگر آپ لوگ اس پر عمل کریں تو معلوم نہیں کتنا کام ہو جائے اسلئے کہ ہمارے پاس جتنے آدمی آتے ہیں یہ کچھ کم نہیں ہیں اگر یہ لوگ سنیں اور سمجھیں تو بہت کام ہو سکتا ہے اور عالم میں اجالا ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ سننا اور سمجھنا اور اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے اسلئے اس پر بہت کم لوگوں کو دیکھتا ہوں اور چونکہ صرف بدن سے کہیں جمع ہو جانا یہ کچھ مشکل نہیں اسلئے ایسے مجمع کی کمی نہیں مگر ایسے مجمع سے کیا فائدہ جبکہ کام کے دو چار بھی نہ نکلیں۔

میرے پاس یہ خبر آرہی ہے کہ ہندوستان بھر میں جتنے مدرسے ہیں سب کا یکساں حال ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب مدرسہ والوں نے ملکر اتفاق کر لیا ہے کہ ہم لوگ فتنہ و فساد کریں گے اسی کو کہا گیا ہے اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ٥ کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آتے تھے؟ بلکہ یہ قوم ہی سرکش ہے۔

آپ سے میں اس وقت یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ دوسرے لوگوں کو جانے دیجئے آپ اپنے مدرسوں کے ساتھ اور مولویوں کے ساتھ اور دین کے ساتھ کیا کر رہے ہیں اسکو بتائیے اور جلدی کیجئے ورنہ وقت نکلا جاتا ہے، اور اگر فساد کرنا چاہتے ہیں تو آپ سے بھی ہم کہدیں گے کہ آپ بھی یہاں نہ آئیے ہم فسادیوں سے نہیں ملتے۔ تمھارا حال تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم لوگ نہ تو خود کوئی کام کرو نہ کرنے دو، نہ خود چین سے بیٹھو نہ کسی کو بیٹھنے دو نہ خود آرام سے رہو نہ دوسروں کو آرام سے رہنے دو۔ کیا تمھاری عقل پر پتھر پڑ گیا ہے یا کیا ہو گیا ہے؟ طالب علم جو ابھی مدرسہ میں آئے ہیں نہ انکو علم ہے اور نہ خود انکی ذرا اصلاح ہوئی ہے اور یہی لوگ چلے

ہیں اہل مدرسہ کی اصلاح کرنے مدرسہ میں تو خود علم سیکھنے گئے ہیں اور وہاں جاکر مہتمم کی اصلاح کرنے لگے۔ میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ یہ کیا ہے؟ اگر کوئی بیدار مغز ہو تو مجھے سمجھا دے مدرسہ کی وضع علم حاصل کرنے کے لئے ہے یا فتنہ و فساد کے لئے؟ بھائی فتنہ و فساد تو جہل کی چیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکو بھی آجکل کے طلبہ علم کی کوئی قسم سمجھتے ہیں جس مدرسہ کا ذکر کر رہا ہوں اس میں ایک شخص ملازم تھا اسکی وجہ سے مدرسہ میں کچھ فتنہ پیدا ہوا تو اسکو مدرسہ سے علیٰحدہ کر دیا گیا مگر پھر کچھ دنوں کے بعد اسکو رکھ لیا گیا اس بنا پر کہ وہ مدرسہ کا کام بہت کرتا تھا غذا کی فراہمی وہی کرتا تھا، مگر جب دوبارہ اسکا تقرر ہوگیا تو پھر اختلاف شروع کیا۔

اسی کی اطلاع پاکر مولوی صاحب میرے یہاں سے گئے، میں ان لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ تم اپنے یہاں فتنہ و فساد کر دیا جو جی میں آوے سو کرو میرے یہاں اسکو لیکر مت آؤ، اگر تم لوگوں پر فساد ہی مسلط ہے تو پھر تم فساد پر فساد کرتے چلے جاؤ دیکھو اسکا انجام کیا ہوتا ہے، خدا کو بڑی قدرت ہے دیکھو خدا کیا کرتا ہے، یہ تمھارے ہی فساد کا نتیجہ ہے جو یہ روز بد دیکھ رہے ہو۔

ایک مہتمم صاحب مدرسہ میں فساد کی وجہ سے اتنا رنجیدہ تھے کہ لوگ بیان کرتے تھے کہ ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا منہ میں لقمہ ڈالتے تھے اور روتے جاتے تھے آخر تم لوگ کیا پڑھ رہے ہو اور کیا پڑھ رہے ہو؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے دلوں میں ایمان اور تقویٰ کا گذر ہی نہیں اور میں تو کہتا ہوں کہ محض روٹی کا فساد ہے کہ بیٹھے بٹھائے بلا محنت و مشقت کے مفت کا کھاتے ہو اور فساد مچاتے ہو۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ:

ایں نہ عشقت آنکہ در مردم بود　　ایں فساد از خوردن گندم بود

یعنی آجکل کے لوگوں کا عشق درحقیقت عشق نہیں ہے بلکہ یہ تو محض گندم کھانے کا فساد ہے۔

میں نے ان مولوی صاحب کو اسی لئے آنے منع کر دیا کہ تم لوگ فساد سے کسی طرح باز نہ آؤ گے اور جب میرے یہاں آؤ گے تو اسکا ذکر مجھ سے بھی ضرور کرو گے اس طرح میری بھی شرکت اس فساد میں ہو جائیگی لہذا بہتر یہی ہے کہ میرے پاس نہ آؤ۔ اور عالم اور جاہل سب مل کر پوری قوم ایک ہو کر فساد مچاؤ اور اسکے بعد خدائی جوتے کا انتظار کرو۔

یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم اپنی دانست میں گویا بہت بڑا کام ہوا اور سمجھتے ہو کہ تخریب اور نظام عالم کا درہم برہم کر دینا بہت بڑا کام ہے یعنی آپ کے نزدیک تخریب اور فساد تو کوئی بڑی چیز ہی نہیں۔ بنی بنائی چیز کو بگاڑ دینا اور درہم برہم کر دینا کوئی مذموم چیز ہی نہیں، اسی بنا پر کہتا ہوں کہ آپ لوگ اگر نہ آئیں تو میرے دماغ کو سکون رہے، چپ چاپ الگ پڑا رہوں کوئی دوسرا کام کروں گا یا سوؤں گا اس سے بدن کو آرام ملے گا یہ بھی ایک کام ہے۔ ہر چیز کی اصلاح کر سکتا ہوں لیکن جب فساد کو سنتا ہوں تو سرنگوں ہو جاتا ہوں کہ میرے بس کی بات نہیں سوائے اسکے کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ ان لوگوں سے کہدوں کہ تم لوگ یہاں مت آؤ، مگر یہ بزرگان دین زبردستی چڑھائی کرکے ہم لوگوں کی جگہ کو لینا چاہتے ہیں بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر بادشاہوں کو خبر لگ جاتی کہ ہمارے پاس کیا دولت ہے تو تلوار سے چڑھائی کرتے اسیطرح ان لوگوں کو کچھ خبر ہو گئی ہے تو چڑھائی کرکے اسکو لینا چاہتے ہیں سمجھتے ہیں کہ کوئی چیز یہاں ضرور ہے اس کو کسی طرح حاصل کرنا چاہئے تو میں ان سے کہتا ہوں کہ ہاں ضرور ہے مگر تم فسادیوں کے نہ تو وہ سمجھ میں آئیگی اور نہ اس کو لے ہی سکتے ہو تمھارے لئے بس یہ آسان ہے کہ ہماری جگہ کو فاسد کرو اور اس فاسد کرنے کی تنخواہ بھی ہمیں سے لو۔

منبے! جہاں پر فساد ہو رہا ہے وہیں سے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے اس میں فرما رہے ہیں:۔

شریعت اسلام نے دونوں پہلوؤں یعنی اشتراک کے احکام کو اور امتیاز کے احکام کو اعتدال سے سنبھالا ہے (یعنی جو چیزیں انسانوں میں اشتراک کو چاہتی ہیں انکے بھی احکام بتلائے اور جو چیزیں امتیاز کو چاہتی ہیں کہ اس میں کچھ لوگ عام لوگوں سے ممتاز اور الگ رہیں انکے بھی احکام بتلائے) اور ہر ایک کی حد مقرر کر دی اور ہر ایک کے احکام بتلا دیئے۔ اشتراک کے پہلو کا اس حد تک لحاظ کیا کہ کسی موقع پر اسکو نظر انداز نہیں کیا اور امتیاز کو بقائے نظام عالم اور ترتیب امور آخرت کے لئے لازم اور واجب قرار دیا اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَنْ يَّزَالَ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا تَبَايَنُوْا فَإِذَا تَسَاوَوْا هَلَكُوْا (آدمی ہمیشہ خیر و بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک ان میں فرق مراتب قائم رہیگا اور جب سب برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے"۔ یہ ارشاد بالکل اصول فطرت کے موافق ہے۔

یہ حکیم صاحب فرما رہے تھے کہ مولوی صاحب کے پاس آپ کا خط جو پہنچا ہے اس سے انکو دوران سر ہو گیا، تو بھائی میں نے اس لئے تھوڑا ہی لکھا ہے کہ انکو دوران سر ہو جائے بلکہ میں نے اصلاح کیلئے ایسا کیا ہے اور ان کے دوران سر کے اسباب تو وہاں کے وہ حالات ہیں جو مدرسہ میں رونما ہوئے اب اسکی صورت یہ تو ہے نہیں کہ مجھی کو اصلاح سے روک دو اور ان سب لوگوں سے کہو کہ فتنہ اور فساد کریں اور اسکو لاکر میرے پاس بھی پہونچائیں اور اس طرح مجھکو بھی اس میں شریک کرلیں۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر اسکی وجہ سے مجھکو دوران سر ہو جائے تو اسکا کون ذمہ دار ہوگا؟ آپ یا مولوی صاحب یا وہاں کے لوگ اور حکیم صاحب

یہ جو کہہ رہے تھے کہ انکو چکر آجاتا ہے میں کہتا ہوں کہ وہاں چکر تو آئے ہی گا اور انھیں کو کیا اس وقت تمام عالم ہی چکر میں ہے اور ہر جگہ یہی فتنہ و فساد ہے اس لئے بیساختہ یہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

یہ کیا شور برپا ہے جس کو سارے عالم میں دیکھ رہا ہوں اور تمام اطراف عالم کو فتنہ و فساد سے بھرا ہوا دیکھ رہا ہوں

آپ لوگ چونکہ یہاں آئے ہیں اسلئے آپ سے کہتا ہوں کہ یہ جگہیں کام کے لئے موضوع ہیں اسلئے اگر کچھ کام کرنا ہے تب یہاں آئیے اور اگر فتنہ و فساد کرنا ہے تو اپنے گھر ہی رہیے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے بھائی شاہ اہل اللہ صاحب اپنے رسالہ "چہار باب" میں فرماتے ہیں کہ "خود را معطل و مہمل نہ گذارند" یعنی اپنے کو معطل و مہمل اور بیکار نہ چھوڑیں "کار عقبیٰ بسازند" عقبیٰ اور آخرت کا کام کریں "واگر نتوانند کار دنیا از دست نہ دہند" اور اگر عقبیٰ کا کام نہ کرسکیں تو دنیا کے کام کو ہاتھ سے نہ جانے دیں مثلاً کوئی ہنر و پیشہ اختیار کریں۔

میں اسی بات کو برابر کہا کرتا ہوں کہ تم سے اگر دین کا کام نہیں بنتا تو دنیا ہی کا کام کرلو اور اگر مرد ہو تو اسی کو کر دکھاؤ۔ اور شاہ صاحب یہ اسلئے فرمارہے ہیں کہ اگر عقبیٰ کا کام کروگے تو اسکے لئے صبر کرنا پڑے گا اور توکل کرنا پڑے گا اور وہ تم سے ہو نہیں سکیگا، اب اس زمانہ میں میں کسی کو نہیں دیکھتا ہوں جو اس قسم کی باتیں بیان کرتا ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ "اگر مریض شوند پیش طبیب حاذق بروند واختیار در دست او دہند و در تدبیر غذا و دوا مخالفت نہ نمایند و بے ظہور خطائے فاحش طبیب دیگر نہ طلبند" یعنی اگر مریض ہوجاویں تو کسی طبیب حاذق کے پاس جاویں اور اپنے اختیار کو اسکے

ہاتھ میں دیدیں اور دوا و غذا کی تدبیر میں مخالفت نہ کریں اور بغیر صریح غلطی کے ظہور کے دوسرے طبیب کے پاس نہ جائیں۔

بیٹے! اگر آپ ہمارے پاس بھی اسی طرح آمد و رفت رکھیں گے جس طرح مدرسوں میں آتے جاتے ہیں تو پھر ہماری جگہ بھی فاسد ہو جائیگی یعنی صرف صورت صورت رہ جائیگی اور حقیقت رخصت ہو جائیگی بلکہ ہو ہی گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وطن میں لوگوں نے مجھ سے بیان کیا اور اپنے بچپن میں میں سنتا تھا کہ گاؤں کے بڑے لوگ جہاں بیٹھتے تھے وہاں نوجوان مارے ادب کے جاتے نہیں تھے اسکے بعد ہم نے اپنے سامنے ہی دیکھا کہ انکی کچھ بھی عظمت باقی نہیں رہی یعنی انکے حالات اس طرح کے نہیں رہ گئے کہ لوگ تعظیم و تکریم کریں۔ چنانچہ انھیں میں کا ایک آدمی سب کی مالگذاری لیکر جمع کرنے کے لئے کچہری جاتا تھا اپنے حصہ کا جمع کر دیتا اور سب کی باقی لگا دیتا لوگ مطمئن رہتے کہ ہماری مالگذاری تو جمع ہو چکی ہے مگر پھر جب سمن اور وارنٹ آتا تو معلوم ہوتا تھا کہ ابھی مالگذاری باقی ہے اب جو آدمی ایسا کرتا تھا وہ بالکل بےوقوف اور خاموش رہتا تھا انھیں حرکات کی وجہ سے بالکل وقعت ختم ہو گئی اور دو پیسہ کے برابر بھی وقعت باقی نہیں رہی۔ اسی طرح پہلے جو علماء وہاں آئے انکی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی مگر بتدریج انکی وقعت بھی کم ہونے لگی اور رفتہ رفتہ بالکل ہی ختم ہو گئی۔ اور یہ وقعت علماء کی اور اہل ثروت کی خود بخود نہیں ختم ہوئی بلکہ لوگوں کے قلوب سے انکی وقعت نکال دی گئی ہے ورنہ انکی اتنی وقعت تھی کہ حکام کی بھی اتنی نہیں تھی لیکن اس دور فاسد میں فساد کی وجہ اب نہ تمھاری آبرو کا اعتبار ہے نہ تمھارے دین کا اور نہ تمھاری جان کا کوئی چیز تمھاری محفوظ نہیں ہے اور اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ جو بزرگان سلف اپنے قلب سے خدا کی طرف متوجہ تھے تم انکو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور اپنے کو سمجھتے تھے کہ ہم لوگ کامل ہو گئے ہیں کسی بزرگ کیطرف توجہ کی ہمکو ضرورت نہیں تو اسی کا وبال یہ دیکھ رہے ہو۔

یہ صاف صاف بات کہہ رہا ہوں اگر کچھ سمجھ رکھتے ہو تو سمجھو اور آنکھ ہو تو اللہ والوں کو

بھی اللہ والوں سے کہو ۔ ۔ ۔ [illegible]

انبیاء کرام کے وارثین

ایک صاحب کا خط آیا ہوا ہے اسکو آپ کو سناتا ہوں :-

"خدمت اقدس میں جو کچھ ملا اسکا بیان دشوار ہے کہ کیا ملا مگر اتنا تو خوب جانتا ہوں کہ بہت کچھ ملا اور ایسی ملی جو نہ دکھائی جا سکتی ہے نہ تحریر میں ہی آسکتی ہے اور نہ اسکا نام ہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے، دل پھاڑ کر دکھانے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں، اسکو تو طبیب باطنی ہی سمجھ سکتے ہیں۔ آنکھیں حضور کے دیدار کے لئے اسقدر بیچو کی تھیں کہ چھپ چھپ کر دیکھتی ہی رہ جاتی تھیں، جب حضور آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے تھے تو دل کی تڑپ اور لگن اور زیادہ بڑھ جاتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور کو یہ آنکھیں ابھی تک دیکھ ہی نہیں سکی ہیں۔ حضور کو دیکھکر دل کو کافی ذوق و سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک و نور پہونچتا تھا۔ دل کی بیتابی اور تڑپ کی تو کوئی انتہا ہی نہ رہی۔ دل و دماغ حیران و پریشان تھے۔ بیشک اب پتہ بخوبی چل رہا ہے کہ بزرگوں کی خدمت میں کیا ملتا ہے؟ افسوس کہ ؎

ہم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

اور جو کچھ اخلاص میسر ہوا اسکا کیا کہنا جسم کے ہر ہر عضو میں حضور ہی حضور تھے اور راستہ میں بھی یہی کیفیت تھی اب تو دل میں اُجاڑ سا معلوم ہوتا ہے کہ موسم بہار سے نکل کر خزاں میں داخل ہوگیا ہوں۔

اللہ اکبر! جب حضور والا کے جسم مبارک کے دیکھنے میں یہ اثر ہے

توارشاد فرمودہ کلام ومعمولات اور حضور کے ایمان میں کیسا کچھ اثر ہوگا
صد بار افسوس کہ سمندر کے رہتے ہوئے اوس کی بوند سے پیاس بجھانے
کی توقع رکھتے ہیں اپنا حال حد سے نکل گزر گیا ہے اس سے گمراہی نہیں تو
اور کیا ہوسکتی ہے۔
اہل سمجھ کی حضور والا پر پروانوں کی طرح گرنے کی تعداد دنوں دن
بڑھتی ہی جارہی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو سہ

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہوکر

اللہ کرے حضرت گرامی کا سایہ تا دیر ہمارے سر پر قائم رہے کہ تادم حیات
نعمائے ظاہری و باطنی سے مالامال ہوتے رہیں۔ حضور ایسے دیوانے کیلئے
دل سے دعا فرمائیں کہ نعمائے ظاہری و باطنی سے مالامال ہوا ور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر خلوص کے ساتھ چلنے کی توفیق ہو جائے۔
حضور والا کے سینۂ مبارک کے نور باطن سے کچھ حصہ مل جائے
امید کہ ایسے دیوانے بھکاری کو محروم نہ فرمائیں گے اور یہی دعا رہے کہ
کہ حضور والا کا صحیح معنوں میں سچا عاشق ہو جاؤں اور ارشاد فرمودہ معمولات
کی تکمیل ہوتی رہے۔
اپنی اہلیہ سے حضور والا کے متعلق کبھی ذکر نہ کرتا کہ یہ عورت کی
ذات ہے کیا سے کیا سمجھ جائے۔ ان کو یہ معلوم ہوا کہ حضور کی خدمت میں
جائیں گے ان کے دل میں نجانے کہاں سے یہ بات پڑ گئی کہ وہ بار بار
کہنے لگیں کہ ہمارا کوئی کام پورا کر دیگا یا نہ کر دیگا مگر خط لکھکر مجھکو
مرید ضرور کرا دیجئے۔ نجانے کب تک زندگی رہیگی جیسے سب کچھ ہے یہ بھلی
سہی اور بار بار اقرار کراتی تھیں کہ لکھئے گا یا نہ لکھئے گا، میری طرف سے
ضرور لکھدیجئے گا۔ حضور یہ باتیں سنکر بہت خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے

ن کے سینے میں اتنی بڑی بات ڈالدی شکر ہے اللہ کا۔

لہٰذا حضور والا سے دست بستہ گذارش ہے کہ انکو یعنی جمیلہ بیگم دبلی بیعت فرماکر اپنے سلسلہ میں داخل فرمالیں تاکہ وہ کبھی کام پر لگ جائیں اور ہم دونوں صحیح معنوں میں آپ ہی کے ہوجائیں، ہم دونوں کے لئے صلاح و فلاح دارین نصیب ہونے کی و دینداری نصیب ہونے کی دل سے دعا فرمائیں۔ ہم لوگوں کے بخوبی نباہ ہوجانے کی بھی دعا فرمائیں۔ آپ کے علاوہ ہم لوگوں کا ہے ہی کون ؟ بس آپ ہی۔

انھوں نے جو خط لکھا اور اپنے جو حالات لکھے ہیں یہ سب حقیقت ہے اس پر انکار نہیں کیا جا سکتا، ہم جو نکیر کرتے ہیں تو رسم پر اور اہل رسم پر۔ ہم ان لوگوں پر انکار کرتے ہیں جو ہم کو دیکھکر سنک جاتے ہیں اور انکا دماغی توازن ختم ہوجاتا ہے اور جو لوگ ہم سے کچھ حاصل کرتے ہیں وہ اپنے کام میں ٹھکانے سے لگے ہوئے ہیں اور کوئی حرکت ایسی نہیں کرتے کہ مجھکو ناگوار ہو اور وہ خلاف سنت ہو۔ ہم ان لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ جو کیفیات باطنی تم حاصل کرتے ہو کیا ہم اسکو سمجھ نہیں سکتے ؟ مگر انکو عجب کیفیات باطنی کی جگہ رسم کو پیش کرنا چاہتے ہیں اور اسی رسم نے تمھارا ناس مارا ہے حقیقت کہاں ہے ؟

اس زمانہ میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ رسوم پر انکار کیا جائے جب تک رسوم مٹیں گی نہیں حقیقت نہیں آسکتی اسی بنا پر ہر زمانہ میں اہل حقیقت نے رسوم پر انکار کیا ہے۔

حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں ہے جس کو حضرت علاءالدین سنجریؒ نے جمع کیا ہے۔

فرماتے ہیں " پھر کچھ ذکر فرقۂ حیدریہ کا ہونے لگا آپ نے فرمایا کہ وہ ترک بچہ تھا اور درویش صاحب حال تھا جب چنگیز خاں نے چڑھائی

کی اور ہندوستان پر مسلط ہوا تو ان دنوں یاروں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یارو کیا کر رہے ہو بھاگو یہ لوگ غالب آویں گے اسلئے کہ ایک درویش کو اپنے ساتھ لائے ہیں میں نے ان سے کشتی لڑی اس نے مجھکو دے مارا اس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ لوگ یقیناً غالب آویں گے تم سب بھاگ جاؤ اسکے بعد وہ ایک غار میں گیا اور جاتے ہی گم ہوگیا پھر اسکا پتہ نہیں چلا مگر وہ بات اس کے کہنے ہی کے مطابق ہوئی۔ اس کے بعد بندے نے عرض کی یہ حیدریہ گروہ والے طوق اور زنجیر وغیرہ لوہے کی چیزیں کیوں ہاتھ اور گردن میں ڈالتے ہیں یہ اسی کی متابعت کرتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں، لیکن اسکو ایسا حال واقع ہوا تھا کہ وہ لوہا گرم کرکے پکڑا کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے طوق وغیرہ بنالیا کرتا تھا کبھی ہاتھ میں پہنتا تھا کبھی گلے میں ڈال لیتا تھا۔ غرض لوہا اسکے ہاتھ میں موم تھا۔ یہ لوگ خالی لوہا ہاتھ اور گلے میں ڈال لیتے ہیں انکو وہ بات کہاں نصیب؟

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھئے جس طرح یہ حضرات اہل حال کو معذور سمجھتے ہیں اسی طرح بدون حال کے محض رسم پر کتنا نکیر فرماتے ہیں دونوں امور میں شریعت کے کسقدر متبع ہیں یعنی جو صاحب حال ہے اسکو تو معذور سمجھا اور جو حال سے خالی ہے اور صاحب حال کی نقل کرتا ہے اس پر انکار فرمایا۔

پھر آپ نے اولیاء کی موت کی حکایت بیان فرمائی کہ میرا ایک دوست بدایوں میں تھا اسکا نام احمد تھا وہ شخص بہت ہی نیک اور ابدال صفت تھا اگرچہ وہ بے پڑھا تھا مگر ہر روز شرعی مسائل کی تحقیق اور اسکے احکام کی بجاآوری میں مشغول رہتا اور ہر کسی سے پوچھا کرتا تھا۔

دیکھئے مسائل شرعیہ کی تحقیق اور احکام پر عمل کرنے کی کیسی مدح فرمائی اس سے شریعت کے احترام اور اسکے اہتمام کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔

یہ کتاب "السنۃ الجلیلۃ" جس کو حضرت مولاناؒ نے اولیاءِ کرام کے حالات میں لکھا ہے اس میں یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ حضرات غایت درجہ متبع سنت تھے اور شریعت کا بے حد اہتمام فرماتے تھے انہیں ان لوگوں کو حال و مقام کا درجہ حاصل تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت حضرات انبیاء علیہم السلام کے نائب یہی اولیاء کرام ہیں کیونکہ جس طرح انبیاء علیہم السلام حال وقال دونوں کے جامع تھے اسی طرح ان لوگوں کو بھی بقدر نصیب اس سے حصہ ملا تھا پس حقیقتاً انبیاء علیہم السلام کے نائب و وارث یہی لوگ ٹھہرے لہٰذا حدیث شریف میں یہ جو آیا ہے کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (یعنی حضرات علماء ہی انبیاء علیہم السلام کے وارث و جانشین ہیں) تو علماء سے مراد وہ ہیں جو حال وقال دونوں کے جامع ہیں، چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرما رہے ہیں جیسا کہ علامہ شعرانیؒ نے الیواقیت الجواہر میں فرمایا ہے کہ:۔

اِعْلَمْ اَنَّ وَرَثَۃَ الْاَنْبِیَاءِ هُمُ الْعُلَمَاءُ وَالْاَوْلِیَاءُ فَالْاَوْلِیَاءُ حُفَّاظُ الْاَحْوَالِ وَالْاَحْکَامِ الْبَاطِنَۃِ الَّتِیْ تَدِقُّ عَلَی الْاَفْہَامِ۔

یعنی انبیاء کے وارث علماء اور اولیاء ہیں اسلئے کہ علماء احوال کے حفاظ ہیں اور ان احکام باطنی کے حامل ہیں جو افہام پر دقیق معلوم ہوتے ہیں

وَالْعُلَمَاءُ حُفَّاظُ الْاَحْکَامِ الظَّاهِرَۃِ الَّتِیْ تُفْهَمُ بِبَادِ الرَّأْیِ

اور علماء احکام ظاہری کے محافظ ہیں جن کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی۔

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں اولیاء علماء ہی تھے پھر بعد میں جب ان لوگوں نے عمل سے تخلف کیا یعنی جس بات کو جانتے تھے عمل نہیں کرتے تھے تو گویا ان لوگوں نے علم کو عمل سے الگ کر دیا جس کی وجہ سے انکا نام بجائے اولیاء کے علماء رکھا گیا

اور اسم ولی کا ان سے سلب کر لیا گیا - یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں شیخ اکبرؒ فرما رہے ہیں اور علامہ شعرانیؒ نقل کر رہے ہیں کہ پہلے تو علماء ہی حقیقتاً اولیاء تھے مگر اب یہ ہو گیا ہے کہ ہر ولی عالم تو ضرور ہوتا ہے لیکن ہر عالم کے لئے ولی ہونا ضروری نہیں اسلئے کہ جب مقام عمل سے پیچھے رہ گئے تو پھر انکو ولی کیونکر کہا جا سکتا ہے -

یہ آپ کے مشائخ کی کتابیں ہیں انکو آپ کیوں نہیں دیکھتے کہ آخر وہ کیا فرما رہے ہیں اس پر غور بھی نہیں کرتے اور پھر عوام الناس کو بہکاتے بھی ہیں تو ان سے میں کہتا ہوں کہ کیا تم بہکانے کی وجہ سے خدا کے پاس کوئی مرتبہ پا جاؤ گے اور اس کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عنداللہ مرتبہ پانے کے لئے عمل کرنا ضروری ہے پھر تم اپنے علم پر عمل کیوں نہیں کرتے تاکہ وہاں مرتبہ پاؤ اسکو آخر کیوں بھولے ہوئے ہو -

اور سنئے! دوسری جگہ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ حدیث شریف میں جو اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاء آیا ہے اس سے مراد اولیاء ہیں یا فقہاء تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد وہ علماء ہیں جو اپنے علم پر عامل ہیں اس واسطے کہ وہ قال و حال دونوں کو جمع کرنے والے ہیں جس طرح انبیاء علم و حال کے حامل ہوتے ہیں اسی طرح انکے ورثہ بھی وہی لوگ ہونگے جو دونوں کے جامع ہوں انکے وارث وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو صرف اہل قال ہیں اور حال سے بالکل خالی ہیں -

محی الدین ابن عربیؒ کی کتابیں سب علماء دیکھتے ہیں مگر اسکی طرف توجہ نہیں ہوتی کہ ہم حال سے خالی ہیں لہٰذا حال پیدا کریں اسلئے کہ علم سے انکو صبر نہیں ہوتا اور حال سے صبر کر لیتے ہیں حالانکہ ہمارے سلف قال و حال دونوں کے جامع تھے، کیونکہ حقیقتاً صوفیاء وہ علماء ہیں جنھوں نے اپنے علم پر عمل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق میں اتباع کیا۔ اور اخلاق سے

مراد رسمی اخلاق نہیں بلکہ حقیقی اخلاق ہیں۔ رسمی اخلاق پر تو یہ حضرات صاف انکار کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک دفعہ میں مسجد میں پہونچا تو پہلی صف میں جگہ نہیں دوسری صف میں جگہ خالی تھی وہیں بیٹھ گیا، میرے آگے دو آدمی تھے وہ قبلہ سے منہ پھیر کر میری طرف دیکھنے لگے اس سے مجھکو سخت ایذا ہوئی کہ قبلہ سے رخ موڑ کر میری طرف کر لیا۔ اب ان چیزوں پر اگر نکیر کروں تو لوگ میرا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ انھیں لوگوں کے ساتھ ہو جائیں گے۔

مسجد خدا کے ساتھ مشغول ہونے اور اسکی طرف متوجہ ہونے کی جگہ ہے مسجد میں ہماری طرف کیوں متوجہ ہوتے ہو؟ بات یہ ہے کہ حال نہیں ہے ورنہ وہ دوسری طرف توجہ کرنے ہی نہ دیتا جس کی توجہ خدا کی طرف ہو جاتی ہے پھر وہ دوسری طرف مشغول ہو ہی نہیں سکتا خصوصاً جب کہ مسجد میں نماز کے لئے گیا ہوا ہے۔

شیخ نے یہ بڑی عمدہ بات فرمائی کہ انبیاء کی وراثت قول میں بھی ہوتی ہے اور حال میں بھی اور حقیقی وارث وہی ہوتا ہے جو دونوں کا جامع ہو لیکن بعد والوں نے قال کو آسان سمجھ کر لے لیا اور حال کو اسی طرح اخلاق کو مشکل سمجھ کر چھوڑ دیا جس کی وجہ سے ناقص رہ گئے۔ اور اس قسم کے ناقصین جو خود حال سے خالی ہوتے ہیں وہ اہل حال کا انکار بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب جو بڑی جگہ کے تھے وہ حضرت مولاناؒ پر اپنے مخصوص مجمع میں اعتراض کر رہے تھے اور انکے خلاف بہت کچھ کہہ رہے تھے اتنے میں حضرت والا کا خادم وہاں پہونچ گیا اور اس نے سب گفتگو سن لی پھر اس خادم کو دیکھکر وہی صاحب پوچھنے لگے کہ حضرت مولانا اچھے ہیں؟ اس نے آکر حضرت مولاناؒ سے کہہ دیا کہ فلاں صاحب کے پاس میں گیا تو وہ آپ کو ایسا ایسا کہہ رہے تھے

حضرت مولانا نے یہ سنکر فرمایا کہ یہ جو کہہ رہے ہیں اسکو جانتے ہیں حضرتؒ کا مطلب تھا کہ مجدد پر جو اعتراض کر رہے ہیں اسکا جواب بھی انکو معلوم ہے یعنی یہ بات نہیں ہے کہ علم نہیں ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ حق دوسری جانب ہے اور جان بوجھ کر اعتراض کرتے ہیں۔ میں نے جب یہ بات سنی تو اسکو یاد کر لیا۔

سنئے! قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ کرامت اولیاء اللہ کی حق ہے اسلئے کہ وہ نتیجہ ہے کتاب وسنت کے مطابق عمل کرنے کا۔ پس وہ معجزات کی فرع ہے انبیاء علیہم السلام کو معجزات دیئے جاتے ہیں اور اولیاء کرامت سے نوازے جاتے ہیں۔

اور شیخ اکبر فرما رہے ہیں کہ :-

فَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ يَحْتَجُّوْنَ بِالْمُعْجِزَاتِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ
وَالْاَوْلِيَاءُ يَحْتَجُّوْنَ بِالْكَرَامَاتِ عَلٰى نُفُوْسِهِمْ
لِتَصْلُحَ وَلِنُفُوْسِهِمْ لِتَطْمَئِنَّ

یعنی انبیاء اپنے معجزات کے ذریعہ مشرکین پر حجت قائم کرتے ہیں اور اولیاء کرامات سے اپنے نفوس پر حجت قائم کرتے ہیں

یعنی جس طرح معجزات مشرکین پر حجت ہوتے ہیں اسی طرح کرامات خود اہل کرامات کے نفوس پر حجت ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کرامات دوسروں کو معتقد بنانے کے لئے نہیں ہیں بلکہ اپنے ہی نفس کو ٹھیک کرنے کے لئے ہوتے ہیں عَلٰى نُفُوْسِهِمْ تو یہ ہے کہ نفس کی اصلاح ہو جائے اور لِنُفُوْسِهِمْ یہ ہے کہ نفس مطمئن ہو جائے۔

اور کرامت وہی معتبر ہے جو ولی ظاہر کرے بحکم اتباع کے۔ استقلال کے طریقہ پر نہ ہو کہ شرع کی اتباع نہ کرے۔ اگر استقلالاً خوارق کا ظہور ہوگا تو وہ کچھ بھی معتبر نہیں، شریعت بڑی چیز ہے اور اسکے آداب

کی رعایت ضروری ہے اور ولایت کے لوازم میں سے ہے۔

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ ابویزید بسطامیؒ نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ چلو فلاں شخص کی زیارت کرلیں جس کی ولایت اور زہد کا بہت شہرہ ہے چنانچہ یہ دونوں حضرات وہاں پہونچے جب وہ شخص اپنے گھر سے باہر آیا اور مسجد میں داخل ہوا تو مسجد میں قبلہ کی طرف نخامہ کردیا (یعنی ناک صاف کردیا) اسکی یہ بے ادبی دیکھکر ابویزیدؒ نے اسکو سلام بھی نہیں کیا اور وہیں سے واپس ہو گئے اور یہ فرمایا کہ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب کی حفاظت نہیں کرسکتا کہ اس نے مسجد کی حرمت کا لحاظ نہیں کیا تو پھر اسرار حق کا امین کیسے ہوسکتا ہے

یعنی جب ظاہری آداب شریعت کی رعایت نہیں کرتا تو کیسے سمجھا جائے کہ وہ ولی ہے اور اسرار حق کا حامل ہے وہ اسرار حق کا اس وقت حامل ہوتا جب کہ شریعت کے آداب کو بجا لاتا ۔ اس لئے کہ اسرار حق اسی کو ملتے ہیں جو شریعت کا پورا پورا ادب کرتا ہے اگر ولی ہی ادب نہیں کرے گا تو پھر اور کون ادب کرے گا اسرار حق کا حامل ہونا شریعت کے آداب کی رعایت پر موقوف ہے ۔ اب دیکھا جاتا ہے کہ بالکل بے شرع آدمی جو کپڑا بھی اتار دے اور بالکل ننگا ہو جائے اسی کو ولی سمجھتے ہیں اور جو لوگ احکام شرع کی پابندی کرتے ہیں فرائض و واجبات وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں اور آداب شرع کی رعایت کرتے ہیں انکے بارے میں ولایت کا ظن بھی نہیں کرتے اور ایک بالکل بے شرع آدمی کے متعلق ولایت کا یقین کرتے ہیں اگر ان سے کوئی پوچھے کہ تم بھی کچھ ہو یا نہیں ؟ تو ظاہر ہے کہ یہی کہیں گے کہ نہیں، پھر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جب تم خود کچھ نہیں ہو تو تم دوسرے کو کیسے سمجھ سکتے ہو اور کسی کی ولایت کے بارے میں تمھاری شہادت کیسے معتبر ہوگی ؟

ایک جم غفیر مسلمانوں کا اسی گمراہی میں مبتلا ہے اور شریعت کی اہمیت انکے نزدیک کچھ زیادہ نہیں ہے حالانکہ بزرگوں نے ایک ایک ادب کا بہت زیادہ لحاظ فرمایا ہے۔

چنانچہ ایک بزرگ نے ایک دفعہ مسجد میں داخل ہوتے وقت بجائے دایاں پیر رکھنے کے بایاں پیر رکھدیا تو فوراً ہی مارے خوف کے بیہوش ہوکر گر پڑے سنت کے خلاف مجھ سے عمل ہوگیا۔ دیکھئے مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کرنا مستحب ہے اور مسجد کا ادب ہے لیکن اسکے چھوٹ جانے کی وجہ سے انکو اسقدر صدمہ ہوا کہ بیہوش ہوکر گر پڑے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ فرائض و واجبات کا اور دوسرے احکام شرع کا کس قدر اہتمام فرماتے رہے ہوں گے۔

خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

جو آسان سمجھو تو ہے عشق آسان جو دشوار کرلو تو دشواریاں ہیں

اسکا مطلب یہ ہے کہ آسان سمجھو تو خوب ذکر و شغل کر کے اپنا دماغ پریشان کرلو اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگو تو بہت آسان ہے جس کا جی چاہے کرے مگر اس راستہ میں اتباع سنت کرنا یہ بہت دشوار ہے۔ عشق آسان ہے مگر اتباع سنت دشوار ہے۔ یہ کہہ یاہو کا اسمائے الٰہیہ کی کثرت کرو گے تو دل میں کچھ گرمی پیدا ہوگی پھر دل کی گرمی دماغ پر چڑھے گی اس سے دماغ پر اثر ہو جائے گا یہ آسان ہے مگر سنت کی راہ سے چلو اور پیروی کرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر امر میں اور لوگوں سے آپکی پیروی کراؤ یہ مشکل ہے اسلئے کہ اسکے لئے علم کی ضرورت پڑے گی اور حال کی ضرورت پڑے گی اور آداب کی رعایت کرنی پڑیگی اور اتباع سنت کرنا ہوگا۔

آگے فرماتے ہیں ؎

کسی کو کسی سے کبھی کو کسی سے ہمیں اپنی ہستی سے بیزاریاں ہیں
کرم کے بھروسے جو میخواریاں ہیں وہ میخواریاں کیا نیکوکاریاں ہیں
نکوکاریوں پر نظر ہو تو پھر وہ نکوکاریاں کیا سیہ کاریاں ہیں

یعنی اعمال حسنہ کے بعد اگر عجب اور کبر ہو تو پھر وہ حسنات ہی کیا رہے وہ سیئات ہو گئے۔ آگے خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

نہ لو نام الفت جو خودداریاں ہیں بہت ذلتیں ہیں بہت خواریاں ہیں

ایک آدمی ہم لوگوں کے ساتھ پڑھتے تھے اچھے آدمی تھے وہ کاغذ لیکر اسکی دُوَّنی، چوَنّی، اٹھنّی وغیرہ کاٹ کر بناتے تھے اور طلبہ کو دیدیتے تھے وہ اسکو لیجاکر استعمال کرتے تھے مگر وہ خود استعمال نہیں کرتے تھے، پھر انھوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت مولانا سے مجھکو مرید کرادو اسلئے کہ ہمارے شیخ صاحبِ باطن تو ہیں مگر حضرت مولانا ظاہر و باطن دونوں کے جامع ہیں۔ چنانچہ میں انکو لے کر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت مولانا مظفر نگر میں تھے میں نے جاکر حضرت سے عرض کیا تو حضرتؒ نے انکو سر سے پیر تک غور سے دیکھا پھر بیعت فرمالیا، خواجہ صاحب بھی موجود تھے انھوں نے کہا حضرت آپ تو پہلی ملاقات میں بیعت نہیں فرماتے۔ حضرت نے فرمایا کہ سب کے ساتھ ایک ہی معاملہ نہیں ہوتا اسکے بعد انھوں نے مجھ سے کہا اجی! مولانا تو ان چیزوں کو ناجائز سمجھتے ہیں اب ہم نہیں کریں گے۔ جو سکے وہ بنایا کرتے تھے انکو وہ خود تو پہلے بھی استعمال نہیں کرتے تھے دوسروں کو بنا کر دیا کرتے تھے مگر بیعت ہونے کے بعد یہ بھی چھوڑ دیا۔ وہ جو سکے بنایا کرتے تھے اس سے بڑھکر انکی یہ کرامت تھی کہ شریعت کی وجہ سے اور حضرت مولاناؒ کے ناجائز سمجھنے کی وجہ سے اسکو بنانا چھوڑ دیا۔ طریق میں پہلے اپنے اعمال ظاہری کی اصلاح ہے تب باطن

کی اصلاح، ہمارا طریقہ ان لوگوں کا طریقہ نہیں ہے جو شریعت کا اتباع نہیں کرتے بلکہ ہم شریعت کے اتباع کو دیکھیں گے اور اس کو مقدم رکھیں گے۔ اب جو لوگ ہمارے پاس آتے ہیں وہ اس چیز پر غور نہیں کرتے اور ہمیں سے کہتے ہیں مراقبہ بتا دو اور مشاہدہ کرا دو ورنہ بہت دیر لگے گی اس طرح ہم جلدی پہونچ جائیں گے تو ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ تمھارے طریقہ سے ہم نہیں لے چلیں گے بلکہ جو طریقہ ہمکو سکھایا گیا ہے اسی طریقہ سے لے چلیں گے اور جو ترتیب سلوک کی ہے اسی ترتیب سے کام کریں گے، پہلے قاعدہ بغدادی پڑھاکر تب قرآن مجید پڑھائیں گے نہیں تو نہیں چل سکو گے معلوم نہیں مراقبہ اور مشاہدہ سے انکی کیا مراد ہے؟ میں کہتا ہوں ؎

خیال یار میں رہنا مراقبہ ہے یہی تصورِ قدِ جاناں مشاہدہ ہے یہی

جب آدمی طریقے پہ چلتا ہے تبھی کچھ حاصل ہوتا ہے اور جو کچھ کبھی حاصل ہوتا ہے وہ خدا کی طرف سے حاصل ہوتا ہے پیر کی طرف سے نہیں اور اللہ تعالیٰ ہی احوال دیتے ہیں۔ پس چاہے تم ہمکو کچھ نہ سمجھو مگر ہم تم کو طریقے سے لے چلیں گے، ہم اس امر میں تمھاری اتباع نہ کرینگے بلکہ تم کو اپنی اتباع کرائیں گے اور تم کو ہماری اتباع کرنا ہوگا۔ طریق میں قدم قدم پر اتباع ہے۔ اہل اللہ نے ہم پر ایسا احسان فرمادیا ہے کہ ہر زمانے میں بزرگوں کے ملفوظات اور باطنی حالات کا ذخیرہ امت کیلئے جمع فرمادیا میں نے بمبئی میں کبھی یہ کہا تھا کہ ہمارے پاس بزرگوں کے احوال کا ذخیرہ جمع ہے ہم اسکو تمھارے سامنے پیش کرسکتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے یہ فرمایا اور فلاں نے یہ فرمایا، فلاں کے یہ حالات تھے فلاں کے اور فلاں کے یہ مقامات تھے لیکن اسکے لئے وقت چاہیئے اور تمکو ان مشائخ کی اتباع کرنا ہوگا اسلئے کہ وہ متبع سنت اور متبع شریعت تھے۔

ایک صاحب نے حضرت مولاناؒ کے پاس آنے کی اجازت چاہی کچھ اصلاحی باتیں لکھی ہونگی انکو حضرت مولاناؒ نے لکھا کہ یہاں آجاؤ انھوں نے جواب دیا کہ اچھی بات ہے ہم آجاتے ہیں مگر اسکے لئے دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ آپ کا کھانا نہیں کھائیں گے دوسرے یہ کہ آپ غصہ نہ کیجئے گا۔ مولانا نے فرمایا کہ دونوں باتیں منظور ہیں آجاؤ۔ جب وہ صاحب آگئے تب مولانا نے فرمایا کہ دیکھو اگر غصہ کی ضرورت ہوگی تو غصہ ہونگے اور اگر آپکو یہ منظور نہو تو کرایہ لیجئے اور چلے جائیے پھر وہ تیار ہوگئے کہ اچھی بات ہے ہم کو یہ منظور ہے اور جب ایک شرط سے آپ نے رجوع کرلیا تو دوسری شرط سے ہم رجوع کرتے ہیں اور کھانا آپ ہی کا کھائیں گے۔ پھر اسکے بعد نہ تو انھوں نے کوئی غصہ کی بات کی نہ حضرت مولاناؒ نے ان پر غصہ کیا بلکہ وہ خوش خوش واپس گئے۔

حضرت مولاناؒ بہت بڑے صاحب حال تھے مگر اتباع سنت کو مقدم کرتے تھے، فقہ کے امام تھے جتنے فتاویٰ آتے تھے ان سب پر انکے دستخط ہوتے تھے اور اسکے ساتھ ساتھ حال کے بھی امام تھے، ظاہری فقہ کے بھی ماہر تھے اور باطنی فقہ میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ شریعت اور طریقت دونو کے جامع تھے، حال اور قال دونوں کو جمع کئے ہوئے تھے چنانچہ آپ سب ہی حضرات جانتے ہیں کہ حضرت مولانا اپنے وقت کے بہت بڑے واعظ تھے مگر وعظ کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کا حال بھی تھا اور اپنے وعظ ہی سے معلوم نہیں کتنے لوگوں کو صاحب حال بنا دیتے تھے جو لوگ وہاں جا چکے ہیں اور انکے وعظوں میں شریک ہوچکے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں۔

عہ۔ اور یہ حقیر یہ کہتا ہے کہ جن لوگوں نے ان کے مواعظ مطبوعہ کا مطالعہ کیا ہے یا دل کے کان سے سنا ہے تو اسکا ضرور اقرار کریں گے کہ واقعی حضرت مولانا زبردست عالم اور صاحب حال تھے اس لئے کہ بغیر اسکے دوسروں کے قلوب میں یہ تاثر و حال پیدا ہی نہیں ہوسکتا یہ آپکی قلبی تاثیر ہی کا اثر ہے کہ اب بھی بوقت مطالعہ و سماع ایمان میں تازگی اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور آنی نہیں بلکہ دیرپا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ان مواعظ کے مطالعہ و سماع کی توفیق دیں۔ (مرتب)

دل کی بیماریاں اور طبیب روحانی کی ضرورت

(۳)

مجاہدات کا اصل مقصد

لیکن آجکل تصوف کا اور پیری مریدی کا سارا زور اس پر ہے کہ معمولات بتا دیئے گئے کہ فلاں وقت یہ ذکر کرنا ہے۔ فلاں وقت یہ ذکر کرنا ہے، بس وہ محض ذکر کے پیچھے لگے ہوئے ہیں چاہے باطن کے اندر کتنی ہی بیماریاں جوش مار رہی ہوں۔ پہلے زمانہ میں صوفیا کرام کے ہاں معمول تھا کہ کسی شخص کی اصلاح کا پہلا قدم یہ ہوتا تھا کہ اسکے اخلاق کی اصلاح کرنے کی فکر کرتے اسکے لئے مجاہدات کروائے جاتے تھے، ریاضتیں ہوتی تھیں رگڑا جاتا تھا تب جا کر اندر کی اصلاح ہوتی تھی اور اسکے بعد انسان کسی قابل ہوتا تھا۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے کا واقعہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ گنگوہ کے بڑے اونچے درجے کے اولیاءاللہ میں سے ہیں، ہمارے بزرگوں کے شجرہ کے اندر انکا اعلیٰ درجہ کا واسطہ ہے انکے ایک پوتے تھے جب تک شیخ حیات تھے پوتے کو فکر نہ ہوئی، ساری دنیا آکر دادا سے فیض حاصل کرتی رہی لیکن وہ صاحب زادگی کی موج میں رہے اور دادا کی طرف اس نقطہ نظر سے رجوع نہ کیا کہ اپنی اصلاح کرائیں جب شیخ کا انتقال ہوگیا تب انکو حسرت

ہوئی کہ یا اللہ میں کتنا محروم رہ گیا! کہاں کہاں سے آکر ساری دنیا فیض اٹھا گئی اور میں گھر میں ہوتے ہوئے کچھ بھی حاصل نہ کرسکا، اور چراغ تلے اندھیرا، اب حسرت ہوئی تو سوچا کہ کیا کروں تلافی کیسے ہو؟ خیال آیا کہ میرے دادا سے جن لوگوں نے اصلاح نفس کی یہ دولت حاصل کی ہے ان میں سے کسی کی طرف رجوع کروں۔ معلوم کیا کہ میرے دادا کے خلفاء میں سے کون اونچے مقام کا بزرگ ہے معلوم ہوا کہ بلخ میں ایک اونچے مقام کے بزرگ ہیں۔ اب کہاں گنگوہ کہاں بلخ! کہاں تو یہ کہ گھر میں دولت موجود تھی اور ہر وقت ان سے رجوع کرسکتے تھے وہ نہ کیا، آخر کار اسکی نوبت آئی کہ بلخ تک اتنا لمبا چوڑا مشقت کا سفر کریں۔ اب چونکہ طلب صادق تھی اسلئے سفر پر روانہ ہوگئے

شیخ کے پوتے کا استقبال

ادھر جب شیخ کے خلیفہ کو جو بلخ میں مقیم تھے معلوم ہوا کہ میرے شیخ کے پوتے آرہے ہیں تو اپنے شہر سے باہر نکل کر انھوں نے بڑا شاہانہ استقبال کیا اکرام کے ساتھ گھر لیکر آئے، شاندار کھانے پکوائے اعلیٰ درجہ کی دعوت کی، بہت اعلیٰ درجہ کی رہائش کا انتظام کیا۔ قالین بچھوائے اور خدا جانے کیا کچھ کیا۔

حمام کی آگ روشن کیجئے

جب ایک دو دن گذر گئے تو انھوں نے کہا کہ حضرت آپ نے میرے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ کیا، بڑا اکرام فرمایا لیکن درحقیقت میں کسی اور مقصد سے آیا تھا، پوچھا کیا مقصد؟ کہا کہ آپ میرے گھر سے جو دولت لیکر آئے تھے اس دولت کا کچھ حصہ مجھے بھی عنایت فرمادیں اس لئے حاضر ہوا تھا۔ شیخ نے کہا "اچھا وہ دولت لینے آئے ہو"؟ کہا کہ "جی ہاں"؟ کہا کہ اگر وہ دولت لینے آئے ہو تو یہ غالیچے یہ قالین، یہ اعزاز و اکرام یہ کھانے پینے کا انتظام سب ختم کردیا جائے، رہائش کا انتظام جو اعلیٰ درجہ کا کیا گیا تھا

وہ بکلی ختم کر دیا جائے۔ انھوں نے پوچھا کہ "اب کیا کروں"؟ فرمایا ہماری مسجد کے پاس ایک حمام ہے اس میں وضو کرنے والوں کے لئے لکڑیاں جلا کر پانی گرم کیا جاتا ہے تم وہاں حمام کے پاس بیٹھا کرو اور لکڑیاں جھونک کر وضو کرنے والوں کے لئے پانی گرم کیا کرو۔ بس تمھارا یہی کام ہے نہ بعیت نہ وظیفہ، نہ ذکر نہ معمولات، نہ کچھ اور۔ انھوں نے پوچھا "رہائش کہاں"؟ فرمایا "رات کو جب سونا ہو تو وہیں حمام کے پاس سو جایا کرو"۔ کہاں تو یہ اعزاز و اکرام اور استقبال ہو رہا ہے قالین بچھ رہے ہیں کھانے پک رہے ہیں، دعوتیں ہو رہی ہیں اور کہاں اب حمام جھونکنے پر لگا دیئے گئے۔ اب حمام میں بیٹھے ہیں اور آگ میں لکڑیاں جھونک رہے ہیں۔

ابھی کسر باقی ہے

لکڑیاں جھونکتے جھونکتے ایک دن شیخ نے جمعدارنی کو ہدایت کی کہ ایسا کرنا کہ حمام کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوگا کچرے کا ٹوکرا لیکر اس کے قریب سے گزر جانا اور اس طرح گزرنا کہ اسکی بو انکی ناک میں پہونچ جائے اب وہ ٹوکرا لیکر حمام کے پاس سے جو گزری تو چونکہ یہ تو صاحب زادے تھے نواب زادگی کی زندگی گزاری تھی ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی اور کہا کہ "تیری یہ مجال کہ تو یہ ٹوکرا لیکر میرے پاس سے گزرے نہ ہوا گنگوہ ورنہ میں تجھے بتاتا"۔ شیخ نے جمعدارنی کو بلا کر پوچھا کہ جب تو ٹوکرا لیکر گزری تو کیا ہوا اس نے کہا کہ جی وہ تو بہت غصے ہوئے اور انھوں نے کہا گنگوہ ہوتا تو تجھے بہت سخت سزا دیتا۔ کہا "ابھی ہوا ابھی بہت کسر ہے ابھی چاول گلا نہیں"

پھر کچھ دن گزرے تو شیخ نے جمعدارنی سے کہا کہ اب کے نہ صرف وہ ٹوکرا لیکر انکے قریب سے گزرنا بلکہ اس طرح گزرنا کہ ٹوکرا ان کے جسم سے لگ جائے اور پھر مجھے بتانا کہ کیا ہوا۔ اس نے یہی کیا۔ شیخ نے پوچھا "کیا ہوا"؟ اس نے کہا "جی ہوا یہ ہے کہ جب میں ٹوکرا لیکر گزری اور ٹوکرا بالکل ان کے جسم سے رگڑ کھاتا ہوا گزرا تو انھوں نے نہایت ترش نگاہ سے میری طرف دیکھا لیکن زبان سے

کچھ نہیں کہا، شیخ نے کہا، الحمدللہ فائدہ ہو رہا ہے۔

اب دل کا طاغوت ٹوٹ گیا پھر کچھ دن کے بعد شیخ نے کہا کہ ابکے اس طرح گزرنا کہ ٹوکرا گر جائے اور اس طرح گرے کہ تھوڑا سا کچرا ان کے اوپر بھی پڑ جائے اور پھر مجھے بتا دینا کہ انھوں نے کیا کہا۔ اس نے ایسا ہی کیا شیخ نے پوچھا کہ "اب کیسا ہوا؟" اس نے کہا "جی اب تو عجیب معاملہ ہوا میں نے جو ٹوکرا گرایا تو تھوڑا سا کوڑا ان کے اوپر بھی پڑا اور میں بھی گر گئی۔ میں جو گری تو انکو اپنے کپڑوں کا تو ہوش نہیں تھا مجھ سے پوچھنے لگے کہ چوٹ تو نہیں لگی"؟ فرمایا کہ "الحمدللہ" اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دل میں جو طاغوت تھا وہ ٹوٹ گیا۔

زنجیر مت چھوڑنا اب انکو بلا کر ڈیوٹی بدل دی کہا کہ اب تمھارا وہ حمام کا کام ختم اب تم ہمارے ساتھ رہا کرو۔ وہ اس طرح کہ ہم کبھی کبھی شکار کے لئے جاتے ہیں تو تم ہمارے شکاری کتوں کی زنجیر پکڑ کر ہمارے ساتھ چلا کرو، اب ذرا اونچا درجہ عطا ہوا کہ شیخ کے ساتھ صحبت اور ہمرکابی کا شرف بھی عطا ہو رہا ہے لیکن کتے کی زنجیر تھام کر ساتھ چلنے کا حکم ہے۔ شکار کے دوران کتوں نے کوئی شکار دیکھ لیا اور اسکی طرف جو دوڑے تو چونکہ شیخ کا حکم تھا کہ زنجیر نہ چھوڑنا اس لئے انھوں نے زنجیر نہیں چھوڑی کتے تیز بھاگے جا رہے ہیں اور یہ زنجیر چھوڑتے نہیں اسی حالت میں زمین پر گر گئے اور کتوں کے پیچھے زمین پر گھسٹتے ہوئے چلے جا رہے ہیں جسم پر کئی زخم لگ گئے اور لہولہان ہو گئے۔

وہ دولت آپ کے حوالے کر دی رات کو شیخ نے اپنے شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کو خواب میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ "میاں ہم نے تو تم سے ایسی محنتیں نہیں لی تھیں" اس وقت انکو تنبیہ ہوئی بلایا اور بلا کر گلے سے لگایا اور فرمایا آپ جو دولت لینے آئے تھے اور جو دولت آپ کے گھر سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی تھی الحمدللہ میں نے

وہ ساری دولت آپ کے حوالے کر دی۔ دادا کی وراثت آپکی طرف منتقل ہو گئی، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب آپ اطمینان سے وطن واپس تشریف لیجائیں۔

اصلاح کا اصل مقصد

عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ صوفیاء کرام کا اصل کام اندر کی بیماریوں کا علاج تھا، محض وظیفے، ذکر، تسبیح، معمولات نہیں تھیں۔ یہ ذکر، وظیفے، تسبیح، معمولات یہ سب بطور مقویات کے ہیں۔ اصلاح کے عمل میں معاونت کرنے کے لئے کروائے جاتے تھے لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ باطن کی بیماریاں دور ہوں، تکبر دل سے نکلے، حسد دل سے نکلے، بغض دل سے نکلے، عجب دل سے نکلے، منافقت دل سے نکلے، دکھاوے کا شوق دل سے نکلے، حب جاہ دل سے نکلے، حب دنیا دل سے نکلے۔ قلب کو ان چیزوں سے صاف کرنا اصل مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو، اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ ہو، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو، توکل ہو، استقامت ہو، اخلاص ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے تواضع ہو۔ یہ چیزیں پیدا کرنا تصوف کا اصل مقصود ہے۔

اصلاح باطن ضروری کیوں

لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز ہے، خوب سمجھ لو کہ یہ شریعت ہی کا ایک حصہ ہے، شریعت انسان کے ظاہری اعمال و افعال سے متعلق جتنے احکام ہیں انکے مجموعے کا نام ہے اور طریقت یا تصوف باطن کے اعمال و افعال سے متعلق احکام کے مجموعے کا نام ہے اور باطن کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے اگر یہ درست نہ ہو تو ظاہری اعمال بھی بیکار ہو جاتے ہیں۔ فرض کرو کہ اخلاص نہیں ہے، اخلاص کے کیا معنی ہیں؟ اخلاص کے معنی یہ ہیں ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی فکر کہ انسان جو کام بھی کرے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرے، یہ ہے اخلاص یہ اخلاص ایک باطنی

فعل ہے۔ ایک شخص کو اخلاص حاصل نہیں تو اگر وہ نماز بغیر اخلاص کے پڑھ رہا ہے اور اسلئے پڑھ رہا ہے کہ لوگ مجھے متقی پرہیزگار سمجھیں، عبادگزار سمجھیں۔ اب ظاہری اعمال تو درست ہیں لیکن چونکہ باطن میں اخلاص کی روح نہیں ہے اس واسطے وہ ظاہری اعمال بیکار ہیں، بے مصرف ہیں، گناہ ہیں کیونکہ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ (مشکوٰۃ کتاب الرقاق باب الریاء والسمعۃ حدیث نمبر ۵۳۳۱) یعنی "جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے" گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ کے بجائے مخلوق کو راضی کرنا چاہتا ہے اس لئے باطن کی اصلاح ظاہری اعمال کو درست کرنے کے لئے بھی لازمی ہے۔ اگر یہ نہیں ہوگی تو ظاہری اعمال بھی بیکار جائیں گے

اپنا معالج تلاش کیجئے

ہمارے بزرگوں نے یہ طریقہ بتلایا کہ چونکہ انسان ان چیزوں کی اصلاح خود نہیں کر سکتا لہٰذا کوئی معالج تلاش کرنا چاہیئے اس معالج کو چاہے پیر کہہ لو، چاہے شیخ کہہ لو چاہے استاد کہہ لو لیکن اصل میں وہ معالج ہے، باطن کی بیماریوں کا ڈاکٹر ہے جب تک انسان یہ نہیں کرے گا اس وقت تک اسی طرح بیماریوں میں مبتلا رہیگا اور اسکے اعمال خراب ہوتے چلے جائیں گے

جو باب آگے شروع ہو رہا ہے یہ اسکا تھوڑا سا تعارف تھا۔ اب آگے اخلاق کے جتنے شعبے ہیں ایک ایک کا بیان اسمیں آئے گا۔ اچھے اخلاق کو حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے اور برے اخلاق کو دور کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے اسکو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سیرت النبی کے جلسے اور جلوس

(۱)

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

امابعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (سورۃ الاحزاب ۲۱)

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین۔

آپ کا ذکر مبارک

بزرگان محترم وبرادران عزیز! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک انسان کی عظیم ترین سعادت ہے اور اس روئے زمین پر کسی بھی ہستی کا تذکرہ اتنا باعث اجروثواب، اتنا باعث خیر وبرکت نہیں ہو سکتا جتنا سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو سکتا ہے لیکن تذکرے کے ساتھ ساتھ ان سیرت طیبہ کی محفلوں میں ہم نے بہت سی ایسی غلط باتیں شروع کر دی ہیں جنکی وجہ سے

ذکر مبارک کا صحیح فائدہ اور صحیح ثمرہ ہمیں نہیں حاصل ہو رہا ہے

سیرت طیبہ اور صحابۂ کرامؓ

ان غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک صرف ایک مہینے یعنی ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور ربیع الاول کے بھی صرف ایک دن اور ایک دن میں بھی صرف چند گھنٹے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ساتھ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑا ظلم سیرت طیبہ کے ساتھ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری زندگی میں کہیں یہ بات آپکو نظر نہیں آئے گی اور نہ آپ کو اسکی ایک مثال ملے گی کہ انہوں نے ۱۲ ربیع الاول کو خاص جشن منایا ہو، عید میلاد النبی کا اہتمام کیا ہو یا اس خاص مہینے کے اندر سیرت طیبہ کی محفلیں منعقد کی ہوں اسکے بجائے صحابۂ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ انکی زندگی کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کی حیثیت رکھتا تھا جہاں دو صحابہؓ ملے انھوں نے آپکی احادیث، آپ کے ارشادات، آپکی دی ہوئی تعلیمات کا، آپکی حیات طیبہ کے مختلف واقعات کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اسلئے انکی ہر محفل سیرت طیبہ کی محفل تھی انکی ہر نشست سیرت طیبہ کی نشست تھی، اسکا نتیجہ یہ تھا کہ انکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ محبت اور تعلق کے اظہار کے لئے رسمی مظاہروں کی ضرورت نہ تھی کہ عید میلاد النبی منائی جا رہی ہے اور جلوس نکالے جا رہے ہیں، جلسے ہو رہے ہیں۔ چراغاں کیا جا رہا ہے اس قسم کے کاموں کی صحابۂ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں ایک مثال بھی پیش نہیں کیجا سکتی

اسلام رسمی مظاہروں کا دین نہیں بات درحقیقت یہ تھی کہ رسمی

مظاہرہ کرنا صحابۂ کرامؓ کی عادت نہیں تھی وہ اسکی روح کو اپنائے ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں کیوں تشریف لائے تھے؟ آپ کا پیغام کیا تھا؟ آپ کی تعلیم کیا تھی؟ آپ دنیا سے کیا چاہتے تھے؟ اس کام کے لئے انھوں نے اپنی ساری زندگی کو وقف کردیا لیکن اس قسم کے رسمی مظاہرے نہیں کئے اور یہ طریقہ ہم نے غیرمسلموں سے لیا ہے ہم نے دیکھا کہ غیرمسلم اقوام اپنے بڑے بڑے لیڈروں کے دن منایا کرتی ہیں اور ان دنوں میں خاص جشن، خاص محفلیں منعقد کیا کرتی ہیں اور انکی دیکھا دیکھی ہم نے سوچا کہ ہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے کے لئے عید میلادالنبی منائیں گے اور یہ نہیں دیکھا کہ جن لوگوں کے نام پر کوئی دن منایا جاتا ہے درحقیقت یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنکی زندگی کے تمام لمحات کو قابلِ اقتدار اور قابلِ تقلید نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ یا تو وہ سیاسی لیڈر ہوتا ہے یا کسی اور دنیاوی معاملے میں لوگوں کا قائد ہوتا ہے تو صرف اسکی یاد تازہ کرنے کے لئے اسکا دن منایا گیا لیکن اس قائد کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکی زندگی کا ایک ایک لمحہ قابلِ تقلید ہے اور اس نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ صحیح کیا ہے وہ معصوم اور غلطیوں سے پاک تھا لہٰذا اسکی ہر چیز کو اپنایا جائے ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا۔

آپؐ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے

لیکن یہاں تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپکو بھیجا ہی اسی مقصد کے لئے تھا کہ آپ انسانیت کے سامنے ایک مکمل اور بہترین نمونہ پیش کریں، ایسا نمونہ بن جائیں جس کو دیکھکر لوگ نقل اتاریں اسکی تقلید کریں اس پر عمل پیرا ہوں اور اپنی زندگی کو اسکے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اس غرض کے لئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا گیا

تھا آپ کی زندگی کا ہر ایک لمحہ ہمارے لئے ایک مثال ہے ایک نمونہ اور ایک قابل تقلید عمل ہے اور ہمیں آپ کی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی نقل اتارنی ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ فریضہ ہے۔ لہٰذا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے دوسرے لیڈروں پر قیاس نہیں کر سکتے کہ انکا ایک دن منا لیا اور بات ختم ہوگئی بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو ہماری زندگی کے ایک ایک شعبے کے لئے اللہ تعالے نے نمونہ بنا دیا ہے اور سب چیزوں میں ہمیں انکی اقتدا کرنی ہے۔ ہمارا زندگی کا ہر دن انکی یاد منانے کا دن ہے۔

ہماری نیت درست نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ سیرت کی محفلیں اور جلسے جگہ جگہ منعقد ہوتے ہیں اور ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو بیان کیا جاتا ہے لیکن بات دراصل یہ ہے کہ کام کتنا ہی اچھے سے اچھا کیوں نہو مگر جب تک کام کرنے والے کی نیت صحیح نہیں ہوگی جب تک اسکے دل میں داعیہ اور جذبہ صحیح نہیں ہوگا اس وقت تک وہ کام بے کار، بے فائدہ، بے مصرف، بلکہ بعض اوقات مضر، نقصان دہ اور باعث گناہ بن جاتا ہے۔ دیکھئے نماز کتنا اچھا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور قرآن وحدیث نماز کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں لیکن اگر کوئی شخص نماز اسلئے پڑھ رہا ہے تاکہ لوگ مجھے نیک متقی اور پارسا سمجھیں ظاہر ہے کہ وہ ساری نماز اکارت ہے بے فائدہ ہے بلکہ ایسی نماز پڑھنے سے ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا۔

(جاری)

کمالاتِ اشرفیہ

(۵۷)

(۱۷۳) فرمایا کہ ہماری طرف جو کچھ لوگوں کی توجہ ہے وہ سب دین کی بدولت ہے پس ہمکو اس دین کی عزت قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے اگر اسکی عزت نہ رہے پھر ہمیں کون پوچھتا ہے کوئی قول یا فعل ہمارا ایسا نہونا چاہیئے جس سے دین کی ذلت یا بدنامی ہو

ف: اس سے کھلی حضرت والا کی دین کی عزت کا خیال اور عقل کا کمال ثابت ہے

(۱۷۴) فرمایا کہ اگر بڑی رقم کا کوئی ہدیہ دیتا ہے تو گو دینے والے کی حیثیت سے زیادہ نہ ہو اور خلوص میں کھلی کمی نہ ہو لیکن مجھے زیادہ معلوم ہوتا ہے اور طبیعت پر بوجھ سا معلوم ہوتا ہے اور واپسی کو جی چاہتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ کوئی عذر شرعی سمجھ میں نہ آتا تھا مگر چونکہ طبعی بات کی مخالفت مشکل ہوتی ہے میں انکار کر دیتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ طبعی معذوری ہے سنت میں اسکی اصل نہیں ہے، لیکن الحمدللہ میرا یہ شبہہ جاتا رہا جب سے کہ میں نے ایک حدیث دیکھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی خوشبو پیش کرے تو واپس مت کرو اور خود ہی اسکی علت بیان فرماتے ہیں کیونکہ بار اسکا کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور فرحت کی چیز ہے پس علت عدم رد کی خفیف الحمل ہونے کو بتلایا میں نے کہا الحمدللہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ بوجھ پڑنا طبیعت پر یہ کھلی ایک عذر معقول و مشروع رد ہدیہ کا ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کی طبیعت کا نہایت سلیم اور اوفق بالسنۃ ہونا اور قوت استنباط صاف ظاہر ہے۔

(۱۷۵) فرمایا کہ مسلمانوں کو بے فکر کرنے کے لئے اچھی حیثیت بنا کر سفر کرنا عبادت

ہے چنانچہ دو چار جوڑے جو اچھے ہوئے وہی چھانٹ کر سفر میں لے جاتا ہوں تاکہ لوگ سمجھیں کہ اسکو کسی چیز کی حاجت نہیں۔ سب بے فکر رہیں گے۔

ف: اس سے حضرت والا کا زہد و استغناء صاف ظاہر ہے۔

(۱۷۶) جناب شیخ معشوق علی صاحب جو ہمارے حضرت کے خلفاء میں سے ہیں حاضر مجلس تھے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی عملی تعلیم کا بہت اثر ہوتا ہے چنانچہ ایک بار میں اور خواجہ صاحب حضور کے ساتھ ریل کے سفر میں تھے کھانا کھاتے میں ایک بوٹی گر گئی میں نے اسکو تختہ کے نیچے سرکا دیا حضور نے دیکھکر فرمایا کہ کیا بوٹی گر گئی ہے چنانچہ وہ بوٹی حضرت نے اٹھوائی اور فرمایا کہ اسکو دھو لیجئے میں کھا لونگا پھر وہ بوٹی خواجہ صاحب نے دھو کر خود ہی کھالی۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ کبھی دسترخوان پر سے ایک ریزہ بھی زمین پر گر گیا ہے تو اسکو اٹھا کر کھا لیا ہے عملی تعلیم کا اتنا اثر ہوتا ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کی عملی تعلیم، اتباع سنت، نعمت الٰہی کی توقیر و عظمت صاف ظاہر ہے

(۱۷۷) فرمایا کہ خدمت سے کس کو راحت نہیں ہوتی لیکن خدمت کے لئے تین شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ خلوص ہو یعنی اس وقت کوئی غرض اس خدمت سے نہو محض محبت سے ہو اکثر لوگ خدمت کو ذریعہ بناتے ہیں عرض حاجت کا یہاں تک کیا ہے کہ بعد عشاء کے میں تھوڑی دیر کیلئے لیٹ رہتا ہوں طالب علم بدن دبانے لگتے ہیں چونکہ بدن دبانے سے راحت ہوتی ہے میری آنکھ لگنے لگتی ہے جس وقت میری آنکھ لگنے لگی ایک صاحب نے جو بدن دبانے میں شریک ہو گئے تھے مجھ سے کہا کہ مجھے کچھ پوچھنا ہے۔ ان ہی واقعات سے میں دوسروں پر بھی بدگمانی کرنے لگا اسی لئے میں تحقیق کر لیتا ہوں کہ کون کون بدن دبا رہا ہے اور سوائے دو چار طالبعلموں کے باقی سب کو رخصت کر دیتا ہوں۔ دوسری شرط خدمت کی یہ ہے کہ دل ملا ہوا ایک نو وارد اگر بدن دبانے لگے یا پنکھا جھلنے لگے تو لحاظ بھی ہوتا ہے

شرم بھی آتی ہے اب آدمی تختہ مشق کیسے سب کا بن جاوے ۔ تیسرے یہ کہ کام بھی آتا ہو مثلاً بعضوں کو بدن دبانا نہیں آتا بعضا موقع لحاظ کا ہوتا ہے اب ان سے کیسے منہ پھوڑ کر کہدیا جاوے کہ آپ سے بدن دبانا آتا نہیں آپ چھوڑ دیجئے مجبوراً چپ رہنا پڑتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدمت کر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ میں انکی خدمت کر رہا ہوں کہ کچھ بولتا نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تکلیف اٹھا رہے ہیں انکے واسطے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں انکے واسطے تکلیف اٹھا رہا ہوں طالب علموں سے دل کھلا ہوا ہے اور انکو طریقہ بھی آتا ہے ان سے کچھ تکلف بھی نہیں ہے چاہے پاؤں پھیلا دیا چاہے پیٹھ کر سو رہا اب دو چار تو ایسے ہوتے ہیں سب ایسے کہاں ہو سکتے ہیں ۔

ف : اس سے حضرت والا کے شرائط خدمت لینے کے معلوم ہوئے جو دال ہے تجربہ اور لحاظ اور مروت پر ۔

(۱۷۸) ایک صاحب نے کچھ تیل عطر وغیرہ ہدیہ بذریعہ ڈاک بھیجا بذریعہ خط دریافت کیا کہ صحیح و سالم پہونچ گئے یا نہیں؟ اسکو فرمایا کہ اگر راستہ میں نقصان ہو جاوے تو اطلاع نہیں کرنا چاہئے ایک تو بوتل ٹوٹی پھر دوسرے کا دل کیوں توڑے

ف : اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا دوسرے کی دل تسکین کا کس قدر لحاظ فرماتے ہیں

(۱۷۹) ایک دیہاتی آکر بیٹھا حضرت نے پوچھا کیسے آئے کہا کہ ملنے آیا تھا حضرت نے دوبارہ پوچھا کہ کچھ کہنا ہو تو کہو اس نے مقدمہ کے لئے کوئی وظیفہ پوچھا حضرت نے فرمایا کہ پہلے صرف یہ کیوں کہا تھا کہ ملنے آیا تھا یہ تو دھوکا دینا ہوا ہمیشہ یاد رکھو جب کسی کے پاس جاؤ تو بات صاف کہو ۔ اگر تمھارے اسرار کہنے پر کہ ملنے آیا تھا میں خاموش ہو جاتا اور اٹھکر چلدیتا تو کہتے بڑے روکھے ہیں پوچھا تک نہیں ۔ اس نے کہا کہ میں تنہائی میں کہنا چاہتا تھا فرمایا کہ اول تو یہ بات کوئی تنہائی کی نہ تھی دوسرے یہی کہتے کہ صاحب مجھے تنہائی میں کچھ کہنا ہے تاکہ آنے کا مطلب تو معلوم ہو جاتا ۔ پھر حضرت نے مقدمہ کے لئے فرمایا

"یَا حَفِیْظُ" ہر نماز کے بعد سو سو مرتبہ پڑھا کرو اول و آخر درود شریف اور ویسے بھی ہر وقت یَا حَفِیْظُ کی کثرت رکھا کرو پھر گھر جانے کیلئے اٹھے تو چلتے ہیں پوچھا کہ کیا مقدمہ ہے اس نے کہا کہ خود میں نے دائر کیا ہے فرمایا کہ بھلے اس پہلے ہی کیوں نہ کہا میں سمجھا کوئی فوجداری کا مقدمہ تمھارے اوپر ہے پھر فرمایا کہ اس صورت میں "یَا حَفِیْظُ" کے بجائے "یَا لَطِیْفُ" پڑھنا چاہیئے

ف: اس ملفوظ سے حضور والا کی شان تربیت، ضبط و تحمل اور طبیعت کا تناسب معلوم ہوا۔

(۱۸۰) حضرت خواجہ صاحب کے ایک دوست نے انکو لکھا کہ فلاں صاحب حضرت والا کے دربار کے آداب سے ناواقف ہیں آپ انکو مدد دیجئے گا حضرت نے دربار اور آداب کے الفاظ پر کراہت کے ساتھ فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ کہاں کا دربار اور کیسے آداب؟ پھر فرمایا کہ یہاں کا ادب یہی ہے کہ کوئی ادب نہ ہو یعنی بالکل بے تکلفی اور صفائی ہو تکلف اور زیادہ ادب آداب ہی سے تو یہاں کام نہیں چلتا بس جو سیدھی سیدھی بات ہے وہ ہونی چاہیئے۔ اس لئے جس خط میں کوئی ابہام ہوتا ہے میں جرح قدح کرتا ہوں کیونکہ جب تک میں خود نہ سمجھ لوں جواب کیسے دوں؟ اگر کوئی بیعت کی غرض سے آنا چاہتا ہے تو لکھ دیتا ہوں کہ اس غرض سے نہ آویں محض ملاقات اور باتیں سننے کے لئے آتا ہو تو آجاویں ابہام کو میں پسند نہیں کرتا تاکہ یہ نہ ہو کہ دل میں تو لائے کچھ اور یہاں پاسئے کچھ اور۔

ف: اس سے حضرت والا کی سادگی، معاملہ کی صفائی، تکلف و تصنع سے سخت حذر فعلاً بھی قولاً بھی اور ناپسندگی ابہام اظہر من الشمس ہے۔

(۱۸۱) فرمایا کہ دعوت اور ہدیہ میں حرام حلال کو زیادہ نہیں دیکھتا کیونکہ میں متقی نہیں بس جو فتوئی فقہی کی رو سے جائز ہوا سے جائز سمجھتا ہوں لیکن اسکا بہت خیال رکھتا ہوں کہ دین کی عزت میں کمی نہ ہو، دھوکہ نہ ہو

بوجہ نہ ہو یعنی گنجائش سے زیادہ نہ ہو نہ حالاً نہ مآلاً یعنی دیتے وقت غلبۂ محبت کی وجہ سے گرانی محسوس نہ ہو پھر ثانی یاد آوے کہ اقوہ دس دیدیئے۔

ف: اس سے حضرت والا کے دین کی عزت کا بہت خیال اور عدم خداع، دوسرے کی گرانیٔ قلب کا بے حد لحاظ ثابت ہے۔

(۱۸۲) فرمایا کہ امراء عموماً اہل علم کو بے قدر سمجھتے ہیں بجز انکے جنھوں نے صحبت اہل علم کی اٹھائی ہے۔ اہل علم خود جا جاکر گھستے ہیں مجھے تو بڑی غیرت آتی ہے، اپنی پیاز روٹی اچھی اس بریانی سے جس میں ذلت ہو۔ اور امراء جو اہل علم کو بے قدر سمجھتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان امراء کو ایسے ہی اہل علم ملے جو قابل ذلت تھے اسلئے میں امراء کو کبھی معذور رکھتا ہوں۔ ایک صاحب ذی استعداد اہل علم کا واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک دنیا دار فاسق فاجر شرابی کے یہاں کسی کی سفارش کے لئے پہونچے وہ ہوا خوری کے لئے ٹمٹم پر جا رہا تھا کہا اس وقت فرصت نہیں پھر آئیے گا مولوی صاحب پھر پہونچے۔ پھر فرمایا کہ امراء کی کیا خطا؟

ف: اس سے امراء سے استغناء صاف ظاہر ہے۔

(۱۸۳) فرمایا کہ میں تو چندوں کی بابت کبھی علماء کا زبان سے کہنا بالکل پسند نہیں کرتا لوگ بڑی تہمت لگاتے ہیں بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے کمانے کو مولویوں نے مدرسے کھول رکھے ہیں، ان کے دروازے پر چندے کے لئے کبھی نہ جائے۔ پھر فرمایا کہ اپنی ذات سے جو خدمت دین کی ہو وہ کردے اگر چندہ نہ آوے نہ سہی۔ اگر ہم لوگوں کے قلوب درست ہوجاویں تو سلف صالحین کے طرز پر دین کی خدمت کریں، انکو ہرگز حاجت بڑے بڑے مکانوں کی نہ تھی عالم اپنے گھر پر درس دیتا تھا لیکن اس حالت میں یہ رائے نہ دونگا کہ مدرسے موقوف

کردیئے جاویں مدرسوں کا وجو ذخیر عظیم ہے یہ موقوف نہ ہونے چاہئیں کیونکہ یہ زمانہ ہی ایسا ہے مگر اعتدال سے تو نہ گذرے۔

ف : اس سے حضرت والا کی نفرت چندہ مانگنے سے، طرز سلف صالحین کی پسندیدگی اور ہر امر میں اعتدال کا پورا پورا لحاظ ثابت ہے

(۱۸۴) ایک صاحب نے کہا کہ عورتیں بہشتی زیور کو اسلئے اور بھی پسند کرتی ہیں کہ اسکی عبارت بہت آسان ہے فرمایا کہ جی ہاں اگر عبارت مشکل ہوتی تو وہ بہشتی زیور کیا ہوتا بہشتی عمامہ ہوجاتا پیچ در پیچ۔

ف : اس سے حضرت والا کی ظرافت اور حاضر جوابی صاف ظاہر ہے۔

(۱۸۵) ایک ذاکر صاحب کی مزید درخواست ذکر پر حضرت نے فرمایا کہ زیادہ ذکر کا تحمل ہوسکے گا؟ انھوں نے کہا اگر مصلحت ہو تو زیادہ بتلا دیا جاوے اس پر حضرت نے ناخوش ہوکر اٹھا دیا کہ مجھ پر بھی یہ احتمال ہے کہ میں خلاف مصلحت بھی تعلیم کرتا ہوں، کھو دیا رسموں نے یہ بھی کہنا رسم ہے کہ "اگر مصلحت ہو" یہ نہ سمجھے کہ اس سے دوسرے معنی کیا لازم آ گئے۔ جب وہ صاحب اٹھکر چلے گئے تو مسجد میں جا کر حضرت کی طرف منہ کرکے بیٹھے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب میری مجلس میں نہیں ہو تو میری طرف منہ کرکے کیوں بیٹھتے ہو؟ پھر فرمایا کہ کھو دیا رسوم نے

ف : اس سے کس قدر تنفر رسوم سے اور شان تربیت ظاہر ہوتی ہے

(۱۸۶) فرمایا کہ مجھے خدا جانتا ہے کہ ذرا سی بات بھی فضول ہو تو اس سے نہایت انقباض ہوتا ہے مگر ہنسی مذاق یہاں تک کہ فحش تک سے بھی چاہے وہ عقلاً منکر ہو لیکن اس سے انقباض نہیں ہوتا اور پھر سب فضول باتوں میں بھی اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ان فضولیات میں جنکو کہنے والا خود بھی سمجھے کہ یہ فضولیات ہیں۔

ف : اس سے فضولیات سے سخت نفرت صاف ظاہر ہے۔

(۱۸۷) فرمایا بحمد اللہ یہاں رہ کر یہ تو ضرور حاصل ہو جاتا ہے کہ طریق وغیر طریق

میں تیز ہو جاتی ہے پھر چلنا اسکا فعل ہے لیکن خود چلنا تو جبھی ہو سکتا ہے جب رستہ معلوم ہو آجکل یہ حالت ہے کہ کتابیں بھی ختم، مدرس بھی ہو گئے مگر آجتک یہ خبر نہیں رستہ کیا ہے؟ لوگ زوائد میں مبتلا ہیں مقاصد کو چھوڑے ہوئے ہیں

ف: اس سے تحدث بالنعمۃ، مقصود پر نظر صاف ظاہر ہے۔

(۱۸۸) ایک مدرس سے فرمایا کہ جتنی خدمت اختیار میں ہو وہ کرتا رہے اگر بالکل روپیہ نہ رہے اور سب مدرسین مدرسہ کو چھوڑ کر چلے جاویں تو خود اکیلا ہی اپنے گھر پر طالبعلموں کو لیکر بیٹھ جاوے کیونکہ اس سے زیادہ پر اب اسکو قدرت نہیں رہی۔ کام کے کسی خاص درجے کو مقصود کیوں سمجھے؟ کام سے مقصود تو رضا ہے اور وہ غیر اختیاری امور پر موقوف نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ قاعدۂ کلیہ عمر بھر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو امور اختیار میں ہوں اور فضول نہ ہوں انکا تو قصد کرے اور جو اختیار میں نہ ہوں انکا ہرگز قصد نہ کرے اس طرح اگر زندگی بسر کرے تو اسکی دین و دنیا دونوں درست ہو جاوے پریشانی تو ایسے شخص کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتی خدا سے اپنا دل لگائے رکھے۔ جس کو پریشانی نہ ہوگی دل بھی اسی کا خدا کی طرف لگ سکتا ہے ورنہ پریشانی میں آدمی عبادت بھی نہیں کر سکتا۔ جمعیت بڑی دولت ہے۔ مگر پھر پریشانی بھی وہی مضر ہے جو اپنے اختیار سے لائی جاوے اور جس پریشانی میں اپنے اختیار کو دخل نہ ہو وہ ذرا بھی مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت کا کمال تجربہ وعقل اور شان تربیت اور علم طریقت صاف ظاہر ہے۔

(۱۸۹) ایک ہندو ہیڈ ماسٹر نے حضرت مولانا کی بڑی تعریف کی لیکن کہا کہ پرانے فیشن کے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمیں تو فخر ہے کہ ہم پرانے فیشن کے ہیں۔

ف: اس سے حضرت کا پرانے فیشن کو موجب فخر سمجھنا صاف ظاہر ہے۔

(۱۹۰) فرمایا کہ رائے پور کے سفر میں بہٹ کے قریب سے پیدل گیا گو شاہ زاہد حسین صاحب بڑی محبت سے پیش آتے ہیں اور نہایت خوشی سے سواری انتظام کر دیتے لیکن مجھے شرم آئی۔ حافظ فصیح الدین صاحب بہٹ میں اتر پڑے کیونکہ وہ پیدل نہ چل سکتے تھے ان کے ساتھ میں نے شیخ رشید احمد صاحب کو بھیجا کہ بلا اطلاع کئے دروازہ تک پہنچا کر چلے آؤ کیونکہ وہ بڑے آدمی ہیں تنہا جانے میں انکی سبکی بھی ہے اور خوف بھی ہے کہ کہیں کتا وغیرہ نہ پریشان کرے۔ میں امراء کی خوشامد تو نہیں کرتا لیکن اسکا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی بات انکی شان کے خلاف نہ ہو۔ حافظ صاحب سے میں نے کہدیا کہ ایک گھنٹہ کے بعد آپ میری اطلاع کرنا کہ میں دور پہونچ جاؤں گاڑی شیخ صاحب کے انتظار میں وہیں کھڑی رہی لیکن میں اتر کر پیدل چلنے لگا تاکہ بہٹ سے جتنا بڑھ جاؤں اچھا ہے غرض اسکا بڑا اہتمام کیا کہ شاہ صاحب کو اطلاع نہ ہونے پاوے گو وہ بہت مخلص اور بڑے رئیس ہیں انکے نزدیک ایک چھکڑا کر دینا کچھ بھی نہیں تھا لیکن مجھے خود اس کا سبب بننا ہرگز گوارا نہ ہوا شرم آئی کہ ان سے ملنا تو گویا خود سواری مانگنا ہے ہاں لوٹتے وقت ملنے کا خود ارادہ تھا پھر اگلے روز وہ خود رائے پور آ گئے اور واپسی میں انھوں نے خود اپنی ٹمٹم پر بٹھلایا اس میں میں نے ذرا عذر نہیں کیا کیونکہ خود مانگتا تو تذلل تھا اور کہنے پر نہ جانا تکبر ہے۔ اور یہ دونوں برے۔

ف : اس میں حضرت والا کی نفرت سوال سے نیز تملق امراء سے بدرجۂ غایت ثابت ہے۔

(جاری)

رَفع الموانع

(۷)

مثلاً بیوی سے کسی کو عشق ہو کوئی ملامت نہیں لیکن اسکو بڑھائے نہیں اسلئے کہ بڑھکر شاغِلٌ عنِ الحق ہو جائے گی ہاں اگر محبت بالکل نہ ہو اور یہ خوف ہے کہ مجھ سے ادائے حقوق میں کوتاہی ہوگی اس سلئے محبت کی تحصیل کرتا ہے یا کچھ تو ہے مگر اسکو اس مصلحت ادائے حقوق کے لئے بڑھاتا ہے تو جائز بلکہ مستحب ہے اور جو اس قدر محبت موجود ہے کہ ادائے حقوق کے لئے کافی ہے مگر محض تحصیل لذت کے سلئے اسکو بڑھاتا ہے یعنی ایسے اسباب غیر ضروری کا ارتکاب کرتا ہے جن سے محبت بڑھے اور غرض لذت اور عیش پرستی ہے تو یہ بُرا ہے بلکہ بعض اوقات مُفضِی اِلیَ المَضَرّتُ (یعنی ضرر کا باعث) ہو کر ظناً یا یقیناً حرام ہے اور یہی راز ہے اس میں کہ حب کا تعویذ کرنا ناجائز ہے چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ بیوی کو حرام ہے کہ تسخیر زوج (یعنی شوہر کو مطیع بنانے و تابع بنانے) کیلئے تعویذ کرے ۔ مطلب اسکا یہ ہے کہ جس وقت محبت بقدر ضرورت موجود ہے لیکن صرف اس واسطے کہ زوج میرا ہی اُلّو بن جائے نہ ماں کا رہے نہ باپ کا تعویذ کرتی ہے یہ حرام ہے ہاں اگر حقوق ادا نہ کرتا ہو تو تعویذ وغیرہ کا کچھ مضائقہ نہیں پس جبکہ محبت جائز کا بھی جیسے کہ زوجین میں ہوتی ہے بڑھانا حد سے زائد پسندیدہ نہیں تو جو محبت اصل سے ہی ناجائز ہے وہ تو کیونکر قابل ملامت نہ ہوگی اور یہی وجہ ہے ہمارے مشائخ محققین نے تو شغل رابطہ کو جسکا حاصل یہ ہے کہ اپنے شیخ کی صورت کا تصور کیا کرے پسند نہیں کیا ہے اور بعضوں نے ناجائز بھی کہا ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ایسا تصور کرنا کہ غیر مُتَصَوَّر کا تصور ہی نہ کرے یہ صرف خدا ہی کا حق ہے چنانچہ مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ نے اس شغل کو مَا ھٰذِہٖ

التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (یہ کیا واہیات مورتیں ہیں جنکی عبادت پر جمے بیٹھے ہو) میں داخل فرمایا ہے اسی طرح توجہ متعارف بین الصوفیہ جسکی حقیقت یہ ہے کہ شیخ تمام خطرات سے خالی ہوکر طالبین کی طرف متوجہ ہوتا ہے محققین نے اسکو کلی ناپسند کیا ہے اسلئے کہ قلب کو ماسوا طالب سے جب خالی کرلیا تو حق تعالےٰ کی یاد کلی اس میں برائے نام ہی رہ جائیگی یعنی جتنی کہ قلب میں رہ جکی ہے اور درجہ اختیار سے نکل کر درجہ اضطرار میں پہنچ گئی ہے۔

توجہ الی اللہ

باقی قصداً توجہ الی اللہ نہ رہے گی اسلئے کہ قصداً طالب کی طرف متوجہ ہے تو اس وقت یہ شخص توجہ الی اللہ کا جو کہ مامور بہ ہے تارک ہوا کیونکہ مامور بہ توجہ اختیاری ہے نہ کہ اضطراری — میں اسکی حرمت کا تو فتویٰ نہیں دیتا اس لئے کہ اکثر مشائخ کا معمول رہا ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ نیت اس میں ان حضرات کی خیر ہی کی تھی اسلئے جائز ہی کہتا ہوں مگر مجھکو اس جائز سے اسقدر نفرت ہے جیسے بعض کو اوجھڑی کھانے سے نفرت ہوتی ہے مجھکو اس میں بالکل صورت شرک کی سی معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ یہ خدا کا حق ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے کسی شے کو دل میں نہ لائے پس جبکہ اس شَغْلُ الْقَلْبِ بِالْغَيْرِ کو جس میں نیت کلی خیر ہے محققین نے پسند نہیں کیا تو جس محبت کا ثمرہ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا (یعنی دنیا میں عذاب میں مبتلا کرنا) ہو اور جس تعلق کا نتیجہ ظلمت ہو وہ تو کیونکر نا جائز نہ ہوگی اور محبت کا بڑا سبب یا تو نظر ہے اگر وہ مُشَاہَد ہے اور اگر مرگیا یا غائب ہے تو کثرت تخیل و تصور ہے پس نظر کی کلی حفاظت ضروری ہے اور تخیل و تصور کو کلی دوسرے کام میں لگ کر منقرق کر دینا چاہیئے ورنہ کثرت تخیل کا نتیجہ اکثر جنون ہوتا ہے۔ مولاناؒ نصیحت فرماتے ہیں ؎

عشق با مردہ نباشد پائدار عشق را با حی و با قیوم دار

(مُردوں کے ساتھ عشق پائدار اور دائم نہیں ہوتا (لہٰذا) عشق کو خدا کی حی و قیوم

ذات کے ساتھ (خاص) رکھو۔)

عشقہائے کز پے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود

(جو عشق رنگ و روغن کی وجہ سے ہوتے ہیں وہ درحقیقت عشق نہیں ہوتے بلکہ انجام کار ننگ وعار اور رسوائی ہوتے ہیں۔)

غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں عشقہائے اولین و آخریں

(ایسے عشق میں ڈوب جاؤ کہ جس کے اندر اولین و آخرین سب غرق ہیں)

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست بر کریماں کارہا دشوار نیست

(تم یہ مت کہو کہ ہماری اس بارگاہ تک رسائی نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ کریموں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے)

یعنی یہ مت کہو کہ ہمارا تو اس درگاہ میں دخل نہیں ہے اسلئے کہ کریم پر کام دشوار نہیں تم طلب تو کرو وہ کریم تمکو رسائی دے گا، افسوس ایسی ذات کے ساتھ تو محبت نہ کریں جو خود تمکو طلب کرے اور جسکی محبت میں ہر طرح کا چین، لطف و سکون حاصل ہو اور ایسوں کے اوپر مریں کہ جنکی محبت سے مالیخولیا اور جنون، اضطراب، بے قراری اور بےچینی ہو اور اکثر وہ تمھاری طرف التفات بھی نہ کرے

مُردہ کا تخیل خصوص جس شخص نے مردہ کا تخیل غالب کرلیا ہو ایسے شخص کے لئے تو ضروری ہے کہ وہ اپنا علاج کرائے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا دماغ صحیح نہیں ہے۔ اور مردہ کو یاد کرکرکے زیادہ رونے سے ایک یہ بھی خرابی ہے کہ مردہ کو بھی تکلیف ہوتی ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابی بیمار ہوئے اور انکو نزع شروع ہوا ان کی بیوی یہ کہکر رونے لگی ہائے میرے سردار انھوں آنکھ کھول کر منع کیا کہ کیا میں تمکو منع نہیں کرتا تھا کہ نوحہ مت کرنا جب تم یہ کہتی تھیں کہ ہائے سردار تو فرشتے مجھ سے کہتے تھے کہ کیا تو ایسا تھا۔ دیکھو اس طرح کی بات سننے سے بھی تکلیف ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح میری بڑی ہمشیرہ کے انتقال کے بعد

میری تائی صاحبہ یعنی میری بڑی چچی بہت روتی تھیں ایک بار مرحومہ کو خواب میں دیکھا کہتی ہے کہ تائی تم نے رو رو کر ندی نالے بہا دیئے میں تمھارے پاس آیا کرتی مگر تم نے راستہ ہی نہ رکھا۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اموات کو بعض اوقات احیاء کے افعال کا احساس ہوتا ہے اور وجہ اسکی کبھی یہ ہوتی ہے کہ فرشتے اطلاع کر دیتے ہیں اور کبھی کبھی حق تعالیٰ کی طرف سے اقتراب روحانی کا اذن ہو جاتا ہے اس سے انکو ادراک ہوتا ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ نے شرح الصدور میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بزرگ اپنی والدہ کی قبر پر جا کر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے ایک روز انھوں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہتی ہیں کہ بیٹا جب تم میرے پاس آیا کرو تو آتے ہی قرآن مجید نہ شروع کر دیا کرو تھوڑی دیر بیٹھکر شروع کیا کرو تاکہ میں تمکو جی بھر کر اول دیکھ لیا کروں، جب تم قرآن شروع کر دیتے ہو تو اسکے انوار تمھارے چہرے کو مجھ سے چھپا دیتے ہیں۔

حرام محبت

الحاصل یہ تفصیل تو حلال محبت میں تھی اور جو حرام محبت ہے جسکا نام لوگوں نے عشق رکھا ہے جس کو بجائے عشق کے اگر فسق کہا جائے تو بجا ہے خواہ وہ محبت عورتوں کے ساتھ ہو یا لڑکوں کے ساتھ یہ تو کسی طرح بھی جائز نہیں آجکل لڑکوں کی محبت کا مرض بہت عام ہو گیا ہے اور یہ فتنہ عورتوں سے زیادہ سخت ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ عورتیں تو خود بھی اجنبی مردوں سے بچتی ہیں اور ان میں حیاء بھی ہوتی ہے اور نیز وہ پردہ میں بھی رہتی ہیں دوسرے یہ کہ عورت مرد ملیں تو فوراً لوگوں کو بدگمانی ہوتی ہے اور لڑکوں میں بچاؤ کی کوئی چیز نہیں ہے اسلئے اس میں ابتلا بہت ہے اور نہایت سخت چیز ہے یہ وہ فعل ہے جس نے قوم لوط کو تباہ کر دیا ہے اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں انکی بہت سی قسمیں ہیں چنانچہ فقہاء نے لکھا کہ لوطی کی تین قسمیں ہیں قِسْمٌ يَّنْظُرُوْنَ وَ قِسْمٌ يُّقَبِّلُوْنَ وَ قِسْمٌ يَّفْعَلُوْنَ یعنی ایک قسم تو وہ ہے جو صرف

دیکھتے ہیں اور دوسری قسم جو بوس وکنار کرتے ہیں اور تیسری قسم جو یہ فعل کرتے ہیں" اور میں یہ عرض کرتا ہوں کہ چوتھی قسم ایک اور ہے وہ یہ ہے کہ یَتَصَوَّرُوْنَ وَیَتَخَیَّلُوْنَ یعنی تصور اور تخیل میں مبتلا ہیں یہ قلب کی لواطت ہے اور دلیل اسکی وہ حدیث ہے وَالْقَلْبُ یَزْنِیْ وَزِنَاہٗ اَنْ یَّشْتَہِیَ (اور قلب زنا کرتا ہے اور اسکا زنا ناجائز خواہش کرنا ہے) اور یہ فعل زیادہ سخت اس لئے ہے کہ عورت کسی وقت حلال ہونے کا محل تو ہے اور اس فعل خبیث میں تو حلت کا وسوسہ بھی نہیں اور یہ فعل فطرۃ سلیمہ کے بالکل مبائن اور مخالف ہے اور اس فعل سے عقوبۃ بھی سخت بلائیں نازل ہوتی ہیں چند سال ہوئے تھانہ بھون کا ہی قصہ ہے کہ ایک شخص حق تعالیٰ کی طرف مشغول تھا اس کے قلب پر یہ آیت وارد ہوئی اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَھْلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ یہ آیت قوم لوط کے بارے میں ہے ترجمہ یہ ہے کہ ہم بیشک اس بستی والوں پر بسبب انکے فسق (اور بدکاری) کے آسمان سے ایک عذاب نازل کرنے والے ہیں" اس شخص نے ممبر پر بیٹھ کر سب کو سنا دیا اور یہ کہہ دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس فعل خبیث میں مبتلا ہیں توبہ اور استغفار پڑھنا چاہیئے لیکن کسی نے نہ سنا اسکے بعد ہی اس شدت سے طاعون ہوا کہ گھر کے گھر خالی ہو گئے اور نظر بصیرت اور کشف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کی ظلمت قلب پر بہت سخت ہے۔ زنا میں اتنی ظلمت نہیں ہے۔ فقط ہاتھ لگانے ہی سے بے حد ظلمت طاری ہو جاتی ہے اصل فعل کا درجہ تو آگے رہا بزرگوں نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ جس شخص کو اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتے ہیں اسکو امردوں کی محبت میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ تمام تر کلام محبت کے بارے میں تھا۔

حبّ مال

تیسرا مانع کہ وہ بھی فرد نعمت کا ہے حب مال ہے اسلئے آگے اسکو ارشاد فرماتے ہیں اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ "یعنی تمہارے اموال اور اولاد فتنہ (اور آزمائش کی چیز) ہیں اور اللہ کے نزدیک اجر عظیم ہے" کیونکہ اولاد کا فتنہ زیادہ سخت ہے اس لئے یہاں اسکو مکرر ارشاد فرمایا اور نیز اسلئے کہ اموال کے ساتھ محبت کا ایک منشا اولاد کی محبت بھی ہے اسلئے بھی اولاد کو مکرر ذکر فرمایا اور مال کی محبت کے بھی دو درجے ہیں ایک بضرورت حدود شرعیہ کے اندر یہ مذموم و مانع نہیں اور ایک وہ محبت جس کے غلبہ میں حقوق شرعی فوت ہوتے ہیں چنانچہ آجکل یہ بلا بھی عام ہے جو کہ حب مال کا شعبہ ہے وہ یہ کہ حقوق العباد میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اس زمانہ میں وہ لوگ بڑے باہمت ہیں جو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اہل حقوق کو حقوق پہنچاتے ہیں آجکل بڑے بڑے دیانتداروں کی یہ کیفیت ہے کہ نمازیں بہت پڑھیں گے حتیٰ کہ نوافل اور تسبیح ذکر و شغل کے پابند ہیں لیکن حقوق کے ادا کرنے میں تساہل حتیٰ کہ بعض علماء کا یہ حال ہے کہ کسی مردہ کے ورثہ اسکا مال انکے مسجد یا مدرسہ میں لائیں تو بے تکلف لے لیتے ہیں نہ اسکی تحقیق کرتے ہیں کہ اسکے کتنے وارث ہیں اور سب کی رضامندی ہے یا نہیں کوئی ان میں نابالغ تو نہیں ہے اس بلا میں باستثناء خاص خاص بندوں کے سب ہی مبتلا ہیں۔ خصوص مدارس میں تو اس چندہ کا قصہ بڑا نازک ہے میں نے ایک جگہ کی حکایت سنی ہے کہ شادیوں کے موقع میں کچھ مدارس میں لوگ دیا کرتے ہیں سو ایک شادی ہوئی ایک خاص مدرسہ میں شادی والوں نے نہ دیا تو منتظم مدرسہ نے دعوت کے موقع پر میزبان سے خود کہا کہ مدرسہ کا حق نہیں آیا۔ کوئی اس بھلے مانس سے پوچھے کہ حق کے یہاں کیا معنی ہیں حق تو وہ ہے جو شرعاً واجب ہو بعض برادریوں میں دستور ہے کہ جس کے ہاں شادی ہو اس سے جبراً مدرسہ یا مسجد کے لئے کچھ مقدار خاص روپیہ کی لیتے ہیں جو بالکل ناجائز ہے۔ بہرحال عوام یا خواص باستثناء اخص الخواص سب ہی ان بے احتیاطیوں میں مبتلا ہیں جن میں خواص کے ان افعال اور تعلق اہل اموال سے بے حد ضرر ہو رہا ہے۔ ایک موقع پر ایک داڑھی منڈے صاحب کہہ رہے تھے کہ ہم فلاں

رسہ میں گئے تھے ہماری بڑی تعظیم کی گئی دیکھیے ہماری تعظیم مال ہی کی وجہ
سے ہے اگر ہم مالدار نہ ہوتے یا اس مال کی اہل مدرسہ کو امید نہ ہوتی
یسے علماء ہم کو کیوں پوچھتے اتفاق سے میں ایک سنہ میں کلکتہ گیا تو ان ہی حضرت نے جو وہاں سو
ئے ہوئے تھے میرا وعظ سنا میں نے وعظ کہا اور اس میں حب مال پر زیادہ
ضمون بیان کیا انھوں نے اسکی کبھی شکایت کی تھوڑا عرصہ ہوا نواب صاحب
ھاکہ کی استدعا پر جو میں کلکتہ تک گیا تو وہ ملے بہت تعظیم سے پیش آئے
ر کہنے لگے ہم کو تو آنے سے ناامیدی ہوئی تھی نواب صاحب نے بیان کیا کہ ان نے
یعنی احقر نے) ایک شرط کی ہے جو مشکل ہے میں نے پوچھا وہ شرط کیا نقل کی تھی
کہنے لگے نواب صاحب نے بیان کیا کہ یہ شرط کی ہے کہ ہم کو کچھ نہ دیا جائے، میں نے
یا یہ شرط کیا مشکل ہے یہ تو بہت آسان ہے۔ وہ کہنے لگے جناب یہ کیسے ہو سکتا
ہے اپنے محبوب کی خدمت کرنے کو تو جی چاہا ہی کرتا ہے۔ میں نے کہا یہ بھی
ہو سکتا ہے کہ محبوب کی خدمت محبوب کے گھر بیٹھے ہوئے کر دی جائے، یہ کیا
ضروری ہے کہ بلا ہی کر دیں۔ کہنے لگے جناب گستاخی معاف پیاسا کنوئیں کے پاس
یا کرتا ہے کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔ میں نے کہا آہا تو کیا آپ ہم کو پیاسا
ر اپنے آپ کو کنواں جانتے ہیں واللہ آپ خود پیاسے ہیں اور ہم کنوئیں ہیں آپ
پنے کو دنیا کی دولت کی وجہ سے کنواں کہتے ہوں گے سو بحمد اللہ جس قدر دنیا
ی ضرورت ہے وہ ہمارے پاس موجود ہے اور جس قدر دین کی تم کو ضرورت ہے
س سے تم لوگ مفلس ہو۔ غرض میں نے خوب ہی کان کھولے لیکن بولے بالکل
ہیں۔ جب وہ چلے گئے تو لوگ کہنے لگے کہ بہت ہی اچھا ہوا یہ بڑا مغرور ہے جس کو
یا ہے کہہ لیتا ہے۔ غرض ان مدارس کے چندوں نے علماء کو بہت بے وقعت
ر دیا ہے، اگر علماء اپنی حالت درست کر لیں اور ان مالداروں کو منہ نہ لگائیں
ر قناعت اختیار کر لیں تو پھر عوام پر بھی بہت اچھا اثر ہو اور جب علماء ہی کو
وال کے ساتھ اسقدر دلچسپی ہو کہ دولت مندوں کی خوشامد کریں تو عوام بیچاروں

کی کیا شکایت ہے واللہ اگر یہ لوگ خوشامد اور حرص چھوڑ کر استغنار کا معاملہ کریں تو امراران کے دروازے پر خود آویں البتہ آنے والوں کے ساتھ بداخلاقی نہ کریں۔ اور فتنہ کے معنی یہاں وہ نہیں ہیں جسکو عام لوگ فتنہ فساد کہا کرتے ہیں بلکہ فتنہ کے معنی امتحان کے ہیں یعنی اولاد اور مال تمہارے لئے امتحان کی چیز ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ مشغول ہوتے ہو یا ہماری طرف اور جو امتحان میں کامیاب ہوگا اس کے واسطے اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

تقوی یہاں موانع کی فہرست تمام ہوگئی اور وہ کل تین چیزیں ہوئیں ایک مصیبت اور نعمت کے افراد میں سے، ایک اولاد ازواج، دوسرا مال۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مانعیت انکی بوجہ افراط محبت اور تاثر کے کے ہے اب اس مقام پر یہ شبہہ ہوسکتا ہے کہ یہ محبت اور تاثر تو قلب میں ہوتا ہے اور وہ اختیار میں نہیں ہے یہ تو سخت مصیبت ہوئی تو آگے اسکا جواب ارشاد ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تو جہانتک تم سے ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو) مطلب یہ کہ تم کو یہ کون کہہ رہا ہے کہ آج ہی جنیدؒ جیسے ہوجاؤ میاں جس قدر تم سے ہوسکے تقوی کرتے رہو رفتہ رفتہ مطلوب تک پہنچ جاؤ گے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (اللہ تعالی سے ایسا ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے) کی ناسخ ہے لیکن میرے تفسیر کردینے سے معلوم ہوا ہوگا کہ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب آیت اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ نازل ہوئی تو صحابہ یہ سمجھے کہ امر کا صیغہ ہمیں فور کے واسطے ہے اسی وقت اللہ سے ایسا درجہ تقوی حاصل کرلو جو حق ہے اسکا، اور قاعدتو یہی ہے کہ امر فور کے لئے نہیں ہوتا لیکن گاہ گاہ قرائن سے فور بھی محتمل ہوتا ہے۔ پس صحابہؓ اس احتمال سے کانپ اٹھے اسلئے کہ جو حق ہے تقوی کا وہ فوراً کیسے عمل ہوسکتا ہے تو اسکے بعد آیت فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ بطور اسکی تفسیر کے نازل ہوئی۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان ٭ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۷ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ مطابق جولائی ۱۹۹۷ء جلد ۲۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین۔ ۲۳/۲۵۔ بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انبیاء کرام کے وارثین

کل میں نے بیان کیا تھا کہ ہمارے سلف صالحین ایسے تھے جو قال اور حال دونوں کے جامع تھے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنیئے! وہ یہ کہ ایک دفعہ عشاء کی نماز میں امام نے سورۂ اِذَا زُلْزِلَتْ تلاوت کی امام صاحبؒ بھی جماعت میں شریک تھے جب سب لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے تو امام صاحبؒ کھڑے ہو گئے اور اپنی ڈاڑھی پکڑ کر حق تعالیٰ سے کہنے لگے کہ یا اللہ تو نے یہ فرمایا ہے کہ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ یعنی جو ایک ذرہ برابر خیر کا عمل کرتا ہے اسکو بھی دیکھے گا اور جو ایک ذرہ برابر شر کا عمل کرتا ہے اسکو بھی دیکھے گا۔ بس اے وہ ذات جو ذرہ برابر نیکی کا بدلہ نیکی سے اور ذرہ برابر بدی کا بدلہ بدی سے دیگی اپنے بندہ نعمان کو آگ سے بچا لیجئے اور اسی طرح صبح تک بار بار کہتے رہے اور روتے رہے۔

دیکھئے یہی آیت برابر نمازوں میں پڑھی جاتی ہے لیکن اسکا کوئی اثر ہم لوگوں کے قلب پر نہیں ہوتا اور امام صاحبؒ کا حال دیکھئے کہ اس آیت نے انکے قلب پر ایسا اثر کیا کہ رات بھر کھڑے ہی رہ گئے اور عشاء کے وقت سے لیکر فجر تک روتے ہی رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظمؒ صرف قال ہی میں امام نہیں تھے بلکہ حال میں بھی امام تھے اور انکا یہ واقعہ تمام علماء پر حجت ہے۔

اور میں نے کل یہ بھی بیان کیا تھا کہ انبیاء اپنے معجزات کے ذریعہ مشرکین پر احتجاج کرتے ہیں اور اولیاء اپنی کرامات کے ذریعہ اپنے نفوس پر احتجاج کرتے ہیں تاکہ انکے نفوس صالح ہو جائیں یعنی ان سے جب کرامات صادر ہوتی ہیں تو چونکہ وہ خود انکا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ انکے ہاتھ پر ظاہر فرماتے ہیں تو وہ اپنے نفس کو خطاب کرتے ہیں کہ اے نفس! دیکھ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئی ہے اسکا یقین کر یہ مطلب ہے عَلٰی نُفُوْسِهِمْ کا اور لِنُفُوْسِهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ اسکا نفع نفوس کو پہونچتا ہے کہ وہ مطمئن ہو جاتے ہیں یعنی آخرت میں تو انکو جو کچھ ملیگا وہ ملے ہی گا دنیا میں یہ ثمرہ دیا جاتا ہے کہ انکے نفوس کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ ہم صراط مستقیم پر ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ قوم نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو عام عادت کے خلاف کثرتِ عبادات و مجاہدات اختیار کرتا ہے تو ضرور اللہ تعالیٰ بھی اسکو خوارق و کرامات سے نوازتے ہیں۔ یعنی اسلئے کہ جب بندہ اپنی عادت کے خلاف مجاہدات کرتا ہے تو ادھر سے بھی ایسا ہی معاملہ اسکے ساتھ ہوتا ہے۔

عقائد کی کتابوں میں جس طرح معجزات کی بحث آئی ہے اسی طرح اسکے ساتھ ساتھ کرامات کی بحث بھی آئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی عقائد کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ یہ کتاب بھی عقائد کے بیان میں ہے اس میں اہلسنت والجماعت کے ایک ایک عقیدہ کی بحث کی ہے اور فرمارہے ہیں کہ اہلسنت والجماعت ہی سے کرامات کا صدور ہوا ہے۔ رہے معتزلہ تو ان میں عالم تو تھے لیکن چونکہ انھوں نے کرامات اولیاء کا انکار کیا اسلئے ان سے کرامات کا ظہور نہ ہوا اور ایسی چیزوں کے انکار کی وجہ سے فِرَقِ ضالہ اور اہلِ بِدَع میں انکا شمار ہوا۔

نیز یہ فرماتے ہیں کہ طریقِ صوفیہ کی صحت پر اور انکے اعمال میں اخلاص پر یہ خوارق و کرامات سچی دلیل ہیں اور فرمارہے ہیں کہ صحابہ سے اور تابعین

سے اور اسکے بعد صالحین سے اسقدر خوارق اور کرامات کا صدور ہوا ہے جو استفاضہ کی حد کو پہونچتا ہے یعنی یہ بات حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہے۔
اسی کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ صحابہؓ سے کثرت کے ساتھ کرامات کیوں نہیں مشہور ہوئیں جیساکہ بعد کے اولیاء سے مشہور ہوئیں ؟ ایک جواب تو اسکا وہی ہو سکتا ہے جو ابھی اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ صحابہؓ کی کرامات حد استفاضہ اور حد تواتر کو پہونچی ہیں تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان سے کرامات کا صدور نہیں ہوا اور بعد والوں سے ہوا اور امام احمدؒ نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ صحابہؓ کا ایمان انتہائی قوی تھا بخلاف بعد والوں کے کہ ان کے ایمان میں ضعف تھا اور جس قوم کا ایمان ضعیف ہوتا ہے اسکے عصر کے اولیاء کی کرامات کثیر ہوتی ہیں۔

پس ایمان سب صحابہؓ کا قوی تھا گو قوت کے اعتبار سے انمیں درجات تھے لیکن قوی الایمان سب صحابہ تھے اور کرامت کی ضرورت اسلئے ہوتی ہے کہ جب قوم کا ایمان ضعیف ہوجاتا ہے تو اسکی تقویت کے لئے اسوقت کے اولیاء کی کرامات کثیر ہوتی ہیں، اور جب صحابہ رضؓ قوی الایمان تھے تو کثرت کرامات کی ضرورت ہی نہ تھی اسکی تائید میں حضرت ابو الحسن شاذلیؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ :-

حضرت مریم علیہا السلام کو ابتداء امر میں خرق عادت کے طور پر جو بے موسم کے پھل انکے پاس آتے تھے اسکے بارے میں فرماتے ہیں کہ انکے ایمان کی تقویت کے لئے اور یقین کی تقویت کے لئے ایسا ہوتا تھا اور پھر جب انکا ایمان و یقین قوی ہو گیا تو انکو اسباب کی طرف رجوع کیا گیا اسلئے کہ تقویت ایمان کے بعد سبب میں اشتغال مسبب الاسباب سے غافل نہیں کرتا۔

یہیں سے کہا گیا ہے کہ بغیر اسباب کے توکل سے اسباب کے

ساتھ توکل بڑھا ہوا ہے کیونکہ اسباب نہ ہونے کی صورت میں مسبب پر نظر آسان ہے لیکن اسباب کے ہوتے ہوئے اس سے قطع نظر کرلینا اور مسبب الاسباب کی طرف نظر کرنا بلکہ اسباب کو بھی اسی کی طرف رجوع کردینا یہ مشکل ہے اور اصل توکل یہی ہے کہ اسباب کے ہوتے ہوئے بھی نظر مسبب الاسباب پر ہو۔ چنانچہ محققین فرماتے ہیں کہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں ہے بلکہ قطع نظر عن الاسباب کا نام ہے۔ [۵]

مولانا محمد علی مونگیری سے کسی نے سوال کیا کہ اولیاء کی کرامات سے ضعیف الایمان لوگوں کے ایمان کی تقویت مقصود ہے تو اس زمانہ میں تو پہلے سے بھی زیادہ لوگوں کے ایمان میں ضعف ہے اسلئے اب تو اور زیادہ خوارق کا ظہور ہونا چاہیئے حالانکہ بہ نسبت پہلے اولیاء کے اس زمانہ میں خوارق کم ظاہر ہوتے ہیں، مولانا مونگیریؒ نے فرمایا کہ یہ دور ضلالت کا دور ہے اور پہلا دور جن میں کرامات ظاہر ہوئیں وہ دور ہدایت تھا۔

اور حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کے پاس میں بھی بیٹھا ہوا تھا اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ بھی بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت نے فرمایا کہ اگر اس زمانہ میں کرامات کا ظہور ہوا اور پھر لوگ اسکو نہ مانیں بلکہ انکار کریں تو عذاب آجائے گا اگر عام عذاب نہ آوے تو خود اسکے لئے تو آہی جائے گا۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ اسکو سنکر بہت محظوظ اور لطف اندوز ہوئے۔

اور علامہ شعرانیؒ تو خود تصریح فرمارہے ہیں کہ مَنْ عَاشَرَ الصَّالِحِيْنَ بِالصِّدْقِ رَأَى كَرَامَاتِهِمْ عِيَانًا یعنی جو شخص صالحین کی معاشرت صدق کے ساتھ اختیار کرے گا تو انکی کرامات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کرامات کا صدور اب بھی ہوتا ہے مگر اس کے مشاہدہ کے لئے شرط یہ ہے کہ صدق ہو۔

۵۔ اساسے نگاہ مثالہ ۱۔

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ ارشاد الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے پیر سے روایت کرتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے بعض جگہ لکھا ہے کہ بعض اولیاء نے جن سے بہت کرامتیں ظاہر ہوئیں وفات کے وقت آرزو کی کہ کاش ہم سے اسقدر کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں۔

اسکے بعد لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ اگر خوارقِ عادات ولایت کی شرط نہیں ہے تو کیونکر یہ معلوم کیا جاسکے کہ یہ ولی اللہ ہے؟ حضرت مجدد صاحبؒ نے اس بات کے دو جواب دیئے ہیں ایک تو یہ کہ ولی کی ولایت کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے ولایت خدا سے ایک نسبت ہے کوئی اس پر مطلع ہو یا نہ ہو اکثر اولیاء خود اپنی ولایت سے مطلع نہیں ہوئے دوسروں کا تو کیا ذکر موت کے بعد اسکا ثمرہ دیکھیں گے۔

خوارق کی ضرورت دراصل انبیاء کو ہے جو مخلوق کو دعوت دیتے ہیں انکے لئے ضروری ہے کہ مخلوق پر اپنی نبوت کو ظاہر کریں اور ثبوت مہیا کریں اور اولیاء جو دعوت دیتے ہیں وہ اپنے پیغمبر کی شریعت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو اس پیغمبر کے معجزات اس دعوت کیلئے کافی ہیں علماء و فقہا ظاہر شرع کی دعوت دیتے ہیں اور اولیاء اپنے مریدوں کو پہلے ظاہر شرع کے بجالانے کی دعوت دیتے ہیں پھر انکو ذکر بتاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سلوک کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ظاہر شرع کو اختیار کیا جائے پھر باطن کیطرف مشغول ہوا جائے۔ اور اب جو لوگ ہمارے پاس آتے ہیں وہ آتے ہی چاہتے ہیں کہ ہمکو مراقبہ بتلا دیا جائے اس کی وجہ طریق سے ناواقفیت ہے، اسی لئے میں کتابیں نکال نکال کر دکھلاتا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ اپنے اوقات یاد الٰہی میں صرف کیا کرو تاکہ ذکر الٰہی غالب ہو جائے اور خدا کے سوا کسی دوسرے کا خیال دل میں نہ رہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مرید رشید جوں جوں اپنے حالات میں

تغیر دیکھتا ہے اسکو اپنی ہی ذات میں پیر کی کرامت لمحظہ بہ لحظہ نظر آتی ہے جو مردہ دل کو زندہ کر کے مشاہدہ و مکاشفہ سے سرفراز کر دیتا ہے ۔ مردے کا زندہ کر دینا عوام کے نزدیک عمدہ کام ہے اور خواص کے نزدیک روح اور قلب کا زندہ ہونا معتبر ہے ۔ پس کرامت مرید کی نظر میں موجود ہے اور عوام کے لئے اسکی ضرورت نہیں ۔

اور سنئے ! فرمارہے ہیں کہ سحر اور کرامت کے درمیان فرق یہ ہے کہ سحر ان فساق اور زنادقہ اور کفار کے ہاتھوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو شریعت کی متابعت پر نہیں ہوتے اور کرامت تو اسی شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے جو شریعت کی اتباع کا نہایت اہتمام کرتا ہے ۔ دونوں میں یہی فرق ہے ۔

میں یہ کہتا ہوں کہ کرامت وغیرہ لیکر کیا کرو گے اصل چیز کو کیوں نہیں لیتے اور اسکی طرف توجہ کیوں نہیں کرتے اسکے بارے میں حضرت مولانا تھانوی کلید مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ

جب ظل اللہ (مرشد کامل) کا موصل الی اللہ ہونا تمکو اوپر کے اشعار میں معلوم ہوگیا تو اسکے ذریعہ سے آفتاب (ذات حق کو حاصل کرو آگے اپنے وقت کے کاملین کی تعیین فرماتے ہیں جن سے یہ دولت وصول کی حاصل ہوسکتی ہے کہ شاہ شمس الدین تبریزی کا دامن پکڑو اور اگر اس فیض عام اور لذت بخش کو ان سے حاصل نہ کرسکو تو مولانا ضیاء الحق حسام الدین سے کہ انکے نائب ہیں دریافت کرو کیونکہ مولانا ضیاء الحق کو اول فیض شمس تبریز سے حاصل ہوا اور پھر مولانا سے تو وہ مولانا کے پیر بھائی ہیں اور خلیفہ بھی مولانا نے اس مقام پر تو اضعًا صرف انکا حضرت شمس سے مستفیض ہونا بیان کیا ہے ۔ آگے فرماتے ہیں ؎

ور حسد گیرد ترا در رہ گلو ۔۔۔ در حسد ابلیس را باشد غلو

اور اگر اس راہ میں حسد تمھارا گلو گیر ہو تو سمجھو کہ یہ شیطانی حرکت ہے اسلئے کہ

ابلیس کو حسد میں بہت غلو ہے)

کوز آدم ننگ دارد از حسد   با سعادت جنگ دارد از حسد

کیونکہ وہ آدم علیہ السلام سے ننگ رکھتا ہے حسد کی وجہ سے اور سعادت سے جنگ رکھتا ہے حسد کی وجہ سے۔

آدم علیہ السلام سے تو ننگ ہی ہے اور سعادت سے جنگ ہے

عقبۂ زیں صعب تر در راہ نیست   اے خنک آنکش حسد ہمراہ نیست

یعنی اس سے دشوار گزار گھاٹی اس راہ میں کوئی نہیں اور اچھا ہے وہ شخص جس کے ساتھ حسد نہیں ہے

اسکی شرح میں حضرت مولانا تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس راہ سلوک میں حسد سے بڑھکر کوئی امر مانع نہیں کہ اسکے سبب سے ناقصین کمال حاصل کرنے سے رہ گئے کامل کا اتباع کرنے کو خلاف شان سمجھا اور بالخصوص اپنے شیخ کے خلیفہ سے کہ وہ اپنا پیر بھائی ہوتا ہے رجوع کرنا تو غالب طبائع کے خلاف ہوتا ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم بوجہ پیر بھائی ہونے کے اسکے ساتھ مساوات کا مرتبہ رکھتے ہیں پھر اس سے کس طرح التجا کریں اور تکمیل بدون اتباع کسی کامل کے ممکن نہیں

اس وقت اسی کو بیان کرنا مقصود تھا کہ لوگوں میں یہ نقص ایسا ہوتا ہے اور یہ اتنا بڑا مانع ہے کہ کسی طرح کاملین کے سامنے جھکنے نہیں دیتا جسکی وجہ سے ناقصین کمال حاصل کرنے سے رہ جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب جو صورت سے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ اگر آپ انکو دیکھتے تو مرید ہونے کے لئے تیار ہو جاتے انکا تعلق حضرت مولانا سے تھا مگر وہاں بہت کم جاتے تھے پھر بعد میں میرے پاس آتے تھے اور بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ مانتے ہیں اور میرے پیچھے لوگوں سے کہتے تھے کہ اگر

ہیں تو ہم بھی ہیں۔ میں نے جب سنا تو یہ کہا کہ یوں کہئے کہ تو وہاں برابر جاتے تھے اور میں کبھی نہیں جاتا تھا اس واسطے میں ہو گیا ہوں میں برابر وہاں جاتا تھا اور زیادہ زیادہ دنوں تک قیام کرتا تھا اور حضرت مولانا سے سیکھتا تھا اور یہ شخص کبھی جاتا بھی نہیں تھا اور کہتا تھا کہ میں ہو گیا ہوں اور عوام الناس کو باور کرانا چاہتا تھا کہ میں نفس کی پیروی اور اسکی اتباع کر کے کامل ہو گیا ہوں۔

میں نے جب سنا تو ان کو بلایا اور ان سے کہا کہ مجھکو حضرت مولانا کی طرف سے اجازت ہے اور میں انکا خلیفہ ہوں اور تم کو اجازت نہیں ہے تم نے میری طرف رجوع کیا ہے پھر تم یہ سب کیوں کرتے ہو؟ تو چپ رہے۔ اب ایسی نفسانیت کا دور دورہ ہے کہ اس سے پیچھا چھڑانا بہت مشکل ہو گیا ہے، اور کسی بزرگ کی جگہ اسکے خلیفہ کو ملتی ہے، حضرت مولاناؒ کی جگہ ہمیں لوگوں کو ملی ہے تم کو تو ملی نہیں پھر تم یہ کیا کہتے ہو؟ وہ ہمارے بارے میں کہتے تھے کہ یہ بنتے ہیں تو اسکا اصل جواب تو یہی ہے کہ مولاناؒ ہمکو بنا گئے ہیں اسلئے بنیں گے۔ دیکھتے ہیں آپ ہم تو رو رہے ہیں کہ حضرت نہیں رہے اور یہ مصیبت ہمارے سر پڑی ہے اسکو کس طرح انجام دیں اور یہ کہتے ہیں کہ بنتے ہیں اسکی اصل وجہ وہی حسد ہے جس کے بارے میں حضرت نے فرمایا کہ اسکی وجہ سے ناقصین کمال حاصل کرنے سے رہ جاتے ہیں

آگے اسکے سبب کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ صفات جسمانیہ کا غلبہ ہے مثل شہوت اور غضب کے کیونکہ اس سے خود غرضی پیدا ہوتی ہے اور خود غرضی سے دوسروں پر جن کو اس غرض کا شریک یا موجب تفویت قرار دیتا ہے حسد پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے حسد کو ترک کر کے کاملین کا اتباع اختیار کرو۔

اور فرماتے ہیں کہ چونکہ اولیاء پر حسد کرنے سے وبال اور ہلاک

واقع ہوتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اکثر اولیاء کو مخفی رکھا ہے کہ لوگ مخالفت کرکے تباہ نہ ہوں

اب یہ ذکر ہم کر رہے ہیں اولیاء کا اور انکی کرامات کا تو ہمارا اتنا وقت ذکر میں گذر رہا ہے اور کام میں صرف ہو رہا ہے اگر تم بھی اسکو سنو تو تمھارا وقت بھی بیکار نہ جائے۔ ایک جگہ میں نے یہی بات کہی تو بعض لوگوں نے مجھ سے آکر کہا کہ یہ بات میرے دل کو لگ گئی اور بہت ہی اچھی معلوم ہوئی۔

بھائی سنو! میں اولیاء اللہ کا اور انکی کرامات کا جو ذکر کر رہا ہوں اسی کے ذریعہ سے بہت سے لوگ اللہ تعالےٰ تک پہونچ گئے ہیں اور صاحب حال اور صاحب مقام ہو گئے ہیں انکا ذکر خالی نہیں جاتا بلکہ ایک اثر رکھتا ہے اور بہت سے لوگوں کو رنگ دیتا ہے۔

چنانچہ علامہ شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کے بعد انکے رسائل اور کتب انکے نائب ہوتے ہیں اسکا مطلب یہی ہے کہ جو نفع زندگی میں انکی ذات سے لوگوں کو پہونچتا تھا وہ انکے بعد انکے ارشادات اور انکے ملفوظات سے پہونچتا ہے اور انکے مقالات کو پڑھکر بھی لوگوں پر اثر ہوتا ہے۔ بزرگوں نے مثنوی شریف کا مطالعہ رکھا ہے اور اس سے بہت زیادہ شغف رکھا ہے اسلئے کہ کلام کے اندر صاحب کلام کی نسبت کا اثر ہوتا ہے اور صاحب کلام کی توجہ اسکی طرف ہوتی ہے اور اسکی نسبت کے ذریعہ اللہ تعالےٰ سے نسبت قائم ہوتی ہے اور لوگوں کے قلوب میں حیات اور زندگی آتی ہے۔

اسلئے کہ جس طرح ان حضرات کا قلب زندہ ہوتا ہے اسی طرح انکا کلام بھی زندہ ہوتا ہے اور جہاں وہ کلام پہونچتا ہے زندگی پیدا کردیتا ہے اور ظاہری اور حسی کراماتوں سے کہیں بڑھکر یہ کرامت ہے کہ قلوب کو

زندہ کردیا جائے کہ حیات موتیٰ سے کچھ کم درجہ اسکا نہیں ہے زندہ کا کلام بھی زندہ ہوتا ہے ازخود اگر ذکر کروگے تو اتنا نفع نہیں ہوگا جتنا ان حضرات کے ذکر سے نفع ہوگا ہم اسکو ثابت کرسکتے ہیں اور اسکو بہت بیان بھی کیا ہے کہ بزرگوں کے کلام سے جتنا فائدہ ہوتا ہے کسی چیز سے نہیں ہوتا۔

حضرت مولاناؒ نے ایک مرتبہ ایک بڑے عالم کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے مولانا فلاں صاحب بولتے بہت ہیں مگر اب انشاء اللہ نہیں بولیں گے، پھر ہم سب لوگوں نے سنا وہ خود فرماتے تھے کہ بہت بولنا چاہتا ہوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے زبان پکڑ لی بڑے متکلم آدمی تھے مگر حضرتؒ کے فرمادینے کے بعد انکی زبان بالکل بند ہوگئی پھر بول نہیں سکے۔ حضرت مولانا نے انکے اندر حال پیدا فرمانے کے لئے قال کو بند کیا تھا اسلئے کہ حال میں اور قال میں بہت فرق ہے اور وَرَثَۃَ الْاَنْبِیَاء (انبیاء کے وارث) وہی لوگ ہوتے ہیں جو حال و قال دونوں ہی کے جامع ہوں اور وہی اولیاء کہے جاتے ہیں۔

جب میں پہلی مرتبہ الہ آباد آیا تو ایسا فیض ہوا کہ آنے کے ساتھ ہی یہ سنا کہ ایک زمانہ ایسا آویگا کہ قال انبیاء جیسا ہوگا اور حال فراعنہ جیسا اس سے مجھکو اتنا نفع پہونچا جسکی انتہا نہیں کہ حال فرعون جیسا ہوگا اور قال نبی کا ہوگا۔ اگر اسکو سمجھو تو بڑی بات ہے اور نہ سمجھو تو بڑی سے بڑی بات بھی تمھارے نزدیک کچھ نہیں۔

بعض دفعہ میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم آنکھ سے سنتے ہو اس سے میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آنکھ سے مجھکو اس طرح دیکھتے ہو کہ میں باور کرلوں کہ تم بڑے غور سے سن رہے ہو حالانکہ سنتے نہیں ہو، یہی ایک بات اگر سن لو اور سمجھ لو تو بہت ہے کہ حال اور قال میں ایسا تباین ہوتا ہے کہ حال تو فرعون کا اور قال نبی کا۔

اس زمانہ میں زیادہ تر لوگوں کا حال ایسا ہی ہے کہ انکے قلوب میں فرعون کی صفات یعنی کبر، حسد، بغض وغیرہ ہیں اور زبان پر نبی کے اقوال ہیں کہ قَالَ النَّبِیُّ کَذَا وَقَالَ الرَّسُوْلُ کَذَا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا اور ایسا فرمایا) انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احترام علم و علماء

قال فی الروح تحت قوله تعالیٰ
لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت
النبی الآیة وذکر ابوحیان
کراهة الرفع ایضاً بحضرة العالم
وغیر بعید حرمته بقصد الایذاء
والاستهانته لمن یحرم ایذاءه
والاستهانة به مطلقاً (روح ص۱۲۵ ج۲۶)
وقال ایضاً تحت قوله تعالیٰ
ولو انهم صبروا حتیٰ تخرج الیهم الآیة
ورأیت فی بعض الکتب ان الحبر
ابن عباس کان یذهب الی ابی
(بن کعب) فی بیته لاخذ القرآن العظیم
عنه فیقف عند الباب ولا یدق
الباب علیه حتی یخرج فاستعظم ذلك
ابی منه فقال له یوما هلا دققت
الباب یا ابن عباس فقال العالم فی قومه
کالنبی فی امته وقد قال الله تعالیٰ فی حق
نبیه صلی الله علیه وسلم ولو انهم صبروا

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو" کے تحت صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے کہ ابوحیان نے عالم کے سامنے بھی آواز کو بلند کرنے کو مکروہ فرمایا ہے بلکہ جس شخص کی ایذاء اور توہین حرام ہے اسکے سامنے بقصد ایذاء و توہین کے آواز کو بلند کرنا حرام ہو تو بعید نہیں۔

نیز انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اگر وہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر تشریف لاتے" کے تحت یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں لکھا دیکھا ہے کہ حبر امت (علامہ) ابن عباسؓ حضرت ابی ابنؓ کعب کے دولت خانہ پر قرآن عظیم کے سیکھنے کیلئے تشریف لیجاتے تھے تو دروازہ پر کھڑے رہتے تھے کھٹکھٹاتے نہ تھے یہاں تک وہ خود ہی باہر تشریف لاتے اور یہ بات انکو بہت ہی گراں معلوم ہوئی یہاں تک کہ ایک دن فرمایا کہ اے ابن عباس آپ کیوں نہیں دروازہ کھٹکھٹا دیا کرتے تو آپ نے جواب دیا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہے اپنی امت میں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر تشریف

حتی تخرج الیھم لکان خیرالھم الآیۃ

لے آتے تو یہ بہتر ہوتا (روح ج ۲۶ ص ۱۳۱)

و فی الروح تحت قولہ تعالیٰ الذین آمنوا وکانوا یتقون الآیۃ من اتصف بصفات الاولیاء ظاھراً یجب تعظیمہ واحترامہ والتادب معہ والکف عن ایذاء بشئ من انواع الایذاء لامسوغ لھا شرعاً کالانکار علیہ عناداً او حسداً ۔ (روح ص ۱۳۲ ج ۱۱)

روح المعانی میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد (اولیاء) وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقوی اختیار کرتے ہیں الخ کے تحت لکھا ہے کہ جو شخص صفات اولیاء سے بظاہر متصف ہو تو اسکی تعظیم واحترام اور اسکا ادب واجب ہے ۔ اسی طرح اسکی ان ایذاء سے جنکی اجازت شرع سے نہیں ہے بچنا ضروری ہے جیسے کہ از روئے عناد و حسد اسکا انکار کرنا (اس لئے کہ اس سے اسکو اذیت ہوتی ہے)

و فی الاحیاء قال الشعبی صلی زید بن ثابت علی جنازۃ فقربت الیہ بغلۃ لیرکبھا فجاء ابن عباس فاخذ رکابہ فقال زید خل عنہ یا ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن عباس ھٰکذا امرنا ان نفعل بالعلماء والکبراء فقبل زید بن ثابت یدہ وقال ھٰکذا امرنا ان نفعل باھل بیت نبینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (احیاء ص ۵۴ ج ۱)

احیاء العلوم میں ہے کہ شعبی نے فرمایا کہ حضرت زید ابن ثابتؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اسکے بعد انکا خچر پیش کیا گیا کہ اس پر سوار ہوں اتنے میں حضرت ابن عباسؓ تشریف لائے اور خچر کے رکاب کو پکڑ لیا تو حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے آپ اسکو چھوڑ دیجئے (اسلئے کہ آپکے اس فعل سے مجھے شرم آتی ہے) تو انھوں نے فرمایا کہ ہمکو بڑوں اور علماء کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے (یہ سنتے ہی) حضرت زیدؓ نے انکے دست مبارک کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمکو بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت کے ساتھ ایسے ہی حسن ادب کا حکم دیا گیا ہے ۔

ان عبارات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کا کیا حق ہے اور ہمارے اسلاف علماء کی کس قدر تعظیم کرتے تھے اور کیوں نہ تعظیم کی جائے جبکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں لیکن دیکھتا ہوں کہ آجکل کبھی کبھی لوگ علماء کو ایذاء پہونچانے لگتے ہیں اور نصیحت کرنے لگ جاتے ہیں جیسے ایک آدمی اپنی ماں کو خوب

کھلاتا پلاتا تھا جب بازار جاتا تو بچوں کے لئے تو معمولی چیزیں لاتا اور ماں کیلئے عمدہ عمدہ چیزیں لاتا ادھر تو ایسی خاطر مدارات کرتا تھا لیکن کبھی کبھی مارنے بھی لگتا تھا۔

میرے خیال میں اسی طرح آپ لوگ علماء کی خاطر مدارات کرتے رہتے ہیں مگر کبھی کبھی ایذا بھی پہونچا دیتے ہیں تاکہ انکا نفس نہ پھولے ایک عالم کہتے تھے کہ میرے پاس کبھی کبھی گالی لکھے ہوئے خطوط آجاتے تھے تو نفس کو بہت بُرا لگتا تھا، میں نے نفس سے پوچھا کہ تجھکو اتنا کیوں ناگوار ہوتا ہے؟ نفس نے کہا یہ بات خلاف واقع لکھی ہے اسی لئے برا لگتا ہے۔ میں نے کہا اچھا یہ جو اور خطوط ہیں جس میں تمکو غوث و قطب لکھا ہے کیا یہ خلاف واقع نہیں ہے؟ پھر اس پر ناگواری کیوں نہیں ہوتی؟ بس نفس لاجواب ہوگیا۔ شاید یہ لوگ یہی سوچتے ہوں گے کہ علماء کی تعریف کیجاتی ہے کہیں ایسا نہو کہ انکا نفس پھولنے لگے لاؤ تھوڑی سی ایذا پہونچا دیں تاکہ انکو عجب نہ پیدا ہو۔

میں کہتا ہوں کہ اچھا بھائی اگر تمھاری نیت اس ایذا رسانی سے اصلاح و نصیحت ہی کی ہے تو اتنا تو سوچ لیتے کہ آدمی اپنے چھوٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے اچھا معلوم ہوتا ہے نہ کہ بڑوں کے سامنے منہ کھولتے ہوئے جیسے کہ ایک شخص اپنے باپ کو نصیحت کرتا تھا کبھی کبھی مار بھی دیتا تھا لوگ جب اس سے پوچھتے تھے کہ یہ کیا واہیات کام کرتے ہو؟ تو کہتا تھا کہ قبلہ اگر ٹیڑھا ہو جائے تو کیا سیدھا نہیں کیا جاتا؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ماں باپ کی ایذا حرام ہے۔ قرآن میں حکم ہے کہ انکو اف تک نہ کہو۔ اپنے بڑوں کو نصیحت کرنے لگ جانا یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں سعادتمندی اسکو نہیں کہتے خصوصاً جبکہ بڑا علم میں بھی بڑا ہو تب تو اس کے سامنے زبان کھولنا سراسر جہل ہے۔

اب سنیئے کہ علم و علماء کا احترام کس قدر ضروری اور لوازم ایمان سے ہے۔ بعض لوگ ظرافت میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس سے ایمان ہی

رخصت ہو جاتا ہے اور انکو خبر بھی نہیں ہوتی نماز روزے میں لگے رہتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور حال یہ ہے کہ وہاں سے نام کٹ چکا ہے۔ علماء کا امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس قسم کے خطرناک اور ایمان سوز جزئیات کو بیان فرمادیا تاکہ ہم اپنے کو ان سے بچا سکیں چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اپنی کتاب فقہ اکبر میں ایک فصل قائم فرماتے ہیں اس بارے میں کہ علم اور علماء کا احترام کس قدر ضروری اور اہم ہے اور ان کا استخفاف (بے وقعت سمجھنا) ایمان ہی کو ناس کر کے رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ہے کہ

فصل في العلم والعلماء في الخلاصة من ابغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر قلت الظاهر انه يكفر لانه اذا ابغض العالم من غير سبب دنيوي او اخروي فيكون بغضه لعلم الشريعة ولا شك في كفر من انكره فضلا عمن ابغضه وفي الظهيرية من قال لفقيه اخذ شاربه ما اعجب قبيحا او اشد قبيحا قص الشارب ولف طرف العمامة تحت الذقن يكفر لانه استخفاف بالعلماء يعني وهو مستلزم لاستخفاف الانبياء لان العلماء ورثة الانبياء وقص الشارب من سنن الانبياء فتقبيحه كفر بلا اختلاف بين العلماء

خلاصہ میں ہے کہ جس شخص نے کسی عالم سے بغیر کسی سبب ظاہری کے بغض رکھا تو اسپر کفر کا اندیشہ ہے اور میں کہتا ہوں کہ ایسا شخص کافر ہی ہوجائیگا اسلئے جب اس نے بلا کسی دینی یا دنیوی سبب کے کسی عالم سے بغض رکھا تو اسکا بغض درحقیقت علم شریعت سے بغض ہوگا اور جو شخص شریعت کا انکار کرے وہ بیشک کافر ہے چہ جائیکہ جو شخص اس سے بغض رکھے اور ظہیریہ میں ہے کہ جس نے کسی عالم سے اس کے لب کترائے ہوئے ہونے پر کہا کہ یہ بہت برا معلوم ہوتا ہے یا یہ کہا کہ لب کترانا اور عمامہ کو ٹھوڑی کے نیچے باندھنا بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے تو کافر ہوجائیگا اسلئے کہ یہ علماء دین کا استخفاف اور انکی توہین ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے انبیاء علیہم السلام کا استخفاف اور تحقیر لازم آتی ہے اسلئے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور لب کتروانا بھی منجملہ سنن انبیاء علیہم السلام کے ہے لہٰذا اسکی قباحت بیان کرنا باتفاق علماء کفر ہے۔

(جاری)

کمالاتِ اشرفیہ

(۵۸)

(۱۹۱) فرمایا کہ الحمد للہ مجھ میں غیرت کا مادہ بہت ہے یہاں تک کہ اس پر بھی غیرت ہوئی کہ شاہ صاحب کو (جن کا قصہ اوپر کے ملفوظ میں ہے) میری غیرت کا بھی حال معلوم ہوا اور اس غیرت کو بھی میں نے ان سے چھپایا تاکہ انکی دل شکنی نہ ہو بلکہ ان سے کچھ اور عذر کر دیا تھا۔ پھر فرمایا کہ غیرت ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی سیکڑوں گناہوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے غیرت قریب قریب سب گناہوں کے لئے محافظ ہے۔ بہت سے ایسے ایسے باریک گناہ ہیں کہ جنکو عقل بھی نہیں سوچ سکتی لیکن جس میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے اسکی طبیعت میں وہ خود بخود کھٹک جاتے ہیں پھر سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ تو کھلا ہوا گناہ تھا۔ عقل کہاں تک سوچ سکتی ہے جب ہی تو ایمان کے شعبوں میں سے افضل اور ادنیٰ کا ذکر کر کے حیاء کا خاص طور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ (حیاء ایمان کی ایک عظیم شاخ ہے) حالانکہ ضرورت نہ تھی کیونکہ اور شعبے بھی تو غیر مذکور تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیاء اور غیرت بڑا بھاری شعبہ ہے ایمان کا۔

(۱۹۲) حضرت والا بلا جوابی ٹکٹ یا لفافہ کے جواب نہیں دیتے ایک صاحب نے عرض کیا کہ وہ جواب کا منتظر ہوگا بیرنگ بھیج دیا کیجئے۔ فرمایا کہ میں پہلے ایسا ہی کیا کرتا تھا لیکن بعضوں نے واپس کر دیا تھا پھر محصول مجھکو اپنے پاس سے دینا پڑا۔ جب یہ احتمال ہے تو میں کیوں نقصان برداشت کروں ان صاحب

نے عرض کیا کہ اپنا نام نہ لکھا کیجئے فرمایا کہ اس صورت میں اگر اس نے واپس کیا تو سرکار کا نقصان ہے۔ سرکار کا نقصان کرنا کہاں جائز ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں ہے لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ (اسلام میں نہ خود نقصان و تکلیف اٹھانا ہے نہ دوسرے کو تکلیف دینا اور نقصان پہونچانا ہے) اسکے حضرت والا بالکل مصداق ہیں۔

(۱۹۳) فرمایا کہ حسن پور میں علی گڈھ کالج کے ایک طالب علم مجھ سے ملے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو علی گڈھ کالج کے لڑکوں سے بہت نفرت ہے۔ میں کہا انکی ذات سے تو نفرت نہیں انکے افعال سے نفرت ہے۔ انھوں نے پوچھا مثلاً مجھ میں کون سے افعال ہیں؟ میں نے کہا مجمع میں جتلانا خلاف تہذیب ہے آئیے کوٹھری میں آپکو بتلاؤں گا وہ بھی ایک جلسہ میں نہیں بلکہ اسکی صورت یہ ہے کہ تھانہ بھون آئیے وہاں دو تین مہینے میں تو باہم مناسبت ہوگی اور دل ملے گا اسکے بعد میں آپ کے افعال سے مطلع کروں گا اس وقت چونکہ دل ملا ہوا ہوگا آپ سمجھیں گے کہ خیرخواہی سے کہہ رہے ہیں اسکا اثر بھی ہوگا۔ اس تقریر کا ان پر اثر ہوا وعظ میں بیٹھے رہے، ان پر دھوپ بھی آگئی لوگوں نے ہٹانا بھی چاہا لیکن وہیں بیٹھے رہے۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ انھوں نے تو مجھکو متعصبین میں داخل کیا میں نے انکار بھی کیا اور اقرار بھی کیا، میں نے کہا ذات سے تو نفرت نہیں افعال سے ہے پھر فرمایا کہ اصلاح کے طریقے سے اصلاح کرنا نافع ہوتا ہے ورنہ محض دل دکھانا ہے اور کچھ بھی نہیں۔

ف: اس سے حضرت والا کا کمال عقل، خوش فہمی، رعایت متضادین صاف ظاہر ہے

(۱۹۴) اسکا ذکر تھا کہ لڑکیوں کے لئے اچھے لڑکے بہت کم ملتے ہیں، فرمایا کہ میں نے تو اپنے خاندان کی عورتوں کے سامنے ایک مرتبہ یہ کہا کہ اسکی وجہ یہ ہے

لڑکیوں میں تو صرف لڑکی ہونا دیکھا جاتا ہے اس لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے لئے لڑکیاں بہت ہیں اور لڑکوں میں سیکڑوں باتیں دیکھی جاتی ہیں کہ خوبصورت بھی ہو، وجاہت بھی رکھتا ہو، کھاتا پیتا بھی ہو، عزت بھی ہو، عہدہ بھی ہو میں نے کہا اگر اتنی شرطیں جتنی تم لڑکوں میں لگاتی ہو لڑکیوں میں بھی لگائی جاویں تو انشاءاللہ ایک لڑکی بھی شادی کے قابل نہ نکلے۔ اکثر بے سلیقہ اور نالائق ہوتی ہیں۔ غرض لڑکوں میں بھی غالب نالائق ہی ہیں اور لڑکیوں میں بھی۔

ف: اس سے حضرت والا کا کمال تجربہ، حقیقت رسی صاف ظاہر ہے۔

(۱۹۵) ایک نفیس قالین سہ دری میں بچھانے کے لئے حضرت خواجہ صاحب نے پیش کیا تو انکی خوشی کے لئے بچھا لیا۔ خطوط تحریر فرما رہے تھے فرمایا کہ دیکھئے جب قلم کو دوات میں ڈالکر اٹھاتا ہوں خیال ہوتا ہے کہ کہیں سیاہی گر کر دھبہ نہ پڑ جاوے، الجھن ہونے لگی یکسوئی جاتی رہی، مضامین کی آمد میں فرق آگیا، اگر معمولی گدا ہوتا تو دھبہ پڑنے کا خیال بھی نہ ہوتا، خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ اسکو معمولی ہی سمجھیں دھبہ پڑنے کا کچھ خیال نہ فرمائیں، فرمایا کہ طبیعت اسکو گوارا نہیں کرتی کیونکہ ہر چیز کے ساتھ اسکی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنا چاہتا ہوں۔ پھر دوسرے دن وہ اٹھا دیا اور فرمایا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ ایسی چیز پر بیٹھنے سے مجلس خوامخواہ بارعب ہو جاتی ہے پاس بیٹھنے والوں پر رعب پڑتا ہے اور میں چاہتا ہوں کسی کے قلب پر میری ذرا ہیبت نہ ہو لوگ مجھ سے بالکل بے تکلف رہیں تاکہ جو کچھ جس کے جی میں آوے پوچھ سکے۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کے یہ صفات صاف ظاہر ہیں، ہر چیز کے ساتھ اسکی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنا جو عین اتباع سنت ہے حدیث میں آیا ہے کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ (یعنی لوگوں سے انکی عقل کے

مطابق گفتگو کرو) لوگوں کے ساتھ انکی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنے کا حکم ہے تو چیزوں کے ساتھ اسکی حیثیت کے مطابق برتاؤ کرنا تو مزید کمال ہوا، دوسرے اپنے مجلس والوں کے ساتھ بے تکلف رہنے کو چاہنا جو دوسرا شعبہ اتباع سنت کا ہے، تیسرے اپنے احباب کی دلجوئی جو تیسرا شعبہ اتباع سنت کا ہے

(۱۹۶) حضرت والا ہمیشہ جائزہ لیکر زائد از ضرورت چیزوں کو فروخت کردیتے ہیں اکثر مدرسہ سہارنپور میں فروخت کے لئے بھیجتے ہیں اور چوتھائی قیمت مدرسہ میں دیدیتے ہیں فرمایا کرتے ہیں کہ چاہے سابقہ کبھی نہ پڑے لیکن مجھے اس علم سے بھی وحشت ہوتی ہے کہ میری ملک میں اتنی چیزیں ہیں۔ سبحان اللہ زُہد عَنِ الدُّنیا (یعنی دنیا سے بے رغبتی) اسے کہتے ہیں اور فروخت کردہ چیزوں کے متعلق کبھی یہ تفتیش نہیں فرماتے کہ کون سی چیز کتنے کو بکی فرماتے ہیں کہ اگر اعتبار نہیں ہے تو وہاں بھیجنا ہی نہ چاہیئے اور اگر اعتبار ہے تو پھر شبہ نہ کرنا چاہیئے۔ جتنے میں چاہیں بیچیں۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں مدرسین کے کام کی جانچ نہیں کرتا کیونکہ میں غیر معتبر مدرسین کو رکھتا ہی نہیں پھر جب معتبر سمجھ کے رکھ لیا تو پھر روز روز کی جانچ کیسی اسمیں انکی بڑی ذلت ہے یہ گوارا نہیں۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا سے یہ صفات زہد عن الدنیا، کمال عقل وتجربہ اہل دین کی ذلت کو گوارا نہ کرنا صاف ظاہر ہے۔

(۱۹۷) حضرت والا اگر کسی طبیب سے علاج کراتے ہیں تو بالکل اپنے آپ کو اسکے سپرد کر دیتے ہیں بلا اس سے دریافت کئے نہ کوئی چیز کھاتے ہیں نہ کچھ ردو بدل کرتے ہیں، ذرا ذرا سی بات کو پوچھکر کرتے ہیں۔ غرض پورا پورا اتباع نہایت سختی کے ساتھ کرتے ہیں، ہاں اگر مناسب نہ سمجھا گیا تو طبیب ہی کو بدل دیتے ہیں مگر جس طبیب کا علاج ہوتا ہے اسکے علاج کے دوران

ہیں اسی کا اتباع کرتے ہیں کوئی دوسرا طبیب بھی اگر کوئی مشورہ دیتا ہے تو اسی طبیب سے اس مشورہ کو پیش کر کے اسکی رائے کے مطابق عمل فرماتے ہیں غرض جو بات ہے نہایت درجہ اصول اور قاعدے کے موافق

(۱۹۸) ایک بار حضرت خواجہ صاحب نے حضرت کی چیزیں خریدنے کی خواہش کی فرمایا کہ اس شرط پر کہ بالکل آزادی کے ساتھ معاملہ کریں میری خاطر سے نہ خریدیں اور قیمت تیسرے شخص سے تشخیص کرائی جائے یا بازار سے اندازہ قیمتوں کا کرا منگایا جاوے اور مجھکو قیمتوں کی اطلاع کی ضرورت نہیں جو مجموعی قیمت طے پا جائے وہ دیدی جائے بشرطیکہ اس پر آپ بھی نہایت آزادی اور خوشی کے ساتھ لینے پر تیار ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صفائی معاملات تو حضرت پر ختم ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ حسن معاشرت، علم معرفت، زہد و تقویٰ، شفقت و ایثار وغیرہ وغیرہ من الاوصاف الکثیرہ سبھی باتوں میں ہمارے حضرت بفضلہ تعالیٰ یگانۂ روزگار ہیں جیساکہ ملفوظات بالا سے اظہر من الشمس ہے

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(سر سے پاؤں تک جہاں بھی نظر کرتا ہوں محبوب کا ناز و انداز میرے دل کا دامن کھینچتا ہے کہ یہی جگہ دیکھنے کی ہے یعنی میرا محبوب سراپا پُرکشش ہے)

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(جو جو خوبیاں اور محبوبوں اور حسینوں کے اندر پائی جاتی ہیں سب تنہا تیرے اندر ہیں)

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(میں نے بہت سے حسین دیکھے ہیں مگر جو بات تمھارے اندر ہے کسی میں نہیں ہے آپ کچھ اور ہی چیز ہیں)

اللہ تعالیٰ حضور کے وجود باجود کو بایں فیوض و برکات مدت مدید

تک بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھے اور ہم لوگوں کو افاضۂ فیوض کی توفیق دیں ۔ آمین ثم آمین ۔

(۱۹۹) فرمایا کہ میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا نہ علمی نہ عملی نہ حالی نہ قالی بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب بھرے پڑے ہیں میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانئے کہ مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کونسی تعریف کی بات ہے جو اسکا یہ خیال ہے ! اسکو دھوکا ہوا ہے ۔ حق تعالیٰ کی ستاری ہے جو میرے عیوب کو پوشیدہ کر رہا ہے اسلئے مجھے کسی کا بُرا بھلا کہنا مطلقاً ناگوار نہیں ہوتا اور اگر کوئی میری ایک تعریف کرتا ہے تو اسی وقت دس عیب مجھے پیش نظر ہو جاتے ہیں ۔

ف : لفظ لفظ سے عبدیت کا غلبہ ظاہر ہے ۔

(۲۰۰) فرمایا کہ میں مدت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اب بھی تازہ کرلیا کرتا ہوں کہ اے اللہ میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق پر مواخذہ نہ کیجئو جو کچھ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا آئندہ کرے وہ سب میں نے دل سے معاف کی اسلئے مخلوق خدا کو میری طرف سے بالکل بے فکر رہنا چاہیئے بلکہ اگر کبھی ضرورت ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ جو کچھ چاہے مجھے کہہ سن بھی لے ۔ پھر فرمایا کہ اگر میں معاف نہ کردیا کروں اور دوسرے کو عذاب بھی ہوا تو مجھے کیا نفع حاصل ہوا ؟ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ اسکی نیکیاں جو ملیں گی ؟ فرمایا کہ ایسی قانونی نیکیاں لیکر میرا کیا بھلا ہوسکتا ہے اور اگر یہ فعل میرا مقبول ہوگیا تو اسکی بدولت انشاء اللہ مجھے نیکے (یعنی نیکی کا مذکر) ملیں گے ۔ اللہ میاں کے ساتھ قانونی حساب کتاب کرنے سے کہیں کام چل سکتا ہے ۔ کیا اسکو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایک شخص کو بلا استحقاق

کے نیکیاں دیدے؟ کیا اسکے یہاں نیکیوں کی کمی ہے یہی خیال کیوں نہ رکھے۔ پھر فرمایا کہ میں تو اسلئے سب کے حقوق معاف کر دیتا ہوں کہ اگر یہ فعل مقبول ہوگیا تو حق تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اوروں سے ان حقوق کو جو میرے ذمہ ہیں خود ہی معاف کرا لیں گے

ف: اس سے عفو و حلم، شفقت، خوف وخشیت از حق سب بدرجہ اتم ظاہر ہے۔

(۲۰۱) فرمایا کہ مشہور ہے "یک من علم را دہ من عقل باید" اگر ایک من علم ہے تو اسکو برتنے کے لئے دس من عقل چاہیئے) اس پر ایک حکایت بیان کی کہ ایک مشہور مولوی صاحب سے ایک صاحب نے جو بہت موٹے تھے اور جنکا پیٹ آگے کو بہت بڑھا ہوا تھا پوچھا کہ موئے زیر ناف کس طرح لیا کروں کیونکہ پیٹ بہت بڑھ جانے سے وہ موقع نظر نہیں آتا اور بدون دیکھے اندیشہ استرہ لگ جانے کا۔ اس پر مولوی صاحب نے بتلایا کہ بیوی سے بال اتروالیا کرو۔ پھر انھوں نے مجھ سے یہی سوال کیا لیکن ان مولوی صاحب کا جواب مجھکو نہیں بتلایا تھا میں نے کہا کہ چونا ہڑتال لگا کر نورہ کر لیا کرو بال خود بخود جھڑ جائیں گے۔ اس جواب کو سنکر وہ بہت خوش ہوئے، پھر انھوں نے کہا کہ ان مولوی صاحب نے تو یہ بتلایا تھا کہ بیوی سے بال اتروالیا کرو میں سخت پریشان تھا کہ بیوی سے یہ کام کیسے لوں گا، اللہ تعالیٰ تمھیں جزائے خیر دے بڑی مصیبت سے نجات دی پھر فرمایا کہ واقعی بالکل سچ ہے کہ "یک من علم را دہ من عقل باید"

ف: اس سے حضرت والا کی سلامتی فہم، جامعیت، حکمت، رعایت متضادین صاف ظاہر ہے۔

(۲۰۲) فرمایا کہ کیا کہوں ایسی طبیعت ہے کہ ذرا سی بے جوڑ بات سے بھی نہایت الجھن ہوتی ہے۔ مسجد کے ٹاٹ پر ایک دن سیاہی گر گئی

فوراً اس دھبہ کو دھلوایا۔ فرمایا کہ دھبوں کو میں دیکھ نہیں سکتا اس قدر غلجان ہوتا ہے۔ چاہے کپڑا میلا ہو ہوا یک سا اگر کبھی کپڑوں پر کوئی دھبہ پڑجاتا ہے تو یا تو فوراً اسکو دھلواتا ہوں ورنہ کپڑے بدلتا ہوں ہر چیز میں موزونیت کو طبیعت ڈھونڈھتی ہے ذرا کوئی بے جوڑ بات ہوئی اور مجھے پریشانی ہوئی۔

ف: اس سے حضرت والا کی طبیعت کا موزونیت جُو ہونا ثابت ہے۔

(۲۰۳) فرمایا کہ مجھ میں الفت کا بے حد مادہ ہے لیکن الحمدللہ میں اس سے مغلوب نہیں ہوتا چنانچہ ایک تو عمر طالب علم سے مجھے بہت محبت تھی لیکن بوجہ بعض بے عنوانیوں کے مجھے اسکے نکالدینے میں ذرا تامل نہیں ہوا پھر فرمایا کہ مجھ سے بس نرم بات کہنا غضب ہے میرا دل فوراً پانی پانی ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اس طالب علم نے ایک تحریر مشتاقانہ طرز پر لکھی تو میں نے اسکو آنے کی اس شرط پر اجازت دیدی کہ اپنے اطوار کو ٹھیک رکھیں۔

ف: اس سے حضرت والا کی صفات الفت و غلبہ عقلیت و نرم خوئی بدرجہ اتم ثابت ہے۔

رفع الموانع

(۸)

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب آیت اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ (اللہ تعالیٰ سے (ایسا ڈرا کرو (جیسا) اس سے ڈرنے کا حق ہے) نازل ہوئی تو صحابہؓ یہ سمجھے کہ امر کا صیغہ اس میں فور کے واسطے ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ سے ایسا درجہ تقویٰ حاصل کرلو جو حق ہے اسکا اور قاعدہ تو یہی ہے کہ امر فور کے لئے نہیں ہوتا لیکن گاہ گاہ قرائن سے فور بھی محتمل ہوتا ہے۔ پس صحابہؓ اس احتمال سے کانپ اٹھے اسلئے کہ جو حق ہے تقویٰ کا وہ فوراً کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ تو اسکے بعد یہ آیت فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو) بطور اسکی تفسیر کے نازل ہوئی مطلب یہ ہوا کہ حَقَّ تُقَاتِہٖ درجہ منتہی کا ہے اور اس ماموربہ کا حاصل کرنا علی الفور واجب نہیں ہے بلکہ بقدر استطاعت تقویٰ اختیار کرو اور بتدریج اس میں جتنی جتنی ہو سکے ترقی کرتے رہو حتیٰ کہ جو تقویٰ مطلوب ہے اس پر جا پہونچو گے۔ پس اس تقریر پر ان دونوں آیتوں میں نسخ اصطلاحی نہیں ہوا اور بعض روایات میں جو یہاں نسخ کا لفظ آیا ہے وہ بِالْمَعْنَی الْمُصْطَلَحِ (اصطلاحی معنی میں) نہیں بلکہ بِالْمَعْنَی الْاَعَمِّ (عام معنی میں) ہے جو تفسیر مبہم کو بھی شامل ہے اب یہاں پر یہ خلجان ہوا کہ تقویٰ کا سلسلہ ایسا دراز ہے کہ اسکے علوم موقوف علیہا اور اعمال مُؤَدّیٰ بہا کا احاطہ حاصل نہیں تو عمل کی کیا صورت ہو؟ آگے اسکا دفعیہ فرماتے ہیں وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا (اور ان کے احکام کو) سنو اور مانو

یعنی تم اپنا دستور العمل یہ بنالو کہ سنو اور مانو اور اپنی طبیعت کو پریشان نہ کرو جب کوئی بات سنی فوراً اس پر عمل شروع کردو گو اس وقت احاطہ نہ ہو البتہ یہ نہ کرو کہ سن کر غفلت اور عمل میں کوتاہی کرو۔ جیسا کہ ایک شخص میرے پاس آئے کہ میں تمھارا مرید ہوں میں نے کہا کہ کب ہوئے تھے کہا کہ پانچ برس ہوئے اور جو وظیفہ آپ نے بتلایا تھا وہ پڑھتا ہوں، میں نے کہا کہ خدا اس درمیان میں نہ خود آئے اور نہ خط کے ذریعے سے اپنے حال کی اطلاع کی اچھے مرید ہو، کبھی تم نے ایسا بھی کیا ہے کہ حکیم کو نبض دکھلا کر اور نسخہ لکھوا کر پانچ برس تک غائب رہے ہو؟ وہاں تو گھنٹہ گھنٹہ بھر کے بعد حکیم جی کو اطلاع کرتے ہو اور یہاں تم نے پانچ برس کے بعد خبر لی ہے، افسوس۔ طالب کو چاہئے کہ جب کسی شیخ سے رجوع کرے تو دو امر اپنے اوپر لازم کرلے اطلاع اور اتباع یعنی اطلاع اپنے احوال کی اور اتباع اسکی تعلیم کا پس وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا میں اعلیٰ درجہ کا دستور العمل بتا گیا اور چونکہ مال انسان کو بالطبع محبوب ہے اور نیز انسان کے اندر بخل بھی طبعی سا ہے اسلئے تقویٰ کے افراد میں سے تعمیم بعد تخصیص کے طور پر اہتمام شان کیلئے اسکو مستقل طور پر بھی ارشاد فرماتے ہیں وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ یعنی اپنے نفسوں کے (فائدہ کے لئے) مال خرچ کرو۔ اور لِاَنْفُسِکُمْ اسلئے فرمایا کہ شاید تم یہ سمجھنے لگو کہ اسکا نفع حق تعالیٰ کا ہوگا سو یاد رکھو کہ اس انفاق کا نفع تمھاری ہی طرف عائد ہوگا ہم تو غنی بالذات ہیں اور چونکہ جملہ کلام سابق یعنی اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا (سنو اور مانو) سے بعضے کوتاہ بین ممکن ہے کہ یہ سمجھیں کہ صرف ظاہراً احکام پر عمل کرنے سے مقصود حاصل ہوجائے گا

تزکیہ نفس اسلئے آگے ان اعمال ظاہرہ کی روح کی تعیین فرماتے ہیں ارشاد ہے وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا (اور بچا لیا گیا) ایسے لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں) مطلب یہ ہے کہ صرف اعمال ظاہرہ کی صورت پرست رہو بلکہ روح کو بھی حاصل کرو اور اسکو ہم ایک مختصر عنوان سے بیان کرتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نفس کی حرص سے بچا لیا جائے تو یہ لوگ ہیں کامیاب۔ یعنی جب نفس کے اندر اسقدر سماحۃ (اور سخاوت) پیدا ہو جائے کہ غیر اللہ کا تعلق اس میں نہ رہے اور غیر پہ نہ گرے تو جانو کہ فلاح حاصل ہو گئی اور یہ روح عادت الٰہیہ میں حاصل ہوتی ہے اہل اللہ کی خدمت وصحبت سے۔ اور یُوْقَ بصیغہ مجہول فرمایا، یہ نہیں فرمایا وَمَنْ یَّقِ شُحَّ نَفْسِہٖ (جو شخص بچے اپنے نفس کی حرص سے) اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وقایۃ (نگہداشت) تمہارا کام نہیں ہے بلکہ بچانے والے ہم ہیں یعنی اپنے نفس پر ناز نہ کرنا، ہم ہی ہیں جو مقصود تک پہونچا دیتے ہیں جس کا ظاہری واسطہ اہل اللہ ہیں۔ اس سے دوام مجاہدہ کی حد بھی بیان فرما دی کہ جب تک نفس کے اندر حرص اور شح باقی رہے اس وقت تک مجاہدہ نہ چھوڑو اور چونکہ نفس کے اندر حرص اور شح جبلی ہے کہ کسی طرح قابل زوال نہیں اس لئے مجاہدہ بھی مدۃ العمر ہی ضروری ہوا البتہ بعد چندے اس میں زیادہ مشقت نہیں رہتی اور چونکہ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ الخ سے اسکی تمام حرصیں جو غیر اللہ کے متعلق ہیں چھڑانا مقصود ہے اور یہ جب تک کہ نفس کو اس سے بڑی چیز کی حرص نہ دلائی جائے یہ نکل نہیں سکتی جیسے کسی کے پاس پیسہ ہو تو اسکو جب تک روپیہ یا گنی کا لالچ نہ دیا جائے اسکو چھوڑ نہیں سکتا اس لئے آگے ثمرۂ اعمال خیر کی حرص دلاتے ہیں۔

حرص کی قسمیں

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلق حرص مذموم نہیں بلکہ حرص کی دو قسمیں ہیں، غیر اللہ کی حرص تو مذموم ہے

اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کی حرص محمود ہے چنانچہ ارشاد ہے اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡہُ لَکُمۡ (اگر تم اللہ کو اچھی طرح (یعنی خلوص کے ساتھ) قرض دو گے تو اسکو تمھارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا) یعنی ہم جو تم سے تمھارے اموال اور اولاد اور ازواج سے تمھارے جان چھڑانے (یعنی قلب سے نکالنے) کے لئے آیات سابقہ میں ارشاد کر آئے ہیں اس سے ڈرو مت کہ ہم تو بالکل ہی مفلس ہو جائیں گے، تم یہ سب چیزیں ہم کو قرض دے رہے ہو سو اگر تم اچھا قرض دو گے یعنی خالص بلا ریا، کے یعنی ان کے حُبِّ مفرط کو چھوڑ دو گے جس کے لئے انفاق بھی لازم ہے جان کا بھی مال کا بھی تو ہم اسکو بڑھا دیں گے۔ مولاناؒ اسی مضمون کو فرماتے ہیں ؎

خود کہ یابد اینچنیں بازار را . کہ بیک گل می خری گلزار را

(ایسا بازار کون پا سکتا ہے کہ ایک پھول کے بدلے میں تم پورا چمن ہی خرید لو)

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد . آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

(آدھی جان لیتا ہے اور سیکڑوں جانیں عطا کرتا ہے بلکہ جو تمھارے وہم گمان میں بھی نہ آسکے وہ دیتا ہے)

اور دوسرے مقام پر اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ہے یعنی بہت حصے بڑھا دیں گے جسکی کوئی انتہا نہیں اور بعض روایتوں میں جو سات سو تک مضاعفت آئی ہے اس سے مراد تحدید نہیں بلکہ تکثیر ہے چنانچہ ایک دوسری حدیث اس پر صاف دال ہے وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ایک چھوہارا راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو اسقدر بڑھاتے ہیں کہ وہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے اب احد پہاڑ سے چھوہارے کے حجم کے برابر ٹکڑے کرو دیکھو کس قدر ہوتے ہیں سنکھوں مہا سنکھوں تک نوبت پہونچتی ہے اور اگر وزن میں چھوہارے کے برابر ٹکڑے کرو تو اور بھی زیادہ ہوں گے۔ اب یہاں خیال ہوتا ہے

کہ ہاں دیں گے تو سہی مگر ہمارے جرائم اسقدر ہیں کہ یہ سب ثواب اس میں نہ کہیں وضع ہو جائیں جیسے ملازم کی تنخواہ جرم کے سبب ضبط ہو جاتی ہے اسکے لئے آگے ارشاد ہے وَیَغْفِرْ لَکُمْ یعنی گناہوں سے اندیشہ نہ کرو، سب بخشدیں گے اور چونکہ انسان بہت کم حوصلہ ہے اسلئے اس مضمون کو سنکر خیال اور تعجب ہو سکتا ہے کہ اس قدر عطا اور پھر اسکے ساتھ مغفرت کیسے ہوگی؟ تو اس لئے ارشاد فرماتے ہیں وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ (اور اللہ بڑا قدردان اور بڑا بردبار ہے) یعنی اس عطا اور مغفرت سے تعجب نہ کرو اسلئے کہ اللہ تعالیٰ شکور یعنی بہت قدردان اور بہت حلم والے ہیں تمھاری طرح ذراسی بات پر انکو غصہ نہیں آتا بلکہ سب معاف فرما دیتے ہیں۔ باقی یہ یاد رکھنا چاہیئے یہ مغفرت بلا تبعہ بدرجۂ وعدہ ان کے ہی واسطے ہے جو پہلے گناہوں سے صدق دل سے توبہ کرلیں اور آئندہ کو اصلاح کا قصد کریں جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنھوں نے جہالت سے برا کام کرلیا پھر اسکے بعد توبہ کرلی اور اپنے عمل درست کرلئے تو آپ کا رب اسکے بعد بڑی مغفرت کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے) اور چونکہ پہلے قرض کو حسن کے ساتھ موصوف کرکے یہ تبلایا کہ خالص عمل ہو، ریا اس میں نہ ہو، تو ممکن ہے بعضوں کا خیال ہو جائے اور اس پر ناز ہو جائے کہ ہمارے اعمال خالص ہیں اسلئے آگے ارشاد ہے عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ یعنی غیب اور شہادت (پوشیدہ اور ظاہر) کے ہم عالم ہیں اور اسی میں خلوص اور ریا بھی داخل ہے پس کوئی شخص اپنے اپنے اوپر ناز نہ کرے نہ دوسرے کو برائی سے سمجھے الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اسلئے کہ وہ عزیز زبردست بھی ہیں کہ ناز کرنے والے کا ناز توڑ دیتے ہیں اور بعض

[illegible] زبردست ہے حکمت والا ہے۔

مرتبہ مرائی اور متعجب کی سزا میں جو التوار ہوتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ حکیم ہیں سب کام حکمت سے کرتے ہیں اور اس التوار میں بھی حکمت ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے موانع طریق کی تفصیل اور ساتھ ساتھ انکے رفع کی تدبیریں ارشاد فرمائی ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمکو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اعلان

آج نظر اٹھا کر دیکھئے تو بلا امتیاز ہر کس و ناکس، امیر و غریب، عالیشان مکانات کے رہائش پذیر ہوں یا بوسیدہ در و دیوار میں رہنے والے خستہ حال افراد سبھوں کے پاس ایک دکھ بھری داستان اور درد و الم سے لبریز حکایت ہے۔ زمانہ کے نشیب و فراز، تنزل و ترقی، آفات و حوادث، افلاس و تنگدستی کی گردش سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے گویا زبان حال سے ہر شخص یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے ؎ جب نہیں ملتی کہیں گردش دوراں کو پناہ زندگی بن کے مرے جام میں ڈھل جاتی ہے بالخصوص زمانۂ حال جیسے فتنوں کی برسات، آفات سماویہ کے نزول، نو بہ نو حادثات کے وقوع کی خبر خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اب سوال یہ ہے کہ حوادث سے پہلے اور حوادث کے بعد انسان کیا کرے دفع افلاس رفع حوادث کیلئے کن تدابیر و اسباب کو اختیار کرے، دیکھا یہ جاتا ہے کہ مصائب میں گھرا ہوا انسان بالعموم نفع کی موہوم امید جانتے بوجھتے ان معالجات اور تدابیر کیطرف لپکتا ہے جو اسلامی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے میل نہیں کھاتے اور پھر مادی جسمانی و دینی خسارے کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا لیکن اس صحیح، موثر، تیر بہدف علاج کی طرف جو آسمان سے بذریعہ وحی امت کیلئے ایسے مواقع پر نازل ہوا کم ہی توجہ ہوتی ہے، الا ما شاء اللہ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اسی ضرورت کی تکمیل کیلئے دو رسائل "مصیبت کے بعد راحت" اور "دافع افلاس" نام کے تحریر فرمائے جو دراصل امام ابوبکر ابن ابی الدنیا اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ کے عربی تصانیف کا ترجمہ بھی ہے اور شرح بھی۔ اب الحمدللہ یہ کتاب دائرۃ الاشاعۃ خانقاہ مصلح الامتؒ سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نظر انتخاب خود کتاب کے موثر اور افادیت سے بھرپور ہونے کی مضبوط شہادت ہے۔ خدا کرے یہ کتاب بلا و مصیبت کی گھڑیوں میں راحت کا سامان و پیام بن جائے۔

کتاب (مصیبت کے بعد راحت مع دافع الافلاس) دفتر وصیۃ العرفان سے طلب کی جا سکتی ہے۔
قیمت پندرہ ۱۵ روپئے رکھی گئی ہے۔

سیرۃ الصُّوفی

زندگی کے دستور العمل کے متعلق یہ وعظ ۲۳ صفر ۱۳۲۹ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں بیٹھکر ارشاد فرمایا جسے مولوی نور حسین پنجابی نے قلم بند کیا۔

سیرت الصوفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَۃِ وَمَھِّلْھُمْ قَلِیْلًا

ترجمہ: اے کپڑوں میں لپٹنے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کیجئے مگر ہاں تھوڑی سی رات یعنی آدھی رات کہ اس میں قیام نہ کیجئے بلکہ آرام کیجئے یا اس نصف سے کسیقدر کم کر دیجئے یا اس نصف سے کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھئے (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو) عنقریب ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (مراد قرآن مجید ہے) بیشک رات کے وقت اٹھنے میں (دل اور زبان کا) خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ بیشک آپکو دن میں بہت کام رہتا ہے۔ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتے رہئے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کیطرف متوجہ رہیئے وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے اسکے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں تو اسی کو اپنا چارہ ساز بنائے رکھئے اور یہ لوگ جو باتیں کہتے ہیں ان پر صبر کرتے رہئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جائیے اور مجھکو اور ان جھٹلانے والوں، نازونعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دیجئے (میں خود ہی مناسب وقت پر ان سے نپٹ لوں گا) ان لوگوں کو تھوڑے سے دنوں اور مہلت دیدیجئے۔

سیرت النبیؐ کے جلسے اور جلوس

(۲)

حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶)

جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھے تو گویا اس نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرایا ہے۔

اسلئے کہ وہ نماز اللہ کو راضی کرنے کے لئے نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور مخلوق میں اپنا تقوی اور نیکی کا رعب جمانے کیلئے پڑھ رہا ہے اسلئے وہ ایسا ہے جیسے اس نے اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھہرایا اتنا اچھا کام تھا لیکن صرف نیت کی خرابی کی وجہ سے بیکار ہوگیا اور الٹا باعث گناہ بن گیا۔

یہی معاملہ سیرت طیبہ کے سننے اور سنانے کا ہے، اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح مقصد، صحیح نیت اور صحیح جذبے سے سنتا اور سناتا ہے تو یہ کام بلاشبہ عظیم الشان ثواب کا کام ہے اور باعث خیر و برکت ہے اور زندگی میں انقلاب لانے کا موجب ہے لیکن اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح نیت سے نہیں سنتا اور صحیح نیت سے نہیں سناتا ہے بلکہ اس کے ذریعہ کچھ اور اغراض و مقاصد دل میں چھپے ہوئے ہیں جن کے تحت سیرت طیبہ کے جلسے اور محفلیں منعقد کیجارہی ہیں تو بھائیو یہ بڑے گھاٹے کا سودا ہے اسلئے کہ ظاہر میں تو نظر آرہا ہے کہ آپ بہت نیک کام کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ الٹا گناہ کا سبب بن رہا ہے ـ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور عتاب کا سبب بن رہا ہے۔

نیت کچھ اور ہے

اس نقطۂ نظر سے اگر ہم اپنا جائزہ لیکر دیکھیں اور سچے دل سے نیک نیتی کے ساتھ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان تمام محفلوں میں جو کراچی سے پشاور تک منعقد ہو رہی ہیں کیا ان کے منتظمین اس بناء پر محفل منعقد کر رہے ہیں کہ ہمارا مقصد اللہ تعالےٰ کو راضی کرنا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مقصود ہے کیا اسلئے محفل منعقد کر رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیمات ان محفلوں میں سنیں گے اسکو اپنی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کرینگے بعض اللہ کے نیک بندے ایسے بھی ہونگے جنکی یہ نیت ہوگی لیکن ایک عام طرزِ عمل دیکھئے تو یہ نظر آئے گا کہ محفل منعقد کرنے کے مقاصد ہی کچھ اور ہیں۔ نیتیں ہی کچھ اور ہیں، یہ نیت نہیں ہے کہ اس جلسہ میں شرکت کے بعد ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے بلکہ نیت یہ ہے کہ محلے کی کوئی انجمن ہے جو اپنا اثر رسوخ بڑھانے کے لئے جلسہ منعقد کر رہی ہے اور یہ خیال ہے کہ جلسہ سیرۃ النبی کرنے سے ہماری انجمن کی شہرت ہوجائیگی کوئی جماعت اسلئے جلسۂ سیرۃ النبی منعقد کر رہی ہے کہ اس جلسہ کے ذریعہ ہماری تعریف ہوگی کہ بڑا شاندار جلسہ کیا، بڑے اعلیٰ درجے کے مقررین بلائے اور بڑے مجمع نے اس میں شرکت کی اور مجمع نے ان کی بڑی تحسین کی، کہیں جلسے اسلئے منعقد ہو رہے ہیں کہ اپنی بات کہنے کا کوئی اور موقع تو ملتا نہیں ہے کوئی سیاسی بات ہے یا کوئی فرقہ وارانہ بات ہے جس کو کسی اور پلیٹ فارم پر ظاہر نہیں کیا جا سکتا اسلئے سیرت النبی کا ایک جلسہ منعقد کرلیں اور اس میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں چنانچہ اس جلسہ میں پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور توصیف کے دو چار جملے بیان ہو گئے اور اسکے بعد پوری تقریر میں اپنے مقاصد بیان ہو رہے ہیں اور فریقِ مخالف پر بمباری ہو رہی ہے۔ اس غرض کے لئے جلسے

منعقد ہو رہے ہیں۔

دوست کی ناراضگی کے ڈر سے شرکت

پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر واقعۃً سچے دل سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی نیت سے ہم نے یہ محفلیں منعقد کی ہوتیں تو پھر ہمارا طرز عمل کچھ اور ہوتا۔ ایک گھر میں ایک محفل میلاد منعقد ہو رہی ہے اب اگر اس محفل میں اسکا کوئی دوست یا رشتہ دار شریک نہیں ہوا تو اسکو مطعون کیا جا رہا ہے اور اس پر ملامت کی جا رہی ہے اور اس سے شکایتیں ہو رہی ہیں۔ اس محفل میں شرکت کرنے والوں کی نیت یہ نہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سننی ہے اور اس پر عمل کرنا ہے بلکہ نیت یہ ہے کہ کہیں محفل منعقد کرنے والے ہم سے ناراض نہ ہو جائیں اور انکے دل میں شکایت پیدا نہ ہو جائے، اللہ کو راضی کرنے کی فکر نہیں ہے محفل منعقد کرنے والوں کو راضی کرنے کی فکر ہے۔

مقرر کا جوش دیکھنا مقصود ہے

کوئی شخص اسلئے جلسے میں شرکت کر رہا ہے کہ اس میں فلاں مقرر صاحب تقریر کریں گے ذرا جا کر دیکھیں کہ وہ کیسی تقریر کرتے ہیں سنا ہے کہ بڑے جوشیلے اور شاندار مقرر ہیں بڑی دھواں دھار تقریر کرتے ہیں گویا کہ تقریر کا مزہ لینے کیلئے جا رہے ہیں اور مقرر کے جوش و خروش کا اندازہ کرنے کیلئے جاتے ہیں، اور یہ دیکھنے کیلئے جا رہے ہے کہ فلاں کیسے گا گا کر شعر پڑھتا ہے، کتنے واقعات سناتا ہے۔

وقت گزاری کی نیت ہے

کچھ لوگ اس لئے سیرت النبی کے جلسے میں شرکت کر رہے ہیں کہ چلو آج کوئی اور کام نہیں ہے اور وقت گزاری کرنی ہے، چلو کسی جلسہ میں جا کر بیٹھ جاؤ تو وقت گزر جائے گا۔ اور بے شمار افراد اسلئے شریک ہو رہے ہیں کہ گھر

میں تو دل نہیں لگ رہا ہے اور محلہ میں ایک جلسہ ہو رہا ہے چلو اس میں تھوڑی دیر جاکر بیٹھ جائیں اور جتنی دیر دل لگے گا وہاں بیٹھے رہیں گے اور جب دل گھبرائے گا اٹھ کر چلے جائیں گے لہٰذا مقصد یہ نہیں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو حاصل کیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ کچھ وقت گزاری کا سامان ہو جائے اگرچہ بعض اوقات اس طرح وقت گزاری کے لئے جانا بھی فائدہ مند ہو جاتا ہے۔ اللہ رسول کی کوئی بات کان میں پڑ جاتی ہے اور اس سے انسان کی زندگی بدل جاتی ہے، ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں۔ لیکن میں نیت کی بات کر رہا ہوں کہ جاتے وقت انسان کی نیت درست نہیں ہوتی یہ نیت نہیں ہوتی کہ میں جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سنکر اس پر عمل پیرا ہوں گا۔

ہر شخص سیرت طیبہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا

قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ الخ

تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اور آپ کی حیات طیبہ مشعل راہ ہے، یہ ایک پیغام ہدایت ہے اور یہ ایک اسوۂ حسنہ ہے ایک مکمل نمونہ ہے لیکن ہر شخص کے لئے نمونہ نہیں بلکہ اس شخص کے لئے جو اللہ تبارک کو راضی کرنا چاہتا ہو اور اس شخص کے لئے جو یوم آخرت کو سنوارنا چاہتا ہو، اور یوم آخرت پر اسکا پورا ایمان و یقین اور بھروسہ ہو اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔ لہٰذا جس شخص میں یہ اوصاف پائے جائیں گے اس کے لئے سیرت طیبہ ایک پیغام ہدایت ہے۔

لیکن جس شخص کے اندر یہ اوصاف موجود نہیں اور جو اللہ کو راضی

کرنا نہیں چاہتا اور جو یوم آخرت پر بھروسہ نہیں رکھتا اور یوم آخرت کو سنوارنے کے لئے یہ کام نہیں کرتا، اور وہ اللہ کو کثرت سے یاد نہیں کرتا اسکے لئے اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اسکے لئے ہدایت کا پیغام بن جائے گی۔ سیرت طیبہ تو ابوجہل کے سامنے بھی تھی اور ابولہب کے سامنے بھی تھی، امیہ بن خلف کے سامنے بھی تھی لیکن وہ سیرت طیبہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکے سہ

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

(بارش جسکی طبعی خوبی میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن اسی بارش سے باغ میں پھول اگتا ہے اور بنجر زمین میں خس اگتا ہے)

یعنی وہ زمین ہی بنجر تھی اور ان بنجر زمین میں ہدایت کا بیج ڈالا نہیں جاسکتا تھا وہ بارآور نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا اگر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر نہیں اور آخرت کو سنوارنے کی فکر نہیں اور اللہ کی یاد اسکے دل میں نہیں ہے تو پھر کسی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے وہ شخص اپنی زندگی میں فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

لہٰذا یہ سارے مناظر جو ہم دیکھ رہے ہیں آئیں بسا اوقات ہماری نیتیں درست نہیں ہوتیں اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں تقریریں سن لیں اور ہزاروں محفلوں میں شرکت کرلی لیکن زندگی جیسے پہلے تھی ویسی آج بھی ہے، جس طرح پہلے ہمارے دلوں میں گناہوں کا شوق اور گناہوں کیطرف رغبت تھی وہ آج بھی موجود ہے اسکے اندر کوئی فرق نہیں آیا

آپ کی سنتوں کا مذاق اڑایا جارہا ہے

تیسری بات یہ ہے کہ انہی سیرت طیبہ کے نام پر منعقد ہونے والی محفلوں میں عین محفل کے دوران ہم ایسے کام کرتے ہیں جو سرکار دوعالم

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے قطعی خلاف ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جا رہا ہے، آپکی تعلیمات، آپکی سنتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے لیکن عملاً ہم ان تعلیمات کا، ان سنتوں کا، ان ہدایات کا مذاق اڑا رہے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے تھے

سیرت کے جلسے اور بے پردگی

چنانچہ ہمارے معاشرے میں اب ایسی محفلیں کثرت سے ہونے لگی ہیں جن میں مخلوط اجتماع ہے اور عورتیں اور مرد ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور سیرت طیبہ کا بیان ہو رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورتوں کو فرمایا کہ اگر تمھیں نماز بھی پڑھنی ہو تو مسجد کے بجائے گھر میں پڑھو اور گھر میں صحن کے بجائے کمرے میں پڑھو اور کمرے سے بہتر یہ ہے کہ کوٹھری میں پڑھو، عورت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دے رہے ہیں لیکن انہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو رہا ہے جس میں عورتیں اور مرد مخلوط اجتماعات میں شریک ہیں اور کسی اللہ کے بندے کو یہ خیال نہیں آتا کہ سیرت طیبہ کے ساتھ کیا مذاق ہو رہا ہے۔ پوری آرائش اور زیبائش کے ساتھ سج دھج کر بے پردہ ہو کر خواتین شریک ہو رہی ہیں اور مرد بھی ساتھ موجود ہیں۔

سیرت کے جلسے میں موسیقی

نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے جس کام کیلئے بھیجا گیا ہے اس میں سے ایک اہم کام یہ ہے کہ میں ان باجوں بانسریوں کو اور ساز و سامانِ سرود کو اور آلات موسیقی کو اس دنیا سے مٹادوں لیکن آج انہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر محفل منعقد ہو رہی ہے جلسہ ہو رہا ہے اور اس میں ساز و سرود کے ساتھ نعت پڑھی جا رہی ہے اور اس میں قوالی شریف ہو رہی ہے۔ قوالی کے ساتھ لفظ شریف

بھی لگ گیا ہے اور اس میں پورے آب و تاب کے ساتھ ہارمونیم بج رہا ہے، ساز و سرود ہو رہا ہے، عام گانوں میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کوئی فرق نہیں رکھا جا رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو سکتا ہے

اسکے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر عورتیں اور مرد ملکر نعتیں پڑھ رہے ہیں، ٹیلیویژن دیکھنے والوں نے بتایا کہ عورتیں پورے آرائش اور زیبائش کے ساتھ ٹیلیویژن پر آرہی ہیں یہ کیا مذاق ہے جو آپ کی سیرت طیبہ اور آپکی تعلیمات کیساتھ ہو رہا ہے عورت جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (سورۃ الاحزاب: ۳۳)

"یعنی قدیم زمانۂ جاہلیت کی طرح تم بناؤ سنگار کرکے مردوں کے سامنے مت آؤ"، آج وہی عورت پورے میک اپ اور بناؤ سنگار کے ساتھ مردوں کے سامنے آرہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت پڑھ رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور سیرت کے ساتھ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت آپکی طرف متوجہ ہوگی تو پھر آپ سے زیادہ دھوکے میں کوئی اور نہیں ہے۔ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سنا کر آپ کی تعلیمات کی خلاف ورزی کرکے۔ آپ کی سیرت طیبہ کی مخالفت کرکے اور اسکا مذاق اڑا کر بھی اگر آپ اس کے متمنی ہیں کہ اللہ کی رحمتیں آپ پر نچھاور ہوں تو اس سے بڑا مغالطہ اور اس سے بڑا دھوکہ اس روئے زمین پر کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اسکے عتاب کو دعوت دینے والی باتیں ہیں۔ وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے کام ہیں وہ ہم عین سیرت طیبہ کو بیان کرتے وقت کرتے ہیں۔

سیرت کے جلسے میں نمازیں قضا

پہلے بات صرف جلسوں کی حد تک محدود تھی کہ سیرت طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے اس میں شریعت کی چاہے جتنی خلاف ورزی ہو رہی ہو کسی کو پرواہ نہیں لیکن اب تو بات اور آگے بڑھ گئی ہے، چنانچہ دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات ہو رہے ہیں اور ان انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں اور کسی شخص کو نماز کا ہوش نہیں پھر رات کے دو دو بجے تک تقریریں ہو رہی ہیں اور صبح فجر کی نماز جا رہی ہے جبکہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ تھا کہ جس شخص کی ایک عصر کی نماز فوت ہو جائے تو وہ شخص ایسا ہے جیسے اسکے تمام مال اور تمام اہل وعیال کو کوئی شخص لوٹ کر لے گیا اتنا عظیم نقصان ہے لیکن سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں اور کوئی فکر نہیں اسلئے کہ ہم ایک مقدس کام میں لگے ہوئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی جو تاکید بیان فرمائی تھی وہ نگاہوں سے اوجھل ہے۔

سیرت کے جلسے اور ایذاء مسلم

اور سنئے! سیرت طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے جس میں کل پچیس تیس سامعین بیٹھے ہیں لیکن لاؤڈ اسپیکر اتنا بڑا لگانا ضروری ہے کہ اسکی آواز پورے محلے میں گونجے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک جلسہ ختم نہ ہو جائے۔ اس وقت تک محلے کا کوئی بیمار، کوئی ضعیف کوئی بڈھا اور معذور آدمی سو نہ سکے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تو یہ تھا کہ آپ تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہو رہے لیکن کس طرح بیدار ہو رہے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ فَقَامَ رُوَيْدًا آپ دھیرے سے اٹھے کہیں ایسا نہ ہو کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی آنکھ کھل جائے فَفَتَحَ الْبَابَ رُوَيْدًا آہستہ سے دروازہ

مولاً کہیں ایسا نہ ہو کہ عائشہ کی آنکھ کھل جائے (رضی اللہ عنہا) اور نماز جیسے فریضہ کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تھا کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر میں نماز کے اندر کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بچے کی آواز سنکر سکی ماں کسی مشقت میں مبتلا ہو جائے"۔ لیکن یہاں بلا ضرورت بغیر کسی وجہ کے صرف ۲۵ / ۳۰ سامعین کو سنانے کے لئے اتنا بڑا لاؤڈ اسپیکر نصب ہے کہ کوئی ضعیف بیمار آدمی اپنے گھر میں سو نہیں سکتا اور انتظام کرنے والے اس سے بے خبر ہیں کہ کتنے بڑے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے اسلئے ایذا مسلم کبیرہ گناہ ہے اس کا کسی کو احساس نہیں۔

دوسروں کی نقالی میں جلوس

ہمارا یہ سارا طرز عمل اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ درحقیقت نیت درست نہیں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے کی نیت نہیں بلکہ مقاصد کچھ اور ہیں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ پہلے صرف جلسوں کی حد تک بات تھی اب تو جلسوں سے آگے بڑھکر جلوس نکلنا شروع ہو گئے اور اسکے لئے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فرقہ فلاں مہینے میں اپنے امام کی یاد میں جلوس نکالتا ہے تو پھر ہم اپنے نبی کے نام پر ربیع الاول میں جلوس کیوں نہ نکالیں؟ گویا کہ اب ان کی نقل اتاری جا رہی ہے کہ جب محرم کا جلوس نکلتا ہے تو ربیع الاول کا بھی نکلنا چاہیئے۔ بزعم خود یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق عمل کر رہے ہیں اور آپ کی عظمت اور محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

لیکن اس پر ذرا غور کریں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس جلوس

۵۔ نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب الغیرۃ، حدیث نمبر ۳۹۶۳)

کو دیکھ لیں جو آپ کے نام پر نکالا جا رہا ہے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو گوارا اور پسند فرمائیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ اس امت کو ان رسمی مظاہروں سے اجتناب کی تلقین فرمائی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظاہری اور رسمی چیزوں کی طرف جانے کے بجائے میری تعلیمات کی روح کو دیکھو اور میری تعلیمات کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرو۔
صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری حیات طیبہ میں کوئی شخص ایک نظیر یا ایک مثال اس بات پر پیش کر سکتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے نام پر ربیع الاول میں یا کسی مہینے میں جلوس نکالا گیا ہو؟ بلکہ پورے تیرہ سو سال کی تاریخ میں کوئی ایک مثال کم از کم مجھے تو نہیں ملی کہ کسی نے آپ کے نام پر جلوس نکالا ہو ہاں اہل تشیع حضرات محرم میں اپنے امام کے نام پر جلوس نکالا کرتے تھے ہم نے سوچا کہ انکی نقالی میں ہم بھی جلوس نکالیں گے، حالانکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشہرۃ حدیث نمبر ۴۰۳۱)
"جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان میں سے ہو جاتا ہے" اور صرف جلوس نکالنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھکر یہ ہو رہا ہے کہ کعبہ شریف کی شبیہیں بنائی جا رہی ہیں، روضۂ اقدس کی شبیہیں بنائی جا رہی ہیں گنبد خضرا کی شبیہیں بنائی جا رہی ہیں۔ پورا لالوکھیت ان چیزوں سے بھرا ہوا ہے اور دنیا بھر کی عورتیں، بچے، بوڑھے اسکو متبرک سمجھکر برکت حاصل کرنے کے لئے اسکو ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہاں جا کر دعائیں مانگی جا رہی ہیں، منتیں مانگی جا رہی ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے نام پر یہ کیا ہو رہا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرک کو، بدعات کو اور جاہلیت کو مٹانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے اور آج آپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام پر یہ ساری بدعات شروع کر دیں۔ روضۂ اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گنبد سے کوئی مناسبت نہیں جو آپ نے اپنے ہاتھوں بناکر کھڑا کردیا ہے لیکن اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اسکو مقدس سمجھکر تبرک کے لئے کوئی اسکو چوم رہا ہے، کوئی اسکو ہاتھ لگا رہا ہے۔

حضرت عمرؓ اور حجر اسود

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو حجر اسود کو چومتے وقت فرماتے ہیں کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر کے سوا کچھ نہیں ہے، خدا کی قسم اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے تجھے چومتا ہوا نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے ہوئے دیکھا ہے اور انکی یہ سنت ہے اس واسطے میں تجھے چومتا ہوں (صحیح بخاری، کتاب الحج باب ماذکر فی الحجر الاسود، حدیث نمبر ۱۵۹۷)

وہاں تو حجر اسود کو یہ کہا جارہا ہے اور یہاں اپنے ہاتھ سے ایک گنبد کھڑا کردیا، اپنے ہاتھ سے ایک کعبہ بناکر کھڑا کردیا اور اسکو متبرک سمجھا جارہا ہے اور اسکو چوما جارہا ہے۔ یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو مٹانے کے لئے تشریف لائے تھے اسی کو زندہ کیا جارہا ہے، چراغاں ہورہا ہے۔ بیکار بنگ ہورہی ہے گانے بجانے ہورہے ہیں، تفریح بازی ہورہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر میلہ منعقد ہورہا ہے یہ دین کو کھیل کود بنانے کا ایک بہانہ ہے جو شیطان نے ہمیں سکھادیا ہے۔ خدا کے لئے ہم اپنی جانوں پر رحم کریں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی عظمت اور محبت کا حق ادا کریں اور اسکی عظمت و محبت کا حق یہ ہے کہ اپنی زندگی کو انکے راستے پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔

خدا کے لئے اس طرز عمل کو بدلیں

سیرت طیبہ کے جلسے میں کوئی آدمی اس نیت سے نہیں آتا کہ ہم اس محفل میں اس بات کا عہد کریں گے کہ اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعلیمات کے خلاف پہلے پچاس کام کیا کرتے تھے تو اب کم از کم اس میں سے دس چھوڑ دیں گے۔ کسی نے اس طرح عہد کیا؟ کسی شخص نے اس طرح عید میلاد النبی منائی؟ کوئی ایک شخص بھی اس کام کے لئے تیار نہیں۔ لیکن جلوس نکالنے کے، میلے سجانے کے لئے، محرابیں کھڑی کرنے کے لئے چراغاں کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں ان کاموں پر جتنا چاہو روپیہ خرچ کروالو، اور جتنا چاہو وقت لگوالو۔ اسلئے کہ ان کاموں میں نفس کو حظ ملتا ملتا ہے لذت آتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا جو اصل راستہ ہے اس میں لذت نہیں ملتی۔

خدا کے لئے ہم اپنے اس طرز عمل کو ختم کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کا حق پہچانیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

مکتوبات اصلاحی

(بقیہ مکتوب نمبر ۸۳)

تحقیق: اب موافقین کو لیجئے سب نے تحریر دیدی کہ ہم شریعت مقدسہ پر عمل کریں گے اور باہم اتفاق و اتحاد سے رہیں گے اور تمھارا کہنا مانیں گے۔ اور دیار کے لوگ بھی بہت زیادہ متاثر ہیں اور اس تاثر کا اثر خارج میں ظہور پذیر ہوا ہے حالانکہ میں کہیں جاتا نہیں ہوں مگر اہل الہ آباد میں بقول مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ حسد کا مادہ زیادہ اور مشائخ کے اعتقاد اور اعتماد کا مادہ بہت کم ہے اس لئے سچی عقیدت سے یہ لوگ محروم ہیں آج بھی میرے پاس بخشی بازار کے لوگوں کی تحریر موجود ہے انھوں نے میری بات سمجھی ہے اور اسکا اقرار کیا ہے کہ جو چیزیں تم نے لکھی ہیں یعنی دینی ماحول وہ ہم پیدا کریں گے اور تنازع اور نزاع باہمی سے بچیں گے اور اتفاق و اتحاد سے رہیں گے۔ یہ کس قدر دور تھے قریب ہو گئے اور جو قریب سمجھے جاتے تھے دور ہیں۔ جانتے ہیں کہ کیا بات ہے؟

ہم سب بداخلاقی کا شکار ہیں مسلمانوں کے حقوق ہی نہیں پہچانتے اور ان پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اس کو دین ہی نہیں سمجھتے فقط نماز روزہ کو دین سمجھتے ہیں درمختار میں ہے:-

وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ يَصُوْمُ وَيُصَلِّيْ وَيَضُرُّ النَّاسَ بِيَدِهِ
وَلِسَانِهِ فَذِكْرُهُ بِمَا فِيْهِ لَيْسَ بِغِيْبَةٍ۔

قوله فذكره بما فيه ليس بغيبة اى ليحذره الناس
ولا يغتروا بصومه وصلوته۔ فقط اخرجه الطبرانی

والبیھقی ۔ والترمذی اترعوون فی الغیبۃ عن ذکرالفاجر اذکروہ بما فیہ یحذرہ الناس ۔

(شامی ص ۲۷۰ جلد ۵)

جب آدمی روزہ رکھتا ہو نماز پڑھتا ہو اور پھر بھی لوگوں کو اپنے ہاتھ اور زبان سے ضرر پہنچاتا ہو تو ایسی جو برائی ہے اسکا ذکر غیبت نہیں ہے تاکہ لوگ اس سے احتیاط کریں ۔

اور اس کے نماز روزہ سے دھوکا نہ کھائیں اور یہ بھی سمجھئے کہ ایسا شخص فاسق معلن ہے ۔ ایسا شخص اپنے علی الاعلان فسق کی وجہ سے واجب الاحترام نہیں ہے اسلئے اسکی غیبت جائز ہے ۔

آپ ہی کا شہر نہیں اور فقط میرے نے ہی زمرے والے نہیں بلکہ عموماً مسلمان اسی میں مبتلا دیکھے جاتے ہیں، والی اللہ المشتکی ۔

اب بتلائیے آپ کے خیال مبارک میں آیا اگر آپ کی بات کی طرف کوئی کان لگائے تو اسکو بھی سنا دیجئے اور جلد اسکا جواب مرحمت فرمائیے ۔ یہ بھی سن لیجئے کہ میں اہل اصلاح کا نہیں ہوں، اس سلئے میرا جس قدر کوئی شاکی ہو درست ہے؟ اور اب میرے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگوں سے علٰحدگی اختیار کروں ورنہ انکی باتوں کی نسبت بدعقیدہ لوگ میری طرف کریں گے یا کرتے ہیں ۔

اور اب میں ان لوگوں کے معاملہ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں ہر شخص خود وہاں اپنا جواب دہ ہے ۔ والسلام ۔

(مکتوب نمبر ۱۳۸)

حال : حضرت والا کی خدمت میں اس سے قبل ایک مختصر عریضہ لکھا تھا نیز فہم وتیقظ واخلاص کے لئے دعا ء کی درخواست کی تھی، حضرت والا نے

اختصار کی وجہ مکرمی ۔۔ ۔ ۔ صاحب سے سمجھنے کے لئے تحریر فرمایا چنانچہ انھوں نے سمجھایا کہ آدمی جب اپنے معمولات میں کوتاہی کرنے لگتا ہے تو اطلاع احوال میں اختصار کو اختیار کرتا ہے۔

تحقیق: بالکل ٹھیک سمجھایا آپ کے حال کے مطابق ۔

حال: کیونکہ جب کچھ کرتا ہو تو لکھے اور جب کرتا ہی نہیں تو کیا لکھے؟

تحقیق: بیشک

حال: نیز فہم وتیقظ اور اخلاص وغیرہ کے بارے میں موصوف نے سمجھایا کہ اتنے دنوں سے آپ حضرت والا کے پاس ہیں ان چیزوں کو سمجھا اور کچھ حاصل کیا بھی؟ یا صرف الفاظ ہی الفاظ یاد کر رکھے ہیں ـ ۔۔۔ صاحب کی دونوں باتیں دل کو لگیں ۔ تحقیق: دل کو یا زبان کو؟

حال: واقعی نفس کا چور ہوتا ہے معمولات میں ناغے اور کوتاہیاں اور ایک کام میں لگ کر دوسرے کام سے ذہول بھی اس اختصار کا سبب ہوتا ہے، چنانچہ یہی بات تھی ۔

تحقیق: کب تک یہ کرتے رہوگے؟

حال: حضرت والا کے گرامی نامہ آنے کے بعد پھر از سرنو معمولات کی پابندی اختیار کی ہے

تحقیق: اب سے اپنے حالات ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب سے کہو براہ راست نہ لکھو۔

حال: اللہ تعالیٰ استقامت ارزانی فرمائیں ۔ حضرت والا دعا فرمائیں۔ صبح کو تلاوت اور مناجات پڑھ لیتا ہوں، دو گھنٹہ مکتب میں بچوں کو قاعدہ یسرنا القرآن اور ایک گھنٹہ اردو اور ایک گھنٹہ حساب کرادیتا ہوں ۔ایک گھنٹہ ۔ ۔ ۔ بھائی کے ساتھ بیٹھکر فتح الباری اور الیواقیت والجواہر پڑھتا ہوں کافیہ، علم الصیغہ، اصح السیر مجھکو دی گئی ہیں ۔مغرب سے

عشاء تک کا وقت اللہ اللہ کرنے کے لئے فارغ کرلیا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائیں، نفس و شیطان کے پھندے میں ایسا پھنسا ہوا ہوں۔۔

تحقیق: یہ ٹھیک کہتے ہو، مولویوں کا عام طور پر یہی حال ہے۔

حال: کہ حضرت والا ہی کی شفیق ہستی ہے جو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کام میں لگا دیتے ہیں ورنہ کسی کو میرے نفع نقصان کی کیا پڑی ہے زندگی بکھر جائے جس طرح پریشاں رہوں اور مرنے کے بعد کلی (نعوذ باللہ) جہنم میں جاؤں انکی بلا سے۔ دنیا والوں سے وحشت ہونے لگی ہے۔

تحقیق: بڑی مشکل ہے۔

حال: انکو صرف اپنا نفع دیکھنا ہے دوسرے کا دین و دنیا چاہے سب برباد ہو، تمام طرف نظر دوڑا چکا ہوں پوری دنیا میں بس حضرت والا ہی کو خیرخواہ پاتا ہوں، دین و دنیا سب بنانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو ہمیشہ قائم رکھیں، خوش رکھیں، تندرست رکھیں، اور ہم سب کو سعادتمند بنائیں۔ آمین۔

تحقیق: مولوی ۔۔۔ صاحب کو دکھلا کر بھیجو اور آئندہ براہ راست خط و کتابت نہ کرو۔

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۸۔ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ مطابق اگست ۱۹۹۷ء جلد ۳۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زرِ تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان ۱۰۰ روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

S.T.D Code No 0532 فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موت سے کس کو رستگاری ہے

وہ نوعمر اور کمسن لڑکا جس کے متعلق ایک مخلص و عابد زندہ دل مسلمان نے غیروں کی ترغیبات و تحریکات کے باوجود صدق دل سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ (اسے وہ علوم پڑھائے جائیں جو مجھے قبر میں اور اسکے بعد بھی کچھ ملتا رہے) فیصلہ کی اس نوا و صدا کو رب سمیع و مجیب نے وہ شرف قبولیت بخشا کہ مستقبل قریب میں یہی لڑکا آسمان علم و عمل کا درخشندہ ستارہ، صف علماء کا ممتاز و مرتاض عالم ربانی، راسخ العلم والعمل مجاہد قلم و زباں، عقائد باطلہ و فرق ضالہ کا مدمقابل و صف شکن یلغار، زاہد شب زندہ دار ثابت ہوا اور جسے بعد میں دنیا مولانا محمد منظور نعمانی کے نام سے یاد کرتی رہی آج رنجیدہ دل و محزوں قلم سے یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ انکی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہوگئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا بتایا جائے غم کے اس موقع پر اہل ادارہ و بالخصوص والد ماجد جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ نے صدمات کے کیسے کیسے وار سہے اور حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کے ساتھ وابستہ یادوں کے دریچے کھل گئے۔ ع

دل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رویا

مولانا مرحوم کیا پیوند خاک ہوئے اپنے ساتھ اسلاف کا سوز دروں، دعوت الی اللہ کا پرجوش جذبہ متلاطم، اللہ کے دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکامات کی صحیح وسچی تصویر لوگوں کے دماغ میں رچانے بسانے کی فکر پیہم و جہد مسلسل، وہ اخلاص وسوز، انابت الی اللہ، فنائیت وعبدیت و سیماب صفتی یہ سب کچھ اور "بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست" اپنے ساتھ لیکر ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئے ع۔ اب انھیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لیکر

آج دیکھا جاتا ہے کہ ذرا کسی کو شہرت کی ہوا لگی، اخبارات و رسائل میں نام آیا، مختلف کانفرسوں، جلسوں میں شرکت کا موقع ملا، کسی بیرونی سفر کا موقع نصیب ہوا پھر سنبھلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تہ خانۂ دل میں اچھال آجاتا ہے اور فخر و ناز، پندار و غرور اور ادعائی کلمات کی گونج سنائی دینے لگتی ہے اور بسا اوقات یہ کھلی مشاہدہ میں آیا کہ باطلی مست و بیخود ہوکر اپنوں ہی کو روندنے لگتا ہے اللھم احفظنا من شر ور انفسنا و من سیئات اعمالنا مگر ہمارے حضرت ممدوح مرحوم دینی سیادت اور بین الاقوامی شہرت، عزت، وجاہت اور قابل فخر علمی کارناموں کے باوجود بے نفسی اور تواضع و مسکنت کی تصویر ہی بنے رہے۔ ذرا مولانا مرحوم کی کتاب "تحدیث نعمت" کے اوراق الٹتے جائیے قاری کو محسوس ہوگا کہ زندگی کے ہر موڑ و موقع پر اپنے علمی و گرانقدر تصنیفی کارناموں پر فخر و مباہات تو کجا جگہ جگہ اپنی نزاہت کی حقیقت کھولتے جاتے ہیں نہ تو کسی شیخی کا ذکر ہے نہ ہی تعلی و خود پسندی و دراز نفسی کی بو۔ بس خدا کی اسی رحمت و نصرت کا تذکرہ ہے جو ہر برائی سے روکتی ہے اور اسی کی خصوصی دستگیری و توفیق کا اعادہ ہے جو نفس امارہ کے کید و مکر سے اپنے مخصوص بندوں کی حفاظت فرماتا ہے وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔

مولانا مرحوم اُن شائقین علم اور مطالعہ و تصنیف و تالیف کے بحر میں غرق رہنے والوں میں سے تھے جنکے لئے پندار علم کبھی حجاب اکبر نہیں بنا، دور طالبعلمی سے مختلف اولیاء اللہ کی صحبتوں سے بہرہ ور ہوتے رہے، استفادہ و دعا کے لئے نیازمندانہ حاضر ہوتے رہے، قلب و دماغ کو شاداب و شاد کام کرتے رہے، انھیں خاصان خدا کی فہرست میں مجدد الملت حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانوی کا اسم گرامی بھی آتا ہے، یہی جذبۂ داعیہ کہ ؎

درکنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را
سیپارۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

حکیم الامۃؒ کے دربار میں لے گیا اور پھر بالآخر یہی جذبہ اس شہید ذوق اشرفی کو کشاں کشاں مصلح الامۃ عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ نور اللہ مرقدہ کی بارگاہ میں کھینچ لایا و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء ؎

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

فیضان محبت عام سہی عرفان محبت عام نہیں

مصلح الامتؒ کی خدمت میں سب سے پہلی بار غالباً ۴۵ء یا ۴۶ء میں ماہ جون کی چلچلاتی دھوپ میں کچھ بے ہنگم راستوں کو طے کرتے ہوئے فتحپور تال نرجا تشریف لیگئے بعد ازاں مختلف ادوار میں مختلف مقامات پر شرف نیاز و ملاقات حاصل کرتے رہے اور بعض مرتبہ بہ نیت استفادہ قیام پذیر بھی رہے۔ پھر مصلح الامت علیہ الرحمہ کی شخصیت عالیہ، انکے علوم و معارف علمی رسوخ، وسعت مطالعہ پھر سب سے بڑھکر جذب وسلوک کے حسین امتزاج اور ان کے نرالے اور انوکھے طریقۂ اصلاح و ہدایت سے اسقدر متاثر ہوئے کہ انکے قلم سے یہ گرانقدر و دلنشیں تحریر بے ساختہ نکل پڑی قارئین ذرا توجہ سے اس اقتباس کو پڑھیں کہ شہادت ایک دیدہ ور اور بحر علوم و معارف کے ایک شناور کی ہے :-

" مشائخ طریقت میں اکثر وبیشتر وہ ہوتے ہیں جنکا ارشاد و اصلاح کا سارا کام بالکل اپنے شیخ کے منوال و منہاج پر ہوتا ہے لیکن بعض ایسے شہباز بھی ہوتے ہیں جو شیخ کی کامل محبت اور متابعت کے باوجود ایک مستقل انداز اور طریقہ کے بانی دیکھے جاتے ہیں اسکی مثال میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خلفاء میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اور حضرت حاجی امداد اللہؒ کے خلفاء میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اگر چھوٹے منہ سے کسی بڑی بات کے کہنے کا جواز ہو تو یہ عاجز حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلفاء

میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ کا نام عملی اسکی مثال میں لے سکتا ہے

حضرت ممدوح میں جذب وسلوک کا ایسا واضح امتزاج تھا

جس نے ایک نرالے قسم کا بانکپن پیدا کردیا تھا ؎

در دست نہ تیر ہست نہ بر دوش کمان است

ایں سادگیٔ اوست کہ بسمل دو جہان است

در مدرسہ از جنبشِ لعل تو حکایت

در میکدہ از مستیٔ چشم تو نشان است "

(نہ ہاتھ میں تیر ہے نہ دوش پر کمان ہے یہ تو بس انکی سادگی کا حسن وکمال ہے کہ دونوں جہان تڑپ رہا ہے۔ مدرسوں میں تمھارے جنبش لب "افادات وارشادات" کے تذکرے ہیں۔ میکدوں "خانقاہوں" میں تیری مستیٔ نگاہ کے آثار ونشان "احوال وکیفیات" ہیں۔)

مولانا علیہ الرحمۃ اگرچہ مدت دراز سے بستر علالت پر تھے گوناگوں عوارض اور امراض نے گھیر رکھا تھا انکی دنیا انکے بستر تک محدود ہوکر رہ گئی تھی وہ ہر قسم کی نقل وحرکت سے معذور ہو چکے تھے تاہم زندگی زندگی ہے اور موت موت ہے۔ مصائب اور تھے پر انکا جانا عجیب اک سانحہ سا ہو گیا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ آج ہر قسم کی تکالیف سے آزاد ہوکر وہیں چلے گئے جہاں سبکو جانا ہے اور مغفرت وبخشش کے ڈھیر سارے سامان اپنے ساتھ لے گئے بالخصوص بستر علالت پر لکھی گئی کتاب " ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت " جس نے وقت کے ایک طاغوتی قلعہ کو مسمار کرکے رکھدیا اور عام مسلمانوں اور بعض خواص کو بھی اس انقلابی اور شیطانی سمیت سے بچایا ہے انشاء اللہ وسیلہ رحمت اور ذریعہ مغفرت بنکر رہیگی۔ رحمت حق بہانہ می جوید بہانمی جوید۔

محترم والد ماجد صاحب واہل ادارہ مولانا علیہ الرحمۃ کے اولاد واحفاد کے ساتھ (جو ایں خانہ ہمہ آفتاب است کے مصداق ہیں) غم والم میں شریک ہیں اور مغفرت ورحمت کی دعاؤں کے ساتھ یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہٗ   ھو المسک ما کررتہ یتضوع

(۳)

حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ نے فتح پور تال نرجا نامی گاؤں میں اصلاح وتربیت و رشد و ہدایت کے کام کا آغاز فرمایا، اصلاح وتربیت کا کام اس موضع میں اتنا ہی مشکل تھا جتنا سنگین چٹانوں میں کیل کا ٹھوکنا مگر جن نفوس قدسیہ کے کاندھوں پر ارشاد و اصلاح کی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے اور جنکے ذمہ مخلوق خدا کے قلب و دماغ کی ایمانی صیقل گری ہوتی ہے وہ اپنے اندر ایسی ایمانی وروحانی بہار رکھتے ہیں اور ربانی جاہ و جلال کے ایسے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں کہ سنگلاخ سے سنگلاخ زمین دیکھتے ہی دیکھتے اللہ کے ذکر و فکر سے لالہ زار وگلزار بن جاتی ہے فتحپور تال نرجا نامی گاؤں میں بھی یہی ہوا اصلاح و تربیت کی راہ میں حائل سنگینیوں کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی حالات اور راستہ کی مشکلات سے لگایا جا سکتا ہے، خاصان خدا اور علمائے مخلصین چونکہ انبیاء علیہم السلام کے وارث و امین ہوتے ہیں اسلئے انکے سامنے بھی گوناگوں مشکلات وصعوبات ہوتی ہیں۔

حضرت مصلح الامتؒ کے سامنے بھی اگرچہ بظاہر زمین بنجر وخشک تھی اور حالات ناساعد بھی مگر کاتب تقدیر نے جس کے حق میں داعی الی اللہ و مصلح الامت ہونا مقدر فرما دیا تھا اس ہستی نے دستور دعوت الی اللہ کے مطابق اپنے خاندان وعشیرۃ سے اصلاح اعمال و اخلاق، تزکیۂ قلب ونفس کے نازک وپیچیدہ عمل کی ابتدا کی اللہ کی حکمت غامضہ و قدرت رنگارنگ کا کیا ٹھکانا نہ معلوم کب اور کن اسباب کی بنا پر دی ہوئی نعمت سلب فرمالے اور نہ معلوم کب اور کس پر، کس بستی پر رحمت وبخشش کے خزانے لٹادے اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَاءُ اِنَّہٗ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْد

چنانچہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے اصلاحی عمل کی برکت اور

اسکے ظہور کا آغاز ہوگیا جو زمین بظاہر بے رونق اور مردہ پڑی ہوئی تھی اللہ کے فضل و مہربانی سے کشت ویران سے بدل کر زرخیز مٹی بن گئی، ہر طرف رحمتِ الٰہی کے نشان اور اسکے آثار نظر آنے لگے اور جو صلاحیتیں خوابیدہ تھیں حضرت اقدس کی پُرتاثیر صحبت سے وہ بیدار ہوگئیں اور خاندان و عشیرہ کے جوان و نوجوان، خیرہ کر معمّر و بزرگ افراد بھی حلقۂ بیعت و ارادت میں داخل ہونے لگے اکتفا اسی پر نہیں ان حضرات نے انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ وہ لافانی خدمت انجام دی جس کی نظیر کم ہی مل سکتی ہے۔ مئی جون کی جھلسا دینے والی تمازت ہو یا جاڑوں کی سرد ترین رات، حضرت والا کے تکلیف و آرام کے خیال سے ہمہ وقت خدمت کے لئے کمربستہ رہتے گویا ان سادہ لوح بندوں کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ ایمان و یقین اخلاص و عمل کی دولت کے حصول کے لئے اس مردِ درویش کی خدمت و صحبت ضروری ہے عقیدت و محبت کے اس احساس کا جاگنا تھا کہ قلوب بدل گئے، زندگیوں میں از سرِ نو جان پڑ گئی، گاؤں کی فضا اور پوری بستی قیام و قعود، رکوع و سجود، خشوع و خضوع، دعا و مناجات کے کیف و سرور سے مالا مال ہوگئی۔ اگر آخر شب کے سناٹوں میں گاؤں کی گلیوں و مکانوں سے کوئی گذرتا تو یقیناً اسے تلاوت قرآن کی گنگناہٹ یا ضرب لا الٰہ کی گونج سنائی دیتی ؎

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

غرض اس عرصہ میں حضرت اقدس نے اللہ کو لگانے والوں کی ایک جماعت پیدا کر دی جو تا زندگی معمولات و اوراد سے وابستہ رہی مگر اب غم و افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جو پرانے بادہ کش تھے یکے بعد دیگرے اٹھتے جاتے ہیں۔

ان میں ایک نمایاں اور ممتاز شخصیت حاجی محمد ادریس صاحب علیہ الرحمہ کی تھی، ابھی چند ہفتہ قبل یہ خبر ملی کہ زبان پر ذکر جاری تھا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت۔ حاجی محمد ادریس صاحب (علیہ الرحمہ) فتحپور سے متصل ہی ایک بستی سِنہ نامی کے رہنے والے تھے حضرت والا رحمہ اللہ جب تھانہ بھون سے اپنے وطن فروکش ہوئے اسی وقت سے انھوں نے حضرت کا دامن تھام لیا، پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دینی و دنیوی سعادت و فلاح کی معراج کمال کو پہونچے انکی زندگی سرتا پا عمل تھی۔ اگر اخلاص و محبت کو اس دنیا میں کسی پیکر کے اندر ڈھالا جا سکتا تھا تو بلا مبالغہ حاجی صاحب کی ذات تھی وہ نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو کے بعینہ مصداق تھے، بیکار و بے نتیجہ باتیں بہت کم کیا کرتے تھے اور سالہا سال سے صاحب فراش وعلیل تھے، ہر قسم کی نقل وحرکت سے معذور ہو گئے تھے۔ والد ماجد جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ اطراف وجوانب میں جب بھی تشریف لے جاتے حاجی ادریس صاحب مرحوم سے ضرور ملاقات کرتے۔ حضرت والد صاحب مدظلہ کی اس عیادت سے ان کے تن ناتواں میں جان دوڑ جاتی، وہ خوش بستر پر پڑے رہتے مگر بشاشت و حرارت جو لفظ و بیان کی محتاج نہیں صاف نمایاں ہوکر دوڑنے لگتی۔ بقول شاعر وہاں وہی عالم ہوتا ہے

سمجھو تو خموشی سب کچھ ہے دیکھو تو خموشی کچھ بھی نہیں
آواز بھی ہے، الفاظ بھی ہیں، مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے

حاجی ادریس صاحبؒ نے اپنے پیچھے چار صاحبزادگان چھوڑے حافظ محمد یونس، محمد یحییٰ، محمد ہارون، محمد انیس۔ سبھی انکے مطیع و فرماں بردار تھے اور اللہ نے والد مرحوم کے خدمت کی کما حقہ، توفیق بھی عطا فرمائی سبھی مادی فارغ البالی کے ساتھ ساتھ پابند صوم وصلوٰۃ

بھی ہیں، بالخصوص حافظ محمد یونس صاحب کو حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمہ کے شبا روزی خدمت کا شرف بھی حاصل ہے بلاشبہہ یہ سب حاجی صاحب مرحوم ہی کے اخلاص للّٰہیت کا ثمرہ ہے۔

(۳)

حضرت والا قدس سرہٗ کے متوسلین میں اسی موضع سنہۃ کی ایک دوسری شخصیت حافظ محمد فریدالدین صاحب مرحوم کی تھی جو چند سال قبل وصال کر گئے، مرحوم بھی جو اگرچہ رسمی وظاہری اعلیٰ تعلیم آراستہ نہ تھے مگر حضرت مصلح الامۃ کے دامن تربیت وشفقت میں رہکر باطنی، روحانی فضائل سے مالامال ہو گئے۔ مرحوم ریاضت ومجاہدانہ زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھے، زندگی سرتاپا تقویٰ وورع میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اگر حاجی ادریس صاحب مرحوم جگر کے الفاظ میں "شاخ گل" تھے تو موخر الذکر "تلوار" تھے۔ اگرچہ ان حضرات کی زندگی گوشہ نشینی کی تھی مگر پھول کی خوشبو اور آفتاب کی کرن کو کون روک سکتا ہے؟ گاؤں اور اطراف وجوانب کے لوگ ان کے محاسن اخلاق اور باطنی کمالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایسے مخلصین وراسخین کی مثالیں نایاب تو نہیں کمیاب ضرور ہیں جنھوں نے اسوۂ شیخ کے خطوط کی من وعن پیروی کی ہو اور اپنے مصلح ومربّی کی محبت وعقیدت اپنے سینوں میں لئے خدا کے حضور پہونچ گئے ہوں ؎

جان ہی دے دی جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

قارئین ومتوسلین سے درخواست ہے کہ ان مرحومین کے حق میں ایصال ثواب ودعائے مغفرت فرمائیں۔

احترام علم وعلماء

(۲)

وبعد اسطر وفى المحيط من جلس على
مكان مرتفع ويسأَلون منه مسائل بطريق
الاستهزاء ثم يضربونه بالوسائد اى
مثلًا وهم يضحكون كفروا جميعًا اى
لاستخفافهم بالشرع وكذا لو لم يجلس
على المكان المرتفع ونقل عن الاستاذ
نجم الدين الكندى بسمرقند ان من
تشبه بالمعلم على وجه السخرية واخذ الخشبة
وضرب الصبيان كفر يعنى لان معلم القرآن
من جملة علماء الشريعة فالاستهزاء
به وبمعلمه يكون كفرًا وفى الظهيرية
ولو جلس مجلس الشرب على مكان مرتفع
وذكر مضاحك يستهزأ بالمذكر فضحك
وضحكوا كفروا جميعًا يعنى لان المذكر
واعظ وهو من جملة العلماء وخليفة
الانبياء وفى الظهيرية من قيل له قم
نذهب او اذهب الى مجلس العلم فقال
من يقدر على الاتيان بما يقولون او قال

اور محیط میں ہے کہ کوئی شخص اونچی جگہ پر بیٹھا اور بطور مذاق کے
کچھ لوگ مسائل پوچھنے لگے پھر اسکو مثلاً تکیوں سے مارنے لگے اور اسپر خوب ہنسی
ہوتی رہی تو سبکے سب کافر ہوگئے ۱۲ اور اگر اونچی جگہ پر نہ بھی بیٹھے
تب بھی یہی حکم ہوگا۔ اور استاذ نجم الدین سمرقندیؒ
سے منقول ہے کہ جو شخص بطور تمسخر کے معلم قرآن کے ساتھ
تشبہ اختیار کرے اور ہاتھ میں چھڑی لیکر بچوں کو
مارے تو کافر ہوجائیگا اسلئے کہ معلم قرآن منجملہ علمائے
شریعت کے ہے پس قرآن کے ساتھ اور اسکے معلم
کے ساتھ مذاق کرنا کفر ہے اور ظہیریہ میں ہے کہ کوئی
شخص شراب نوشی کی مجلس میں کسی اونچی جگہ پر بیٹھکر
مذاق کی باتیں کرنے لگا تاکہ واعظ کے ساتھ استہزا کرے
اس طور پر خود بھی ہنسا اور حاضرین مجلس بھی ہنسے تو
سبکے سب کافر ہوگئے اسلئے کہ مذکر واعظ ہے اور
منجملہ علماء کے ہے اور انبیاء کا خلیفہ ہے۔ اور ظہیریہ میں ہے
کہ کسی شخص سے کہا گیا کہ چلو ہم لوگ مجلس علم میں چلیں یا تم مجلس علم
میں جاؤ تو اس نے کہا کہ علماء جو کچھ کہتے ہیں اسپر کون عمل
کرسکتا ہے یا یہ کہا کہ ہم سے مجلس علم سے کیا مروکار تو کافر
ہوگیا۔ بہرحال مسئلہ اولیٰ میں (کفر کا فتویٰ) تو اسلئے کہ اس نے معلوم

مالی ومجلس العلم یعنی کفر۔ اما المسئلة الاولیٰ فلما تقدم من انه یلزم من قوله تکلیف مالایطاق فی الشریعة وقد قال الله تعالیٰ لایکلف الله نفسًا الا وسعها واما المسألة الثانیه فمحولة علی ما اذا اراد به ای حاجة لی الی مجلس العلم او قال قصعة ثرید خیر من العلم کفر وفی المحیط ذکر ان فقیهًا وضع کتابه فی دکان وذهب ثم مر علی ذلک الدکان فقال صاحب الدکان ههنا نسیت المنشار فقال الفقیه عندک کتاب لا منشار فقال صاحب الدکان النجار بالمنشار یقطع الخشب وانتم تقطعون به حلوق الناس او قال حق الناس فشکی الفقیه الی الامام الفضلی یعنی للشیخ محمد بن الفضل فامر بقتل ذلک الرجل لانه کفر باستخفاف کتاب الفقه وبعد اسطر ومن قال الشرع وامثاله لایفید لی ولاینفذ عندی کفر وبعد اسطر وفی المحیط من ذکر عنده الشرع فتجشی ای عمدًا او تکلفًا او صوت صوتًا کریهًا ای تقذرًا وتکرهًا وقال هذا الشرع کفر ای حیث شبه الشرع بالامر المکروه فی الطبع حتی ان فی زمن المامون

ہوتا ہے کہ شریعت میں ایسے احکام ہیں جو طاقت انسانی سے باہر ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کسی کو نہیں پابند فرماتے ہیں مگر اسکی طاقت کے مطابق اور مسئلہ ثانیہ تو اسکو اس بات پر محمول کیا جائیگا کہ کہنے والے نے ارادہ کیا کہ مجھکو مجلس علم کی کیا حاجت ہے (حالانکہ مجلس علم کی سبھی کو ضرورت ہے) اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ ثرید کا ایک پیالہ علم سے بہتر ہے تو کافر ہو جائے گا اور محیط میں مذکور ہے کہ کوئی عالم اپنی کتاب کسی دوکان میں رکھکر چلے گئے پھر اس دوکان سے ان عالم صاحب کا گذر ہوا تو صاحب دوکان نے کہا کہ آپ اپنا آرہ یہاں بھول گئے ہیں تو انھوں نے کہا بھائی میں نے تمھارے پاس کتاب چھوڑی ہے نہ کہ آرہ تو دوکان والے نے کہا بڑھئی تو آرے سے لکڑی کاٹتا ہے اور آپ لوگ اس سے لوگوں کے گلے کاٹتے ہیں یا کہا کہ لوگوں کا حق مارتے ہیں تو ان عالم صاحب نے امام فضلی یعنی حضرت محمد بن فضل سے اسکی شکایت کردی تو انھوں نے اس شخص کے قتل کا امر فرما دیا اسلئے کہ علم فقہ کی کتاب کی استخفاف اور اہانت کی وجہ سے وہ شخص کافر ہو گیا۔ اسیطرح اگر کسی نے کہا کہ شریعت اور دین کی باتیں مجھکو کچھ نفع نہیں پہونچاتیں میرے نزدیک نہیں چلتی ہیں تو کافر ہو جائیگا اور محیط میں ہے کہ جس کے پاس شریعت کا ذکر ہوا تو اس نے قصداً یا تکلفاً ڈکارا یا مکروہ آواز گندہ سمجھکر یا ناپسندیدگی کے طور پر نکالی اور کہا کہ یہی شریعت ہے تو کافر ہو جائیگا اسلئے کہ اس نے شریعت کو تشبیہ دی ایسی چیز سے جو طبعًا مکروہ ہے۔ منقول ہے کہ خلیفہ مامون کے زمانے میں کسی شخص سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کسی مولانا سے

الخليفة سئل واحد عمن قتل جائعًا فاجاب فقال يلزمه غضارة غـراء اى جارية شابة رعناء فسمع المامون ذلك فامر بضرب عنق المجيب حتى مات وقال هذا استهزاء بحكم الشرع والاستهزاء بحكم من احكام الشرع كفر وحكى الامير الكبير تيمور ذات يوم مل وانقبض ولم يجب احدًا فيما سئل فدخل مضحكه فاخذ يقول مضاحكة فقال دخل على قاضى بلدة كذا واخذ فى شهر رمضان فقال يا حاكم الشرع فلان اكل صوم رمضان ولى فيها شهود فقال ذلك القاضى ليت آخر يأكل الصلوة نتخلص منهما ليضحك الامير فقال الامير اما وجدتم مضحكًا سوى امر الدين فامر بضربه حتى اثخنه فرحم الله من عظم دين الاسلام

(شرح فقہ اکبر ص ۲۱۳)

کو قتل کیا تھا تو جواب میں یہ کہا کہ ایک غضہ بفتور جاریہ جوان اس پہ لازم ہے جب اس جواب کو مامون نے سنا تو مجیب کے گردن مارنے کا حکم دیدیا یہاں تک کہ وہ مرگیا اور کہا کہ یہ حکم شرع کے ساتھ استہزا ہے اور حکم شرع کے ساتھ استہزا کفر ہے۔ حکایت ہے کہ امیر کبیر تیمور ایک دن ملول اور کبیدہ خاطر تھا اور کسی سائل کے سوال کا جواب نہ دیتا تھا تو اسکا ہنسانے والا پہونچا اور ہنسانے کی باتیں کرنے لگا تو اس نے کہا کہ قاضیٔ شہر کے پاس ایک آدمی گیا اور رمضان کا مہینہ شروع تھا تو کہا اے حاکم الشرع فلاں تو صوم رمضان کھا گیا اور میرے پاس اسکے گواہ ہیں تو اس قاضی نے کہا کاش کہ کوئی نماز کو بھی کھا جاتا تاکہ ہملوگ دونوں (نماز روزہ) سے نجات پاجائے اور یہ اسلئے کہا کہ امیر ہنس دے یہ سنکر امیر نے کہا کہ تم لوگوں کو کوئی ہنسانے والی بات سوائے امر دین کے نہ ملی پس اسکو مارنے کا حکم دیا اور اتنا مارا کہ وہ زخمی ہوگیا۔ پس رحم کرے اللہ اس شخص پر جو امر دین کی تعظیم کرے۔

صاحب کتاب یہ جزئیات شریعت کی عظمت و حرمت میں لکھ رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسی بات کہدے جس میں شریعت یا علمار کا استخفاف ہو تو اس سے ایمان ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ علمار کا استخفاف در اصل انبیار کا استخفاف ہے اور انبیار کا استخفاف صریح کفر ہے

آجکل لوگ ظرافت میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس سے شریعت

کا استخفاف ہوتا ہے اور ان کو یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ ایسی باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے

بزرگوں سے سنا ہے کہ ایک صاحب ایک امیر کے پاس گئے اسکے چہرے پر ڈاڑھی نہ تھی ان صاحب نے کہا کاگر آپ کے چہرے پر ڈاڑھی ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ ان کے اس کہنے سے امیر شرمندہ ہوا اور متاثر ہوا لیکن ایک مصاحب بولا کہ حضور ڈاڑھی نہ رکھائیں اگر رکھ لیں گے تو اس میں جوئیں پڑ جائیں گی اور وہ آپس میں زنا کریں گی۔ جب امیر کے پاس سے یہ لوگ اٹھکر باہر آئے تو ان صاحب نے اس مصاحب سے پوچھا کہ امیر تو میری بات سے متاثر تھا تم نے ایسی بیہودہ بات کیوں کہی؟ ایسی باتوں سے ایمان چلا جاتا ہے۔ یہ سنکر وہ کہتا ہے کہ صاحب ہم جب امیر کے پاس آتے ہیں تو اپنے ایمان کو فلاں نالے کے پاس رکھ آتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں کہتا ہوں کہ بھائی اگر تم سے عمل نہیں ہو پاتا تو نہ کرو مگر اپنے ایمان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ اسکے باقی رہنے میں تمہارا کیا نقصان ہے اگر ایمان سلامت رہا تو کبھی نہ کبھی تو جنت میں کھینچکر لے ہی جائے گا اور اگر ایمان ہی ختم ہوگیا تب تو ہمیشہ ہمیشہ ہی کے لئے جہنم کا کندہ بنکر رہ جاؤ گے۔

اب جو شریعت کا احترام نہیں ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ علماء کا احترام نہیں دونوں لازم و ملزوم ہیں، جب شریعت کا احترام ہوگا علماء کا احترام ہوگا اور جب علماء کا احترام ہوگا شریعت کا احترام ہوگا۔ علماء حامل شریعت ہیں وہ ہمیشہ رہیں گے اور شریعت کی حفاظت کریں گے یہ اللہ و رسول کی شریعت ہے اسکی حفاظت ضروری ہے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت ضروری ہے۔ پوری شریعت کی حفاظت ضروری ہے

علماء محافظ شریعت ہیں شریعت کی حفاظت کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر قوم میں نبی ہوا کرتے تھے۔ ایک ایک وقت میں کئی کئی نبی ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی تو ہوگا نہیں انبیاء کا کام علماء ہی سے لیا جائے گا اسی معنی کر علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں جیساکہ حدیث میں ہے اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ علماء کا بڑا مرتبہ ہے جب کہ یہ انبیاء کے وارث ہیں اور نبی کی شریعت کے محافظ ہیں تو انکی تکذیب شریعت کی تکذیب ہے اور انکا استہزاء انبیاء کا استہزاء ہے جو یقیناً کفر ہے۔ اور سنیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ وَ	مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا
اَکْلُ لَحْمِہٖ مِنْ مَعْصِیَۃِ اللہِ وَحُرْمَۃُ	اسکے گوشت کو کھانا اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے (زنا قرانی)
مَالِہٖ کَحُرْمَۃِ دَمِہٖ	اور اسکے مال کی حرمت مثل اسکے خون کی حرمت کے ہے

توجب عام مومنین کے اس درجہ حقوق ہیں اور ایک دوسرے کی تعظیم لازم ہے پھر علماء جو کہ نائب رسول ہیں انکی تعظیم کس قدر ضروری ہوگی، اور انکی اہانت وایذا کس درجہ قبیح ہوگی؟ ہم کو قدم قدم پر علماء کی ضرورت ہے ہم کسی حال میں علماء سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اب نبی تو آئیں گے نہیں لہٰذا چار و ناچار ہمکو شریعت انھیں علماء ہی سے لینا ہے۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

چونکہ شد خورشید و ما را کرد داغ　　چارہ نبود در مقامش جز چراغ
چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب　　بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب

(جبکہ سورج چھپ گیا اور ہمکو داغ جدائی دے گیا تو اب اسکی جگہ سوائے چراغ سے روشنی حاصل کرنے کے اور چارہ کار ہی کیا ہے اسی طرح سے جبکہ پھول رخصت ہوا اور باغ ویران ہوگیا تو اب گلاب کے پھول کی خوشبو حاصل ہونے کا ذریعہ سوائے عرق گلاب کے اور ہے ہی کیا)

تو بھائی اگرچہ خورشید اور چراغ کی روشنی میں کوئی نسبت نہیں لیکن جب خورشید چھپ گیا تو اب کروگے کیا سوائے اسکے کہ چراغ سے روشنی حاصل کرو۔ یہی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء کی ہے۔ اب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں رکھتے تو لامحالہ شریعت علماء ہی سے لینا ہوگی، علم دین اور علماء دین کی ناقدری کرو اللہ کے بندو ایمان کی حفاظت کرتے جاؤ۔ بہت سے لوگ اپنے کو مومن سمجھتے ہیں اور ایمان رخصت ہو چکا ہے۔ مال کی حفاظت کیلئے تو کیا کیا انتظام کئے جاتے ہیں۔ کیا دولت ظاہری کی حفاظت ضروری ہے اور دولت باطنی کی نہیں۔ مسلمان بڑے نازک دور سے گذر رہے ہیں اسی زمانہ میں ایمان کی خیر منانا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے ایمان کے بقا کی دعاء کرتے رہنا چاہئے۔

علماء تمھارے اندر رہتے ہیں تو انکی ناقدری نہ کرو انکا کام دیکھو وہ شریعت کے محافظ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈیوٹی پر مقرر ہیں اگر اسوقت انکی توہین کروگے تو یہ سرکار کی توہین ہوگی اور سرکار مدعی ہوگی اور جب پر اللہ تعالیٰ مدعی ہوں وہ بچکر کہاں جا سکتا ہے شریعت اور علماء کا احترام کروگے تو اسکی برکات دیکھوگے اخلاق محسنی میں ایک حکایت منقول ہے کہ خراسان کے بادشاہ اسمٰعیل سامانی کے پاس کسی اہم کام کے سلسلہ میں ایک عالم تشریف لائے بادشاہ نے ان عالم کی بہت تعظیم کی اور ادب سے پیش آیا جب واپس تشریف لے جانے لگے تو سات قدم رخصت کرنے کے لئے ساتھ چلا۔ رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی حضور نے فرمایا اے اسمٰعیل تو نے میری امت کے ایک عالم کی عزت کی میں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ تجھ کو دونوں جہاں میں عزت عطا فرمائیں، اور تو سات قدم ایک عالم کے پیچھے چلا میں نے دعاء کی کہ تیری نسل سات پشت سلطنت کرے۔ چنانچہ میری دونوں دعائیں مقبول ہوگئیں۔ دیکھا آپ لوگوں نے یہ برکت تھی ایک عالم کی تعظیم کرنے کی۔ علماء کی ناقدری نہ کرو انکا بڑا درجہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی عالم کو دیکھنے گیا گویا میری زیارت کو آیا۔ اور جس نے کسی عالم سے مصافحہ کیا گویا مجھ سے مصافحہ کیا۔

مکتوباتِ اصلاحی

(مکتوب نمبر ۴۳۲)

حال: حضرت والا میں کیا عرض کروں مدرسہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے مدرسین کے برتاؤ سے دل ایسا ٹوٹا کہ پھر وہ بات ہی نہ پیدا ہوئی جس کا مجھے اکثر رنج رہتا ہے میری سستی اور کمزوری کو حضرت معاف فرمائیں اور طریقہ کار بتلائیں جس سے آپ راضی رہیں، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راضی رہیں حق تعالیٰ راضی رہے۔

تحقیق: حاجی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط ملا آپ نے طریق کار دریافت فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی رہیں اور حق تعالیٰ اور آپ بھی راضی رہیں۔ طریق یہ ہے احکام شرعیہ خلوص سے عمل میں لائے جائیں اور دشمن کی دشمنی کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے بس۔ اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے دین کا بھی دنیا کا بھی جس کا آپ نے مشاہدہ کرلیا اسی سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول بھی راضی ہوں گے اور میں بھی راضی ہوں گا میں یہ چاہتا ہوں کہ دین کا کام اخلاص سے کیا جائے اور میرے پاس آنے والے خلوص اختیار کریں اور مسلمان کو ہرگز ضرر نہ پہونچائیں اور ان پر ظلم نہ کریں۔ اب سے آپ نئے سرے سے قدم خلوص کے ساتھ رکھئے کہ جو کچھ میرے بارے میں وسوسہ یا زبان سے نکل گیا ہو جو خلاف اعتقاد ہو ایسی حالت میں یہ سب ہو جاتا ہے، صدق دل سے اللہ تعالے سے توبہ کرلیجئے سب معاف ہو جائے گا اور راستہ کھل جائے گا اور

سب بلائیں دور ہو جائیں گی ۔ جواب مرحمت فرمائیے کہ سمجھ میں آگیا۔ والسلام

یہ تحریر بھی بھیجی گئی

حقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ آپ کے خط کا جواب تو حضرت والا نے ارقام فرمایا ہی ہے مگر پھر بھی حضرت والا ہی کے ایما ، بلکہ حکم سے میں بھی کچھ تحریر کرنے کی جراٗت کر رہا ہوں ۔

دیکھئے دنیا میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو کسی ایک قوم یا کسی ایک فرد کی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کی تمام اقوام کو راہِ ہدایت دکھانے کے لئے تشریف لائے

اب اولیاء اللہ انھیں کی نیابت میں بلا کسی تخصیص کے عام دعوت دینے پر متمکن ہیں ، لوگوں نے چاہا کہ صرف میرے ہی مطلقاً ہو کر رہیں دوسرے فریق کو نکال دیں ، آ نے نہ دیں تو یہ عقلاً یا دیانتاً کیسے ہو سکتا ہے ایک ہی شخص کے کیسے ہو سکتے ہیں ؟ دوسرا فریق فاسق ہی سہی مگر مسلمان تو ہے اسکی بھی تو خدمت کرنی ضروری ہے ۔ شاید آپ کو اسکا احساس نہ ہو مگر حضرت والا دامت برکاتہم نے آپ لوگوں کی ان لوگوں کے مقابلے میں بہت بہت مراعاتیں کیں اور کر رہے ہیں ۔ آپ حضرات کے سامنے ان لوگوں کی کچھ بھی قدر نہیں ہے آپ کی وجہ سے وہ لوگ ناراض بھی ہوئے اور ہیں ۔

مگر ساتھ ساتھ آپ بھی ناراض ہوئے یہ ناراضی آپ کے قول و فعل سے ظاہر بھی ہوگئی ۔ انا للہ ۔ بلکہ آپ کے اعتقاد میں بھی خلل پیدا ہوگیا آپنے بھی حضرت والا کے پاس آنا جانا ترک کر دیا

ساری دنیا کے ہوئے میرے سوا میں نے دنیا چھوڑ دی جنکے لئے

جس شخص کو آپ نائب رسول سمجھیں اسکے ساتھ یہ برتاؤ کریں یہ معاملہ تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ جاتا ہے ۔ مرید کو شیخ کے تابع ہو کر رہنا چاہیئے

نہ کہ اپنے تابع شیخ کو بنانا چاہیئے یہ کہاں تک قرین قیاس ہے۔

خیر یہ سب نفسانیت میں ہوا نفسانیت ایسی ہی بڑی بلا ہے۔ اللّٰھم احفظنا۔ اس واقعہ سے بہت پہلے جو آپ پر ایک مرتبہ کچھ ڈانٹ پڑی تھی اسی مرتبہ سے آپ کچھ بدل گئے تھے اسی کا یہ ظہور ہوا جو اس واقعہ میں ہوا، خیر جو کچھ ہوا، ہوا۔ اب سے صدق دل سے توبہ کرکے نہایت ہی خلوص اعتقا کے ساتھ قدم رکھئے کیوں شیطان کے چکر میں پڑ کر اپنی دین و دنیا خراب کر رہے ہیں اور آپ اپنے پیروں میں کلھاڑی مار رہے ہیں ؎

باز آ۔ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(باز آجاؤ، باز آجاؤ جیسے کچھ بھی ہو اور جن گناہوں میں مبتلا ہوان سے باز آجاؤ اگر تم کافر ہو یا آتش پرست ہو یا بت پرست ہو تو اس سے باز آجاؤ۔ چونکہ میری یہ بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے اسلئے تم نے اگر سو بار بھی توبہ توڑ ڈالی ہو تو خیر اب سہی اب سے باز آجاؤ)

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو صدق و خلوص عطا فرمائے اور سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ حاجی . . . . . صاحب کو بھی یہ خط دکھلایئے۔ اور اگر آپ کی مصلحت کے خلاف نہ ہو تو اس خط کو مولوی . . . صاحب کو دکھلایئے امید ہے وہ آپ کو بہت اچھی طرح سمجھائیں گے۔ والسلام

(مکتوب نمبر ۸۳۳)

حال: احقر بہ دعائے حضرت والا امجد اللہ زندہ ہے امید کہ حضرت والا کا مزاج مبارک بخیر و عافیت ہوگا۔ **تحقیق**: الحمدللہ بعافیت ہوں۔

حال: . . . . سلمہ تشریف لائے ان کے ذریعہ وہاں کے حالات خصوصًا تعمیر مدرسہ کی خبر معلوم کرکے مسرت ہوئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا کے فتحپور میں دارالعلوم کے اقامت کے ارادہ کی تکمیل علیٰ وجہ الاتم

ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت و عافیت کے ساتھ عمر نوح علیہ السلام مرحمت فرمائیں تاکہ امت کی خوب خوب اصلاح ہو اور ایک عظیم دینی ماحول پیدا ہو جائے۔ تحقیق: آمین۔

حال: حضرت والا کے مکتوبات و مصنفات کا مطالعہ و مذاکرہ نیز برادرم مولوی صاحب سلمہ کی مجالست کا شغل برابر جاری ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اور اسکے کئی فائدے محسوس کر رہا ہوں۔ (۱) حضرت والا کی محبت و عقیدت میں معتد بہ اضافہ معلوم ہوتا ہے (۲) قلب میں انکسار اور رقت کی کیفیت بڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ معاملات اور اخلاقیات کے سنوارنے کا اور پڑھنے پڑھانے کے کام میں اخلاص پیدا کرنے کا اہتمام مزید ہوا "تعلق حجاب است و بے حاصلی" کی اہمیت سمجھ میں آرہی ہے

تحقیق: غنیمت ہے۔

حال: حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے زیر سایہ کام میں لگائے رہیں اور اپنا بنالیں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔ آمین

(مکتوب نمبر ۳۴)

حال: اس مرتبہ حضرت والا کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے بہت باتیں معلوم ہوئیں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: جنکو ان کانوں نے کبھی سنا بھی نہ تھا، یہ ہم لوگوں کی بدقسمتی ہے کہ دوسرے تو دین و دنیا دونوں کا فائدہ آپ کی ذات سے اٹھا رہے ہیں اور ہم لوگ اب تک کہیں کے نہیں ہیں۔ تحقیق: ٹھیک کہتے ہو۔

حال: انشاء اللہ حتی الامکان کوشش کروں گا کہ حضرت والا کی بتائی باتوں پر عمل کروں۔ تحقیق: بہت بہتر۔

مکتوب نمبر ۸۳۵

حال: حضرت والا! جواب خط سے بے انتہا مسرت ہوئی اور اپنے اوپر ندامت بھی ہوئی۔ اپنی پریشانیاں و بداعمالیاں لکھتے شرم بھی آتی ہے اور ڈر بھی لگتا ہے کہ حضرت والا کو تکلیف ہوگی لیکن بغیر لکھے چارہ نہیں اپنی بے انتہا پریشانیوں کی بنا پر گھر چھوڑا ورنہ ہرگز جی نہیں چاہتا تھا کہ باہر رہوں اور ایسے وقت جبکہ حضرت والا بھی موجود ہوں۔

مکان پر تقریباً ایک ہزار قرض ہوگیا تب پریشان ہوکر بھاگا یہاں آکر بھی قرض لیکر کاروبار شروع کیا لیکن اس میں بھی اب تک گھاٹا ہی رہا۔ حضرت والا سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ میرے کاروبار میں برکت ہوجائے۔

یہاں نہ دنیا ہی سنبھل سکی نہ دین ہی محفوظ ہے۔ طبیعت بالکل گھبرا گئی ہے چھوڑ کر چلا آؤں لیکن قرض کا اتنا بار ہے کہ کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہے نفس اتنا سرکش ہے کہ قریب رہکر اصلاح نہ ہوسکی اب تو ہزاروں میل دور ہوں مجھکو قرض سے جہاں فرصت ملی انشاء اللہ گھر چلا آؤں گا۔

اور جب تک آپ معاف نہ فرمائیں گے مجھے نجات نہیں مل سکتی ہیں آپ کے یہاں سے بھاگا ہوں دنیا کمانے کے لئے آپ کی مرضی کے خلاف، اسلئے پریشان ہوں اور سب خوشحال۔ بیشک میں آچکا ہوں۔

یہ جواب بھیجا گیا

برادرم سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ بار بار یہ لکھا کرتے ہیں کہ حضرت والا وہاں ہیں اور میں یہاں ہوں

تو کیا آپ حضرت کی خدمت میں کم رہے ہیں؟ بہت رہے ہیں تو اس وقت آپ نے کیا کیا کہ اب آویں گے تو کرلیں گے۔

حضرت والا ہم لوگوں کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے مگر اب تک برادری کے لوگ راستہ پر نہیں لگے دین کیا سیکھیں گے دنیا بھی نہ حاصل کرسکے۔ حضرت برابر کہتے رہتے ہیں کہ کم از کم دنیا ہی حاصل کرلو مگر ہم لوگوں کے عقل پر پتھر پڑا ہے کہ کسی لائق نہ ہوئے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔

جب آپ کام کرنا نہیں چاہتے نہ دین کا نہ دنیا کا تو پھر پریشانیاں لکھ لکھ کر حضرت کو تکلیف دینا کیا ثواب کا کام ہے؟ یا صرف لکھ ہی دینے سے آپ کامیاب ہو جائیں گے؟ آدمی کام کرنے سے کامیاب ہوتا ہے لکھنے سے نہیں، دنیا کہاں سے کہاں پہونچ گئی، دوسری قومیں کتنی ترقی کر چکیں مگر ہم لوگ جہاں تھے وہیں ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔

اگر مناسب سمجھیں تو یہ خط ماسٹر صاحب کو دکھلا کر ان سے مفید مشورہ ومعلومات حاصل کریں اور پھر مطلع کریں کہ آپ کیا سمجھے؟

(مکتوب نمبر ۸۳۶)

حال: حضرت والا یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نیت میں صدق و اخلاص اگر نہ ہوگا تو باطن کا راستہ تک نہیں کھل سکتا اور نہ باطن میں قدم ہی رکھا جا سکتا ہے شیخ کی معرفت اور طلب کامل تو درکنار۔ اگر صدق و اخلاص حاصل ہو جائے تو پھر جتنا صدق و اخلاص بڑھتا جائیگا اتنی ہی راہ باطن کھلتی جائیگی اور یہ برکت اس کے باطن درست ہوتا جائے گا اور جتنا باطن درست ہوتا جائے گا اتنا ہی طلب صادق بڑھتی جائیگی، اور شیخ سے مناسبت اور شیخ کی معرفت کبھی حاصل ہوتی جائیگی اور شیخ کا ادب واحترام اور اسکی صحیح عظمت و

اعتقاد اور اسکا اتباع و انقیاد سب بڑھتا جائے گا جو نفع کے لئے شرط کے درجہ میں ہے اور اسی سے اپنی صحیح حقیقت بھی منکشف ہوگی۔

اس لئے احقر سیہ کار پھر اپنے توبہ و عہد کی تجدید کرتا ہے۔ اب پھر نہایت صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ اپنے کو بغرض اصلاح حالِ ظاہر و باطن پیش کرتا ہے۔

لیکن حضرت والا اپنا عہد و پیمان بار ہا ٹوٹ چکا ہے۔

تحقیق: یہی اصل مرض ہے، اللہ تعالیٰ اس سے صحت بخشے

حال: نفس مکار نے شکار کر ہی لیا ہے ؎

گویم اے رب بار ہا برگشتہ ایم توبہا و عہد ہا بشکستہ ایم

(میں عرض کرتا ہوں کہ اے رب میں بار بار بھٹک گیا ہوں اور توبہ اور عہدوں کو توڑ دیا ہے)

بہت ڈر لگتا ہے اور بڑی ندامت ہے اور بغیر حضرت والا اور کہیں پناہ نہیں اس لئے نہایت لجاجت سے درخواست ہے کہ حضرت والا دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس عہد کو پورا اتار دیں اور قبول فرمالیں۔ تحقیق: آمین

حال: اور نافع بنا دیں۔ تحقیق: آمین۔

حال: حضرت والا! یقین ہے کہ حضرت والا کی دعا قبول ہوکر یہ عہد پورا اتر جائے گا اور بیڑا پار ہو جائے گا۔

تحقیق: میں نے جو پوچھا تھا پہلے تو جواب اور دیا تھا بعد میں اور کیا ویسے ہی کہدیا تھا اسکے متعلق نہیں لکھا اس کا کیا حال ہے؟

(مکتوب نمبر ۸۳۷)

حال: چند باتیں دریافت کرنے کی جرأت کر رہا ہوں وہ یہ کہ ذکر جہریہ افضل ہے یا خفیہ؟ اور زیادہ مفید کون ہے؟ اور ذکر جہریہ میں اگر کسی نے قصد ریا کا نہ کیا ہو بلکہ اپنی عادت مقررہ پر کرتا ہے تو یہ ریا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

دوسرے اگر شیخ کا تصور مرید کرتا ہے تو یہ مفید ہے یا نہیں؟
اگر نماز میں بلا اختیار آتا ہے تو کیسا ہے؟
تحقیق: دونوں مفید ہیں ذکر جہر کرنے والی جماعت کبھی ہوئی ہے اور خفی کرنیوالی کبھی اس سے دونوں کا مفید ہونا معلوم ہوا اگر قصد ریا کا دونوں میں کیا تو گناہ ہوگا اور نہ کیا تو ریا عادت مقررہ کی وجہ سے نہ ہوگا ریا اختیاری اور قصدی چیز ہے تصور شیخ کبھی قصداً جائز ہے اور بلا اختیار نماز میں ہو تو مذموم نہیں۔ افضل ذکر خفی ہے مگر عوارض نفی خواطر و وساوس سے ذکر جہر کی افضلیت کبھی ہو سکتی ہے۔

(مکتوب نمبر ۸۳۸)

حال: شاہ عبید اللہ صاحب آج تشریف لائے انکے ساتھ حکیم صاحب بھی تھے حضرت والا کی زیارت و ملاقات سے بہت ہی مسرور ہیں۔ تحقیق: الحمد للہ۔
آج اتوار کو آدمی بہت کافی تھے انھوں نے پہلے تھوڑی دیر بیان کیا اور حضرت والا کی بہت ہی تعریف کی اور کہا کہ اگر آپ لوگ حضرت مولانا صاحب کو یہاں بلانا چاہتے ہیں تو اپنی اپنی اصلاح کیجئے اور آپس کے نزاعات و فسادات کو بالکل ختم کر دیجئے تاکہ یہاں کچھ کام ہو ورنہ جب تک آپسمیں لوگوں میں یہ چیزیں رہینگی ہرگز ہرگز حضرت والا یہاں تشریف نہ لاویںگے اور اہل الٰہ آباد کو ضرر ہوگا اور کام نہونے پائیگا۔ پھر اسکے بعد بہت اصرار کیا کہ تم کچھ سناؤ، احقر نے وصیۃ الاخلاص سے کچھ سنایا۔ حضرت والا کی کتاب وصیۃ الاخلاص کو بہت پسند فرمایا اور خرید کر لے گئے تحقیق: الحمد للہ
حال: آج بعد عشاء محلے کے کچھ لوگ آ بیٹے تھے، تمر صاحب کے اصرار سے کچھ کہنا پڑا الحمد للہ بظاہر لوگوں نے پسند کیا اور کام پر آمادگی کا اظہار کیا۔ تحقیق: الحمد للہ۔
حال: حضرت والا دعاء فرماویں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔
حال: ہملوگوں کو عمل کی توفیق عطا فرماویں اور اخلاص عطا فرماویں تحقیق: آمین
حال: الحمد للہ جو کام کتابوں کے سننے سنانے کا شروع کیا گیا تھا بدستور جاری ہے۔
تحقیق: الحمد للہ۔

کمالاتِ اشرفیہ

(۵۹)

(۲۰۴) فرمایا کہ ہمارے یہاں تو بس اپنی نیند سوؤ، اپنی بھوک کھاؤ، چین کی زندگی بسر کرو۔ ہاں حدود کے اندر ہو۔ یہاں بحمداللہ نہ کسی کی لگائی نہ کسی کی بجھائی آزادی بڑی ہے۔ ذاکرین شاغلین کی بابت اسکی کبھی نگرانی نہیں کرتا کہ کون شخص جماعت میں شریک ہے کون نہیں، ہاں اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ کوئی ایسا فعل نہ کیا جاوے جس سے دوسروں کو تکلیف یا ایذاء پہونچے یا دوسروں کے ضلال کا اس میں اندیشہ ہو یا صریح خلاف شریعت ہو۔ باقی اگر ایک آدھ وقت کی جماعت فوت بھی ہوگئی تو تو کونسا ایسا بڑا جرم ہوگیا۔ بعض ذاکرین کو میں دیکھتا ہوں کہ آجکل رمضان میں صبح کو سو جاتے ہیں بعد سورج نکلنے کے نماز پڑھتے ہیں کوئی تنبیہ نہیں کرتا، نہ یہ دیکھتا ہوں کہ کون کام کر رہا ہے کون نہیں، کون تہجد کو اٹھتا ہے کون نہیں، کیونکہ ان باتوں کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے باقی جن باتوں کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے انکی بابت مجھے خاص طور سے اہتمام ہے کہ مخلوق کو دوسرے سے کیوں ایذار پہونچے ؎

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن ۔۔۔ کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کا کسقدر اہتمام حق العبد کے متعلق ہونا ثابت ہے۔

(۲۰۵) فرمایا کہ حالات باطنی تو بہت ہیں مگر ان میں کامل وہ ہے جو سنت کے ساتھ زیادہ موافق ہو۔ بس معیار یہ ہے۔

ف: یہ ملفوظ بھی اتباع سنت کے تعلیم کے اہتمام پر دال ہے۔

(۲۰۶) حضرت کا معمول ہے کہ اگر کوئی وظیفہ یا عمل کسی حاجت کے لئے کوئی پڑھوانا چاہتا ہے تو اسکی مناسب اجرت طالبعلموں کو پڑھانے والے سے دلواتے ہیں۔ ایک صاحب نے اولاد کے محفوظ رہنے کے لئے اجوائن اور سیاہ مرچ پڑھوانی چاہی اسکے لئے اکتالیس بار سورۃ والشمس پڑھی جاتی ہے ایک بار تو حضرت خود پڑھ دیتے ہیں اور چالیس بار کسی غریب طالب علم سے پڑھوا دیتے ہیں اور چار آنہ دلواتے ہیں چنانچہ پیشتر یہ تحقیق کیا کہ کون صاحب زیادہ غریب ہیں، ایک صاحب کو حضرت نے تجویز فرمایا جو عیال دار ہیں یعنی بہت سے متعلقین انکے ذمہ ہیں لیکن انکی شادی نہیں ہوئی ہے، عرض کیا گیا کہ وہ عیال دار بھی ہیں مزاح میں فرمایا کہ آیال دار تو ہیں لیکن دُم دار نہیں ہیں (یعنی بیوی نہیں ہے) چار آنہ پیسے دیکر فرمایا کہ یہ بلا کراہت جائز ہیں کیونکہ یہ رقیہ ہے اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ پھر فرمایا کہ گو عرفاً یہ اتنی اجرت کا کام نہیں لیکن جو نفع اس سے متوقع ہے اسکے مقابلہ میں ۴ آنہ کیا چیز ہے یعنی ۴ آنہ وہ اس امید پر دیتا ہے کہ بچہ کھلانے کو مل جائے گا۔

ف: اس سے حضرت کا صفائی معاملہ کہ کسی کا کسی پر بار بلا اجرت نہ رکھنا مزاح نظر بر حقیقت، دلجوئی نقرا، صاف ظاہر ہے۔

(۲۰۷) فرمایا کہ مجھے فضول عبارت سے سخت الجھن ہوتی ہے۔ غیر ضروری مضامین کی آمیزش سے سخت کلفت ہوتی ہے کیونکہ مجھے یہ تو معلوم ہوتا ہی نہیں کہ یہ فضول ہے، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ فضول عبارت کیوں لکھے گا اسلئے سب کا جوڑ لگاتا ہوں اس وجہ سے اور بھی مطلب خبط ہو جاتا ہے عرض کیا گیا کہ اپنے نزدیک تو توضیح کی غرض سے ایسا کہا جاتا ہے فرمایا غیر ضروری توضیح سے تو اور بھی مطلب خبط ہو جاتا ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کو حق تعالیٰ نے ایسی موزونیت طبع عطا فرمائی ہے کہ افراط و تفریط سے بالکل مبرا ہے۔

(۲۰۸) بھوپال سے ایک خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ جناب قاضی صاحب بوجہ علالت ایک سال کی رخصت لینا چاہتے ہیں ماہانہ ۱۷۵ مشاہرہ میں سے ۵۰ ماہوار خود لیں گے اور ماہانہ ۱۲۵ تم کو ملیں گے چونکہ یہ امر عظیم ہے بدون بڑوں کے مشورہ کے کرنا مناسب نہیں اس وجہ سے عرض ہے کہ اس عہدہ کے فرائض اور منافع و مضار کو غور فرما کر رائے تحریر فرمائیے مگر رائے محض عقلی نہیں چاہتا بلکہ آپ کے قلب مبارک میں جو آئے وہ تحریر فرمائیے۔

تحریر فرمایا کہ جس امر میں مشورہ لیا ہے اول تو امر عظیم میں مشورہ دینا عقلاء ہی کا کام ہے اب اپنے مجمع میں مولانا رائے پوری ہیں جنکے قلب مبارک کو بابرکت کہا جا سکتا ہے وہاں رجوع فرمانا مناسب ہے باقی اپنے قلب کی کیفیت اس مضمون کے پڑھنے کے وقت جو ہوئی وہ بھی عرض کئے دیتا ہوں حسب الحکم۔ وہ یہ کہ قلب اس سے اباء کرتا ہے خواہ یہ اباء وجدانی ہو یا اسلئے ہو کہ امر خطیر ہے اور اسکے اختیار کرنے پر کوئی مجبوری و اضطرار ہے نہیں نہ تو کسی کے اکراہ سے اور نہ اس سے کہ دوسرے وجوہ معاش بند ہیں، نیز چند روز کے لئے اور بھی بدنامی ہے لوگ کہیں گے کہ روپیہ کی طمع میں ایک نوکری یا ایک کام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے، نیز یہ معاملہ تجدید تنخواہ کا بھی شرح صدر کے ساتھ سمجھ میں نہیں آیا گو تاویلیں ذہن میں آتی ہیں۔

ف: اس سے حضرت والا کا انکسار اور اپنے احباب کی رعایت سے مشورۂ حسن بلا تکلف دینا صاف ظاہر ہے۔

(۲۰۹) فرمایا کہ میرے جو ملازم تنخواہ دار ہیں انکو بھی جب تنخواہ دیتا ہوں یا کبھی کوئی انکی مالی خدمت کرتا ہوں تو روپیہ پیسہ کبھی انکی طرف پھینکتا نہیں بلکہ سامنے رکھدیتا ہوں یا ہاتھ میں دیتا ہوں جیسے ہدیہ دیتے ہیں

پھینکنے میں انکی اہانت معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک تحقیر کی صورت ہے اور ملازم کو حقیر و ذلیل سمجھنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ نوکری ایک قسم کی تجارت ہے تجارت میں کبھی اعیان کا مبادلہ اعیان سے ہوتا ہے کبھی اعیان کا مبادلہ منافع سے ہوتا ہے اور منافع میں منافع بدنیہ ارفع ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نوکر نے اپنی جان پیش کی جو اس مال سے کہیں افضل و اعلیٰ ہے۔ منافعِ بدنیہ کو پیش کرنا یہ زیادہ ایثار ہے پس تجارات میں اجارات زیادہ افضل ہیں تو اسکی تحقیر کی کیا وجہ؟ میں کبھی ان معمولات کو بحمد اللہ بیٹھکر سوچتا نہیں یہ سب امور طبعیہ ہیں خود بخود ذہن میں آتے ہیں۔ جتلانا مقصود نہیں، احسان کرنا مقصود نہیں۔ اپنے دوستوں سے صرف اسلئے ظاہر کر دیتا ہوں کہ یہ باتیں کانوں میں پڑ جائیں تاکہ حقوق العباد کا خیال رکھیں اور عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور کوئی غرض سنانے سے نہیں۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کی سلامت طبع۔ حقیقت شناسی، اخلاص شان تربیت، تاکید حقوق العباد صاف ظاہر ہے۔

(۲۱۰) فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہاں پر کوئی روایت کسی شخص کی کوئی نہیں پہونچا سکتا خود میرے اصول اور قواعد ایسے ہیں کہ اس کے خلاف کی کوئی ہمت نہیں کر سکتا اگر ضوابط میں ذرا ڈھیل دی جاتی تو یہاں پر بھی سلسلہ جاری ہو جاتا۔ چنانچہ حاجی عبدالرحیم صاحبؒ بھائی مرحوم کے ملازم تھے ان کے متعلق میرے بڑے گھر میں سے ایک معاملہ میں مجھ سے شکایت کی میں نے فوراً آدمی بھیجکر حاجی جی کو بلایا اور دروازہ میں کھڑا کر کے کہا کہ تمھارے متعلق یہ روایت بیان کرتی ہیں، حاجی جی نے کہا کہ غلط شکایت ہے اس پر میں نے گھر میں کہا کہ یہ انکار کرتے ہیں اور تم نے دعویٰ کیا ہے لہٰذا ثبوت دو، ثبوت تمھارے ذمہ ہے۔ ثبوت ندارد کہنے لگیں کہ تو یہ تم تو ذرا سی دیر میں آدمی کو نفیحت کر دیتے ہو۔ میں نے

کہا میں فضیحت نہیں کرتا نصیحت کرتا ہوں - یہ سلسلۂ روایات اچھا نہیں معلوم ہوتا اس سے دل میں عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور جہاں یہ سلسلہ ہے وہاں ہر وقت ہر شخص کو یہ شبہ رہتا ہے کہ نہ معلوم میری طرف سے کسی نے کیا کہدیا ہوگا اور کہنے سے کیا کیا خیالات پیدا ہو گئے ہوں گے -

ف : اس سے حضرت والا کا تنفر سلسلۂ روایات سے اور شان تربیت اور تصلب فی الدین اور پابندی ضوابط صاف ظاہر ہے -

(۲۱۱) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو روایات سنتے ہی نہ تھے شروع ہی میں روک دیتے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب معمول تھا کہ سب سن لیتے تھے دوسرے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت پر بڑا اثر ہو رہا ہے اور جب بیان کرنے والا خاموش ہو جاتا تو حضرت بے تکلف فرما دیتے کہ سب غلط ہے وہ شخص ایسا نہیں اور اس کہنے کا مطلب یہ تھا کہ چاہے واقع میں صحیح ہو مگر چونکہ شرعی شہادت نہیں ہے اسلئے اس کے ساتھ کذب کا سا معاملہ کیا جاوے یہی محمل ہے اس آیت کا فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّھَدَاءِ فَاُولٰئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ (جب یہ لوگ گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہی ہیں) عند اللہ سے یہاں مراد ہے فی دین اللہ، فی قانون اللہ - یعنی شریعت کے قانون کی رو سے تم جھوٹے ہو ، تمھارا کہنا سب غلط ہے بس اس تقریر کے بعد یہ شبہ نہ رہا کہ محتمل الصدق (جس کے سچ ہونے ہونے کا احتمال ہو) کو جزماً (اور یقیناً) کیسے کاذب (اور جھوٹا) فرما دیتے تھے اس سے یہ مسئلہ بھی صاف مستنبط ہے کہ حسن ظن کے لئے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں سوء ظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے -

ف : اس ملفوظ سے حضرت والا کی قوت استنباط ، تطبیق متضادین

صاف ظاہر ہے

(۲۱۲) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ بڑوں کو حوصلہ ہوتا ہے وہ درپے آزار نہیں ہوا کرتے اور نہ ضرر پہونچاتے ہیں چھوٹے ہی نقصان پہونچایا کرتے ہیں اسلئے وائسرائے سے اتنا ڈرنے کی ضرورت نہیں جتنی کانسٹبل سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کا تجربہ ظاہر ہے۔

(۲۱۳) فرمایا کہ جو تعظیم دفع ظلم کے لئے کیجاتی ہے وہ درحقیقت ذلت ہی کہلاتی ہے حقیقی تعظیم تو یہ ہے کہ دل میں وقعت و عظمت ہو گو بظاہر تعظیم نہ ہو۔ محض ظاہری تعظیم کی حقیقت اس مثال سے سمجھ میں آجائیگی مثلاً خدانہ کرے یہاں اس مجلس میں سانپ نکل آئے تو سب تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاویں گے مگر اس کے ساتھ ہی جوتے کی تلاش ہوگی پس اس سے زیادہ وقعت نہیں ظاہری تعظیم کی۔

ف: اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی، معنی رسی اور قوت تمثیل صاف ظاہر ہے۔

(۲۱۴) ایک صاحب نے استفتار پیش کر کے عرض کیا کہ اگلے جمعہ کو اسکا جواب لے لیا جائے گا اسلئے کہ جلدی جواب ہو نہیں سکتا فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر اگلے جمعہ تک یہ کاغذ امانت کس کے پاس رہے گا کیونکہ کام کی کثرت کیوجہ سے مجھ پر اسکا بار ہوتا ہے۔ عرض کیا کہ حضرت کی سہولت کے لئے ایسا عرض کیا گیا فرمایا یہ بھی صحیح ہے مگر جس وقت لکھکر تیار ہوجاوے آخر کس کو دوں؟ تاکہ امانت کا بار نہ رہے۔ عرض کیا کہ حافظ صاحب کو دیدیں فرمایا کہ آپ یہی بات ان سے کہلوادیں کیا خبر انکو قبول بھی ہے یا نہیں، اگر آکر وہ مجھے کہدیں میں انکو دیدوں گا۔ حافظ صاحب نے آکر عرض کیا کہ حضرت جواب تحریر فرما کر مجھکو دیدیا جاوے۔ فرمایا

دیکھئے میں اسقدر احتیاط کرتا ہوں کہ براہ راست ان سے کہنا نہیں چاہا شاید میرے اثر سے عذر نہ کرتے۔ انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، اب حافظ صاحب نے انکے کہنے سے بار اٹھایا اگر میں خود انکے سپرد کرتا تو اس وقت میری طرف سے سمجھا جاتا اس صورت میں انکا جی چاہتا یا نہ چاہتا قبول کرتے مجھکو اتنا بھی کسی پر بار ڈالنا گوارا نہیں۔ حاصل انتظام کا یہ ہے کہ نہ اپنی طرف سے کسی دوسرے پر بار ہو نہ دوسرے کا اپنے اوپر بلا ضرورت بار ہو۔ اسقدر تو میں رعایتیں کرتا ہوں اور پھر بھی سخت مشہور کیا جاتا ہوں۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کا عمل بالکل اس شعر کا مصداق ہے

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

(بہشت کا لطف وہیں ہے جہاں کوئی رنج و آزار نہ ہو اور کسی کو کسی سے غار نہ ہو)

اسی طرح قوت انتظامیہ بھی صاف ظاہر ہے

(۲۱۵) فرمایا کہ مجھکو ڈاک کا بڑا اہتمام ہے کہ روز کے روز فارغ ہو جاؤں اس میں طرفین کو راحت ہوتی ہے۔ ادہر تو میں فارغ مجھے راحت ادھر خط کا جواب پہونچ جائے اسکو راحت، انتظار کی تکلیف نہ ہو۔ دور دراز سے خطوط آتے ہیں جن میں نئی نئی ضروریات ہوتی ہیں اسلئے روزانہ ڈاک نمٹا دیتا ہوں۔ اپنی طرف سے اسکا انتظام رکھتا ہوں کہ دوسرے کو تکلیف نہ ہو اور انتظار کی تکلیف تو مشہور رہی ہے

(۲۱۶) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت قصبہ میں ایک عالم مدرس کی ضرورت ہے اگر حضرت مولوی صاحب سے فرما دیں اور وہ قبول فرمالیں تو اہل قصبہ کو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت نفع ہوگا۔

فرمایا کہ فرمانا تو بڑی چیز ہے میں تو ایسے معاملات میں رائے بھی کسی کو نہیں دیتا بلکہ خود صاحب معاملہ کے مشورہ لینے پر بھی کہدیتا ہوں کہ مجھکو آپ کے مصالح اور حالات کا کما حقہٗ علم نہیں میں مشورہ سے معذور ہوں آپ خود اپنے مصالح پر نظر کر کے اپنے لئے جو بہتر مناسب خیال کریں عمل کریں ہاں دعار سے مجھکو انکار نہیں۔ عافیت اسی میں ہے کہ کسی کے معاملات میں دخل نہ دے۔ ہر شخص کو آزادی رہے البتہ شریعت کے خلاف کوئی کام نہو۔ مولوی صاحب یہاں پر موجود ہیں ان سے خود تمام معاملات طے کر لئے جاویں میری طرف سے بالکل آزادی ہے میرا معمول ہے کہ کہ اگر دونوں طرف جائز بات ہو تو کسی جانب پر مجبور نہیں کرتا بلکہ دونوں طرف آزادی دیتا ہوں حتّٰی کہ کسی ایک شق میں میری بھی کوئی مصلحت ہو تب بھی اپنے مصالح پر انکے مصالح کو ترجیح دیتا ہوں اور نہایت صفائی کے ساتھ اپنی اس تخییر کو ظاہر کر دیتا ہوں اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعار کی برکت سے میری کوئی بات الجھی ہوئی نہیں ہوتی۔ ہر بات نہایت صاف ہوتی ہے اگر مخاطب ذرا بھی فہیم ہو تو فوراً سمجھ میں آجاتی ہے۔

ف : اس سے حضرت والا کی صفائی معاملات، دوسرے کے معاملہ میں دخل نہ دینا، کسی پر بار نہ ڈالنا، کسی کی آزادی میں نیز اپنی آزادی میں خلل نہ ڈالنا صاف ظاہر ہے۔

(جاری)

سیرت الصوفی

زندگی کے دستورالعمل کے متعلق یہ وعظ ۲۳ صفر ۱۳۲۹ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں بیٹھکر ارشاد فرمایا جسے مولوی نور حسین پنجابی نے قلم بند کیا۔

سیرت الصوفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم -

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِیْلًا اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا

ترجمہ: اے کپڑوں میں لپٹنے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کیجئے مگر ہاں تھوڑی سی رات یعنی آدھی رات کہ اس میں قیام نہ کیجئے بلکہ آرام کیجئے یا اس نصف سے کسیقدر کم کردیجئے یا اس سے کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھئے (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو) عنقریب ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (مراد قرآن مجید ہے) بیشک رات کے وقت اٹھنے میں (دل اور زبان کا) خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ بیشک آپکو دن میں بہت کام رہتا ہے۔ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتے رہئے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کیطرف متوجہ رہیئے وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے اسکے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں تو اسی کو اپنا چارہ ساز بنائے رکھئے اور یہ لوگ جو باتیں کرتے رہتے ہیں ان پر صبر کرتے رہئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جائیے اور مجھکو اور ان جھٹلانے والوں، نازونعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دیجئے (میں خود ہی مناسب وقت پر ان سے نپٹ لوں گا) ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دیدیجئے۔

تمہید

بعض احبابِ اہلِ سلوک نے مجھ سے استدعا کی کہ اگر ہمارے لئے کچھ دستور العمل کے طور پر بیان ہو جائے تو بہتر ہے اس وقت بوجہ کسی مضمون کے حاضر نہ ہونے کے اور نیز ایسے مضامین کے لئے خلوت مناسب ہونے کے میں نے متعین وعدہ نہیں کیا مگر آج صبح کو سورۃ مزمل کی یہ ابتدائی آیات قلب میں وارد ہوئیں معلوم ہوا کہ ان میں تمام تر طریق سلوک ہی مذکور ہے اسلئے آج ان ہی آیات کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے اور بیان سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ عوام یہ نہ سمجھیں کہ اس میں ہمارا نفع کیا ہوگا؟ یہ طریقہ تو خواص کے لئے ہے یعنی یہ کہ طریقہ جو بیان ہوگا تارکانِ دنیا کے لئے ہے ہم دنیا داروں کے لئے نہیں سو بات یہ ہے کہ سرے سے یہ تقسیم ہی صحیح نہیں کہ دنیا داروں کے لئے اور احکام اور دینداروں کے لئے اور احکام کیونکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں اور احکام شرعی سب کے ساتھ یکساں متعلق ہیں بلکہ حقیقت میں مسلمان دنیا دار ہوتا ہی نہیں کیوں کہ دنیا داری حقیقت میں یہ ہے کہ حرام و حلال میں کچھ امتیاز نہ رہے جس طرح سے بنے مال حاصل کرنے کو مقصود سمجھے اگر کہیں دونوں غرضیں دین و دنیا کی جمع ہو جائیں تو دنیوی غرض کو مقدم رکھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ دین سے ہمکو کوئی غرض نہیں کیونکہ شریعت کے احکام اسقدر دشوار ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو دنیا کی زندگی مشکل ہے سو ظاہر ہے کہ اسلام کے ساتھ ان خیالات کی گنجائش کہاں؟ کیونکہ اس سے تو باری تعالےٰ کی تکذیب کی نوبت پہونچتی ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (اللہ تعالیٰ کو تمھارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمھارے حق میں دشواری منظور نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اسکی بساط کے مطابق) اور اگر یہ عذر کیا جائے

کہ ہم تکذیب نہیں کرتے مگر جب واقعات ہی نمبر۲ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ احکام شرعیہ پر چلنا بہت مشکل ہے تو ہمارا کیا قصور ہے۔

احکام شرعیہ کی اہمیت

اس اشتباہ کا جواب یہ ہے کہ ایک مشقت تو ہوتی ہے ذاتِ حکم میں مثلاً وہ حکم فی حد ذاتہ (یعنی خود اپنی ذات میں) سخت اور دشوار ہے یہ اِصر (بوجھ) اور اَغلال (طوق) کہلاتے ہیں، امم سابقہ میں بعضے ایسے احکام تھے مگر اس امت میں اس قسم کے احکام نہیں رکھے گئے۔ اور ایک مشقت یہ ہے کہ دراصل ذات حکم میں تو کوئی دشواری نہیں مگر ہم نے اپنے اغراض فاسدہ کی وجہ سے خود اپنی حالت ایسی بگاڑ لی اور قوم نے متفق ہوکر شریعت کے خلاف عادتیں اختیار کرلیں کہ وہ رسم عام ہوگئی اور ظاہر ہے کہ جب اس رسم عام کے خلاف کوئی حکم شرعی پر چلنا چاہیگا تو ضرور اسکو اس آسان اور بے ضرر حکم میں دشواری پیدا ہوگی اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی طبیب کسی مریض کو دو پیسہ کا نسخہ لکھکر دے مگر مریض چونکہ ایسے گاؤں میں رہتا ہے جہاں کے لوگوں کی نادانی کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ وہ لوگ اس قسم کی ضروری اور مفید چیزوں کی رغبت نہیں رکھتے وہ چیزیں وہاں نہیں آتیں اور نہیں مل سکتیں اس دو پیسہ کے نسخے کو وہاں نہیں پی سکتا اب فی نفسہ نسخہ گراں نہیں کمیاب نہیں مگر اس گاؤں والوں نے خود ہی اپنا دستور بگاڑ رکھا ہے اسواسطے وہاں نہیں مل سکتا اس صورت میں ہر عاقل کہے گا کہ علاج بالکل آسان ہے مگر یہ قصور اس جگہ کے رہنے والوں کا ہے کہ ایسی معمولی چیزیں بھی نہیں مل سکتیں۔ ایسا ہی ہمارا حال ہے کہ مجموعۂ قوم نے مل کر ایسی حالت بگاڑ دی ہے کہ اب احکام شرعیہ کے بجالانے میں دشواری پیدا ہوگئی ہے۔ مثلاً بہانہ کیا جاتا ہے کہ تنخواہ کم ہے بھلا اگر رشوت نہ لیں تو

کام کیسے چلے؟ اگر اپنے اخراجات اندازہ سے رکھے جائیں تو تنخواہ کیوں نہ کفایت کرے یا مثلاً عام طور پر بیر آم کی بیع کپھل آنے سے پہلے کی جاتی ہے اور اگر ایک آدمی بچنا چاہے تو ضرور کسی قدر دقت پیش آتی ہے لیکن اگر سب اتفاق کرلیں کہ اس طرح سے کوئی خرید و فروخت نہ کرے تو دیکھیں پھر کیا دشواری پیش آتی ہے۔ دشواری حقیقی تو وہ ہے کہ اگر سب مل کر بھی اسکو دور کرنا چاہیں جب بھی دور نہ ہو۔ اور سب مل کر اس مذموم رسم اور طریق کو چھوڑنا چاہیں اور چھوٹ جائے تو یہ دشوار نہیں آسان ہے۔ یہ عارضی دشواری تو صرف اپنا طرز معاشرت بگاڑ دینے اور طریق تعامل کو خراب کر دینے سے پیدا ہو گئی ہے۔ سو یہ تنگی خود اپنے اوپر تنگی ڈال لینے سے ہوئی، تعجب ہے کہ خود اپنی تنگی کو نہ دیکھیں شریعت پر تنگی کا الزام دیں جیسا کہ اس شیر نے جسکا قصہ مثنوی میں ہے، خرگوش کے بہکانے سے اپنا عکس دیکھا اور اسکو دوسرا شیر سمجھکر اس پر حملہ کرنے کو کنوئیں میں کود پڑا در اصل وہ خود اپنے اوپر حملہ کرنا چاہتا تھا ایسے ہی ہم اپنے عیب کو آئینۂ شریعت میں دیکھ رہے ہیں اور ناسمجھی سے اسکو شریعت کی تنگی بتلا رہے ہیں سو یہ درحقیقت شریعت پر حملہ نہ ہوا بلکہ خود اپنی ذات پر حملہ کر رہے ہیں ؎

حملہ بر خود می کنی اے سادہ مرد
ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

(اے احمق تو اپنے ہی اوپر حملہ کر رہا ہے جیسے وہ شیر جس نے خود اپنے اوپر حملہ کیا تھا)

تنگی کے اسباب ہماری تنگی کا قصہ یہی ہے کہ بعض لوگ عذر کرتے ہیں کہ ہم ناجائز معاملات رشوت ستانی وغیرہ ضرورت کی وجہ سے کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ لوگ جس کو ضرورت کہتے

ہیں وہ ضرورت ہی نہیں بلکہ محض حظوظ نفسانیہ ہیں جن کا نام ضرورت رکھ دیا ہے مثلاً کسی کی نوکری کے پیسے میں اتنی گنجائش ہے کہ معمولی درمیانی قیمت کے کپڑے پہن سکتا ہے مگر بیش قیمت زرق برق کپڑے پہننے کی گنجائش نہیں اس صورت میں عقلمند آدمی کبھی بھی ایسے گرانقدر کپڑوں کی ضرورت تسلیم نہیں کر سکتا کہ جس ضرورت کے واسطے رشوت وغیرہ لینا پڑے اور اگر اس پر بھی کچھ تنگی ہو تو آخر صبر کی تعلیم اسی حالت کے لئے ہے اور جو مرتبۂ صبر سے گذر جائے تو ایسے لوگوں کی امداد کے واسطے شریعت نے خاص قواعد مقرر کیے ہیں ان سے منتفع ہونا چاہیئے۔ غرض مسلمان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے کسی حالت میں بھی دنیا کو دین پر ترجیح دینا جائز نہیں۔ پس اس اعتبار سے مسلمان دنیا دار ہو ہی نہیں سکتا صرف کفار ہی اہل دنیا ہیں جو دین کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اس شعر کا مطلب اس تقریر پر بالکل صاف ہو گیا ؎

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند
روز و شب در چق چق و در بق بق اند

(کافرانِ مطلق ہی اصل دنیا دار ہیں جو رات دن فضولیات اور بکواس میں لگے رہتے ہیں)۔

یعنی پہلے مصرع میں مبتدا موخر اور خبر مقدم ہے یعنی جو محض کافرانِ مطلق ہیں صرف وہی اہل دنیا ہیں، باقی مسلمان کی شان ہی اور ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس میں عام مومنین کے لیے درجہ ولایت کا ثابت کیا گیا ہے گو وہ ولایت عامہ ہی ہو کیوں کہ خاصہ میں اتنا اور زیادہ ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (اللہ کے ولی اور دوست وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کیے رہے)

ؔ۔ اللہ ولی اور ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔

اور اگر دنیا داری کے معنی عام لئے جائیں کہ طَلَبُ الْمَالِ وَلَوْ عَلٰی وَجْہِ الْحَلَالِ (یعنی مال کا طلب کرنا اور حاصل کرنا اگرچہ حلال اور جائز طریقہ پر ہو) تو یہ منافی دین کی نہیں تاکہ ایسا شخص مخاطب احکام دینیہ کا نہ ہو، کیونکہ خود حضرات انبیاء علیہم السلام سے کاروبار دنیوی، اکل و شرب، نکاح و صنعت وغیرہ سبھی کچھ ثابت ہے۔ غرض دنیوی کاروبار دین کے منافی نہیں بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرے میں ہوں۔ اللہ جل جلالہ کی رحمت تو یہاں تک وسیع ہے کہ باوجود ظلم و گناہ کے کبھی ولایت عامہ اور اصطفائے عام سے مومنین کو محروم نہیں کیا

نفس کی اہمیت

فرماتے ہیں کہ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھ میں کبھی پہونچائی جنکو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا اور پسند فرمایا پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں) ظاہر ہے کہ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا (یعنی اپنے اوپر ظلم کرنے والے گناہ گار مسلمان اور متوسط درجہ کے مسلمان جو گناہ کرتے ہیں اور نہ طاعات میں ضروریات سے آگے بڑھتے ہیں اور نیکیوں میں ترقی کرنے والے مسلمان سب یہ اللہ تعالیٰ کے پسند فرمودہ بندوں) کی قسم ہیں اور مقسم کا صدق ہر قسم پر واجب ہے پس اصطفا ظالم لنفسہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا انتخاب اور پسند فرمانا گناہ گار بندوں) کو بھی شامل ہوا۔ بھلا جب گناہ کے ساتھ بھی ولایت عامہ اور اصطفا باقی رہتا ہے تو ضروری اشتغال دنیا کیسے منافی دین ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کہدیا کرتے ہیں کہ صاحب ہم تو دنیا کے کتے ہیں ہم سے دین کا کام کیا ہو سکتا ہے؟ تعجب ہے کہ اپنے منہ سے اس ذلت و بے حمیتی کا اقرار کیا جاتا ہے گویا خدا نے انکو دین کے واسطے پیدا ہی نہیں کیا۔

اور غضب تو یہ ہے کہ ان بھلے مانسوں نے اپنے لئے تو ایسے ناجائز لقب تراشے ہیں اہل دین کے لئے بھی ایسے القاب نازیبا کا بے محابا

استعمال کرتے ہیں جیسے مسجد کے مینڈھے اس پر بطور جملۂ معترضہ کے ہنسی کی حکایت یاد آگئی، ایک طالب علم کو کسی متکبر نے کہدیا مسجد کا مینڈھا اس نے کہا بلا سے پھر بھی ہم دنیا کے کتوں سے تو اچھے ہی ہیں اور اسکے جواب میں لطیفہ یہ ہے کہ اہل دین کے لئے جو لقب وہ تجویز کرتے ہیں وہ تو ایک دعویٰ ہے جو دلیل کا محتاج ہے مگر دنیا کا کتا اقراری لقب ہے۔ اور اَلْمَرْءُ یُؤْخَذُ بِاِقْرَارِہٖ ؎ بالجملہ ایسے القاب اپنے لئے یا غیر کے لئے تراشنا ممنوع ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ (اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے) حدیث شریف میں آیا ہے لَیْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ (ہمارے لئے برا وصف نہیں ہے) تعجب ہے کہ بعض لوگ ایسے واہیات القاب کو انکسار اور تواضع سمجھتے ہیں اسکی مثال میں ایک قصہ یاد آگیا کہ میرے سامنے ریل میں ایک دولت مند مسخرے نے اپنے کھانے کو گوہ موت کہکر ایک شخص کو مدعو کیا تھا اور ان ہی کے ایک جلیس نے انکو کہا کہ ہاں! کھانے کی ایسی بے ادبی ؟ تو انھوں نے تواضع کی توجیہ کی تھی۔ سو ایسی تواضع حماقت ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ کوئی چیز حتّٰی کہ اپنا نفس بھی ہماری مِلکِ حقیقی نہیں کہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں بلکہ ہم سب سرکاری چپراسی ہیں اور سرکاری مد سے زیادہ اس سے کام لینا یا سرکاری اصول کے خلاف اسکی بے قدری کرنا جائز نہیں اہل اللہ اسی بنا پر کبھی اپنے نفس کی بھی قدر کرنے لگتے ہیں اور عام لوگ کچھ اور سمجھ جاتے ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

(کوئی ناقص کامل کے حال کو نہیں پا سکتا بس بات مختصر کر دینا چاہیئے (والسلام)

(جاری)

؎ - آدمی اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔

بیوی کے حقوق اور اس کی حیثیت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

امابعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[1]

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا[2]

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا بالنساء خیراً فان المرأۃ خلقت من ضلع وان اعوج

---

[1] ۔ اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گذر بسر کیا کرو۔

[2] ۔ اور تم سے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم بیویوں کے درمیان (پورا پورا) عدل کرو، خواہ تم اسکی (کیسی ہی) خواہش رکھتے ہو۔ تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھلک جاؤ اور اسے ادھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو۔ اور اگر تم (اپنی) اصلاح کر لو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ بیشک بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

ما فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء[۵]

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب المداراۃ مع النساء حدیث نمبر ۵۱۸۴)

حقوق العباد کی اہمیت

ان آیات قرآنیہ اور حدیث نبوی کی روشنی میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ حقوق العباد کا بیان شروع فرمارہے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اور اسکے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کے جو حقوق ضروری قرار دیئے ہیں اور جنکے تحفظ کا حکم دیا ہے انکا بیان یہاں سے شروع فرمارہے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بار بار عرض کرچکا ہوں کہ "حقوق العباد" دین کا بہت اہم شعبہ ہے اور یہ اتنا اہم شعبہ ہے کہ "حقوق اللہ" تو توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں یعنی اگر خدانخواستہ حقوق اللہ سے متعلق کوئی کوتاہی سرزد ہوجائے (خدا نہ کرے) تو اسکا علاج بہت آسان ہے کہ انسان کو جب کبھی اس پر ندامت پیدا ہو تو توبہ و استغفار کرلینے سے معاف ہوجاتے ہیں لیکن بندوں کے حقوق ایسے ہیں کہ اگر ان میں کوتاہی ہوجائے تو اگر انپر کبھی ندامت ہو اور اس پر توبہ و استغفار کرے تب بھی وہ گناہ معاف نہیں ہوتے جب تک کہ حقدار کو اسکا حق نہ پہنچا یا جائے یا جب تک صاحب حق اسکو معاف نہ کردے، اسلئے حقوق العباد کا معاملہ بڑا سنگین ہے۔

حقوق العباد سے غفلت

حقوق العباد کا معاملہ جتنا سنگین ہے ہمارے معاشرے میں اس سے غفلت اتنی ہی عام ہے، ہم لوگوں نے چند عبادات کا نام دین رکھ لیا ہے یعنی

۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورتوں کے بارے میں تمکو بھلائی کی تاکید کرتا ہوں اسلئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اوپر کی پسلی میں ہے (اور اسی سے عورت پیدا کی گئی ہے) لہٰذا اگر تم پسلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اسے توڑدوگے اور اگر اسکو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی اسلئے عورتوں کے بارے میں بھلائی کا میرا یہ حکم تاکیدی قبول کرو۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت، تسبیح وغیرہ ان چیزوں کو تو ہم دین سمجھتے ہیں لیکن حقوق العباد کو ہم نے دین سے خارج کیا ہوا ہے اور اسی طرح معاشرتی حقوق کو بھی دین سے خارج کر رکھا ہے۔ اس میں اگر کوئی شخص کوتاہی یا غلطی کرتا ہے تو اسکو اسکی سنگینی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

غیبت حقوق العباد میں داخل ہے

اسکی سادہ سی مثال یہ ہے کہ (خدا نکرے) کوئی مسلمان شراب نوشی کی لت میں مبتلا ہو، تو ہر وہ مسلمان جسکو ذرا سا بھی دین سے لگاؤ ہے وہ اسکو برا سمجھے گا اور خود وہ شخص بھی اپنے فعل پر نادم ہوگا کہ میں ایک گناہ کا کام کر رہا ہوں، لیکن ایک دوسرا شخص ہے جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے اس غیبت کرنے والے کو معاشرے میں شراب پینے والے کے برابر برا نہیں سمجھا جاتا اور نہ خود غیبت کرنے والا اپنے آپ کو گناہ گار اور مجرم خیال کرتا ہے حالانکہ گناہ کے اعتبار سے شراب پینا جتنا بڑا گناہ ہے غیبت کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے بلکہ غیبت اس لحاظ سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسکی ایسی مثال دی ہے کہ دوسرے گناہوں کی ایسی مثال نہیں دی، چنانچہ فرمایا کہ غیبت کرنے والا ایسا ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے والا لیکن اتنی سنگینی کے باوجود یہ گناہ معاشرے میں عام ہوگیا ہے، شاید ہی کوئی مجلس اس گناہ سے خالی ہوتی ہو اور پھر اسکو برا بھی نہیں سمجھا جاتا گویا کہ دین کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

احسان ہر وقت مطلوب ہے

میرے شیخ ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند فرمائے آمین۔ ایک دن فرمانے لگے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور بڑے فخریہ انداز میں خوشی کے ساتھ کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے "احسان" کا درجہ حاصل ہوگیا ہے۔ "احسان" ایک بڑا درجہ ہے جس کے بارے میں

حدیث میں آتا ہے کہ

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل حدیث نمبر ۵۰)

"یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے جیسے کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس خیال کے ساتھ عبادت کر کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہے ہیں اسکو درجہ "احسان" کہا جاتا ہے۔ ان صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ مجھے احسان کا درجہ حاصل ہوگیا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے انکو مبارک باد دی کہ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے یہ تو بہت بڑی نعمت ہے، البتہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو یہ احسان کا درجہ صرف نماز میں حاصل ہوتا ہے یا جب بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے ہیں اس وقت بھی حاصل ہوتا ہے؟ یعنی بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت بھی آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں یا یہ خیال اس وقت نہیں آتا؟ وہ صاحب جواب میں فرمانے لگے کہ حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ جب عبادت کرے تو اس طرح عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا اللہ تعالیٰ اسکو دیکھ رہے ہیں۔ وہ تو صرف عبادت میں ہے، ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ احسان کا تعلق صرف نماز سے ہے دوسری چیزوں کے ساتھ احسان کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے اسی لئے آپ سے یہ سوال کیا تھا اسلئے کہ آجکل عام طور سے یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ "احسان" صرف نماز ہی میں مطلوب ہے یا ذکر و تلاوت ہی میں مطلوب ہے حالانکہ احسان ہر وقت مطلوب ہے، زندگی کے ہر مرحلے اور ہر شعبے میں مطلوب ہے۔ دوکان پر بیٹھکر تجارت کر رہے ہو، وہاں پر احسان مطلوب ہے یعنی دل میں یہ استحضار ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، جب اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملات کر رہے ہو اس وقت بھی احسان مطلوب ہے،

جب بیوی بچوں، دوست احباب اور پڑوسیوں سے معاملات کر رہے ہو اس وقت بھی یہ استحضار ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں حقیقت میں "احسان" کا مرتبہ یہ ہے۔ صرف نماز تک محدود نہیں۔

وہ خاتون جہنم میں جائیگی

خوب سمجھ لیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہماری زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ ہے اسی واسطے روایت میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاتون کے بارے میں پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! ایک خاتون ہے جو دن رات عبادت میں لگی رہتی ہے، نفل نماز اور ذکر و تلاوت بہت کرتی ہے اور ہر وقت اسی میں مشغول رہتی ہے اس خاتون کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے اسکا انجام کیسا ہوگا؟ تو آپ نے ان صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ وہ خاتون پڑوسیوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے تو صحابہ کرام نے جواب دیا کہ پڑوسیوں کے ساتھ اسکا سلوک اچھا نہیں ہے، پڑوس کی خواتین تو اس سے خوش نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خاتون جہنم میں جائیگی۔

(الادب المفرد للبخاری ص۴۲ رقم ۱۱۹ باب لایؤذی جارہ)

وہ خاتون جنت میں جائیں گی

پھر ایک ایسی خاتون کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جو نفلی عبادت تو زیادہ نہیں کرتی تھی صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرتی تھی اور زیادہ سے زیادہ سنت موکدہ ادا کرلیتی بس اس سے زیادہ نوافل، ذکر و تلاوت نہیں کرتی تھی مگر پڑوسیوں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اسکے معاملات اچھے تھے آپ نے فرمایا کہ وہ خاتون جنت میں جائے گی۔ (حوالہ بالا)

مفلس کون

ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح فرمادی کہ اگر کوئی شخص نفلی عبادت کرے تو یہ بڑی اچھی بات ہے اور اگر نفلی عبادت نہ کرے تو آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے

فلاں نفل عبادت کیوں نہیں کی اسلئے کہ نفل کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کرے تو ثواب ملے گا اور نہ کرے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا لیکن حقوق العباد وہ چیز ہے کہ اسکے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا اور اس پر جنت اور جہنم کا فیصلہ موقوف ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے روز بڑی مقدار میں نماز روزے لیکر آئے گا لیکن دنیا میں کسی کا حق مار دیا، کسی کو برا کہدیا، کسی کی دل آزاری کر دی تھی اور کسی کا دل دکھا دیا تھا اب اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ اعمال لیکر آیا تھا وہ سارے کے سارے دوسروں کو دیدیئے گئے اور دوسروں کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے۔ اسی لئے حقوق العباد کا باب شریعت کا بہت اہم باب ہے۔ (حدیث نمبر ۲۵۳۳)
(ترمذی، باب ما جاء فی شان الحساب والقصاص ابواب صفۃ القیامۃ)

حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے

اور یہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ "اسلامی فقہ" جسمیں شریعت کے احکام بیان کیے جاتے ہیں اسکو اگر چار برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اسکا ایک حصہ عبادات کے بیان پر مشتمل ہے اور بقیہ تین حصے حقوق العباد کے بیان میں ہیں یعنی معاملات اور معاشرت کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے "ہدایہ" کا نام سنا ہوگا جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے اسکی پہلی جلد میں عبادات کا ذکر ہے جس میں طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے احکام بیان کیے گئے ہیں باقی تین جلدیں معاملات معاشرت اور حقوق العباد سے متعلق ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے، اس لئے یہ اہم باب شروع ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسکو عمل کے جذبے سے پڑھنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائے اور حقوق العباد کی اپنی رضا اور خوشنودی کے

مطابق ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اسلام سے پہلے عورت کی حالت

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا باب یہ قائم فرمایا ہے "بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالنِّسَاءِ" یعنی ان نصیحتوں کے بارے میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق کے متعلق بیان فرمائی ہیں اور سب سے پہلے یہ باب اس لئے قائم فرمایا کہ سب سے زیادہ بے اعتدالیاں اور سب سے زیادہ کوتاہیاں اسی حق میں ہوتی ہیں۔ جب تک اسلام نہیں آیا تھا اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نہیں آئی تھیں اس وقت تک عورت کو ایسی مخلوق سمجھا جاتا تھا جو معاذ اللہ گویا انسانیت سے خارج ہے اور اسکے ساتھ بھیڑ بکریوں جیسا سلوک ہوتا تھا اسکو انسانیت کے حقوق دینے سے لوگ انکار کرتے تھے، کسی بھی معاملے میں اسکے حقوق کی پرواہ نہیں کیجاتی تھی اور یہ سمجھا جاتا تھا جیسے کسی نے اپنے گھر میں بھیڑ بکری پال لی بالکل اسی طریقے سے اپنے گھر میں ایک عورت کو لاکر بٹھا دیا۔ سلوک کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

خواتین کے ساتھ حسن سلوک

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اس دنیا کو جو آسمانی ہدایت سے بیخبر تھی خواتین کے حقوق کا احساس دلایا کہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے قرآن کریم کی ایک آیت نقل فرمائی جو اس باب میں جامع ترین آیت ہے

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

اس میں تمام مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم خواتین کے ساتھ "معروف" یعنی نیکی کے ساتھ اچھا سلوک کرکے زندگی گزارو، ان کے ساتھ اچھی معاشرت برتو، انکو تکلیف نہ پہونچاؤ، یہ عام ہدایت ہے۔ یہ آیت

گویا اس باب کا متن اور عنوان ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تشریح اپنے اقوال اور افعال سے فرمائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کے ساتھ حسن سلوک کا اس درجہ اہتمام تھا کہ آپ نے فرمایا کہ

خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِ هِمْ وَاَنَاخِيَارُكُمْ لِنِسَائِيْ

تم میں سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی خواتین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں، اور میں تم میں اپنی خواتین کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہوں (ترمذی باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها، حدیث نمبر ۱۱۷۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کے حقوق کی نگہداشت اور انکے ساتھ حسن سلوک کا اس درجہ اہتمام تھا کہ بے شمار احادیث میں اسکی تشریح فرمائی۔ چنانچہ سب سے پہلی حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا

میں تم کو عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں تم میری اس نصیحت کو قبول کرلو۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہٗ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۹ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۷ء جلد ۲۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان نوّے روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس عطاءین گنج۔ الہ آباد

ترتیب

اہم گذارش: قارئین رسالہ وصیۃ العرفان سے گذارش ہے کہ وہ لوگ جنکے ذمہ ابھی ۹۶ء، ۱۹۹۷ء کا زرِ تعاون باقی ہے وہ اولین فرصت میں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی کوشش فرمائیں جن صاحبان کے ذمہ زرِ تعاون واجب الادا ہے اگرچہ انھیں انفرادی طور پر مطلع کیا جا چکا ہے تاہم ایک بڑی تعداد اب بھی ایسے لوگوں کی ہے جنھوں نے ادہر توجہ نہیں کی لہٰذا خصوصی التماس ہے کہ اپنی بقایا رقم کی ادائیگی کی براہِ کرم جلد از جلد کوشش فرمائیں اور اس شمع ضیا بار کو روشن رکھیں۔

مدیر

توقیر العلماء

(علماء کا ادب واحترام)

از افادات

مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا مرشدنا شاہ وصی اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہ

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ایک دن شرح فقہ اکبر مصنفہ حضرت ملا علی قاریؒ کا مطالعہ کر رہا تھا اسی اثناء میں اسکی فصل العلم والعلماء بھی نظر سے گذری اسکے مسائل پڑھکر بڑی عبرت ہوئی اور معًا یہ خیال ہوا کہ ایسے حالات تو ہر زمانہ میں پیش آتے ہیں بلکہ اس زمانہ میں زیادہ پیش آتے ہیں اور احکام نہ معلوم ہونے کی وجہ سے عوام سے اس باب میں بھی بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں

اسلئے جی چاہا کہ اسکا ترجمہ اور کسی قدر توضیح کردی جائے تاکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ان احکام سے واقفیت ہو اور پھر انکے لئے عمل آسان ہو جائے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

وصی اللہ عفی عنہٗ

۲۳ بخشی بازار (روشن باغ) الٰہ آباد

محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

علماء شرع کا احترام اور تادّب اور ترک ایذا واجب ہے

علماء ربانی اور مشائخ حقانی کا ادب اور احترام شرعاً واجب ہے نیز انکی ہر قسم کی ایذا رسے جنکی شرعاً اجازت نہیں ہے بچنا ضروری ہے جیسے عناد یا حسد کی وجہ سے انکا انکار کرنا وغیرہ چنانچہ روح المعانی میں ہے۔

نعم من اتصف بصفات الاولیاء ظاھرًا یجب تعظیمہٗ و احترامہ والتأدب معہ والکف عن ایذائہ بشئ من انواع الایذاء التی لا مسوغ لھا شرعًا کالانکار علیہ عنادًا او حسدًا۔ (روح المعانی ۱۱؍۱۳۲)

ترجمہ: ہاں جو شخص بظاہر اولیاء کی صفات سے متصف ہو تو اسکی بھی تعظیم و احترام اور اسکا ادب کرنا واجب ہے اور ہر اس نوع کی ایذا رسانی سے رکنا ضروری ہے جس کی شرعاً اجازت نہو مثلاً محض عناد یا حسد کی وجہ سے اسکا انکار کرنا وغیرہ۔

عالم سے بلا کسی سبب ظاہری کے بغض رکھنا، بوجہ اس کے کہ یہ مرادف ہے شریعت سے بغض رکھنے کے، کفر ہے

فقہ اکبر جو امام ابو حنیفہؒ کی تصنیف ہے اسکی شرح، شرح فقہ اکبر جو ملا علی قاریؒ کی نہایت معتبر کتاب ہے اس میں علم اور علماء کی تعظیم کی ایک فصل قائم کی ہے، اس میں ہے کہ " خلاصہ میں ہے کہ جو شخص کسی عالم دینؒ بغیر کسی سبب ظاہری کے بغض اور عداوت رکھے تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ آگے حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ " میں کہتا ہوں کہ نہ صرف یہ کہ اندیشہ ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ کفر ہے۔

عالم دین سے بغض، شریعت سے بغض ہے

اسلئے کہ جب بدون کسی ظاہری دینی یا دنیوی سبب کے کسی عالم سے بغض رکھا تو درحقیقت یہ اسکی ذات سے بغض نہیں ہے بلکہ شریعت سے بغض ہے (یعنی محض اس وجہ سے اس عالم سے عداوت ہے کہ وہ شریعت کی ترویج کرتا ہے اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے اور بری باتوں سے لوگوں کو روکتا ہے) اور جو شخص شریعت کا انکار کرے وہ کافر ہے چہ جائیکہ اس سے بغض رکھے۔ خلاصہ کی عبارت یہ ہے

من ابغض عالمًا من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر
قلت الظاہر انہ یکفر لانہ اذا ابغض العالم من غیر سبب
دنیوی او اخروی فیکون بغضہ لعلم الشریعۃ ولا شک فی کفر
من انکرہ فضلاً عمن ابغضہ (شرح فقہ اکبر ص۲۱۳)

ترجمہ: جس شخص نے کسی عالم سے بغیر کسی سبب ظاہری کے بغض رکھا تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے، میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر ہی ہو جائیگا اسلئے کہ جب اس نے بلا کسی دینی یا دنیوی سبب کے کسی عالم سے بغض رکھا تو اسکا یہ بغض دراصل علم شریعت سے بغض ہوگا۔ اور جو شخص کہ شریعت کا انکار کرے وہ یقینًا کافر ہے چہ جائیکہ جو شخص اس سے (معاذ اللہ) بغض رکھے۔

عالم کا استخفاف انبیاء علیہم السلام کا استخفاف ہے

فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ کسی عالم نے لب کے بال کترواے اس پر کسی شخص نے کہہ دیا کہ دیکھو تو کیسا برا معلوم ہو رہا ہے یا یہ کہا کہ لب کتروانا اور عمامہ کے کنارے کو ٹھڈی کے نیچے سے باندھنا نہایت معیوب معلوم ہوتا ہے تو یہ کہنے والا کافر ہو جائیگا اسلئے کہ یہ ایک عالم دین کا استخفاف ہے اور یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ عالم کا استخفاف مستلزم ہے استخفاف انبیاء علیہم السلام کو، کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے

ہیں (پس) نائب کی اہانت منیب (اور اصل) کی اہانت متصور ہوگی (ضرب الغلام اہانت المولیٰ) "غلام کو مارنا اسکے آقا کی توہین ہے" ۔ اور انبیاء علیہم السلام کی اہانت اور استخفاف کا کفر ہونا ظاہر ہے ۔ پس قص شارب (لب کتروانا) جو کہ سب انبیاء کی سنت ہے اسکی تقبیح گویا انبیاء علیہم السلام کی تقبیح ہوئی کیونکہ یہ انکی سنت ہے اور اسکی تقبیح (یعنی برائی بیان کرنا نفرت کا اظہار کرنا) کفر ہے ۔

ظہیریہ کی عبارت جو ملا علی قاری نے نقل فرمائی ہے یہ ہے :-

من قال لفقیه اخذ شاربه ما اعجب قبحا او اشد قبحا قص الشارب ولف طرف العمامة تحت الذقن یکفر لانه استخفاف بالعلماء یعنی وهو مستلزم لاستخفاف الانبیاء وقص الشارب من سنن الانبیاء فتقبیحه کفر

(شرح فقہ اکبر ۲۱۳)

ترجمہ : جس نے کسی عالم سے اسکے لب کترائے ہوئے ہونے پر یہ کہا کہ بہت برا معلوم ہوتا ہے یا یہ کہ لب کتروانا اور عمامہ کو ٹھوڑی کے نیچے باندھنا بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے تو کافر ہو جائیگا اسلئے کہ یہ علماء دین کا استخفاف ہے اور مستلزم ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کے استخفاف کو اس لئے کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور لب بنوانا بھی سنن انبیاء میں سے ہے لہٰذا اسکی تقبیح کفر ہوگی

معلم قرآن اور واعظ و مذکر بھی عالم دین ہیں اسلئے انکی اہانت بھی کفر ہے

استاذ نجم الدین کندی سمرقندیؒ سے منقول ہے کہ جو شخص بطور تمسخر یہ کے معلم کے ساتھ تشابہ اختیار کرے اور ہاتھ میں چھڑی لیکر بچوں کو مارے گویا معلم قرآن کا مذاق اڑا رہا ہے تو کافر ہو جائے گا اسلئے کہ معلم قرآن بھی منجملہ علمائے شریعت کے ہے لہٰذا قرآن یا معلم قرآن کا استہزاء کفر ہوگا

(شرح فقہ اکبر)

اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ لوگ شراب کی مجلس میں ہیں ایک شخص ان میں سے اونچی جگہ پر بیٹھ کر ہنسی مذاق کی باتیں کر رہا ہے اور مذکر کی نقل اتار رہا ہے اور خود بھی ہنستا ہے اور لوگ بھی ہنس رہے ہیں تو یہ سب لوگ کافر ہو جائیں گے اسلئے کہ مذکر واعظ ہے اور وہ بھی منجملہ علماء کے ہے اور انبیاء علیہم السلام کا نائب ہے لہذا اسکی بھی اہانت انبیاء کی اہانت ہوگی اسلئے کفر ہے۔

علماء کی مجلس کو گرجا یا اسکے مشابہ کسی چیز کیطرف نسبت کرنا کفر ہے

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ کوئی شخص کسی عالم کی مجلس علم سے واپس آیا تو دوسرے لوگوں نے کہا کہ یہ گرجے وغیرہ سے آرہا ہے تو یہ بھی کفر ہے اس لئے کہ اس نے شریعت کی جگہ کو اور ایمان کے مقام کو کفر اور کافروں کی جگہ قرار دیا۔

عالم دین کی تحقیر بھی موجب کفر ہے (شرح فقہ اکبر)

شرح فقہ اکبر میں ہے کہ جس شخص نے کسی عالم کو عُوَیْلِم کہہ کر یا کسی علوی کو عُلَیْوِی کہہ کر پکارا یعنی صیغۂ تصغیر کے ساتھ تحقیراً کہا اور مقصود اسکا استخفاف ہے تو کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح سے کسی شخص نے کسی عابد سے کہا کہ بیٹھو جی بس کرو (بہت زیادہ عبادت نہ کرو جنت کے اس پار نکل جاؤ گے یا ایسا نہو کہیں جنت سے بھی آگے نکل جاؤ) تو کافر ہو جائے گا، کیونکہ یہ اس عابد کا اور اسکی عبادت کا استہزاء اور مذاق اڑا رہا تھا۔

جواہر میں ہے کہ جس شخص نے کسی عالم کے بارے میں یہ کہا کہ اگر فلاں قبلہ یا جہت قبلہ بھی ہو جائے تو میں انکی جانب توجہ نہیں کرونگا تو کافر ہو جائے گا۔ اسلئے کہ اسکا یہ فعل تو ابلیس کے فعل کی طرح ہے کہ وہ بھی سجدے سے رکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام جہت قبلہ بنائے گئے تھے۔

اسی طرح جس شخص نے کسی صالح شخص سے یہ کہا کہ تم سے ملنا میرے نزدیک سور سے ملنا ہے تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے جبکہ اسکے اور اسکے مابین کوئی دینی یا دنیوی جھگڑا نہ ہو (شرح فقہ اکبر ص۲۱۶)

عالم کی مجلس میں آواز بلند کرنا کلی منع ہے

ابوحیانؒ نے بیان کیا ہے کہ عالم کی موجودگی میں رفع صوت (آواز بلند کرنا) مکروہ ہے اور ایذاء اور اہانت کے قصد سے ایسا کرنا بعید نہیں کہ حرام ہو بالخصوص اسکے لئے جسکی ایذاء اور اہانت حرام ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ حرمت کے مراتب اور درجات مختلف ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (روح المعانی ص۱۲۵ ج ۲۶)

امراء اور کبراء کی تعظیم ماموربہ ہے

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھی جب وہ جانے لگے تو میں نے انکی سواری (خچر) ان کے قریب کردیا تاکہ آپ اس پر سوار ہو جائیں اتنے میں ابن عباسؓ آئے اور انھوں نے اسکی رکاب پکڑ لی، حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو اسکو چھوڑ دیجئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہمکو علماء اور کبراء کے ساتھ اسی طرح کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا گیا ہے یہ سنکر حضرت زید بن ثابتؓ نے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہمکو بھی اسی طرح سے حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے نبی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت کے ساتھ تعظیم وتوقیر کا برتاؤ کریں (احیاء العلوم ص۶۳ ج ۱)

عالم کی تعظیم کا ایک عجیب واقعہ

اخلاق محسنی میں ہے کہ اسماعیل سامانی جو خراسان کا بادشاہ تھا اور بہت ساز وسامان والا تھا ایک دن ایک عالم کسی ضرورت سے اسکے

پاس آئے اس نے انکی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کی جب وہ واپس ہونے لگے تو سات قدم انکے پیچھے مشایعت (یعنی انکو رخصت کرنے کیلئے چلا، رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ اے اسمٰعیل تو نے میری امت کے ایک عالم کی اتنی تعظیم و تکریم کی میں نے حق سبحانہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ تجھکو دونوں جہاں میں باعزت بنا دے اور تو نے سات قدم جو انکی مشایعت میں چلے ہیں تو میں نے دعا کی ہے کہ تیری نسل سات پشت تک بادشاہی کرے اور یہ میری دونوں دعائیں تیرے حق میں قبول بھی ہوگئیں ہیں۔ سبحان اللہ دیکھا آپ نے ایک عالم دین کی تعظیم کا یہ دنیوی صلہ ہے جو اس بادشاہ کو ملا اور آخرت کے اجر کا تو پوچھنا ہی کیا۔

(اخلاق محسنی باب تواضع)

دوسرا واقعہ :- روح المعانی میں ہے کہ ابو عبیدؒ کے فضائل کے منجملہ یہ واقعہ شمار کیا جاتا ہے جو انھوں نے خود بیان کیا کہ "میں نے کبھی کسی عالم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا یہاں تک کہ جب وہ اپنے وقت پر خود ہی باہر تشریف لائے تب میں نے ان سے ملاقات کی۔

تیسرا واقعہ :- حبر الامت حضرت ابن عباسؓ حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس قرآن شریف سیکھنے جایا کرتے تھے تو جب ان کے مکان پر پہونچتے تو کنڈی کھٹکھٹاتے نہیں تھے بلکہ دروازہ ہی پر کھڑے رہتے یہاں تک حضرت ابیؓ خود ہی باہر تشریف لاتے۔ حضرت ابیؓ کو حضرت ابن عباسؓ کا اس طرح سے انتظار کرنا شاق گزرتا ایک دن فرمایا کہ اے ابن عباس! تم نے کنڈی کیوں نہ کھٹکھٹا دی؟ ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ عالم اپنی قوم میں ایسا ہی محترم اور معظم ہوتا ہے جیسے نبی اپنی قوم میں (اس لئے میں نے کنڈی کھٹکھٹانے کو خلاف ادب سمجھا)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کو اپنے بچپن میں کسی

کتاب میں دیکھا تھا چنانچہ الحمد للہ کہ میں نے کلی اپنے مشائخ کے ساتھ یہی عمل رکھا۔ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک　　(روح المعانی ص۱۳۱ ج۲۶)

دین کا استہزا کفر ہے

محیط میں ہے کہ کوئی شخص اونچی جگہ پر بیٹھا عالم کی نقل کرتا اور لوگ آ آ کر بطور مذاق اور استہزار کے اس سے مسائل دریافت کرتے ہیں پھر اسکو تکیہ وغیرہ سے مارتے ہیں اور پھر آپس میں خوب ہنستے ہیں تو اس حرکت کی وجہ سے سب کے سب کافر ہوگئے اس لئے کہ انھوں نے دین اور شرع کا استخفاف کیا۔

علم فقہ کی اہانت کفر ہے

محیط میں ہے کہ کوئی عالم اپنی فقہ وغیرہ کی کتاب کسی شخص کی دوکان پر رکھکر کہیں چلا گیا واپس آیا اور ادہر سے گذرا تو دوکاندار نے کہا کہ مولانا آپ اپنی آری یہاں بھول گئے ہیں عالم نے کہا کہ تمھارے یہاں میں نے کتاب رکھی ہے آری تو نہیں رکھی دوکاندار نے کہا ارے ایک ہی بات ہے بڑھئی آری سے لکڑی کاٹتا ہے اور آپ لوگ اس کتاب سے لوگوں کا گلا کاٹتے ہیں یا انکا حق کاٹتے ہیں۔ عالم نے امام فضلیؒ سے اسکی شکایت کی انھوں نے اس شخص کے قتل کیئے جانے کا حکم دیا اسلئے کہ فقہ کی کتاب کا استخفاف کر کے وہ مرتد ہوگیا اور مرتد کی سزا قتل ہے

شریعت کی اہانت کفر ہے

شرح فقہ اکبر میں ہے کہ جس شخص نے کہا کہ شرع وغیرہ سے مجھے کچھ فائدہ نہیں اور نہ میرے نزدیک وہ نافذ ہے تو کافر ہو جائے گا۔

محیط میں ہے کہ کسی کے سامنے شریعت کا ذکر آیا اسکو سنکر اس نے قصداً یا تکلفاً ڈکار یا مکروہ قسم کی کوئی آواز نکالی جیسے کسی چیز کو برا اور مکروہ

سمجھتے ہوئے آدمی منہ بناتا ہے اور آواز نکالتا ہے، اور کہا کہ یہ ہے شرع تو کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے شرع کی اہانت کی۔

ظہیریہ میں ہے کہ کسی شخص سے کہا گیا کہ اٹھو جاؤ یا آؤ چلیں مجلس علم میں اس پر اس نے کہا کہ یہ لوگ جو باتیں بیان کرتے ہیں کون ان پر عمل کر سکتا ہے یا یہ یہ کہا کہ مجھے علم دین کی مجلس سے کیا لینا، تو کافر ہو جائے گا۔ پہلا جواب تو اس لئے کفر ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ شخص تکلیف مالا یطاق کا قائل ہے یعنی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے امور کا بھی کو انسان کو مکلف بنایا ہے جو اسکی طاقت سے بالاتر ہوں حالانکہ نص قرآنی ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (اللہ تعالیٰ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اسکی بساط کے مطابق)

اور دوسرا جملہ اس وقت کفر ہے جبکہ اسکی مراد یہ ہو کہ علماء کی مجلس میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے چنانچہ جواہر میں ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ علماء جو بیان کرتے ہیں کون اس پر عمل کر سکتا ہے تو کافر ہو جائے گا اسلئے کہ اس سے یا تو تکلیف مالا یطاق لازم آتا ہے اور یا نہیں تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ علماء جو کچھ بیان فرماتے ہیں اس میں انبیاء علیہم السلام پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اسکا کفر ہونا ظاہر ہے

نیز تتمہ میں ہے کہ جس شخص نے کسی سے کہا کہ علم دین کی مجلس میں نہ جاؤ اگر تم گئے تو تمھاری بیوی حرام ہو جائیگی یا اسکو طلاق پڑ جائیگی، تو کافر ہو جائیگا مذاق کے طور پر کہا ہو یا واقعی کہا ہو۔

فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ ایک پیالہ ثرید کا علم سے بڑھکر ہے تو کافر ہو جائیگا اسلئے کہ اس نے دین کا استخفاف کیا، اسی طرح سے اگر کسی نے فتویٰ کو زمین پر پھینک دیا بطور اہانت کے تو کافر ہو جائے گا۔

تتمہ میں ہے کہ جس شخص نے شریعت کی اہانت کی یا ان مسائل کی اہانت کی جنکی شریعت میں ضرورت پڑتی ہے تو کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح جو شخص کسی کے تیمم کرنے پر ہنسا تو کافر ہو جائے گا کیونکہ شریعت

کے ایک مسئلہ کا استخفاف کیا۔

اسی طرح سے جس شخص نے کہا کہ نہ میں حرام جانوں نہ حلال اور اسکی مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے یا میں حرام کو بھی حلال اور حلال کو بھی حرام جانتا ہوں تو کافر ہو جائے گا ہاں اگر یہ مراد ہو کہ میں جاہل اور ناواقف ہوں تو یہ کفر نہیں ہے۔

محیط میں ہے کہ کوئی عالم علم کی باتیں بیان کر رہا ہے یا حدیث صحیح روایت کر رہا ہے یعنی جو کہ ثابت ہے موضوع (گڑھی ہوئی) نہیں ہے، اس کو کسی نے کہا کہ یہ سب کچھ نہیں ہے مقصد اسکا رد کرنا ہے، یا یہ کہا کہ یہ سب باتیں کیا کام آویں گی روپیہ پیسہ ہو تو خیر کام آئے، یعنی ان سب میں مشغول ہونے کے بجائے روپیہ پیسہ کمانے ہی میں مشغول ہونا چاہیئے اسلئے کہ اس زمانہ میں جو قدر و منزلت روپیہ کی ہے وہ علم کی نہیں ہے۔ تو کافر ہو جائے گا اسلئے کہ یہ معارضہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ اللہ کے لئے اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور مومنین ہی کے لئے عزت ہے اور اس ارشاد کا کہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلمہ بلند ہے۔

اسی طرح سے جس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے سے یہ کہا کہ میں علم حاصل کر کے کیا کروں گا یا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے کیا کروں گا میں نے اپنے آپ کو جہنم میں ڈال رکھا ہے یا یہ کہا کہ میں نے تو اپنے نفس کو دوزخ کے لئے تیار کیا ہے یا یہ کہا کہ میں نے اپنا تکیہ یا اپنی کہنی یا اپنا رخسارہ جہنم میں ڈال رکھا ہے تو کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے شریعت کی اہانت کی۔

ظہیریہ میں ہے کہ اگر کسی سے کہا کہ جب تم نے روپئے لئے تھے اس وقت شرع وغیرہ کہاں تھی؟ تو اگر شریعت کا استخفاف کرتے ہوئے کہا ہے تو کافر ہو جائے گا۔

"شرح فقہ اکبر میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ مامون رشید کے زمانۂ خلافت میں کسی آدمی سے اس شخص کا حکم دریافت کیا گیا جس نے کسی نور بان کو قتل کردیا ہو مجیب نے جواب دیا کہ قاتل کے ذمہ ایک جوان باندی ہے جو ناز وانداز والی ہو۔ مامون نے یہ جواب سنکر حکم دیا کہ مجیب کی گردن اڑا دی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ کہا کہ یہ حکم شرع کے ساتھ استہزاء اور اسکے حکم کا مذاق اڑانا ہے اور یہ کفر ہے۔

اسی طرح تیمور کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن اسکی طبیعت کچھ افسردہ اور منقبض سی تھی اسلئے چپ چاپ سا تھا لوگ سوالات کرتے تھے اسکا جواب بھی نہ دیتا تھا اتنے میں خوش طبعی کرنے والوں کی ایک جماعت اسکے پاس آئی چنانچہ وہ لوگ آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگے ایک شخص نے ان میں سے کہا کہ میں فلاں شہر کے قاضی کے یہاں گیا ہوا تھا اور رمضان شریف کا مہینہ شروع ہو چکا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ اسے شریعت کے حاکم فلاں شخص نے رمضان کے روزوں کو کھا لیا میرے پاس اسکے گواہ موجود ہیں یہ سن کر ان قاضی صاحب نے فرمایا کہ کاش کوئی اور شخص نماز کو بھی کھا جاتا تو ہم ان دونوں سے چھٹکارا پا جاتے۔ اور یہ سب اسلئے کہا کہ امیر تیمور کو ہنسی آجائے اور اسکا انقباض دور ہو جائے۔ لیکن تیمور نے یہ سب سنکر کہا ظالمو! تم کو ہنسی دل لگی کے لئے بس شریعت ہی ملی تھی یہ کہا اور اسکے قتل کا حکم دیدیا۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے دین اور شریعت کی تعظیم اور توقیر کی اور اسکا بول بالا کیا۔

(شرح فقہ اکبر ۲۱۷)

توضیح

علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ علماء دین کا احترام اور توقیر واجب ہے

بلکہ ایمان کی علامت ہے اور انکی اہانت اور استخفاف حرام بلکہ کفر ہے۔

علماء نے اس مسئلہ کے لئے اصول پھر جزئیات بیان فرمائے تاکہ لوگ ان سے بچیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور چونکہ علماء نے حالات کے مشاہدے کے بعد اس قسم کے امور کو بیان فرمایا ہے لہذا اس کی ضرورت بھی معلوم ہوئی چنانچہ آج ہم بھی دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے قلوب میں نہ دین کی وقعت باقی رہ گئی ہے نہ اہل دین کی لوگ بالکل آزاد اور بے باک ہو گئے ہیں بڑے سے بڑے عالم دین کی اہانت اور اسکا استخفاف انکے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہے اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اگر کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں تو یہ نہیں کہ دوسرے لوگ انکو منع کریں اور ان کو سمجھائیں کہ یہ سب جہالت اور فتنہ و فساد کی باتیں ہیں اس لئے ان سے اجتناب کرنا چاہیئے بجائے اسکے ہوتا یہ ہے کہ سب کے سب عوام انھیں کے ساتھی اور ہمنوا ہو جاتے ہیں، الا ماشاء اللہ، اور انجام سے قطعی بے خبر ہوتے ہیں نہ انکو خدا تعالیٰ ہی کا خوف اس امر شنیع سے باز رکھتا ہے اور نہ مخلوق ہی سے یہ لوگ شرماتے ہیں کبھی خیال کریں کہ دین سے ہمکو حصہ ہی کیا ملا ہے کہ ہم کسی عالم دین کی شان کی اہانت میں کچھ کہنے سننے کی جرات بھی کرسکیں اور ہماری کیا مجال کہ ہم جاہل ہوکر دین میں دخل دیں

غرض خلق و خالق کا لحاظ اور خیال کئے بغیر نیک لوگوں کی حتیٰ کہ عالم دین اور پیشوائے مذہب کی غیبت شکایت، ان سے بدظنی، انکی شان میں بدزبانی اور بدکلامی، بلا وجہ ان سے بغض و حسد وغیرہ رکھنے کو اپنا شعار اور معمول بنالیا ہے۔ حالانکہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا کہ جو شخص کسی عالم دین سے بلا کسی سبب ظاہری کے بغض رکھے تو وہ دراصل شریعت سے بغض متصور ہوگا اور یہ شخص کافر ہو جائے گا۔

ہوسکتا ہے کہ جنکو ہم برا سمجھتے ہیں قیامت میں وہ اللہ کے ولی ثابت ہوں

ان مسکینوں کو نہ تو یہ سب باتیں ہی معلوم ہیں اور نہ کوئی انکا بتانیوالا ہے کہ تم یہ کیا کر رہے ہو اور اسے اللہ کے بندو کدھر جا رہے ہو جبکہ علماء نے ان سب باتوں کو لکھا ہے تو عقل کا تقاضا ہے کہ ایسے امور میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے کہیں ایسا نہو کہ آج تم جنکو برا کہہ رہے ہو کل کو قیامت میں انکو نائب رسول کے مقام پر فائز دیکھو اور انکی اہانت اور تحقیر کرنے کی وجہ سے اپنا ایمان ہی غائب پاؤ۔

میں کہتا ہوں کہ کیا خوف کا مقام نہیں ہے اور حسرت کی بات نہیں ہے کہ دنیا میں لوگ اپنے کو مسلمان سمجھ رہے ہیں اور ظاہری نماز و روزہ بھی جاری ہے لیکن اولیاء اور علماء کی شان میں گستاخی اور بدزبانی انکی توہین و تحقیر بھی کرتے رہتے ہیں ایسا نہو کہ خدا کے سامنے پیشی ہو تو اپنے کیئے پر ندامت ہو لیکن یہ حقیقت ایسے وقت میں ظاہر ہوگی کہ اسوقت ندامت بھی نفع نہ دے گی۔

عمل سے زیادہ ایمان کا اہتمام کرنا چاہیئے

اس لئے میں تم لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ اس وقت مسلمان بڑے ہی نازک دور سے گذر رہے ہیں لہذا کسی دوسرے کو بڑا بھلا کہنے کے بجائے آدمی کو اپنے عمل کا جائزہ لینا چاہیئے اور عمل سے زیادہ اہتمام ایمان کا کرنا چاہیئے کہیں ایسا نہو کہ اپنا ایمان ہی جہالت کی نذر کردیں

سن لیجئے! ایمان بڑی دولت ہے اسکی قدر یہاں دنیا میں نہیں معلوم اسلئے کہ اسکا بازار آخرت ہے چنانچہ عمل میں بالغرض اگر کچھ خامی اور کمی بھی رہی تو کام چل جائے گا لیکن ایمان کی کمی تو نہیں پوری کیجا سکتی اس لئے ایمان کی ہر وقت خیر منانی چاہیئے اور اسکی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے

(اضافہ از ناقل)

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی مشہور تالیف تنبیہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ انکے قبیح اور خبیث اعمال کی وجہ سے آخر عمر میں ان سے ایمان ہی سلب کرلیا جاتا ہے اور وہ العیاذ باللہ کفر کی حالت میں اس دنیا سے جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ تمھیں بتاؤ کہ اس سے بڑھکر اور کونسی مصیبت ہوگی کہ ایک شخص کا نام ساری عمر تو مسلمانوں میں شمار رہا ہو اور قیامت میں وہ کافرین کی صف میں اٹھایا جائے یہ کس قدر حسرت کا مقام ہے؟ اور یہ کوئی حسرت کی بات نہیں ہے کہ ایک شخص گرجے سے نکلے یا آتش پرست ہو اور اپنے مندر سے نکلے اور دوزخ میں داخل ہو جائے، حسرت کا مقام تو یہ ہے کہ کوئی شخص مسجد سے نکلے اور جہنم میں داخل ہو جائے۔ اور ایسا محرمات کے ارتکاب کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جسے یہ شخص لوگوں سے پوشیدہ کئے ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انکے پاس لوگوں کے مال بطور امانت کے رکھے ہوتے ہیں اور وہ یوں خیال کرتے ہیں کہ اسے خرچ کرلوں پھر دوسرا اپنے پاس سے رکھ دونگا اور اس تصرف کی صاحب مال سے معافی مانگ لوں گا لیکن وقت آجاتا

ہے اور خصم (مدمقابل) کو راضی کئے بغیر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح سے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ تنہائی میں بیوی سے لڑتے ہیں اور غصہ میں آکر اسکو طلاق دیدیتے ہیں پھر ہوش آنے پر یہ کہتے ہیں کہ میرے بال بچے ہیں کیسے اس عورت کو الگ کروں چنانچہ اس سے حرام تعلقات قائم کئے رہتے ہیں اور کسی کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوتی اور اسی حال میں انکو موت آجاتی ہے۔ پھر بعض مرتبہ انھیں حالات کی وجہ سے ان سے ایمان ہی سلب ہوجاتا ہے۔

لہٰذا اے میرے بھائی! اپنے حالات و معاملات موت آنے سے پہلے پہلے درست کرلو یعنی فوراً ان سے تائب ہوجاؤ اسلئے کہ تم کو کچھ خبر نہیں کہ کب موت آجائے اور یہ سمجھ لو کہ عمر قلیل ہے اور اسکے بعد حسرت طویل ہے۔

شریعت کا احترام اور علماء کا احترام

دونوں لازم و ملزوم ہیں

اس زمانہ میں لوگوں میں بددینی اور گمراہی عام ہوتی جارہی ہے اور شریعت کا احترام جو قلوب میں نہیں باقی رہ گیا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ علماء کا احترام دلوں میں نہیں ہے، شریعت کا احترام علماء کے احترام سے ہوتا ہے۔ اسی طرح سے شریعت کے احترام سے علماء کا احترام ہوگا یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں ____ تو جب قلب میں علم دین اور علماء دین ہی کا احترام نہ ہوگا تو پھر اس قلب میں دین کی کیا عظمت رہ سکتی ہے اور اسکو دین کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔

علماء ہی محافظ شریعت ہیں

آج جیسا کچھ بھی دین موجود ہے وہ علماء ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ اتنی بات تو آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ شریعت کی حفاظت ضروری ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور علماء ہی شریعت کے محافظ ہیں، یہی لوگ اس خدمت کی وجہ سے نائب رسول ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی شریعت کے محافظ حضرات علماء ہی ہیں۔ دین کی حفاظت سب پر فرض بھی اسلئے کہ دین صرف علماء ہی کا نہیں ہے سب کا ہے لیکن حفاظت اسکی علماء ہی فرما رہے ہیں اسلئے اس باب میں بھی انکا امت پر احسان عظیم ہے اس لحاظ سے بھی امت کے ذمہ لازم ہے کہ وہ انکی تعظیم کریں اور سنیئے! حدیث میں ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ یعنی میری امت کے علماء وہ کام کریں گے جو بنی اسرائیل میں انبیاء کرتے تھے سبحان اللہ کیا شرف ہے علماء امت کا اور جس طرح سے یہ شریعت قیامت تک باقی رہے گی اسی طرح سے یہ علماء بھی رہیں گے اور دین حق کی خدمت کرتے رہیں گے، پس انھیں سے دین بھی حاصل کرنا ہوگا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ
چارہ نبود در مقامش جز چراغ

(یعنی جبکہ آفتاب غروب ہوگیا اور ہم کو اپنی جدائی کا داغ دے گیا تو اب اسکی جگہ بجز چراغ کے استعمال کے چارۂ کار ہی کیا ہے)۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم؟ از گلاب

(یعنی جبکہ گلاب کا پھول نہیں رہ گیا اور گلستان ہی اجڑ گیا تو اب اسکی خوشبو کہاں سے حاصل کریں ؟ عرق گلاب سے)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ جب آفتاب چھپ گیا اور اندھیرا ہوگیا تو سوائے چراغ کے اور روشنی کا ذریعہ ہی کیا ہوسکتا ہے حالانکہ آفتاب اور چراغ میں کیا نسبت ہے ؟ اسی طرح نبی اور عالم میں بھی کوئی نسبت نہیں مگر جس طرح احتیاج چراغ کی طرف رات میں ہوتی ہے اسی طرح علماء بھی محتاج الیہ ہیں جب انبیاء حضرات تشریف نہیں رکھتے۔

اسی طرح میں نے کہا ہے کہ علماء کا بڑا مرتبہ ہے اور ان کی اہانت شریعت کی اہانت ہے اور اس سے کفر کا اندیشہ ہے اس لئے ایمان کی حفاظت ضروری ہے۔

دین اور حاملین دین کی اہانت کا انجام

اور میں تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ اللہ کے دین اور اسکے دین کے کے حاملین ہی کی اہانت اور تحقیر کی وجہ سے آج مسلمانوں کو یہ روز بد دیکھنا پڑا ہے اور اللہ تعالٰی کا یہ عذاب ہے کہ عام طور سے یہ دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی عقل اور فہم رخصت ہی ہوچکی ہے چنانچہ اللہ تعالٰی نے انھیں بالکلیہ انکے نفس کے حوالہ فرما دیا ہے اور اپنی عون اور مدد ان سے روک لی ہے، یہی وجہ ہے جو اس زمانہ میں لوگوں کے مزاج بگڑ گئے ہیں، اچھائی اور برائی میں تمیز نہیں ہے بلکہ معاملہ برعکس ہوکر عیوب ہی کمالات معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ کذب، افترا، بہتان، غیبت، شکایت، بدزبانی، بدکلامی، سوءظن، فتنہ وفساد، نفاق و

اختلاف، بغض و حسد یہ سب چیزیں پسند ہیں اور جو شخص کہ ان امور کا ساعی ہوتا ہے اسکی تعریف و تائید کی جاتی ہے برخلاف ان کے صدق، حسن ظن، اتفاق و اتحاد، احترام و اکرام اور تأدب، فتنہ وغیرہ سے دور رہ کر دوسروں کو بھی دور رکھنا اور اخلاص و اخلاق کا طریقہ بتانا یہ سب چیزیں ناپسند ہیں۔ رہبر کو لوگ رہزن سمجھتے ہیں اور رہزن کو رہبر سمجھ رکھا ہے۔ فساد و صلاح، افساد و اصلاح اور مفسد و مصلح اور صالح و فاسد میں امتیاز نہیں رہ گیا ہے۔ اب یہ فہم کے سلب ہونے کی علامت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے نظر کرم اور رحمت سے گر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اسکے شامل حال نہیں ہوتی تو سب سے پہلی چیز جو اسکو بطور سزا کے ملتی ہے وہ اسکے اسکے نور علم کا سلب ہو جانا ہے ؎

اِذَا لَمْ یَکُنْ عَوْنٌ مِّنَ اللّٰہِ لِلْفَتٰی
فَاَوَّلُ مَا یَجْنِیْ عَلَیْہِ اجْتِھَادُہٗ

جبکہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عون و مدد ختم ہو جاتی ہے تو سب سے پہلی چیز جو اسکو نقصان پہونچاتی ہے وہ اسکا اجتہاد ہوتا ہے یہی وجہ ہے جو آج بصیرت سلب ہے۔ صلاح و فساد میں امتیاز باقی نہیں رہ گیا ہے بلکہ فساد ہی نظر آتا ہے، افساد ہی اصلاح معلوم ہوتی ہے۔ انتہا یہ کہ دین اور ایمان جو کہ نہایت ہی پاکیزہ چیزیں ہیں اب انھیں کو محل فساد بنایا جاتا ہے یعنی فساد دینی صورت میں سامنے آتا ہے، ہوتا تو یہ ہے سراسر فساد اور افساد لیکن نفسانیت اس کو دین کے رنگ میں پیش کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے ناواقف مسلمان اس کا شکار ہو جاتے ہیں اور ایسے وقت میں بجز

اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید کے حق کو سمجھنا آسان بھی نہیں رہ جاتا۔
بدقسمتی سے آج ہم اسی دور سے گذر رہے ہیں اور یہ سب کرشمے ہیں جہالت کے کیونکہ آدمی کو جب حدود شرع کا علم ہی نہوگا تو کیا وہ کسی کو پہچانے گا نہ عالم دین کو اور نہ دین کو حتیٰ کہ اپنے کو بھی نہ پہچانے گا پھر کیا کسی کا حق ادا کرے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ ایمان بھی باقی نہ رہے اور محض اپنی جہالت کی وجہ سے ایسے لوگ مسلوب الایمان ہوکر (العیاذ باللہ) دنیا سے رخصت ہوں اور جب غبار چھٹے اس وقت انکو معلوم ہو کہ ہم گھوڑے پر سوار تھے یا کسی اور سواری پر۔

فَسَوْفَ تَرَىٰ إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ
أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارٌ

(عنقریب جب غبار دور ہوگا اسوقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

عوام کے اس برتاؤ کی وجہ اور اسکا علاج

عوام کی طرف سے علماء کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ جو ہوتا ہے تو اس کی اصل وجہ تو وہی ہے جو ابھی بیان کی گئی یعنی جہل اس لئے اسکا علاج تو یہ ہے کہ لوگوں کو اسلامی اخلاق اور شریعت کے حدود کا علم پہونچایا جائے، لیکن اس سلسلہ کے بڑھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عوام کی ان باتوں کو سنکر علماء یہ خیال کرتے ہیں کہ کون ان جاہلوں کے منہ لگے لہٰذا صبر ہی کرتے ہیں۔ اس میں تو شک نہیں کہ اس پر انکو آخرت میں اجر ملے گا۔ مگر یہ حضرات

تو ایسا اپنی خوش اخلاقی کی بنار پر کرتے ہیں اور یہ جاہل اس سے یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے ان لوگوں کا ناطقہ بند کر رکھا ہے، اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ ایسی صورت میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ صبر کر لینا بھی جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص بدون تعدّی (زیادتی) کے انتصار ہی چاہے (یعنی بدلہ لینا) تو یہ بھی جائز ہے بلکہ علمار نے فرمایا ہے کہ افضل انتصار (بدلہ لینا) ہی ہے چنانچہ احکام القرآن میں آیت وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (اور وہ (مومنین) ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ (برابر کا) بدلہ لے لیتے ہیں) کے تحت لکھتے ہیں کہ

روی عن ابراھیم النخعی فی الآیہ قال کانوا یکرھون للمومنین ان یذلوا انفسھم فیجتری علیھم الفساق وقال السدی ھم ینتصرون معناہ ممن بغی علیھم من غیر ان یعتدوا علیھم۔ (احکام القرآن ص ۳۸۶ ج ۳)

ابراہیم نخعیؒ سے آیت کے یہ معنی منقول ہیں کہ مسلمانوں کے لئے وہ لوگ پسند نہیں کرتے تھے کہ اپنے نفسوں کو ذلیل کریں تاکہ فساق ان پر خوب دلیر ہو جائیں سدی کہتے ہیں کہ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (وہ لوگ بدلہ لے لیتے ہیں) کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں سے بدلہ لے لیتے ہیں جو ان پر ظلم کئے ہوتے ہیں بدون اسکے کہ ان پر زیادتی کریں۔

اس پر حضرت ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے نے قرآن شریف میں اور بہت سی جگہوں پر تو ہمارے لئے حقوق العباد کے سلسلے میں عفو اور درگزر کرنے ہی کو مندوب (اور پسند) فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (اور اگر تم معاف کردو تو یہ بہت ہی قرین تقویٰ ہے) اور فرمایا کہ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (سو جو کوئی اسے معاف کردے تو وہ اسکی طرف سے کفارہ (یعنی باعث اجر و ثواب اور گناہوں کی

معافی کا ذریعہ) ہو جائے گا۔ اور فرمایا وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (اور چاہئے کہ معاف کرتے رہیں اور درگذر کرتے رہیں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے) اور یہ سب آیتیں کچھ منسوخ بھی نہیں لیکن حق تعالیٰ کا یہاں یہ ارشاد فرمانا کہ وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (اور وہ (مومنین) ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لے لیتے ہیں) اسکا ذکر اِسْتِجَابَۃٌ لِلّٰهِ اور اِقَامتِ صلوٰۃ (یعنی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور پابندی نماز) کے بعد ہی متصلاً ہے اس لئے انتصار (بدلہ لینے) کی مدح اور فضیلت نکلی، چنانچہ ابراہیم نخعیؒ نے جو فرمایا ہے کہ وہ لوگ مومنین کے لئے مکروہ سمجھتے تھے کہ اپنے کو ذلیل کریں تاکہ فساق و فجار کی جرأت نہ بڑھے پس یہ انتصار کی فضیلت اس شخص کے مقابلے میں ہے جو تعدی اور ظلم کرے اور اس پر اصرار کرے اور جہاں نصوص میں عفو اور درگذر کا حکم اور ترغیب ہے تو وہ اس جگہ ہے کہ قصور کرنے والا اپنے کئے پر نادم ہوا اور آئندہ کے لئے اس کام کے ترک کا عزم کر چکا ہو۔

خاتمہ

اس وقت علماء اور شریعت کے احترام اور عظمت کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا الحمدللہ کہ اکابر کی تصریحات کی روشنی میں بیان کر چکا، اب آخر میں اس دعاء پر مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین اور حاملین دین متین کی قدر و منزلت کے پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو دین کا وہ فہم بخشے جس سے ہم ان کے حقوق کو سمجھ سکیں اور ان کو ادا کر سکیں۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ○ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین

کمالاتِ اشرفیہ

(۶۰)

(۲۱۷) فرمایا اگر کوئی اپنے معاملہ میں مباح شق کو اختیار کرے میں اسکے ساتھ موافقت کرلیتا ہوں اسمیں آدمی بہت ہلکا رہتا ہے بحمداللہ کسی شق کو ترجیح دیکر کسی پر حکومت نہیں کرتا کوئی بات بھلی میری ایسی نہیں ہوتی جس سے دوسرے کو شبہہ بھی ہو کہ یہ حکومت کی راہ سے کہہ رہا ہے اور اسکا خیال میں اسوجہ سے رکھتا ہوں کہ نہ معلوم دوسرے کا جی چاہے کرنے کو یا نہ چاہے تو نہ کسی بات کے کرنے کا حکم دیتا ہوں اور نہ کسی بات سے منع کرتا ہوں۔ مولوی صاحب کے جانے سے اول وہلہ میں خیال ہوا کہ جو کام ان کے سپرد تھا اس کام کو کون کرے گا؟ میں نے قوت سے اس خیال کی مقاومت کی اور یہ سمجھ لیا کہ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھولدے اسکا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو بند کردے اسکے بعد کوئی اسکا جاری کرنے والا نہیں، اور وہی غلبہ والا ہے حکمت والا ہے)۔

هُوَ الْعَزِيْزُ میں بتلا دیا کہ وہ بڑے قادر ہیں جو کام بند ہو اس کو جاری کرسکتے ہیں اور جاری کو بند کرسکتے ہیں اور اگر اس بند ہونے سے یہ وسوسہ ہو کہ اس سے تو دین کا نقصان ہوگا تو اَلْحَكِيْمُ میں فرمایا کہ ہم حکیم بھی ہیں اگر بند ہی کردیں تو اس میں بھی حکمت ہوگی

ف: اس سے حد شریعت تک دوسرے کو آزادی دینا اپنا دباؤ نہ ڈالنا مقاومت نفس، توکل و تفویض سب صفات ظاہر ہیں۔

(۲۱۸) مولانا نے فرمایا کہ ایک لکچرر آریہ مجھ سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، میں نے کہا ضرور پوچھئے معلوم ہوگا عرض کر دوں گا نہ معلوم ہوگا لاعلمی ظاہر کر دونگا۔ اس نے سوال کیا کہ مثلاً دو شخص ہیں انھوں ایک نیک کام کیا۔ ایک نیت ہے، ایک ہی کام ہے، اس کا ایک ہی نفع ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ایک فاعل مسلم ہے اور ایک غیر مسلم، تو کیا ان دونوں کو اجر و ثواب برابر ہوگا یا نہیں؟ میں سمجھ گیا کہ اس سوال سے مقصود اسکا یہ ہے کہ جواب تو یہی ملیگا کہ مسلم کو اجر و ثواب ہوگا اور غیر مسلم کو نہ ہوگا۔ اس جواب پر اسکو گفتگو کی گنجائش ملتی کہ تب تم میں تو بڑا تعصب ہے حالانکہ اسکا جواب ظاہر تھا کہ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ (جب شرط موجود نہیں تو مشروط بھی موجود نہیں) مگر میں نے اسکو اتنی بھی گنجائش نہیں دی دوسرے طرز پر جواب دیا چنانچہ میں نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسے شائستہ اور مہذب اور دانشمند ہو کر ایسی بات پوچھتے ہیں جس کا جواب آپکو معلوم ہے۔ کہنے لگا یہ آپکو کیسے معلوم ہوا کہ اسکا جواب مجھے معلوم ہے؟ میں نے کہا کہ اسکے مقدمات آپ کے ذہن میں پہلے سے ہیں اور مقدمات کیلئے مطلوب لازم ہے، جب مقدمات کا علم ہے تو نتیجہ کا بھی علم ہے۔ کہنے لگا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اسکے مقدمات میرے ذہن میں پہلے سے ہیں؟ میں نے کہا میں ابھی بتاتا ہوں، سنیئے! آپ کو معلوم ہے کہ مذاہب مختلفہ سب تو حق ہو نہیں سکتے ضرور ایک ہی حق ہوگا اور باقی سب باطل یہ معلوم ہے آپکو؟ کہا جی معلوم ہے۔ میں نے کہا ایک مقدمہ تو یہ ہوا، اب یہ بتلائیے کہ صاحب حق مثل مطیع سلطنت کے ہے اور صاحب باطل مثل باغیٔ سلطنت کے یہ آپ کو معلوم ہے؟ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا ایک مقدمہ یہ ہوا۔ آگے سنیئے! ایک شخص مطیع سلطنت ہے اور ایک باغیٔ سلطنت اور وہ باغیٔ سلطنت ایک بڑا ڈاکٹر ہے جو بہت بڑا ماہر فن ہے انگریزی

ی اعلیٰ درجہ کی قابلیت ہے ، بیدار مغز ہے ، دنیا میں اسکا ثانی نہیں مگر
با وجود ان سب کمالات کے اس میں ایک بات ایسی ہے کہ اس کے
ہوتے ہوئے اسکے یہ سب کمالات گرد ہیں اور وہ باغی ہونا ہے کہ سلطنت
سے بغاوت کرتا ہے اس پر گورنمنٹ اسکو پھانسی کا حکم دیتی ہے اسوقت
اگر کوئی کہے کہ ہائے بڑا ظلم ہے محض بغاوت کے الزام میں اسکو پھانسی کا
حکم دیدیا حالانکہ یہ شخص ایسا تھا ویسا تھا تو کیا عقلاء کے نزدیک یہ اعتراض
صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ میں نے کہا بس اسی طرح آپ یہاں بھی سمجھئے۔
دیکھئے یہ آپ کے ذہن میں پہلے سے تھا یا نہیں ؟ کہنے لگا ہاں ۔ پس ایسی
حالت میں سوال کرنا استفادہ یا افادہ کے لئے نہیں ہوسکتا بلکہ حاصل
اس سوال کا یہ نکلتا ہے کہ میں اپنی زبان سے آپ کو کافر کہوں ، اس شخص نے
قسم کھا کر کہا کہ واقعی منشاء میرا یہی تھا کہ ایسی زبان سے کافر سننا چاہتا تھا
ایسی زبان سے کافر سننا میرے لئے لذت کا باعث ہے ۔ میں نے کہا کہ یہ تو
آپ کی خوبی ہے مگر میرے لئے نہایت بدنما بات ہے میری اسلامی تہذیب
مانع ہے کہ میں بلا ضرورت آپ کو کافر کہوں ۔ بلا ضرورت کی قید اسلئے لگائی
کہ کافر تو ہم کہتے ہیں مگر بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھا کریں یہ بھی نہیں ، وہ شخص
بیحد متاثر ہوا ۔

ف : اس سے حضرت والا کی عقل سلیم ، رسائی ذہن ، بلا ضرورت کافر
کو کافر نہ کہنا ، مخالف و معاند سے بھی عنوان شائستہ کو استعمال کرنا صاف
ظاہر ہے ۔

(۲۱۹) ذیل کی احادیث سے جو امور حضرت والا نے مستنبط کئے ہیں اس
سے حضرت والا کی قوت استنباط ظاہر ہے ۔

(۱) الحدیث : مِنْ اَخْوَنِ الْخِیَانَةِ تِجَارَةُ الْوَالِیْ فِیْ رَعِیَّتِہٖ

سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ صاحب حکومت اپنی رعیت میں تجارت
کرے) حنفیہؒ نے اسکو عام کیا ہے اور اسکی علت یہ بیان کی ہے کہ اس سے
معاملہ کرتے ہوئے لوگوں کو دبنا پڑے گا اور اس سے تنگی ہوگی۔ نیز اس میں
ایک خود غرضی کی کھلی صورت ہے کہ اگر ایسی تجارت کے متعلق کوئی قانون
مقرر کیا جادے خواہ اس میں رعایا کی کیسی ہی مصلحت مضمر ہو مگر عام طور سے
یہی شبہہ ہو گا کہ اپنے نفع کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اسی
علت کے اشتراک سے صاحب افادہ کو کھلی ایسی چیزوں کی تجارت مناسب
نہیں جنکا تعلق استفادہ سے ہے مثلاً یہ شخص بعض خاص کتب کے مطالعہ کی انکو رائے
دیتا ہے اگر یہ ان کتب کی تجارت کرے گا تو یہ شبہہ ضرور ہو گا کہ اپنی کتابیں فرو خت
کرنے کے لئے یہ رائے دی گئی ہے اور اس شبہہ کا مانع وصول برکات ہونا
ظاہر ہے تو شیخ کو ایسے امر مانع کا سبب بننا مناسب نہیں بلکہ اگر کوئی دوسری
تجارت کرے تو اپنے زیر اثر لوگوں سے معاملہ نہ کرے۔

(۲) الحدیث : مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ اَنْ يُّصْلِحَ مَعِيْشَتَهٗ وَلَيْسَ مِنْ
حُبِّ الدُّنْيَا طَلَبُ مَا يُصْلِحُكَ (آدمی کی خوش فہمی کی بات ہے کہ اپنے
معاش (اور گذر بسر) کا مناسب انتظام کرے اور جو چیز تمھارے مصلحت (اور
معاش کی درستگی) کی ہو اسکو طلب کرنا حُبِّ دنیا میں داخل نہیں)

فرمایا اس حدیث سے ان لوگوں کا جہل ظاہر ہوگیا جو اعتراض اہل اللہ پر
کرتے ہیں کہ درویش ہو کر تجارت کیوں کرتے ہیں یا جائداد کیوں خریدتے ہیں یا
ملازمت کیوں کرتے ہیں۔

(۳) الحدیث : مَنْ اَتٰى فِرَاشَهٗ وَهُوَ يَنْوِيْ اَنْ يَّقُوْمَ يُصَلِّيْ مِنَ
اللَّيْلِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهٗ حَتّٰى يُصْبِحَ كُتِبَ لَهٗ مَا نَوٰى وَكَانَ نَوْمُهٗ صَدَقَةً عَلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ
(یعنی جو شخص سونے کے لئے اپنے بستر پر آنے کے وقت یہ نیت
رکھے کہ بیدار ہو کر رات کی نماز پڑھوں گا پھر صبح تک اسکی آنکھ لگ گئی تو

اسکے لئے اسکی نیت کئے ہوئے عمل کا (یعنی صلوٰۃ اللیل اور تہجد کا) اجر لکھ لیا جاوےگا اور اسکا وہ سونا اسکے رب کی طرف سے اسپر انعام ہوگا) فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی معذوری کے ناغہ پر زیادہ قلق نہ کرے کیونکہ اصل مقصود یعنی ثواب سے محرومی نہیں ہوئی، اور یہی مذاق ہے محققین کا اور عام سالکین حد سے زیادہ پریشان ہوجاتے ہیں جو ظاہراً علامت ہے حب دین کی جو نافع ہے لیکن یہ پریشانی مُفرط (حد سے زیادہ) اپنے اثر کے اعتبار سے مضر ہوتی ہے کہ قلب میں ضعف ہوکر تعطل اعمال کی طرف مفضی ہوجاتی ہے

(۴) الحدیث: مَنْ اَتَتْهُ هَدِيَّةٌ وَعِنْدَهٗ قَوْمٌ جُلُوْسٌ فَهُمْ شُرَكَاءُهٗ فِيْهَا (یعنی جس شخص کے پاس ہدیہ آوے اور اس کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوں تو وہ سب اس ہدیہ میں اسکے شریک ہیں) فرمایا کہ قواعد شرعیہ حدیث کو اطلاق ظاہری پر محمول کرنے سے مانع ہیں کیونکہ تملک تابع ہے تملیک کے اور تملیک تابع ہے نیت کے اور اپنی مملوک چیز بلا سابقہ وجوب کے کسی کو دینا تبرع ہے اور تبرع میں لزوم نہیں ہوتا پس حدیث یا تو محمول ہے مکارم اخلاق پر جیسا بعض اہل طریق کا معمول ہے جو اہل وعیال نہیں رکھتے کیونکہ صاحب عیال پر مقدم حق عیال کا ہے پھر فاضل سے دوسروں کو نفع پہونچانا چاہیئے اور مقید ہے اس صورت کے ساتھ کہ قرائن سے معلوم ہوجاوے کہ مُہدی (ہدیہ دینے والے) کا مقصود سب کو دینا ہے مگر ادب کے سبب صدر مجلس کے روبرو پیش کردیا ہے کہ وہ اپنے انتظام سے سب کو تقسیم کردے جیسے اکثر اہل تمدن کی عادت غالبہ ہے باقی اگر قرائن سے خاص شخص کو مالک بنانا مقصود معلوم ہو تو پھر جلساء (ہمنشینوں) کو شریک کرنا واجب نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملوک نے ہدایا بھیجے کہیں منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلساء کو شریک فرمایا ہو۔

(۵) مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَاشَ قَوِيًّا وَسَارَ اٰمِنًا فِيْ بِلَادِهٖ (یعنی جو شخص

اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ قوی رہ کر زندہ رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ملک میں بے فکری سے چلتا پھرتا ہے/ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اپنے دشمن کے ملک میں بے فکر پھرتا ہے۔ فرمایا کہ جس کا دل چاہے مشاہدہ کرلے کہ اہل اللہ پر کسی کی ہیبت نہیں ہوتی جس سے وہ پریشان ہو جائیں اور انکی ہیبت سب پر ہوتی ہے۔ الا العارض نادر۔

(۶) الحدیث: مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ یُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ (یعنی جو شخص کسی کا علاج کرے اور اسکی طب کا (ماہرین کو) علم نہ ہو تو اس پر ضمان لازم ہے) (اگر کوئی غلطی ہو جائے تو آخرت میں معصیت کے سبب) فرمایا کہ اشتراک علت سے یہی حکم ہے اس شخص کا جو طب روحانی نہ جانتا ہو اور پھر منصب مشیخت کا مدعی بنکر طالبین کی رہزنی کرنے لگے بلکہ یہ زیادہ قابل شناعت ہے کیونکہ طبیب جاہل صرف جان یا ابدان میں تصرف کرتا ہے اور یہ پیر جاہل ایمان وادیان میں تصرف کرتا ہے فَاَیْنَ هٰذَا مِنْ ذَالِكَ (پھر بھلا اس سے اُسکا کیا مقابلہ)

(۷) فرمایا کہ حدیث میں ہے مَنْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ فَلْيَكُنْ اَمْرُهٗ بِمَعْرُوْفٍ یعنی جو شخص کسی کو کسی اچھی بات کی نصیحت کرے سو اسکی نصیحت اچھے طریق سے (یعنی نرمی و خیر خواہی کے ساتھ) ہونا چاہیے۔

(۸) فرمایا کہ حدیث میں ہے مَنْ تَبَتَّلَ فَلَيْسَ مِنَّا (یعنی جو شخص نکاح نہ کرے (باوجود تقاضائے نفس اور قدرت کے) وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے (کیونکہ یہ طریقہ نصاریٰ کا ہے کہ وہ نفس نکاح کو وصول الی اللہ سے مانع سمجھکر اسکے ترک کو عبادت سمجھتے ہیں) پھر فرمایا کہ یہاں سے ان صوفیوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو اسی بنا پر بے نکاح رہتے ہیں، باقی اگر کسی کو عذر بدنی یا مالی یا دینی ہو وہ مستثنیٰ ہے۔ بدنی و مالی تو ظاہر ہے دینی یہ کہ نکاح کے بعد ضعف ہمت کے سبب دین

کی حفاظت نہ کر سکے گا۔

(۲۲۰) فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھکو امور تکوینیہ کے مصالح سے مناسبت ہی نہیں، قلب کی یہ کیفیت ہے کہ جب تک اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر رہتا ہے طبیعت خوش رہتی ہے اور جہاں دنیوی قصے شروع ہوئے مجھے وحشت شروع ہوئی، اسکی وجہ بھی آج ہی قلب میں آئی وہ وجہ یہ ہے کہ میں ایک مجذوب کی دعا سے پیدا ہوا ہوں یہ سبب ہے اس حالت کا اور ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ مجھکو بکھیڑوں سے الجھن ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ ہر بات صاف ہو خود بھی اسکا اہتمام رکھتا ہوں اور دوسروں سے بھی یہی چاہتا ہوں مگر لوگوں کو اسکی عادت ہی نہیں ہر بات کے الجھانے ہی میں مزہ آتا ہے یہی وجہ ہے لوگوں سے لڑائی کی اور بدنامی کی کہ سخت ہے، یہ سختی ہے کہ بات صاف کہو، معاملہ صاف رکھو تاکہ نہ تمکو تکلیف ہو نہ دوسرے کو۔ یہ حاصل ہے میری تعلیم کا۔

ف: اس ملفوظ سے اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، دنیا سے نفرت، معاملہ کی صفائی صاف ظاہر ہے

(۲۲۱) فرمایا کہ میں سفارش نہیں کیا کرتا ہاں واقعات لکھا کرتا ہوں تاکہ نہ تو جبر کا اثر ہو اور نہ ذلت کا اثر ہو۔ الحمد للہ شریعت کی، عقل کی، غیرت کی، حیا کی، مخاطب کی سب کی رعایت رکھتا ہوں۔ چنانچہ مدرسہ نانوتہ کا مستقل چندہ جو ریاست بھوپال سے آتا تھا جب اسکے بند ہو جانے کی خبر پر کارکنان مدرسہ کی درخواست پر جو سفارش لکھی ہے وہ حسب ذیل ہے:-

"بعد الحمد للہ والصلوٰۃ احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ سے کارکنان مدرسہ ہذا نے توثیق کے لئے تصدیق کی درخواست کی چونکہ مدت طویلہ

سے میرا سفر متروک ہے اسلئے بجائے مشاہدہ کے روایات ثقات کی بنا، پر جس کو میرا قلب بھی قبول کرتا ہے مضمون ہذا کی تصدیق کرتا ہوں اور بجائے عادت متعارفہ سفارش کے تعلیم دینی کی اعانت کے فضائل کی تذکیر کرتا ہوں اور بعد توثیق و تذکیر کے دعار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس درخواست میں کامیابی عطا فرمائے۔

(۲۲۲) ایک رسالہ آیا اس میں مجتہدانہ رنگ سے قریب قریب تعدد جمعہ کا عدم جواز ثابت کیا گیا تھا اس پر تقریظ کی درخواست تھی حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا

" مولانا المحترم دامت فیوضہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ رسالہ بالاستیعاب دیکھنے کی تو فرصت تو نہیں ملی نہ آئندہ توقع تھی، معمولات یومیہ ہی میں صعوبت ہونے لگی ہے ۔ کہیں کہیں سے دیکھا چونکہ رسالہ مجتہدانہ رنگ میں لکھا گیا ہے جس میں مجھ جیسا مقلدین کا بھی مقلد شخص حرف زنی نہیں کرسکتا اس لئے رائے قائم کرنے سے معذور رہا ۔ بجائے رائے قائم کرنے کے دعار کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ صواب کو قبول فرماوے اور خطا کو عفو فرماوے ۔ میں بھی دعار کا طالب اور محتاج ہوں ۔ والسلام

اشرف علی عفی عنہٗ ۱۵ رجب ۱۳۵۱ھ

ف : اس تقریظ سے حضرت والا کا انکسار و تواضع وعبدیت اور لایعنی مباحثہ سے سخت حذر اظہر من الشمس ہے ۔

(جاری)

سیرت الصوفی

(۲)

سو وہ حضرات اس حیثیت سے اپنے نفس کی قدر کرتے ہیں کہ وہ اس نفس کو سرکاری چیز سمجھتے ہیں اور اسی طرح ہاتھ پاؤں اور دماغ یہ سب سرکاری مشینیں ہیں جنکو ہمارے سپرد کیا گیا ہے اگر ہم اپنی بے اعتدالی سے انکو بگاڑیں گے تو خود مورد عتاب مستوجب عذاب بنیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے کہ اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا (بیشک تمھارے نفس کا تم پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمھاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے) اگر اپنے دل، دماغ، آنکھ کی حفاظت اس نیت سے کریں کہ یہ ہمارے مولیٰ کی سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں ان کی عزت وحرمت، خدمت وحفاظت ہم پر بوجہ عبد وخادم ہونے کے ضروری ہے تو اس میں بھی ثواب ملے گا۔ یہی معنی ہیں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بیشک اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے) کے اور اس مرتبہ میں کہ ان اعضاء کو محبوب سے تعلق ہے، کسی نے کہا ہے

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است　افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(میں اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں جس نے تیرا جمال دیکھا ہے اپنے پاؤں پر پڑتا ہوں کیونکہ وہ تیرے کوچے میں پہونچا ہے

ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را　کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ہر وقت اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں کہ اسی نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے)

اور بعض کے کلام سے جو ان اشیاء کا اپنی طرف منسوب ہونا اور اس نسبت کے درجے میں ایسے اقوال صادر ہونا معلوم ہوتا ہے جیسے کہا گیا ہے ؎

بخدا کہ رشکم آید زدو چشم روشن خود ... کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

بخدا مجھے تو اپنی دونوں آنکھوں پر بھی رشک آتا ہے کہ تجھ جیسے محبوب کے پاکیزہ چہرے کے دیکھنے کا اسے شرف حاصل ہے) تو یہ ہے غلبہ حال کا ورنہ اہل مقام کی تحقیق تو وہی ہے۔

درود شریف کی فضیلت

حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے کہا کہ جب آپ کو دولت وصول میسر ہو چکی ہے تو اب کیوں تسبیح رکھتے ہیں ؟ تو آپ نے کیا لطیف جواب دیا کہ میاں جس کی بدولت ہم کو یہ دولت ملی کیا اب اسی رفیق کو چھوڑ دیں ہرگز نہیں ، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کیلئے گھوڑا پالتا ہے تو اس گھوڑے کا بول و براز بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ میزان اعمال میں اسکے اندازے کے موافق اعمال رکھے جائیں گے اور ان پر ثواب ملے گا۔ یہ سب برکت نسبت الی اللہ کی ہے اور ایسی خسیس اشیاء کے حسنات میں شمار ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص مصری خریدے جو تنکا مصری میں ہوگا وہ بھی مصری کے بھاؤ ملے گا اور دعا کے اول اور آخر درود شریف پڑھنے کی یہی حکمت ہے کہ درود شریف کو تو بہر حال اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول کریں گے اور یہ انکے کرم سے بعید ہے کہ اول و آخر کو قبول کرلیں اور بیچ والی لپیٹی ہوئی چیز کو رد کردیں اور درود شریف ضرور قبول ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول و محبوب

ہیں آپ پر بے کسی کی درخواست کے بھی رحمت فرماتے ہیں سو جب کسی نے آپ پر رحمت کرنے کی درخواست کی تو یہ گویا اس شخص کی خیر خواہی ظاہر ہوئی جس سے یہ بھی مقبول ہو گیا، اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ہر عید پر اپنے لڑکے کو کچھ انعام دیا کرتا ہے تو وہ تو دے ہی گا اگر کسی شخص نے اسکو انعام دینے کی نسبت کہہ بھی دیا تو وہ شخص اس کہنے کی وجہ سے اس کہنے والے پر بھی مہربان ہو جائیگا اور یہ سمجھے گا کہ اسکو ہمارے لڑکے سے محبت ہے۔ اس لئے درود شریف ضرور قبول ہوتا ہے اور طفیل میں یہ شخص بھی، جب درود شریف قبول ہو گا تو دعا رجو اسکے ساتھ ہے وہ بھی ضرور قبول ہوگی اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسے کھانڈ کے چنے کہ اندر چنا ہوتا ہے اور پر کھانڈ لپٹی ہوئی ہوتی ہے اس مٹھائی کے سبب وہ چنے بھی مٹھائی کے حساب میں بکتے ہیں کیونکہ اس پر کھانڈ لپٹی ہوئی ہے اس واسطے وہ اسی کے حکم میں ہو گئی، اسی طرح وہ دعا بھی گویا درود شریف کے حکم میں ہو گئی یا جیسے پتے مٹھائی کے ساتھ جاتے ہیں اور پھر کوئی انکو واپس نہیں کرتا اور یہی راز اور حکمت ہے نماز میں جماعت کی کیونکہ ؎ بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم۔

جماعت کی فضیلت

جماعت میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں انکی نماز غالباً قبول ہوگی اور بروں کی نماز بھی چونکہ نیکوں کے ساتھ ہے اس واسطے وہ بھی قبول ہو جائیگی اسکی ایک فقہی نظیر ہے وہ یہ کہ اگر متعدد اشیاء ایک سودے سے خریدی جائیں تو یا سب واپس کی جاتی ہیں یا سب رکھی جاتی ہیں اور جو ہر ایک کا الگ الگ سودا ہوتا ہے تو معیب (عیب دار) کو واپس کر سکتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ بھی بندوں سے یہی معاملہ کرتا ہے اسی لئے جماعت مشروع فرمائی کیونکہ یہ تو مستبعد ہے کہ سب کی نمازیں واپس فرمائیں تو سب ہی قبول

[illegible]

فرمالیں گے البتہ اس میں ایک شبہ رہ گیا کہ جماعت تو صرف فرضوں کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو اس جماعت کے ذریعہ سے قبول ہوگئی مگر سنتیں باقی رہ گئیں اسکا جواب یہ ہے کہ تابع ہمیشہ اپنے متبوع کے حکم میں ہوا کرتا ہے سنتیں تابع ہیں فرضوں کی وہ بھی فرضوں کے ساتھ قبول ہو جائینگی جیسے کوئی شخص گائے بھینس خریدے تو اسکے رستے وغیرہ بھی گو وہ کیسے ہی بوسیدہ ہوں لے لیتا ہے۔ غرض انضمام اور اقتران کے یہ فوائد ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اعمال دنیویہ میں بھی نیت خیر رکھے گا تو اسکو ضرور ثواب ملیگا

نیت کی اہمیت

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی اپنے مرید کے گھر گئے وہاں انکے گھر روشندان دیکھا پوچھا کیوں کھا اس نے جواب دیا روشنی کے واسطے، انھوں نے فرمایا کہ روشنی تو بدون نیت کے بھی آتی ہے اگر اس کے رکھنے میں یہ نیت کرلیتا کہ اس میں سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو تجھے اسکا ثواب ملتا رہتا اور روشنی تو خود آہی جاتی۔ مطلب یہ کہ نیت صالحہ رکھنے سے سب اعمال دنیوی بھی قابلِ ثواب بن جاتے ہیں، پس ایسی دنیا منافیٔ دین نہیں تو ایسا دنیا دار بھی دیندار ہی ہے۔

اور پہلے معنی کر دنیا دار کوئی مسلمان نہیں تو سب مسلمان دیندار ہی ہوئے اور دو قسمیں بنکر کوئی فرق نہیں ہوا یہ دین دار اور دنیا دار کا فرق بوجہ جہل بالاحکام کے ہم نے تراش لیا ہے اور جب فرق نہ ہوا تو کیا وجہ ہے کہ دستور العمل الگ الگ رکھا جائے یہ بات جدا رہی کہ حالتِ عذر و ضرورت میں کسی کے لیے کچھ تخفیف کردی جائے سو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دستور العمل ہر ایک کے واسطے الگ الگ تجویز کیا جائے دستور العمل تو ایک ہی رہے گا مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ سمجھے جائیں گے بس یہ تو طے ہوچکا ہے کہ دستور العمل سب کا ایک ہے مگر عوام کا ایک شبہ اور وسوسہ اور رہ گیا کہ شاید اس دستور العمل کا نفع مشروط ہو فہم کے ساتھ

در وہ مخصوص ہے خواص کے ساتھ تو ہم کو اس پر چلنے سے کچھ نفع نہ ہوگا سو یہ خیال اور عذر بھی درست نہیں کیونکہ نفع ان اعمال کا علیٰ حسب استعداد سب کو ہوتا ہے جیسے متنجن کھانے سے اس شخص کو لذت ہوگی جو اس کی حقیقت اور اجزاء سے واقف ہے اور ماہر ہے ایسے ہی وہ شخص بھی متلذذ ہوگا جو متنجن کی حقیقت سے بالکل واقف نہ ہو اور اسی طرح اسکا نفع قوت وغیرہ بھی جس طرح ان پہلے شخص کو ہوا ہے اسی طرح اسکو بھی حاصل ہوگا ایسا ہی خیال کرنا چاہئے کہ اعمال حسنہ کے نفس نفع منافع اور برکات سب کیلئے عام ہیں ۔ ع ۔ ادیم زمیں سفرۂ عام اوست (تمام روئے زمین اسکا عام دسترخوان ہے)۔ البتہ خواص کے لئے بوجہ زیادہ فہم کے ایک خاص زائد لذت ہوگی اور آخرت میں بھی اسکا ثواب اصل عمل کے ثواب پر زائد ملیگا مگر اصل مقصود میں عوام و خواص سب برابر کے شریک ہیں ۔

مزمل کی تفسیر اب وہ دستورالعمل بیان کیا جاتا ہے ۔ اتفاق سے وہ ضروری ہدایات جو اس مبحث کے مناسب ہیں ان آیات میں پورے طور پر جمع ہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یَآ اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ الآیۃ (اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کیجئے مگر ہاں تھوڑی سی رات یعنی آدھی رات (کہ اس میں قیام نہ کیجئے، آرام کیجئے) یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دیجئے یا نصف سے کچھ بڑھا دیجئے) ہر چند کہ یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم اسکا امت کو بھی شامل ہے ۔ اور مزمل کے معنی ہیں چادر اوڑھنے والا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی تکذیب سے بہت تکلیف ہوئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو چاہتے تھے کہ یہ کمبخت ایمان لائیں تاکہ نار جہنم سے چھوٹ جائیں اور وہ لوگ ایمان تو کیا لاتے الٹی تکذیب پر کمر باندھ رکھی تھی اور آیات الٰہی سے تمسخر

اور مقابلہ کیا کرتے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شدت غم و رنج و حزن و ملال کے چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے تھے اس لئے خاص اس حالت کے اعتبار سے یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ندا و خطاب میں فرمایا گیا تاکہ آنحضرت کو ایک گونہ تسلی ہو اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص ہجوم اعدا اور انکے طعن و تشنیع سے پریشان ہو رہا ہو اسوقت اسکا محبوب خاص اسی حالت کے عنوان سے اس کو پکارے جس کے ساتھ اسکا تلبس ہے دیکھئے اس شخص کو کتنی تسلی ہوگی اور اس لفظ کی لذت اسکو کتنی معلوم ہوگی جسکی ایک وجہ یہ خیال کلی ہوتا ہے کہ محبوب کو میرے حال پر نظر ہے ایسا ہی یہاں کلی یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے عنوان سے جو کہ مناسب وقت ہے ندا دیکر آنحضرت کو تسکین دی گئی ہے اور بعد اسکے بعض اعمال کا حکم دیا جاتا ہے اور ان بعض عارضی احوال پر صبر کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (آپ انکی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے) ——— اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی شخص کا محبوب اس کو یہ کہے کہ میاں تم ہم سے باتیں کرو ہم کو دیکھو دشمنوں کو بکنے دو جو بکتے ہیں آؤ تم ہم سے باتیں کرو وہ کام کرو۔ اور آنحضرت کو تو ایسا تسلیہ بذریعہ وحی کے ہوا مگر امت میں اہل اللہ کو اس قسم کے خطابات وغیرہ بذریعہ الہام اور واردات کے ہوتے ہیں اور اس پر لفظ مزمل کی تفسیر سے ایک مسئلہ نکلتا ہے وہ یہ کہ سابقاً معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اوڑھنے کی وجہ شدت ملال و حزن تھی اس سے ثابت ہوا کہ کامل با وجود کمال کے لوازم بشریت سے نہیں نکلتا جیسا یہاں پر بوجہ تکذیب مخالفین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مغموم ہونا معلوم ہوتا ہے یہاں اتنا فرق ہے کہ ہم لوگوں کا غم ایسے مواقع پر بوجہ تنگ دلی

ضعف تحمل کے ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم بوجہ غایت شفقت اور رحم کے تھا آپ اس پر مغموم تھے کہ اگر یہ لوگ ایمان پر نہ آئیں گے تو جہنم میں جائیں گے اس وجہ سے ان پر رحم آتا تھا اور غم پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ الخ (سو شاید آپ انکے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دیدیں گے)

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(اللہ والوں کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو، دیکھو اگرچہ لکھنے میں شیر و شیر ایک سے ہیں (لیکن دونوں میں کتنا فرق ہے ایک آدمی کو کھاتا ہے اور دوسرے کو آدمی خود کھاتا ہے)

حقوق کی رعایت مگر یہ بات ثابت ہے کہ کامل باوجود کمال عرفان کے لوازم طبعی سے نہیں نکلتا اور یہی ہونا بھی چاہیئے کیونکہ اگر کسی کو اذیت و مصیبت میں تکلیف جو لازمۂ طبعی ہے محسوس نہ ہو تو صبر کیسے متحقق ہوگا کیونکہ صبر تو نام ہے ناگوار چیز پر ضبط نفس کرنے کا اور جب کسی کو کوئی چیز ناگوار ہی معلوم نہ ہو تو ضبط کیا کرے گا البتہ غلبۂ حال میں محسوس نہ ہونا اور بات ہے لیکن غلبۂ حال خود کوئی کمال کی چیز نہیں۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ بیٹے کے مرنے کی خبر سنی تو قہقہہ لگا کر ہنسے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بیٹے حضرت ابراہیمؑ پر آنسو بہانا ثابت ہے اور یہ فرمانا کہ اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے بہت غمگین ہیں) اب اگر ظاہر میں کسی شخص کے سامنے یہ دونوں قصے بیان کر دیئے جائیں اور یہ نہ ظاہر کیا جائے کہ یہ قصہ کس کا ہے اور وہ کس کا تو ظاہر بات ہے کہ یہ شخص پہلے بزرگ کو جنہوں نے قہقہہ لگایا زیادہ باکمال سمجھے گا حالانکہ یہ مسئلہ

مسلم اور بدیہی ہے کہ ولی کسی حال میں نبی سے نہیں بڑھ سکتا اور یہ بھی مسلم ہے کہ اولیاء کے کمالات انبیاء کے کمالات سے مستفاد ہیں، سو در اصل ان دونوں قصوں کی حقیقت یہ ہے کہ اس ولی کی نظر صرف حقوق حق پر تھی حقوقِ عباد و اولاد کی اہمیت اسکے قلب سے مستور تھی اس واسطے حقوقِ عباد کا اثر ظاہر نہیں ہوا (جو ترحم کی وجہ سے غم پیدا ہوتا ہے) اور آنحضرت کی نظر دونوں حقوق پر تھی حقوق حق پر بھی اور حقوق عباد پر بھی، اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت سے تو صبر کیا جزع فزع نہیں کیا اور حقوق عباد یعنی تَرَحُّم عَلَى الْاَولاد کی (اولاد پر شفقت ورحمت) وجہ سے آنسو جاری ہوئے سخت دلی نہیں کی اِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ (بیشک اللہ تعالےٰ اپنے رحم اور مہربانی کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے) اسکی ایک مثال ہے مثلاً آئینہ کے دیکھنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو ضرورت سے خریداری وغیرہ کیلئے صرف آئینہ کو دیکھتے ہیں اسکی موٹائی، چوڑائی، شفافیت پر پر انکی نظر ہوتی ہے یہ مثال ہے محجوبین غافلین اہل صورت کی اور ایک وہ کہ صرف اس چیز کو دیکھتے ہیں جو کہ آئینہ میں منعکس ہوتی ہے اور آئینہ کو نہیں دیکھتے یہ مثال ہے غیر کاملین مغلوب الحال لوگوں کی یہ غلبۂ حال سے مظہر کو نہیں دیکھتے صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اور ایک وہ جو آئینہ اور صورت منعکسہ دونوں کو دیکھتے ہیں اور دونوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں اسکو جمع الجمع کہتے ہیں یہ شان ہے انبیاء علیہم السلام اور عارفین کاملین کی کہ حقوق حق کی رعایت کے ساتھ حقوق عباد کی رعایت بھی انکا نصب العین رہتی ہے یہ لوگ جامع ہیں۔ ؎

بر کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ۔ ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا نازک جام ہو اور دوسرے ہاتھ میں عشق کا سندان ہر مدعی اور ہوسناک ان دونوں سے کھیلنا نہیں جانتا)

ایسی باریکیوں کو سمجھنے کے واسطے بڑی فہم کی ضرورت ہے ورنہ ظاہر میں تو ناگوار نہ گذرنا زیادہ کمال معلوم ہوتا ہے بہ نسبت ناگوار گذرنے کے ۔

(جاری)

بیوی کے حقوق اور اسکی حیثیت

(۲)

قرآن کریم صرف اصول بیان کرتا ہے

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک بات عرض کردوں کہ قرآن کریم میں آپ یہ دیکھیں گے کہ عام طور پر قرآن کریم موٹے موٹے اصول بیان کر دیتا ہے تفصیلات اور جزئیات میں نہیں جاتا انھیں بیان نہیں کرتا یہاں تک کہ نماز جیسا اہم رکن جو دین کا ستون ہے جس کے بارے میں قرآن کریم نے تہتر مقامات پر حکم دیا کہ نماز قائم کرو لیکن نماز کیسے پڑھی جاتی ہے اسکا طریقہ کیا ہوتا ہے؟ اسکی رکعتیں کتنی ہوتی ہیں؟ اور کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتی؟ یہ تفصیلات قرآن کریم نے بیان نہیں کیں یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر چھوڑ دیں، آپ نے اپنی سنت سے بیان فرمائیں اسی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی قرآن کریم میں کم و بیش اتنی ہی مرتبہ آیا ہے لیکن زکوٰۃ کا نصاب کیا ہوتا ہے؟ کس پر فرض ہوتی ہے؟ کتنی فرض ہوتی ہے؟ کن کن چیزوں پر فرض ہوتی ہے؟ یہ تفصیلات قرآن کریم نے بیان نہیں کیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر چھوڑ دیں معلوم ہوا کہ قرآن کریم عام طور پر اصول بیان کرتا ہے تفصیلی جزئیات میں نہیں جاتا

گھریلو زندگی پورے تمدن کی بنیاد ہے

لیکن مرد و عورت کے تعلقات خاندانی تعلقات ایسی چیز ہے کہ کہ قرآن کریم نے اسکے نازک نازک جزوی مسائل بھی صراحت کے ساتھ

بیان فرمائے ہیں ایک ایک چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور پھر بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تشریح فرمائی اسکی کیا وجہ ہے؟ وجہ اسکی یہ ہے کہ مرد و عورت کے جو تعلقات ہیں اور انسان کی جو گھریلو زندگی ہے یہ پورے تمدن کی بنیاد ہوتی ہے اور اس پر پورے تہذیب و تمدن کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر مرد و عورت کے تعلقات استوار ہیں، خوشگوار ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کر رہے ہیں تو اس سے گھر کا نظام درست ہوتا ہے اور گھر کا نظام درست ہونے سے اولاد درست ہوتی ہے اور اولاد کے درست ہونے سے معاشرہ سنورتا ہے اور اس پر پورے معاشرے کی عمارت کھڑی ہوتی ہے لیکن اگر گھر کا نظام خراب ہو اور میاں بیوی کے درمیان رات دن تو تو میں میں ہوتی ہو تو اس سے اولاد پر برا اثر پڑے گا اور اسکے نتیجہ میں جو قوم تیار ہوگی اس کے بارے میں آپ تصور کر سکتے ہیں کہ کسی شائستہ قوم کے افراد بن سکتے ہیں یا نہیں؟ اسواسطے اسکو "عائلی احکام" یعنی گھرداری کے احکام کہا جاتا ہے۔ اسلئے قرآن کریم نے ان تعلقات کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو کھلی بیان فرمایا ہے۔

عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہونے کا مطلب

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھی تشبیہ بیان فرمائی ہے اور یہ اتنی عجیب و غریب اور حکیمانہ تشبیہ ہے کہ ایسی تشبیہ ملنا مشکل ہے۔ فرمایا کہ "عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے" بعض لوگوں نے اسکی تشریح یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اسکے بعد حضرت حوا علیہا السلام کو انہی کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ اور بعض علماء نے اسکی دوسری تشریح یہ کی ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی تشبیہ دیتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ عورت کی مثال پسلی کی سی ہے کہ جس طرح پسلی دیکھنے میں ٹیڑھی معلوم

ہوتی ہے لیکن پسلی کا حسن اور اسکی صحت اسکے ٹیڑھا ہونے میں ہی ہے چنانچہ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ پسلی ٹیڑھی ہے اسکو سیدھا کردوں تو جب اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو وہ سیدھی تو نہیں ہوگی البتہ ٹوٹ جائیگی پھر وہ پسلی نہیں رہے گی اور اب دوبارہ پھر اسکو ٹیڑھا کرکے پلستر کے ذریعہ جوڑنا پڑے گا اسی طرح حدیث شریف میں عورت کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ اِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا اگر تم اسی پسلی کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ پسلی ٹوٹ جائیگی وَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيْهَا عِوَجٌ اور اگر اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اسکے ٹیڑھے ہونے کے باوجود فائدہ اٹھاؤ گے یہ بڑی عجیب وغریب اور حکیمانہ تشبیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ اسکی صحت ہی اسکے ٹیڑھے ہونے میں ہے اگر وہ سیدھی ہوگی تو وہ بیمار ہے صحیح نہیں ہے۔

یہ عورت کی مذمت کی بات نہیں ہے

بعض لوگ اس تشبیہ کو عورت کی مذمت میں استعمال کرتے ہیں کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے لہٰذا اسکی اصل ٹیڑھی ہے چنانچہ میرے پاس بہت سے لوگوں کے خطوط آتے ہیں جس میں کئی لوگ یہ لکھتے ہیں کہ یہ عورت ٹیڑھی پسلی کی مخلوق ہے گویا کہ اسکی مذمت اور برائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ہرگز منشا یہ نہیں ہے۔

عورت کا ٹیڑھا پن ایک فطری تقاضہ ہے

بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مرد کو کچھ اور اوصاف دے کر پیدا فرمایا ہے اور عورت کو کچھ اور اوصاف دے کر پیدا فرمایا، دونوں کی فطرت اور سرشت میں فرق ہے، سرشت میں فرق ہونے کی وجہ سے مرد عورت کے بارے میں یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ

یری طبیعت اور فطرت کے خلاف ہے حالانکہ عورت کا تمھاری طبیعت کے خلاف ہونا یہ کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ یہ انکی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو۔ کوئی شخص پسلی کے بارے میں یہ کہے کہ پسلی کے اندر جو ٹیڑھا پن ہے وہ اسکے اندر عیب ہے، ظاہر ہے کہ وہ عیب نہیں ہے بلکہ اسکی فطرت کا تقاضا ہے کہ ٹیڑھی ہو، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر تمھیں عورت میں کوئی ایسی بات نظر آتی ہے جو تمھاری طبیعت کے خلاف ہو اور اسکی وجہ سے تم اسکو ٹیڑھا سمجھ رہے ہو تو اسکو اس بنا پر کنڈم نہ کرو بلکہ یہ سمجھو کہ اس کی فطرت کا مقتضی یہ ہے، اور اگر تم اسکو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائیگی اور اگر فائدہ اٹھانا چاہو گے تو ٹیڑھا ہونے کی حالت میں بھی فائدہ اٹھا سکو گے۔

غفلت عورت کے لئے حسن ہے

آج الٹا زمانہ آگیا ہے اس واسطے قدریں بدل گئی ہیں، خیالات بدل گئے، ورنہ بات یہ ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب ہے بسا اوقات وہ عورت کے حق میں حسن اور اچھائی ہوتی ہے۔ اگر ہم قرآن کریم کو غور سے پڑھیں تو قرآن کریم سے یہ بات نظر آجاتی ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی وہی چیز عورت کے بارے میں حسن قرار دی گئی اور اسکو نیکی اور اچھائی کی بات کہا گیا، مثلاً مرد کے حق میں یہ بات عیب ہے کہ وہ جاہل اور غافل ہو اور دنیا کی اسکو خبر نہو اسلئے کہ مرد پر اللہ تعالےٰ نے دنیا کے کاموں کی ذمہ داری رکھی ہے اسلئے اسکے پاس علم بھی ہونا چاہئے اور اس کو باخبر بھی ہونا چاہیئے اگر باخبر نہیں ہے بلکہ غافل ہے اور غفلت میں مبتلا ہے تو یہ مرد کے حق میں عیب ہے لیکن قرآن کریم نے غفلت کو عورت کے بارے میں حسن قرار دیا ہے چنانچہ سورۂ نور میں فرمایا

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

(سورۃ النور ۲۳)

"یعنی وہ لوگ جو ایسی مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں جو پاک دامن ہیں اور غافل ہیں یعنی دنیا سے بے خبر ہیں"

تو دنیا سے بے خبری کو ایک حسن کی صفت کے طور پر قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ عورت اگر دنیا کے کاموں سے بے خبر ہو اور اپنے فرائض کی حد تک واقف ہو اور دنیا کے معاملات اتنے نہ جانتی ہو تو وہ عورت کے حق میں عیب نہیں بلکہ وہ صفت حسن ہے جس کو قرآن کریم نے صفت حسن کے طور پر ذکر فرمایا۔

زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو

لہٰذا جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی وہ عورت کے حق میں عیب نہیں اور جو چیز مرد کے حق میں عیب نہیں تھی بعض اوقات وہ عورت کے حق میں عیب ہو لی ہے اسلئے اگر تمھیں انکے اندر کوئی ایسی چیز نظر آئے جو تمھارے لئے تو عیب ہے لیکن عورت کے لئے عیب نہیں تو اسکی وجہ سے عورت کے ساتھ برتاؤ میں خرابی نہ کرو اسلئے کہ پسلی سے ہونے کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے تمھاری طبیعت سے مختلف ہو تو اب اسکو زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو۔

سارے جھگڑوں کی جڑ

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور آپ سے زیادہ مرد و عورت کی نفسیات سے اور کون واقف ہو سکتا ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے جھگڑوں کی جڑ پکڑ لی کہ سارے جھگڑے صرف اس بنا پر ہوتے ہیں کہ مرد یہ چاہتا ہے کہ جیسا میں خود ہوں یہ بھی ویسی ہی بن جائے، تو بھائی یہ تو ویسی بننے سے رہی اگر ویسی بنانا چاہو گے تو ٹوٹ جائیگی اس لئے اس فکر کو تو چھوڑ دو اں

جو چیزیں اسکے حق میں اسکے حالات کے لحاظ سے اسکی فطرت اور سرشت کے لحاظ سے اسکے لئے عیب ہیں انکی اصلاح کی فکر کرو، اور انکی اصلاح کی فکر بھی مرد کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اگر تم یہ چاہو کہ وہ تمھارے مزاج اور طبیعت کے موافق ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا۔

اسکی کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی

اس باب کی دوسری حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہ عنہ قال قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا آخَرَ

(صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الوصیۃ بالنساء)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب و غریب اصول بیان فرمایا کہ کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بالکلیہ بغض نہ رکھے یعنی یہ نہ کرے اسکو بالکلیہ کنڈم قرار دیدے اور یہ کہے کہ اس میں تو کوئی اچھائی نہیں ہے اگر اسکی کوئی بات ناپسند ہے تو کوئی بات پسند بھی ہوگی۔

پہلا اصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ جب دو انسان ایک ایک ساتھ رہتے ہیں تو کوئی بات دوسرے کو اچھی لگتی ہے اور کوئی بری لگتی ہے، اگر کوئی بات بری لگ رہی ہے تو اسکی وجہ سے اسکو علی الاطلاق برا نہ سمجھو بلکہ اس وقت اسکے اچھے اوصاف کا استحضار کرو اس کے اندر آخر کوئی اچھائی بھی تو ہوگی، بس اس اچھائی کا استحضار کر کے اللہ تعالی کا شکر ادا کرو کہ یہ اچھائی تو اسکے اندر ہے اگر یہ عمل کروگے تو ہو سکتا ہے کہ اسکے اندر جو برائیاں ہیں تمھارے دل کے اندر اسکی اتنی زیادہ اہمیت باقی نہ رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدمی ناشکرا ہے اگر دو تین باتیں ناپسند ہوئیں اور بری لگیں بس انھیں کو لیکر بیٹھ گیا کہ اس میں تو یہ خرابی ہے اس میں تو وہ خرابی ہے اب اچھائی کی طرف دھیان نہیں۔ اس لئے ہر وقت روتا رہتا ہے اور ہر وقت اسکی برائیاں کرتا رہتا ہے اور اسکے نتیجہ میں اسکے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے۔

ہر چیز خیر و شر سے مخلوط ہے

دنیا کے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے اندر برائی نہ ہو اور اس میں کوئی نہ کوئی اچھائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ایسی بنائی ہے کہ اس میں ہر چیز کے اندر خیر و شر مخلوط ہے۔ کوئی چیز اس کائنات میں خیر مطلق نہیں اور کوئی شر مطلق نہیں، اس میں خیر و شر ملے جلے ہوتے ہیں کوئی کافر ہے، مشرک ہے یا کوئی برا انسان ہے اگر اسکے اندر بھی اچھائی تلاش کروگے تو کوئی نہ کوئی اچھائی ضرور مل جائے گی۔

انگریزی کی ایک کہاوت

انگریزی کی ایک کہاوت ہے۔ اور ہمارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "حکمت کی بات مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں وہ اسکو پائے لے لے" لہٰذا انگریزی کی کہاوت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضرور غلط ہی ہو۔ بات بڑی حکیمانہ ہے کسی نے کہا کہ "وہ گھنٹہ یا گھڑی جو بند ہو گئی ہو وہ بھی دن میں دو بار سچ بولتی ہے" مثلاً فرض کرو کہ بارہ بجکر پانچ منٹ پر گھڑی بند ہو گئی اب ظاہر ہے کہ ہر وقت تو وہ صحیح ٹائم نہیں بتائے گی بلکہ غلط بتائے گی لیکن دن میں دو مرتبہ ضرور صحیح ٹائم بتائے گی ایک دن میں بارہ بجکر پانچ منٹ پر اور ایک رات میں بارہ بجکر پانچ منٹ پر تو دو مرتبہ وہ ضرور سچ بولے گی۔

اچھائی تلاش کروگے تو مل جائیگی

کہاوت کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ چاہے کتنی بھی بیکار اور بری چیز ہو لیکن اگر اس میں اچھائی تلاش کروگے تو مل ہی جائیگی اسی طرح دنیا کے اندر کوئی چیز نہیں ہے جس کے اندر کوئی نہ کوئی اچھائی نہو۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ اقبال مرحوم کا ایک شعر بہت پڑھا کرتے تھے کہ ؎

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اپنی حکمت اور مشیت سے پیدا فرمائی ہے اگر غور کروگے تو ہر ایک کے اندر حکمت اور مصلحت نظر آئیگی لیکن ہوتا یہ ہے کہ آدمی صرف برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں کرتا اس وجہ سے وہ بددل ہوکر ظلم اور ناانصافی کا ارتکاب کرتا ہے۔

عورت کے اچھے وصف کیطرف نگاہ کرو

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا:-

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ○　(سورۃ النساء : ۱۹)

کہ اگر تمھیں وہ عورتیں پسند نہیں ہیں جو تمھارے نکاح میں آگئیں تو اگرچہ وہ تمھیں ناپسند ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت خیر رکھی ہو اسلئے حکم یہ ہے کہ عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو۔ اس سے تمھارے دل کو تسلی بھی ہوگی اور بدسلوکی کے راستے بھی بند ہونگے۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۰ - جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۷ء - جلد ۲۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

توسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D
Code No
0532

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسن منزل گنج - الہ آباد

ترتیب

خوشخبری

مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمۃ کے قلم سے نکلی ہوئی "حالات مصلح الامت رح" کا تیسرا حصہ کھلی منظر عام پر آگیا ہے اسکی اصل قیمت دو سو ساٹھ (۲۶۰) روپیہ ہے ممبران رسالہ کے لئے خصوصی رعایتی قیمت ایک سو پچاس (۱۵۰) روپیہ رکھی گئی ہے۔

پیش لفظ :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

لیجئے! پھر یہ غم انگیز خبر آئی کہ آسمان روحانیت کا ایک درخشندہ ستارہ، اللہ کا مقرب بندہ، اخلاص وللٰہیت، فنائیت وعبدیت کی سچی تصویر دنیا کے پردے سے غائب ہوگئی۔ یعنی عارف باللہ مولانا صدیق احمد (علیہ الرحمۃ) اس عالم رنگ و بو سے رحلت کرگئے اَلْعَيْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ آخرت کا سفر ناگزیر ہے، گورستان کے انکھیں سناٹوں میں بے یار و مددگار تن تنہا سب کو جانا ہے اور رہنا ہے۔ اگر کوئی ہستی اس ناگزیر قانون سے مستثنیٰ ہوتی تو یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی ؎

بہ گیتی گر کسے پائندہ بودے
ابوالقاسم محمد زندہ بودے

کون ہے جو مولانا مرحوم کی خبر وفات سے دم بخود نہ ہوا ہو۔ ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں پر چوٹ لگی، صرف مسلمان ہی نہیں ان سے عقیدت رکھنے والے غیر مسلموں کی آنکھیں بھی چھلک اٹھیں۔ نظریں اس سراپا کے لئے ترسیں گی، دل انھیں ڈھونڈیگا، سینہ میں ایک ہوک سی اٹھتی رہیگی، انکی محبت

شفقت کی شکایتیں خون کے آنسو رلائیں گی، انکی بے لوث خدمت، مخلصانہ روجہد کا تذکرہ ہوگا، پریشان حال مسلمانوں کی غمخواری و دلداری میں تکلیف و رام سے بے پروا شب و روز کی دوڑ دھوپ آنسو بنکر ٹپکیگی۔ مسجد و مدرسہ کے بام و در ہوں، صوفیا و علماء کی بزم ہو یا عوام و خواص کی مجلس و نشست، سب انھیں مدتوں یاد کریں گے اور رویا کریں گے بقول جگر مرحوم ؎

جان کر منجملۂ خاصانِ مے خانہ سبجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ سبجھے

مولانا مرحوم جس طرح زندگی میں 'وہ آئے بھی اور گئے بھی' کے مصداق تھے ان کے سفرِ آخرت میں بھی یہی شان نمایاں تھی وہی طرز اور وہی نمونہ یہاں بھی مشاہدہ میں آیا کہ باندہ میں رحلتِ آخرت سے ایک روز قبل دورانِ وضو فالج کا حملہ ہوا ابتدا اگرچہ معمولی تھی مگر بتدریج مرض نے سنگین نوعیت اختیار کر لی، حسب خواہش لکھنؤ سحر نرسنگ ہوم داخل کئے گئے اور اگلے روز ہی داعئ اجل کو لبیک کہا۔ جسد خاکی باندہ لایا گیا اور پھر خلق خدا دیوانہ وار اس فقیر بوریہ نشین کو رخصت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑی، محتاط اندازہ کے مطابق ڈیڑھ لاکھ انسانوں نے باچشم گریاں و قلبِ بریاں حضرت مرحوم کے جسدِ خاکی کو سپردِ خاک کیا۔ زبانیں اگرچہ خاموش تھیں مگر جذبات کے سمندر میں تلاطم تھا گویا زبان حال سے یہ کہا جا رہا تھا ؎

وَقَدْ اَوْحَشَتْ اَرْضُ الشَّامِ حَتّٰی سَلَبْتَ رُبُوعَهَا ثَوْبَ الْبَهَاءِ

آپ رخصت ہوئے اور یہاں کی زمین اور بہار کے مقامات سے گویا لباس روشن اتار لیا گیا۔

اللہ کے مخصوص بندوں کا آخری سفر بھی عجیب نرالی شان کا ہوتا ہے تاریخ میں تذکرہ نگاروں نے اولیاء امت کے آخری سفر کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے، بلاشبہ حضرت ممدوح کا جنازہ بھی انھیں جنازوں میں ایک تھا۔

وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

بعد ازیں مصلح الامۃ عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ بہرحال کسی شخص کا محبوب خلائق ہونا اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے جسے چاہے اسے نواز دے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اس دولت سے نوازا جاتا ہے، بلکہ انھوں نے محبوب خلائق بننے کی خواہش بھی کی ہے پھر حضرت والا علیہ الرحمہ نے بحوالہ موطا، امام مالکؒ حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث نقل فرمائی ہے کہ :-

انّ رسول اللہ قال اذا احبّ اللہ عبداً قال لجبریل علیہ السلام یاجبریل قد احببت فلاناً فاحبہٗ فیحبہ جبریل ثم ینادی فی اھل السّماءِ انّ اللہ قد احبّ فلاناً فاحبّوہٗ فیحبّہ اھل السماء ثم یضع لہٗ القبول فی الارض -- الخ

(وصیۃ العرفان ستمبر ۸۰ء)

(ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے (اسکے ایمان، صلاح وتقویٰ) کی وجہ سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ اے جبرئیل میں فلاں شخص سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو پس جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان والوں میں ندا کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے تم لوگ بھی اس سے محبت کرو یہ سنکر اہل آسمان بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اسکی یہ مقبولیت زمین پر اتر آتی ہے (حدیث و ترجمہ دونوں اختصار کے ساتھ ذکر کردیا گیا ہے تفصیل کے لئے مذکورہ شمارہ دیکھئے)

حضرت ممدوح بھی ان شاہبازوں میں سے تھے جو اپنی تواضع و مسکنت صلاح وتقویٰ، ضیافت وخوردنوازی، رواداری وحسن خلق میں

درجۂ کمال کو پہونچے ہوئے تھے۔ اللہ نے وہ شان محبوبیت عطا فرمائی کہ ایسی مقبولیت کم دیکھنے میں آئی۔ علم، روحانیت اور شرافت نسبی نے انکو دو آتشہ سے سہ آتشہ بنا دیا تھا انکی شمیم روحانیت میں وہ مقناطیسی کشش تھی کہ جہاں کہیں جس شہر و قریہ میں انکے آنے کی خبر گرم ہوتی اور وہ ہزار چھپ چھپا کر آتے مگر جیسے فضا و ہوا میں انکے انفاس عنبریں کی نکہت آمیز خوشبو پھوٹ پڑتی اور لوگ پروانہ وار اس شمع روحانی کے گرد نثار ہونے لگتے۔ عرب شاعر متنبی نے ہارون بن عبد العزیز اوراجی کی مدح میں جو کچھ کہا تھا حضرت ممدوح کے حق میں حرف بحرف صادق آتا ہے

قَلَقُ الْمَلِيحَةِ وَهِيَ مِسْكٌ هَتْكُهَا
وَمَسِيرُهَا فِي اللَّيْلِ وَهِيَ ذُكَاءُ

(یعنی میرے محبوب کے جسم میں ایسی خوشبو اور اسکے چہرے میں ایسی تابانی ہے کہ وہ کسی سے چھپائی نہیں جا سکتی ہر کسی کو اسکی آمد کی خبر ہو جاتی ہے)

موت اگر خاصان خدا کے لئے پیام وصل ہے تاہم فطری غم و الم، ہجر و فراق کے نشتر سے کون بچ سکتا ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین و متعلقین بالخصوص انکے اولاد و احفاد پر کیا کچھ گذر گئی ہوگی وہ تو وہی جانتے ہوں گے، اللہ رب العزت انکے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑے اور صبر و سکینت کی ٹھنڈک عطا فرمائے۔

ادارہ و بالخصوص والد ماجد حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب مدظلہ اس غم و الم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تربت پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کی بارش ہو اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا ہو۔

علم کی ضرورت

از افادات

مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا مرشدنا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

رسالہ ہٰذا کے متعلق مدیر صدقِ جدید کا

اظہارِ خیال

یہ ایک دینی وعلمی مقالہ ہے جو مولانا شاہ وصی اللہ صاحب (خلیفہ حضرت تھانویؒ) نے قومی لائبریری الہ آباد کے افتتاحی جلسہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ خلیفہ میں شیخ کا رنگ ہونا قدرتی سا ہے چنانچہ اس مقالہ سے مواعظ اشرفی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے علم سے مولانا کی مراد قدرۃً علم دین ہی سے ہے اور مقالہ دیندار حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لئے جانے کے قابل ہے البتہ اس کے صفحہ ۱۲ پر اس شعر

علم رسمی سربسر قیل است وقال
نے از او کیفیتے حاصل نہ حال

کا جو انتساب حضرت رومیؒ کی طرف کیا گیا ہے یہاں مولانا کو تسامح ہوگیا ہے، شعر رومی کا نہیں شیخ بہاء الدین عاملی کی مثنوی نان وحلوا کا ہے۔

صدق جدید

۱۱ ر دسمبر ۱۹۵۹ء

علم کی ضرورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

میں اپنے مضمون کی ابتدا اس حدیث شریف سے کرتا ہوں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امراۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ (متفق علیہ)

ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جیسی اسکی نیت ہو چنانچہ جسکی ہجرت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہے تو اسکی ہجرت واقعی اللہ اور رسول ہی کی جانب ہے باقی جسکی ہجرت دنیا کے لئے ہے تاکہ وہ اسکو مل جائے یا کسی عورت کیلئے ہے جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کی ہجرت (اللہ و رسول کیطرف نہیں ہے بلکہ) اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے۔ (یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے)۔

قال اللہ تعالی قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ٥

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام اُغْدُ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ مُسْتَمِعًا اَوْ مُحِبًّا وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَةَ وَالْخَامِسَةُ اَنْ تُبْغِضَ الْعِلْمَ وَاَهْلَهٗ۔

حاضرین کرام! اس وقت میں نے آپکے سامنے قرآن حکیم کی ایک آیت یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد اور دو حدیثیں یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرمان پیش کئے ہیں

آیت کا ترجمہ یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ یہ فرما دیجئے کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے؟ یہ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ ہوا کہ اہل علم اور غیر اہل علم دونوں برابر نہیں ہیں۔

اور پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے علم سے مراد یہاں علم دین ہے۔

اور دوسری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ عالم ہو جاؤ یا متعلم بنو یا علم کی باتوں کے سننے والے رہو یا (کم از کم) اسکے محبین ہی میں سے ہو جاؤ اور پانچویں قسم مت ہونا اور وہ پانچویں قسم یہ ہے کہ علم اور اہل علم سے بغض وعداوت رکھنے والا ہو جائے۔

آیت اور احادیث کا ترجمہ سنکر آپنے یہ بھی معلوم کر لیا ہوگا کہ میرا موضوعِ کلام "علم" ہے یعنی اسوقت میں علم کی ضرورت اور اسکی فضیلت کو ایک نئے عنوان سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور چونکہ قاعدہ ہے کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ ہرنئی چیز مزیدار ہوتی ہے اس لئے امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات بھی اس سے محظوظ ہوں گے۔

علماء معقول فرماتے ہیں کہ علم کا مفہوم محتاج شرح و بیان نہیں ہے اسلئے کہ وہ نہایت ہی واضح بلکہ اجلیٰ بدیہات میں سے ہے جس سے نہ صرف عاقل انسان ہی بلکہ بُلہ اور صبیان یعنی بچے اور نادان سب ہی واقف ہیں لہذا جس طرح سے علم کا مفہوم بالکل واضح اور ظاہر ہے اسی طرح سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسکی فضیلت اور اسکے رتبہ اور مقام سے بھی شاید ہی کوئی ناواقف ہوگا کیونکہ علم ایک نور اور روشنی ہے، جہل ظلمت اور تاریکی ہے، نور کا ظلمت سے افضل ہونا اور روشنی کا تاریکی سے بہتر ہونا

ن نہیں جانتا؟

خیر علم کی یہ فضیلت تو آپ کی بارہا کی سنی سنائی ہوگی اسلئے میں اس وقت
ٓپ کے سامنے علم کی اہمیت کو ایک دوسرے ہی عنوان سے بیان کرتا
ں لیکن اس سے پہلے آپ کے سامنے ایک اور چیز بھی پیش کرنا چاہتا ہوں جس کو
ہیئے تو تمہید سمجھ لیجئے باقی آپ اس سے مانوس اور مالوف بھی ہیں اور اسکی
ث اس وقت دنیا کا ایک اہم ترین مسئلہ بھی بنا ہوا ہے اور وہ ہے مال علم
کے ساتھ مال کا جوڑ شاید آپ کو ناپسند ہو لیکن میں نے ایک ضرورت سے
مکو لیا ہے اسلئے آپ سے بھی اسکی اجازت چاہتا ہوں نیز یہ کہ عام طور پر تو یہی دیکھا
تا ہے کہ آج تحصیل علم کی واحد غرض حصول مال ہی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ
س علم کا مآل اور انجام مال ہوتا ہے اسکی جانب تو لوگوں کی توجہ زیادہ ہوتی ہے
ور جس علم سے مال نہیں ملتا چاہے اس سے مآل یعنی آخرت کیوں نہ درست
ور رضائے الٰہی کیوں نہ حاصل ہو اسکی جانب رغبت کم کیجاتی ہے۔

بہر حال اس دنیا میں دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں
ی چیزیں نہایت اہمیت رکھتی ہیں یعنی مال اور علم۔

مال کی دنیا میں کسقدر ضرورت ہے یہ تو اظہر من الشمس ہے کیوں کہ
نسان کے لئے مال قوام زندگی ہے اسکے بغیر دنیا کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی
ال اللہ تعالیٰ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا
اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دے دو جس کو اللہ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے
ور یہ اسلئے کہ ہمارا کھانا پینا، پہننا، مکان، اثاث البیت غرض کہ ہماری تمام ہی
ضروریاتِ زندگی کی تحصیل کا ذریعہ مال ہے۔ لہٰذا مال کی تو اس دنیا میں قدم قدم پر
ضرورت ہے اسکی ضرورت کا تو کوئی بھی منکر نہیں ہے نہ کوئی عالم اسکا انکار کرسکتا
ہے اور نہ کوئی جاہل اسکا منکر ہو سکتا ہے حتیٰ کہ دین و مذہب نے بھی اس کی
ضرورت کو تسلیم کیا ہے بلکہ اگر یہ کہدیا جائے کہ اسلام میں مال حاصل کرنے کی ترغیب

موجود ہے تو غلط نہو گا۔

یہاں میں چند روایات پیش کرتا ہوں جو میرے مدعا پر شاہد عدل ہیں طوالت کے خیال سے الفاظ حدیث نہیں بیان کرتا بلکہ صرف انکے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں

(۱) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوا بھیجا میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ کپڑے پہن کر اور ہتھیار سج کر آؤ میں نے تعمیل حکم کی اور پھر حاضر ہوا اسوقت آپ وضو فرما رہے تھے پہلے تو آپ نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر فرمایا کہ اے عمرو! میرا یہ خیال ہے کہ تمکو ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجوں تاکہ اللہ تعالیٰ تمھیں مال غنیمت عطا فرماویں اور خدا کرے تم صحیح وسالم رہو اور مجھے تمھارے لئے مال میں رغبت صالحہ ہے (یعنی میرا جی یہی چاہتا ہے کہ تمھارے پاس مال دیکھوں) حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مال کی خاطر تو مسلمان ہوا نہیں ہوں میں نے تو اسلام کی خاطر اسلام قبول کیا ہے اور اسلئے مسلمان ہوا ہوں کہ (دنیا و آخرت میں) آپ کی معیت مجھے نصیب رہے آپ نے فرمایا یَا عَمْرُو نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (یعنی اے عمرو انسان اگر نیک و صالح ہو اور مال بھی اسکو صالح و طیب ملے تو پھر صالح شخص کے لئے صالح (اور پاکیزہ) مال کیا ہی اچھی چیز ہے۔ دیکھئے اس میں مال حلال کی ترغیب موجود ہے

(۲) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مَنْ اَخَذَ بِحَقِّہٖ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَۃُ ھُوَ (یعنی جو شخص اس مال کو اسکے حق کے ساتھ لے یعنی جائز طریقوں سے اسکو حاصل کرے اور صحیح مصرف میں اسکو صرف کرے تو یہ ایک اچھا معین اور مددگار ہے۔

(۳) ایک اور حدیث سنئے! حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں دنیا کو جو متاع غرور (دھوکے کا سودا) فرمایا گیا ہے تو یہ جب ہے کہ یہ طلب آخرت سے انسان کو روک دے لیکن اگر یہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی جانب

داعی الی اللہ اور آخرت کا ذریعہ بنے تو پھر یہی نِعْمَ الْمَتَاعُ وَنِعْمَ الْوَسِیْلَۃُ بھی ہے یعنی نہایت ہی عمدہ برتنے کی چیز اور بہت ہی خوب وسیلہ ہے۔ (روح پ ۱۶ کف ۱۶)

آپ کے سامنے میں نے مال کی محمودیت کو احادیث سے ثابت کیا ہے بہت ممکن ہے کہ یہ بات بھی آپ کو نئی سی معلوم ہو اسلئے کہ دنیا اور مال کیلئے مشہور تو یہی ہے کہ دین میں انکی مطلقاً گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ یہ امور دین کے بالکل منافی ہیں میں نے اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے اس بحث کو کچھ طول بھی دیدیا ہے اگر اس علمی مجلس میں آپ کی معلومات میں بھی اضافہ ہو جائے تو اس میں آپکا حرج ہی کیا ہے۔

اب اسکے بعد یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آخر یہ غلط فہمی ہوئی کہاں سے؟ بات یہ ہے کہ دین کے پیش نظر مقصودیت کے درجہ میں تو صرف آخرت ہے اور دنیا کی حیثیت دین کی نظروں میں صرف وسیلہ کی سی ہے تو اگر کسی نے دنیا سے ایسا تعلق رکھا جو کہ دین کے لئے معین ہو تو اسوقت یہ دنیا بھی نِعْمَ الْمَعُوْنَۃُ اور نِعْمَ الْمَتَاعُ وَنِعْمَ الْوَسِیْلَۃُ اور نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ کا مصداق ہوگی لیکن اگر کسی نے دنیا کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اور آخرت سے دور کرنے والے طریق میں استعمال کیا تو بیشک اس دنیا کی تو مذمت ہی کی جائیگی اور اس سے احتراز کیا جائیگا جیسا کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ ھِیَ لَیِّنٌ مَسُّھَا قَاتِلٌ سَمُّھَا یعنی یہ دنیا ایسی ہے کہ اسکا مَس یعنی اسکا چھونا تو نرم ہے اور اسکا سَم یعنی زہر تو قاتل ہی ہے (مَسّ اور سَمّ کی لطافت ملاحظہ ہو)

اس میں تصریح ہے کہ مال اور دنیا میں دونوں ہی پہلو ہیں یعنی ایک حیثیت سے اگر یہ قابل مدح چیز ہے تو دوسرے اعتبار سے مستحق ذم بھی ہے لیکن ذم کا اصل منشاء اسکا سوءِ استعمال ہے لہٰذا تو نفس دنیا کوئی قابل مذمت اور نفرت کی چیز نہیں ہے۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ دنیا کی مذمت جو شریعت میں وارد ہے تو اسکے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ وہ صرف ضرورۃً ہی آئی ہے ورنہ تو ایک اچھی جگہ بھی ہے

ہے اس شخص کے لئے جو آئیں رہ کر اپنی آخرت کے لئے توشہ تیار کرے (روح ج ۵ ص ۱۰۷)

خیر یہ بحث تو درمیان میں آگئی تھی میں بیان یہ کر رہا تھا کہ مال کی اس دنیا میں کسقدر ضرورت ہے اور ہماری دنیوی زندگی میں اسکو کتنی اہمیت حاصل ہے جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو اب سمجھئے کہ ایک اور چیز بھی ہے جسکا درجہ اس سے بھی بڑھا ہوا ہے اور اسکی اہمیت مال سے کہیں زیادہ ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ مال کے لئے بمنزلۂ علت کے ہے تو بیجا نہ ہوگا سن لیجئے کہ وہ شئے علم ہے۔

علم اگر نہو تو انسان مال جیسی ضرورت کی چیز سے نفع ہی نہیں حاصل کرسکتا کیونکہ علم نہونے کی وجہ سے اول تو وہ اسکے اکتساب (اور حاصل کرنے) کے طریقوں ہی سے ناواقف رہے گا جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ مال کما ہی نہ سکیگا اور اس سے محروم رہے گا اور اگر کسی طرح سے اسکو مال مل بھی گیا اور یہ جاہل ہوا تو اس کی حفاظت اس کے لئے آسان نہ ہوگی کیونکہ اسکے لئے بھی علم درکار ہے لہٰذا انجام یہ ہوگا کہ حاصل شدہ مال اور جمع کیا ہوا خزانہ اسکی جہالت کی نذر ہوکر ضائع اور ہلاک ہوجائے گا۔

اسی طرح سے اگر مال بالفرض حاصل ہوا اور کسی طرح سے اسکی حفاظت بھی کرلی گئی لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مواقع استعمال، خرچ کی جگہ، حدودِ انفاق سے ناواقف رہا تو بھی مال ایسے شخص کے حق میں وبال ہی ثابت ہوگا کیونکہ دنیا میں بھی یہ شخص ساری عمر بدنظمی اور بدانتظامی کا شکار رہے گا اور آخرت میں بھی اس امانت کے ضیاع کی باز پرس اس سے الگ ہوگی۔

الغرض مال کیلئے اول بھی علم کی ضرورت ہے اور درمیان اور آخر میں بھی علم کی حاجت ہے اسی کو میں نے کہا تھا کہ علم مال کیلئے بمنزلہ علت کے ہے اور ان دونوں میں تعلق علت ومعلول کا ہے۔ علم علت ہے اور مال اسکا معلول ہے اور علت بھی ایسی کہ معلول وجود کے علاوہ اپنے بقاء و قیام میں بھی جسکا محتاج ہو کیونکہ تحصیل مال میں بھی علم کی ضرورت ہے اور اس کے تحفظ

اور استعمال میں بھی علم کی حاجت ہے اور جس منزل بھی آدمی علم سے عاری اور خالی ہوگا مال یا تو اسکا ساتھ چھوڑ دے گا یا اس پر وبال ہو جائے گا۔

یہاں پر ایک بات اور سن لیجئے! اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا فرمایا تو عام طور سے علتِ تخلیق " قدرت " کو سمجھا جاتا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ چونکہ قادر مطلق ہے اسلئے اپنی قدرت سے اس عالم کو وجود عطا فرمایا لیکن اربابِ نظر جانتے ہیں کہ قدرت سے بھی مقدم ایک اور چیز ہے جو منشا بنتی ہے استعمال قدرت کا اور وہ ہے حق تعالیٰ کا " علم " لہٰذا تخلیق کی علت قدرت بھی ہی مگر علم اس کے لئے بمنزلۂ عِلَّۃُ الْعِلَلْ کے ہے اسلئے اسکا مقام قدرت سے بھی اقدم ہے اسی طرح سے ممکنات میں دیکھئے کہ کوئی شخص کسی کو کھانے میں زہر دیدیتا ہے تو اس کھانے والے کو قدرت تو اسکی ہوتی ہے کہ اس کھانے ہی کو نہ کھائے لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے اپنی قدرت کا سوء استعمال ہو جاتا ہے۔

یہی حال مال کا بھی ہے کہ اگر آدمی میں علم نہیں ہے تو وہ مال کا بھی سوء استعمال کرے گا۔ یعنی اسکے آمد و خرچ کے مواقع اور طریقوں سے جب ناواقف ہوگا تو کبھی دوسروں پر ظلم کر کے اسکو حاصل کرے گا کبھی غیروں کی حق تلفی ہو جائیگی کبھی ناجائز ذرائع اختیار کرے گا اور کبھی بے محل اسکا استعمال کرے گا، اور یہ سب چیزیں خلق و خالق سب کے نزدیک مذموم ہیں۔

اسی طرح کبھی یہ بھی ہوگا کہ علم نہ ہونے کی وجہ سے مال کو اس کے مرتبے سے بڑھا دے گا مثلاً یہ کہ مال کی جگہ انسان کی جیب یا اسکا بکس ہے اور یہ اسکو اپنے دل میں رکھے گا جو کہ یقیناً حد سے تجاوز ہے۔ یا مثلاً عقل کے نزدیک اسکی حیثیت خادم اور غلام کی سی ہے اور یہ شخص اسکو اپنا تابع رکھنے کے بجائے اس کو اپنے اوپر حاکم بنا لے گا اور خود اسکا محکوم ہو جائے گا جو کہ صریح قلب موضوع ہے اور بالکل اسکا مصداق ہے کہ ؎

كَانَ مَمْلُوكِي فَأَضْحَى مَالِكِي ٭ إِنَّ هٰذَا مِنْ أَعَاجِيبِ الزَّمَنْ

"یعنی وہ تھا تو میرا مملوک اور غلام لیکن ہوگیا میرا مالک یہ بھی عجوبۂ روزگار میں سے ہے" اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے غلام پر عاشق ہوگیا۔ غلام کو اس امر کا احساس ہوا تو وہ نازو انداز کرنے لگا اور اسکو پریشان کرنے لگا اس پر اس شخص نے کہا کہ ؎

كَانَ مَمْلُوكِيْ فَأَضْحٰى مَالِكِيْ　　　اِنَّ هٰذَا مِنْ اَعَاجِيْبِ الزَّمَنْ

یعنی دیکھو تو سہی یہ ظالم میرا مملوک تھا میں اسکا مالک تھا، یہ میرا محکوم تھا میں اسکا حاکم تھا لیکن اب یہ میرا حاکم اور مالک ہوگیا ہے اور میں اسکا محکوم و مملوک ہوگیا ہوں یہ بھی کیسی عجیب بات ہے؟

اسی طرح مال بھی جو کہ تابع اور محکوم رکھنے کی چیز ہے انسان جب علم سے کورا ہوتا ہے تو اسے بھی اپنا حاکم بنا لیتا ہے اور خود اسکا تابع اور محکوم ہو جاتا ہے جیسا کہ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

جانتے ہیں آپ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ جہالت کا کرشمہ ہے آدمی جب کسی چیز کی حقیقی حدود اور اسکے صحیح مقام سے واقف ہوتا ہے تو پھر اس سے اس قسم کی بدعنوانیاں نہیں ہوتیں،

غرض کہ مال جس کی شان یہ ہے کہ وہ عقل تک کو سرگشتہ کر دیتا ہے اگر اسکی درستی اور اصلاح کسی چیز سے ہوسکتی ہے تو وہ یہی علم ہے مولانا رومؒ اسی مضمون کو مثنوی میں بیان فرماتے ہیں کہ ؎

زر خرد را والہ و شیدا کند　　　خاصہ مفلس را کہ خوش رسوا کند

"یعنی مال عقل کو سرگشتہ اور شیفتہ کر دیتا ہے اور خصوصاً مفلس کو کہ اسکی تو بری گت بناتا ہے" یعنی وہ بہت جلد حرص میں پھنس کر ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ؎

زر اگرچہ عقل می آرد ولیک　　　مرد عاقل باید اورا نیک نیک

" یعنی گو مال و زر عقل کو بھی بڑھاتا ہے مگر اس سے ہر شخص کی عقل نہیں بڑھتی بلکہ

اس کے لئے بڑے عاقل کی ضرورت ہے جو کہ مال کو اچھے موقع پر صرف کرے اور اپنے دین کا معین و خادم اسکو بنا سکے اور یہ بدون علم کے نہیں ہو سکتا دیکھئے اس سے کبھی معلوم ہوا کہ مال کا نفع گو از دیا دعقل ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو بدون علم کے میسر نہیں ہوتا۔

بس یہی بات میں اس وقت آپ سے کہنا چاہتا تھا کہ علم کی ضرورت اور اسکی فضیلت اسکی اہمیت اور اسکا مقام معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس نظر سے دیکھئے کہ آج کی دنیا میں مال کا جو درجہ ہے اور ہماری دنیوی زندگی میں اسکی جو حیثیت ہے ظاہر ہے تو اس مال کا حاصل کرنا، اس کا تحفظ اور بقا اور اسکا حسن استعمال کبھی علم ہی پر موقوف ہے۔ پھر جب علم اسقدر ضروری چیز (یعنی مال) کا موقوف علیہ اور علت ہوا تو خود اسکے مقام کا پوچھنا ہی کیا ہے

عقلی طور پر علم کا یہ مرتبہ جاننے کے بعد اب علم کا مقام دینی اعتبار سے کبھی ملاحظہ فرمائیے۔ دین میں دو چیزیں ہیں عبادت اور علم، آپ اس نا واقف نہ ہونگے کہ قرآن حکیم میں، جن اور انس کے پیدا کئے جانے کا مقصد ہی عبادت کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥ "ہم نے جن اور انس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں"، گویا دینی اعتبار یہ دنیا اور اس دنیا کی تمام چیزیں ہمارے جینے کے لئے ہیں اور جینا ہمارا عبادت کی خاطر ہے اِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاِنَّكُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ "دنیا تمھارے لئے پیدا کی گئی ہے لیکن تمھاری پیدائش آخرت کے لئے ہے" اسی مضمون کو حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

یعنی کھانا اور زندگی خدا کی یاد کرنے کے لئے ہے اور تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارا جینا صرف

کھانے کے لئے ہے

دیکھئے دینی حیثیت سے "عبادت" کا مقام کس قدر بلند ہے لیکن جہاں یہ بات وہیں یہ بھی ثابت ہے کہ "علم دین" کا مرتبہ عبادت سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ دیکھئے تخلیق عالم کے بعد خلافت آدمؑ کا مسئلہ قرآن شریف میں مذکور ہے اسکی تفصیلات ملاحظہ کرنے کے بعد اس امر میں ذرا پوشیدگی نہیں رہ جاتی کہ خلافت کے باب میں حضرت آدمؑ کی ملائکہ پر ترجیح کا باعث جو امر بنا وہ انکا علم ہی تھا چنانچہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ (اور آدم (علیہ السلام) کو نام سکھلا دیئے) میں تو تصریح ہی ہے کہ آدم کے علم ہی نے انکو مستحق خلافت ٹھہرایا یعنی صفت علم جو کہ قدرت پر بھی مقدم ہے، جب آدم علیہ السلام اس میں نائب حق ثابت ہو گئے تو پھر خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ (زمین میں اللہ کے نائب ہونے) کے بھی وہی اہل قرار دیئے گئے۔

علم کی فضیلت اور اس کا صحیح مقام بیان کرنے کے سلسلے میں جی چاہتا ہے کہ حضرت علامہ علی متقیؒ کا کلام آپ کے سامنے نقل کردوں جو متعدد فوائد اور بیشتر معلومات پر مشتمل ہے انکی عبارت عربی ہے میں یہاں صرف اسکا ترجمہ پیش کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ

"محققین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اعمال میں سب سے افضل عمل وہ ہے جو آخرت میں کام آئے جنہیں قرآن کریم میں "باقیات صالحات" سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور حدیث شریف میں سات چیزوں سے انھیں شمار کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں، تعلیم یعنی علم پڑھانا۔ نہر جاری کرنا۔ کنواں کھدوا دینا۔ کھجور کا درخت لگا دینا۔ مسجد تعمیر کرانا۔ قرآن شریف کسی کو دینا اور ولد صالح چھوڑ جانا۔ لیکن ان سب میں بڑھکر نشر علم ہے اسلئے کہ وہ باقی رہنے والی چیز ہے کیوں کہ درخت اور کنواں مثلاً کچھ مدت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں اور علم کا اثر تا قیام قیامت باقی رہتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ:-

پھر اس نشر علم کے بہت سے طریقے ہیں مثلاً کسی کو پڑھا دیا اور اس طرح سے سلسلہ بہ سلسلہ علم چلتا رہا یا کتابیں کسی ادارے میں وقف کردیں یا کسی کو بطور عاریت کے استعمال کو دیں تو یہ سب بھی نشر علم میں داخل ہے یا کتاب نہیں بلکہ کاغذ، قلم، دوات دیدیا یہ بھی اس شمار میں ہے۔ اور سب سے عمدہ اس باب میں عوام الناس کی تعلیم ہے یا بچوں کو ابتدا سے پڑھاتا تا آنکہ وہ تمام علوم وفنون کو حاصل کرکے فارغ ہوجائیں، اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک درخت لگائے جس میں خوب شاخیں پھوٹیں اور اس پر خوب پھل آویں چنانچہ کسی طالب علم کو کاغذ دینا ایسا ہے جیسے کہ اسکو ایک زمین ہبہ کردی ہو اور روشنائی کا دینا ایسا ہے جیسے اسکو بیج دیا اور قلم دینے کی مثال ایسی ہے جیسے اس کے لئے ہل وغیرہ کا انتظام کردیا ہو۔

آگے حضرت علی متقیؒ فرماتے ہیں کہ تعلیم اور تعلم کی فضیلت پر یہ حدیث بھی دال ہے کہ " جو عالم صرف نماز پڑھ لیتا ہو اور اسکے بعد علم کی مجلس میں بیٹھکر لوگوں کو خیر اور بھلائی سکھلاتا ہو اسکی فضیلت اس عابد پر جو دن کو روزے رکھتا ہو اور رات کو نمازیں پڑھتا ہو ایسی ہے جیسی کہ میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر ہے"۔

اسی حدیث کی مناسبت سے درمیان میں ایک اور حدیث ترمذی شریف کی بھی سن لیجئے اور پھر اسکی شرح جو صاحب نفع قوت المغتذی نے بیان فرمائی ہے اسکو ملاحظہ فرمائیے، حدیث شریف میں ہے کہ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ (ترمذی شریف) " یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر"

اسکے تحت نفع قوت المغتذی میں ہے کہ :۔

قال البیضاوی العبادۃ کمال ونور لازم لذات عابد فلا یتخطاہ فاشبہ نور کواکب والعلم کمال اوجب العالم

شرفاً فی نفسه وفضلاً ویتعداه لغیره فیستضیٔ بنوره ویکمل بواسطته لکنه کمال لیس للعالم من ذاته بل نور یتلقاه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فله شبه بالقمر۔ (نفع قوت المغتذی)

بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ عبادت انسان کا ایک ایسا کمال اور نور ہے جو ذات عابد کے ساتھ لازم رہتا ہے اس سے تجاوز نہیں کرتا لہٰذا یہ ستاروں کے نور کے مشابہ ہے اور علم ایک ایسا کمال ہے جو خود عالم کے نفس میں شرف اور فضل پیدا کر دیتا ہے اور غیروں تک متعدی ہوتا ہے چنانچہ وہ غیر بھی اس عالم کے نور سے منور اور اس کے واسطے سے کمال تک پہونچ جاتا ہے لیکن یہ علم چونکہ ایسا کمال نہیں جو عالم کا ذاتی ہو بلکہ یہ ایک نور ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ اور حاصل کیا جاتا ہے یعنی انکی مشکوٰۃ نبوت سے ملتا ہے لہٰذا اسکو مشابہت قمر سے دی گئی ہے کہ اسکا نور بھی ذاتی نہیں ہے بلکہ شمس سے مستفاد ہے۔

قال الطیبیؒ فلا تظن ان العالم المفضل عارعن عمله ولا العابد عن علم بل ان علم ذلک غالب علی عمله وعمل ذلک غالب علی علمه ولهذا جعل العلماء ورثة الانبیاء الذین فازوا بالحسنیین العلم والعمل وحازوا الفضیلتین الکمال والتکمیل فهذه طریقة العارفین باللہ وسبیل السائرین الی اللہ (حوالہ بالا)

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں جو عالم کو عابد پر فضیلت دی گئی ہے تو یہ مت سمجھو کہ جس عالم کو فضیلت دی جا رہی ہے وہ عمل سے بالکل ہی کورا ہے اور وہ عابد جس پر فضیلت دی جا رہی ہے وہ علم سے بالکل بے بہرہ ہے یہ بات نہیں ہے بلکہ اس عالم کا علم اسکے عمل پر

غالب ہے اور اس عابد کا عمل اس کے علم پر غالب ہے اسی لئے علماء جو ورثۃ الانبیاء قرار دیئے گئے ہیں تو مراد اس سے وہ علماء ہیں جنھوں نے علم و عمل دونوں کو جمع کیا ہے اور کمال اور تکمیل دونوں فضیلتوں کے حامل ہوئے ہیں چنانچہ عارفین باللہ اور سالکین الی اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ علم و عمل دونوں ہی کے جامع ہوتے ہیں۔

نیز یہ حضرات جب علم کا لفظ بولتے ہیں تو مراد ان کی اس سے علوم حقیقی ہوتے ، باقی رسمی اور لسانی علم کا ان حضرات کے یہاں کوئی درجہ نہیں ہے چنانچہ فی الدین کی شرح میں یہی صاحب نفع قوت المغتذی لکھتے ہیں کہ:۔

قال التوربشتی حقیقۃ فقہ فی الدین ما وقع بالقلب فظھر علی لسانہ فافاد علماً واورث خشیۃً وتقویً واما ما یتدارسہ الغروریۃ فانہ بمعزل عن الرتبۃ العظمی لان محلہ لسانہ دون قلبہ۔

(ص۹۹ نفع قوت المغتذی)

علامہ توربشتیؒ فرماتے ہیں کہ فقہ فی الدین کی حقیقت وہ ہے جو قلب میں واقع ہوا اور پھر زبان پر ظاہر ہو جسکا ثمرہ علم ہو اور جو خشیۃ اور تقویٰ پیدا کرے باقی یہ اہل غرور جو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اس مرتبہ عظمیٰ سے اسکو دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ اس علم کا محل تو صرف زبان ہوتی ہے نہ کہ قلب۔

آگے حضرت علی متقی ان جہلاء کی مذمت بیان فرماتے ہیں جنکو علم اور علماء سے عداوت ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عالم ہو جاؤ، علم ہو جاؤ، علم کے سننے والے ہو جاؤ، علم کو دوست رکھنے والے ہو جاؤ۔ بس ان چار جماعتوں یعنی جس میں سے چاہے ہو باقی پانچویں جماعت میں سے یعنی ان لوگوں میں سے

ہونا جو علم اور اہل علم کے دشمن ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے ایسے جاہلوں کو دیکھا ہے (جو کہ داعی الی اللہ یا صوفی بنکر سلوک طریق الی اللہ کے مدعی ہیں حالانکہ اس سے انکو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے) کہ تعلیم وتعلّم ہی کا انکار کرتے ہیں بلکہ اپنے لوگوں کو اس سے اس طرح سے روکتے ہیں گویا کہ انکو علم اور اہل علم سے عداوت ہے اور مسکین یہ بھی نہیں جانتے کہ اس سے وہ اپنے ایمان ہی کو کچھ ضرر پہونچا رہے ہیں اور لطف یہ کہ اپنی دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے اور یہ نہیں سمجھتے کہ آپ صاحب وحی اور معدنِ علم بھی تو تھے۔ اور اسکو بھی نہیں سمجھتے کہ جاہل اگر ذکر وشغل کرے گا تو بعض مرتبہ اسکی وجہ سے اسکے قلب میں کچھ صفائی پیدا ہو جائے گی اور وہ محض اس سے دھوکے میں پڑ جائے گا اور بدون علم کے خود کو آفات نفس سے نہ بچا سکے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنا حاصل شدہ سرمایہ ہی ضائع کر دے گا۔

اسی طرح سے بعض نادان علم کو قبیح سمجھکر اس پر مشائخ کے اس مقولہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اَلْعِلْمُ حِجَابُ اللّٰہِ الْاَکْبَرُ یعنی علم اللہ تعالیٰ سے قرب و وصال کے لئے ایک بہت بڑا حجاب اور مانع ہے حالانکہ ظالم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ یہ قول کچھ انکے موافق نہیں ہے بلکہ ان کے خلاف ہی پڑتا ہے اس لئے کہ اس شخص کی مثال جو علم کو اس لئے ترک کر دے کہ وہ حجاب اللہ اکبر ہے ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی پر عاشق ہو اور اسکو یہ خبر ملے کہ اسکا محبوب پس دیوار ہے تو وہ یہ کہکر دیوار کی جانب التفات نہ کرے کہ یہ دیوار تو حجاب ہے، اب آپ خود انصاف فرمائیے کہ اس سے بڑھکر بھی احمق کوئی ہوگا کیونکہ اگر عاشق صادق تھا تو اسپر واجب تھا کہ دیوار کو توڑ دیتا اور محبوب سے واصل ہو جاتا نہ یہ کہ دیوار کو دیکھکر واپس آجائے اور محبوب ہی سے صبر کر لے۔

ہاں علم حجاب بھی بنتا ہے مگر اسکے لئے جو اسکو تفاخر اور بڑائی کے لئے اور دنیا کی چند کوڑیوں کے لئے حاصل کرے۔

باقی جو شخص علوم دینیہ کو نہ حاصل کرے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی غائب شخص کی محبت کا دم بھرے ایسا غائب کہ اس تک رسائی کا ذریعہ اور طریقہ بھی یہ نہ جانتا ہو اور اسی درمیان میں وہ معشوق بھی کوئی خط بھیجے جس میں اپنے تک پہونچنے کی صورت کا بھی ذکر کردے اور یہ عاشق اس خط کو اٹھا کر پھینک دے اسکو پڑھے بھی نہیں اور یہ کہے کہ وصول محبوب میں یہ حجاب ہے تو بلا شبہ ایسے شخص کو یا تو احمق سمجھا جائیگا یا دعوائے محبت میں کاذب کہا جائے گا ہر عاقل کا یہی فیصلہ ہوگا۔ (جب یہ ہے) تو اب سنیئے! کہ یہ قرآن و حدیث اور علوم دینیہ بھی وصول الی اللہ کا طریقہ ہی بتلاتی ہیں لہٰذا طالب حق کے لئے انکا مطالعہ ناگزیر ہے جو ان سے اعراض کرے وہ طالب ہی نہیں ہے۔

اور ہمارے شیخ معین الحق والدین (یعنی خواجہ اجمیری) قدس اللہ سرہٗ سے اس مقولہ کا مطلب پوچھا گیا کہ اَلْعِلْمُ حِجَابُ اللّٰہِ الْاَکْبَر کا کیا مطلب ہے تو انھوں نے خوب بات فرمائی، فرمایا کہ حِجاب بمعنی آڑ اور پردہ کے نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ ہے "حَجَّاب" بمعنی دربان، مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے شاہی دربار کے لیے دربان ہوتے ہیں جو کہ بادشاہ سے ملنے والوں کے لئے واسطہ اور ذریعہ بنتے ہیں اسی طرح سے علم کی بھی یہی شان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والوں کے لئے بمنزلۂ دربان کے ہے، بلکہ سب سے بڑا دربان دربار الٰہی کا یہی علم ہے" انتہی کلامہ۔ (مجمع البحار ص۴۲۱ ج ۲)

ملاحظہ فرمایا آپنے حضرت علی متقیؒ نے اس مختصر سے کلام میں کتنی اہم گتھیوں کو سلجھا دیا ہے اَلْعِلْمُ حِجَابُ اللّٰہِ الْاَکْبَر کا کیسا عمدہ مطلب بیان فرمایا۔ حاصل اسکا یہی ہے کہ فی نفسہ علم تو نہایت اچھی اور محمود چیز ہے البتہ اسکو آدمی اپنے سوء استعمال یا اس میں دوسری اغراض کی آمیزش کرکے حجاب بنالیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں سمجھئے کہ علم محمود ہے لہٰذا یہ کسی مذموم شے کا ذریعہ کیونکر بن سکتا ہے، البتہ اس میں کسی جہت سے نقص پیدا ہوجائے یا ابھی وہ

وسم سے بڑھکر حقیقت تک نہ پہونچا تو بیشک اس پر بُرے آثار بھی مرتب ہو سکتے ہیں، یہ قصور پھر بھی علم کا نہ ہوگا بلکہ اسکے نقص کا ہوگا یا یوں کہئے کہ اس جہل کا ہوگا جو ابھی دور نہیں ہوا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کبھی علم سبب بنتا ہے تکبر کا میں اس کا قائل نہیں ہوں اسلئے کہ علم، بالخصوص علم دین تو خیر ہی خیر ہے اسلئے وہ کسی شر کا سبب اور ذریعہ کیسے بن سکتا ہے لہٰذا اہل علم میں جو تکبر دیکھا جاتا ہے میرے نزدیک اسکا منشا ر انکا علم نہیں ہے بلکہ جہل ہے یعنی انکا علم ابھی ناقص ہے پس جو حصہ کہ علم کا ابھی انکو حاصل نہیں ہوا ہے وہی سبب ہے اس رذیلہ بدکا نہ کہ علم کا وہ حصہ جو انکو حاصل ہے اور اسکی یہ مثال دیتا ہوں کہ جیسے دو شاخیں فرض کیجئے ایک ان میں سے میوہ سے بھری ہوئی ہے اور دوسری نصف خالی ہے اور اور نصف بھری ہے تو ظاہر ہے کہ جو شاخ کہ میوہ سے لدی اور بھری ہے وہ اس نصف خالی والی سے زیادہ نیچے جھک جائیگی اور خالی والی اوپر کو اٹھی ہوگی، اس میں رفعت ہوگی تو اب آپ اس کم میوہ والی کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسکے ترفع کا سبب اسکا پھل ہے، یہ نہیں بلکہ اسکے ترفع کا سبب اسکا نقص ہے یعنی اسکا آدھا حصہ چونکہ خالی ہے اس لئے وہ اوپر کو اٹھی ہوئی ہے ورنہ اگر یہ بھی کہیں پوری بھری ہوئی ہوتی تو اول کی طرح یہ بھی زمیں بوس ہوتی۔

اسی طرح سے میں کہتا ہوں کہ جس اہل علم میں آپ تکبر دیکھ رہے ہیں اس کا سبب اسکا علم نہیں ہے علم نے تو اپنا پورا کام کیا کہ اسکو بہت کچھ سنوار دیا نہ پڑھتا تو اور بھی خراب ہوجاتا مگر اب بھی یہ رذیلہ جو موجود ہے تو اس لئے کہ اسکا علم ہنوز کامل نہیں ہے ناقص ہے، پس اس کے علو کا سبب اسکا غلو ہے۔

(جاری)

کمالاتِ اشرفیہ

(۶۱)

(۲۲۳) ایک شخص نے دریافت کیا کہ غیر مقلد امام کے پیچھے ہم حنفیوں کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں جواباً تحریر فرمایا کہ وہ خلافیات میں مقتدیوں کے مذہب کی رعایت کرتا ہے یا نہیں اور تقلید کو جائز سمجھتا ہے یا نہیں اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا ہے یا نہیں اور مقلدین کو مشرک یا بدعتی کہتا ہے یا نہیں؟

ف: اس سے حضرت والا کا اظہارِ حق بہ پیرایۂ حکمت صاف ظاہر ہے۔

(۲۲۴) ایک صاحب نے لکھا کہ اخبار الجمعیۃ میں ایک مضمون سید سلیمان صاحب ندوی کا میری نظر سے گذرا جس میں سید صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ نجدیوں کے دست تظلّم سے بعض مزارات و موالد کی تخریب جو بعض اخباروں شایع کی گئی ہے اول تو پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچی دوسرے مزارات و موالدِ مذکورہ اصلی نہیں بلکہ خلفائے بنو امیہ و عباسیہ کے تعمیر کردہ ہیں اور انکو منہدم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، تیسرے ان مقامات پر بدعاتی رسوم جاری ہیں جنکا انسداد ضروری ہے، چوتھے ان قبور میں مساجد کے ساتھ مماثلت ہے۔ اگر یہ توجیہہ درست ہے تو کیا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ شریف اس حد میں نہیں آتا اور اگر آتا ہے تو کیا اسکے ساتھ بھی ایسا سلوک جائز ہے؟

جواباً تحریر فرمایا کہ سیدُ القبور یعنی قبر سیدِ اہلِ القبور صلی اللہ علیہ وسلم مَا اخْتَلَفَ الْقُبُوْلُ وَالدَّبُوْر کا قیاس دوسری قبور پر قیاس مع الفارق ہے حدیثوں میں منصوص ہے کہ آپ کا دفن کرنا موضع وفات ہی میں مامور بہ ہے چنانچہ

مراقی الفلاح میں ہے وَيُكْرَهُ الدَّفْنُ فِي الْبُيُوْتِ لِاخْتِصَاصٍ بِالْاَنْبِيَاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (اور مکانوں میں دفن کرنا مکروہ ہے اسلئے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے) اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جُدُر (دیواروں) ان وسقف (اور چھت) پر مشتمل تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپکی قبر شریف پر جُدران وسقف کے مبنی ہونے کی اجازت ہے اور بِنَاءٌ عَلَى الْقَبْرِ (قبر پر تعمیر) سے جو نہی (اور ممانعت) آئی ہے وہ ، وہ ہے جہاں بِنَاءٌ لِلْقَبْرِ (قبر کے لئے تعمیر) ہو اور یہاں ایسا نہیں۔ اب رہا اسکا بقایا ابقاء سو چونکہ بعد دفن کے خلفائے راشدین میں سے کسی نے اس بناء کے بقاء پر نکیر نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر استسقاء کی ضرورت شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشندان کھولا گیا تھا جس سے اس بناء کے بقاء کا مشروع ہونا بھی معلوم ہوگیا اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمام بقاء کے عادۃً ممکن نہیں اسلئے اہتمام بقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہوگئی اور چونکہ عمارت کا استحکام اَدْخَلُ فِي الْاِبْقَاء (یعنی باقی رکھنے میں اسکا دخل زیادہ) ہے اس لئے اسکی مقصودیت بھی ثابت ہوگئی خصوص جب اس میں اور مصالح شرعیہ بھی ہوں مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مطہر کو اعداء دین سے محفوظ رکھنا کہ انکا تسلط (نعوذ باللہ منہ) یقیناً مُفَوِّتِ (فوت اور ختم کرنیوالا) احترام ہے اور جسد مبارک کے احترام کا مقصود ہونا اجلیٰ بدیہیات سے ہے اور اسی حکمۃ پر علماء اسرار نے شہادتِ جَلِیَّہ (یعنی ظاہری شہادت) کے انتفاء کو مبنی فرمایا ہے اور مثلاً آپ کی قبر معطر کو عشاق کی نظر سے مستور رکھنا کہ اسکا نظر آنا غلبۂ عشق میں محتمل تھا اِفْضَاءً اِلَى التَّجَاوُزِ عَنِ الْحُدُوْدِ الشَّرْعِيَّه (حدود شرعیہ سے تجاوز تک پہونچانے) کو جیسا مرض وفات میں کئی وقت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھکر قریب تھا کہ نماز کا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے جسکا فوٹو حضرت حافظ شیرازی رح نے اس شعر میں کھینچا ہے ؎

در نماز م خم ابروئے تو چوں یاد آمد　　　حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

(نماز کے اندر جب مجھے تمھارے ابروؤں کا خم یاد آگیا تو ایک ایسی حالت طاری ہوگئی کہ محراب تک فریاد و فغاں میں آگیا)

اور یہ دونوں امر (جو کہ حافظ للمصالح الشرعیہ ہونے کے سبب مقصود ہیں) بدون بقاءِ بنا کے خاص اہتمام و استحکام کے محفوظ نہیں رہ سکتے، اس لئے مقدمہ مقصود ہونے کے سبب یہ اہتمام بھی مقصود ہوگیا، نیز قبر منور ایسے موقع پر ہے کہ اسکے پیچھے مسجد کا حصہ ہے بدون حائل کے قبر کی طرف سجدہ واقع ہوتا تو اس بنا میں حیلولۃ (آڑ) کی بھی مصلحت ہے پس ثابت ہوگیا کہ ایکم مثلی (تم میں سے کون میری طرح ہے؟) کی طرح قبر ایکم مثل قبری (تم سے کسکی قبر میری قبر کی طرح ہے) کا حکم بھی کیا جاویگا - واللہ اعلم -

اب رہ گیا یہ شبہہ کہ اس میں حضرات شیخین کی قبریں کیوں بنیں اسکا جواب سوائے اسکے اور کوئی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ میرے حجرے میں تین سورج یا تین چاند نکلے ہیں (اس وقت صحیح یاد نہیں کہ سورج ہے یا چاند) اور بروقت وفات کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ایک چاند آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں - اور اسکے علاوہ بھی بشارات (اَوْ لَہٗ مُبَشِّرَۃٌ بِالْفَضْلِ نہ کہ مَنَامَات) شاید ہوں گی جسکی وجہ سے حضرات شیخینؓ یہاں دفن فرمائے گئے، خلاصہ یہ کہ حضرات شیخینؓ تبعًا وہاں دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی نہ بالقصد حضرات شیخینؓ کے لئے۔

ف: اس سے حضرت والا کا علم و حکمت، قوت استنباط، رعایت مقتضا دین، حب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اظہر من الشمس ہے۔

(۲۲۵) کسی صاحب نے عیدگاہ میں بوقت نماز و خطبۂ عیدین استعمال آلہ مکبر الصوت کے متعلق استفتار کیا تھا تو جوابًا تحریر فرمایا جو ملخصًا مرقوم ہے، اگر اس آلہ کی آواز صدائے بازگشت ہے جیسا کہ مظنون ہے تو چونکہ یہ آلات اور تلبیوں پر سکے

اُنبوب (ہارنس) نہ خود متکلف ہیں اور نہ داخل نماز جماعت بلکہ خارجی ایسی چیزیں ہیں جنکے ذریعہ سے مقتدیوں کو تلقین وتعلیم کیجاتی اسلئے جو لوگ فقط ان آلات کے ذریعہ سے نماز ادا کریں گے ان سب کی نماز فاسد ہو جاویگی جیسا حسب قاعدہ فقہی ظاہر ہے۔ اور اگر اس آلہ سے عین صوت بلند ہوتی ہے تو شرعاً خطبہ میں حضور ضروری ہے نہ کہ سماع صوت (آواز سننا) اور اسماع (سنانے) کی کوشش وہیں تک شرعاً مندوب ہے جو تکلف اور تعمق کے حد تک نہ پہونچے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابوموسیٰ کے تنزہ عن البول (پیشاب سے بچنے) کے لئے شیشی کے استعمال پر نکیر کی گئی ہے، اور اس آلہ کے استعمال میں یقینی تکلف ہے اسلئے یہ غلو ممنوع میں داخل ہے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ تکبیرات نماز کا استماع تو ضروری ہے تو اس میں یہ مفسدہ محتمل ہے کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات (مثل گراموفون وغیرہ) کے استعمال کرنے کی اور افضاء الی المفسدہ (گناہ کا سبب بننا) کلی حسب تصریح فقہاء مفسدہ (اور گناہ) میں داخل ہے، نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ مثلاً مجلس رقص وسرود کہ اس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اسکو استعمال کیا جاوے ہے اگر اسکا وقوع نہ ہوا تو قرب وقوع تو عادۃً یقینی ہے چنانچہ اس تشبہ کی بناء پر فقہاء نے غرس اشجار فی المسجد (مسجد میں درخت لگانے) کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیعۃ والکنیسۃ (یعنی یہود ونصاریٰ کی عبادت گاہوں سے مشابہت) سے معلل کیا ہے۔ غرضیکہ دوسرے شق پر کلی اس آلہ کا استعمال مسجد میں ممنوع ہے اور اگر دونوں احتمال علی السواء (برابر) ہوں یعنی اسکے صدائے بازگشت ہونے میں اور عین صوت کے بلند ہونے میں گمان برابر درجہ کا ہو تو عین صوت کا عدم بلوغ الی البعید پہلے سے متیقن ہے اور اب اس میں شک ہوگیا اور الیقین لایزول بالشک، اس لئے عدم بلوغ کا حکم کرینگے اس صوت کو مثل صدیٰ (آواز بازگشت) کے سمجھیں گے اور صدیٰ کا حکم دیں گے جو شق اول پر لکھا گیا ہے (النور)

ف : اس فتوے سے حضرت والا کی سلامت فہم، نور فراست، علم وحکمت، دوربینی، استحضار قواعد صاف ظاہر ہے۔

(۲۲۶) احقر نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ عمل نیک کا ثواب اگر دوسروں کی روح کو بخشدیا جاوے تو کیا بخشنے والے کے پاس بھی ثواب اس عمل نیک کا رہ جاوے گا اور جن جن کو ایصال ثواب کیا گیا ہے انھیں وہ اجر متجزی (اور تقسیم) ہوکر مساوی درجہ میں پہونچے گا جیسا کہ عدل کا مقتضا ہے یا ہر ایک کو بلا تجزی (وتقسیم) پورا پورا اجر اس عمل کا ملے گا جیسا کہ اسکے فضل کا مقتضا ہے؟

جواباً تحریر فرمایا فی شرح الصدور بتخریج الطبرانی عن ابی عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا تَصَدَّقَ اَحَدُکُمْ صَدَقَۃً تَطَوُّعًا فَلْیَجْعَلْھَا عَنْ اَبَوَیْہِ فَیَکُوْنُ لَھُمَا اَجْرُھَا وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئًا (شرح صدور میں بحوالہ طبرانی حضرت ابوعمروؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نفلی صدقہ دے تو اسے اپنے والدین کی طرف سے کردے تو ان دونوں کو اسکا ثواب مل جاوے گا اور اس دینے والے کے اجر وثواب میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا) یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخشدینے سے عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئٌ او کما قال (جس نے کوئی اچھا طریقہ اسلام میں جاری کیا تو اسکو اسکا ثواب ملے گا اور اسکے بعد جو جو اس پر عمل کرے گا اسکا بھی اجر وثواب اسکو ملیگا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی بھی نہیں ہوگی) وجہ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیۂ ثواب (یعنی ثواب پہونچانے اور منتقل کرنے) سے بھی عامل کا ثواب کم نہیں ہوتا اتنا فرق ہے کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیث مسلم میں بلا قصد سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ موثر نہیں اور فقہاء نے بھی

ان روایات کے مدلول کو بلا تاویل مُتَلَقّیٰ بالقبول کیا ہے کما فی رد المحتار عن زکاۃ التاتارخانیہ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلاً ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانہا تصل الیہم ولاینقص من اجرہ شیئ اھ (یعنی شامی میں تاتارخانیہ سے بحوالہ محیط نقل کیا ہے کہ نفل صدقہ کرنے والے کے لئے افضل اور بہتر یہ ہے کہ یوں نیت کرے کہ اسکا ثواب تمام مومنین و مومنات کو پہونچے اسلئے کہ ان تمام لوگوں کو بھی ثواب پہونچ جائے گا اور اس ایصال ثواب کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی بھی نہوگی)

اور راز اس میں احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ معانی میں توسع اسقدر ہے کہ تعدیہ الی المحل الاخر (کسی دوسرے محل اور شخص تک پہونچانے اور منتقل کرنے) سے بھی محل اول سے زوال نہیں ہوتا چنانچہ تعدیۂ علوم وفیوض میں مُشاہَد ہے، بخلاف اعیان کے کہ وہاں ایسا نہیں بلکہ ہبہ کرنے کے بعد شئ موہوب واہب کے پاس نہیں رہتی۔ وذکر العارف الرومی فی المثنوی بعض آثار التوسع المعنوی ؎

درمعانی قسمت واعداد نیست درمعانی تجزیہ و افراد نیست

(معانی کے اندر تقسیم اور افراد نہیں ہوتے اور نہ حصے بخرے)

اور دوسرا امر کہ اجر متجزی (اور منقسم) ہوکر پہونچتا ہے یا بلا تجزی (اور تقسیم) اس میں پہلے بھی کلام ہوا ہے فی ردالمحتار ویوضحہ لو اھدی الی اربعۃ یحصل لکل منھم ربعہ فکذا لو اھدی الربع الواحد وابقی الباقی لنفسہ اھ ملخصاً قلت لاکن سئل ابن حجر المکی عما لو قرء لاھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذلک کاملاً فاجاب بانہ افتی جمعٌ بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل (شامی ج ۱ ص ۶۰۵) (یعنی اگر کسی نے چار آدمیوں کو ثواب پہونچایا تو ہر ایک کو ایک چوتھائی ثواب ملے گا۔ اسی طرح

ر: اپنے کسی عمل کے ایک جز تعالیٰ کا ایصال ثواب کر دیا اور تین حصے اپنے لئے رکھ چھوڑے اور میں کہتا ہوں لیکن ابن حجر مکیؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ پڑھکر تمام قبرستان والوں کو ثواب پہونچائے تو اسکا ثواب تقسیم ہوکران لوگوں کو پہونچیگا یا ہرایک کو اسی جیسا پورا پورا ثواب ملیگا تو انھوں جواب دیا کہ (سب کو پورا پورا ثواب ملیگا) علماء کی ایک جماعت نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل وکرم کے شایان شان بھی ہے)

مگرکسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں کی اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہے نہیں اسلئے بدون نص اس میں کوئی حکم نہیں کیا جا سکتا البتہ جواب میں اوپر حدیث طبرانی کی مذکور ہے اسکو ظاہر الفاظ سے عدم تجزی پر دال کہا جا سکتا ہے کیونکہ اَجْرُهَا کا مرجع صدقہ ہے جس کا حقیقی مفہوم کُلُّ الصَّدَقَۃ ہے نہ کہ جُزْءُ الصَّدَقَۃ اور لَهُمَا سے تبادر اور شائع اطلاق کے وقت کُلٌّ واحِدٍ ہوتا ہے اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملیگا اور دوسرے احتمالات غیر ناشی عن دلیل (یعنی بے دلیل) ہیں اسلئے معتبر نہیں اور مسئلہ قطعیات میں سے نہیں اسلئے بھی ایسے احتمال مضر نہیں نیز اوپر کے جواب سے جیسے معلوم ہوا کہ تعدیۂ ثواب مِنْ مَحَلٍّ اِلیٰ مَحَلٍّ موجب نقص اَحَدِ الْمَحَلَّین نہیں اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ تجزیہ جیسا کہ مقتضائے ظاہری تشریک المحل مع محل کا ہے نیز موجب نقص فی احد المحلّین نہیں کیونکہ تعدیہ و تجزیہ آثار میں متماثل ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف: اس سے حضرت والا کا علم و قوت استنباط ورجار من اللہ اظہر من الشمس ہے۔

(۲۲۷) فرمایا کہ قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں میں جو لوگ اہل قبور یا تعزیہ کی نسبت تاثیر غیبی کے معتقد ہیں وہ مشرک ہیں اور جو محض ظاہری تعظیم کے طور پر انکو سجدہ وغیرہ کرتے ہیں اور انکی تاثیر کے معتقد نہیں وہ شرک عملی کیوجہ سے فاسق ہیں کافر نہیں اعتقاد تاثیر و عدم تاثیر کا معیار فرق یہ ہے کہ بعض کا تو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اسکا مقرب ہے کچھ قدرت مستقلہ نفع و ضرر کی اس طرح سے

عطا فرمادی ہے کہ اسکا اپنے معتقد و مخالف کو نفع و ضرر پہونچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں گو اگر روکنا چاہے تو پھر قدرت حق ہی غالب ہے جیسے سلاطین اپنے نائبین حکام کو خاص اختیارات اس طرح دیدیتے ہیں کہ انکا اجراء اس وقت سلطان اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا گو رد کرنا چاہے تو سلطان ہی کا حکم غالب رہیگا سو یہ عقیدہ تو اعتقاداً تاثیر ہے (اور مشرکین عرب کا اپنے آلہۂ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا) اور بعض کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ایسی قدرت مستقلہ تو کسی مخلوق میں نہیں مگر بعض مخلوق کو قرب و قبول کا ایسا درجہ عطا ہوتا ہے کہ یہ اپنے متوسلین کے لئے سفارش کرتے ہیں پھر اس سفارش کے بعد کلی انکو نفع و ضرر کا اختیار نہیں دیا جاتا بلکہ حق تعالےٰ ہی نفع و ضرر پہونچاتے ہیں لیکن اس سفارش کے قبول میں تخلف کبھی نہیں ہوتا اور اس سفارش کے تحصیل کے لئے اسکے ساتھ بلا واسطہ یا بواسطہ معاملہ مشابہ عبادت کرتے ہیں یہ عقیدہ اعتقادِ تاثیر نہیں ہے لیکن بلا دلیل شرعی بلکہ خلاف دلیل شرعی ایسا عقیدہ رکھنا معصیتِ اعتقادیہ ہے اور مشابہ عبادت معاملہ کرنا معصیت عملیہ ہے اور اسی مشابہت کے سبب اطلاقات شرعیہ میں اسکو مشرک کہدیا جاوے۔

من ھٰھنا لم یکفر مشائخنا واکابرنا عابدی القبور والساجدین لھا وامثالھم لحملھم حالتھم علی الصورۃ الثانیۃ دون الاولیٰ وقرینۃ دعویٰ ھٰؤلاء الاسلام والتوحید والتبری من الشرک بخلاف مشرکی العرب والھند فانھم یتوحشون عن التوحید ومن نفی القدرۃ المستقلۃ عن الٰھتھم وقالوا أجعل الألھۃ الھًا واحدًا اھ. واللہ اعلم

(ماخوذ من النور ذوالحجہ ۱۳۴۵ھ)

ف: اس فتوے سے حضرت والا کا تبحر علم و حقائق رسی، شفقت علی المخلوق صاف ظاہر ہے۔

(جاری)

سیرۃ الصوفی

(۳)

نفس کی حیلہ سازی

اسی طرح دوسری کیفیات وجدانیہ کے تفاضل میں اس قسم کی غلطی واقع ہوتی ہے کہ بعض باتیں کمال سمجھی جاتی ہیں حالانکہ اس میں کوئی نقص مخفی ہوتا ہے جیسے مبالغہ فی التواضع کہ بعض دفعہ مفضی ہو جاتا ہے ناشکری کی طرف کیونکہ اس میں ایہام ہوتا ہے انکار نعمت کا، ایسا ہی بعض آدمی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے ذکر شغل کیا مگر کچھ نہیں ہوا اور سمجھتے ہیں کہ یہ کہنا انکساری ہے حالانکہ علاوہ ناشکری نعمت ذکر کے اس میں ایک نقصان کھلی ہے کہ معلوم ہوتا ہے انھوں نے اپنے ذکر وشغل کو اس قابل سمجھا کہ اسکو قبول کیا جائے اور اسکے صلہ میں انکو بڑا رتبہ دیا جائے اور یہ کبر ہے یہ نفس کے بڑے بڑے مکر ہیں۔ ان لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ ذکر خود ایک مستقل نعمت ہے

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی خادم اس قسم کی شکایت کرتا تو آپ فرماتے خود ذکر کی توفیق ہونا کیا تھوڑی نعمت ہے جو دوسرے ثمرات کی تمنا کرتے ہو اور اکثر ایسے موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یابم او را یا نیابم جستجوئے میکنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

(میں انھیں پاؤں یا نہ پاؤں بہرحال تلاش وجستجو تو کیئے ہی جاؤں گا وہ مجھے ملیں یا نہ ملیں انکی آرزو تو کرتا ہی رہونگا)

شعر بلا بود سے اگر ایں ہم نہ بود سے (اگر یہ بھی نہوتا تو پوری مصیبت تھی

کسی خادم نے حضرت سے بیان کیا تھا کہ میں نے ایک چلہ کھینچا اور روزانہ سوا لاکھ اسم ذات پڑھا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا شاید حضرت مجھ سے ناراض ہیں کہ ثمرہ نہیں ملا فرمایا اگر میں ناراض ہوتا تو تمھیں سوا لاکھ پڑھنے کی توفیق ہی کہاں ہوتی۔ اور یہ ثمرات کے طالب ایک اور بہت بڑی غلطی میں ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ ثمرات اصل مقصود ہیں اور اعمال بالعرض اور یہ سخت غلطی ہے اعمال خود مقصود بالذات ہیں اور اصل ثمرہ انکا حصول رضا اور دخول جنت، دیدار خداوندی ہے۔ افسوس ہے کہ طالب ثمرات عشق میں مجنوں سے بھی کم ہیں وہ تو لیلیٰ کے نام کی مشق کو بڑا مقصود سمجھ رہا ہے مگر یہ لوگ دوسری چیزوں کی تلاش میں ہیں، کیا مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد ۔۔۔ در بیابان غمش بنشستہ فرد

(ایک صحرا نورد (مسافر) نے مجنوں کو دیکھا اپنے غم میں ڈوبا ہوا تنہا بیٹھا تھا)

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم ۔۔۔ می نمودے بہر کس نامہ رقم

(ریت کو کاغذ بنا رکھا تھا اور انگلیوں کو قلم، کسی کے نام خط لکھ رہا تھا)

گفت اے مجنون شیدا چیست ایں ۔۔۔ می نویسی نامہ بہر کیست ایں

(اس نے پوچھا اے مجنوں دیوانے یہ کیا ہو رہا ہے اور کس کے نام خط لکھا جا رہا ہے)

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم ۔۔۔ خاطر خود را تسلی می دہم

(اس نے جواب دیا کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر کے اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم ۔۔۔ کہ من نیز از خریداران اویم

(میرے لئے یہی کافی ہے کہ میرا محبوب یہ جان لے کہ میں بھی اسکے خریداروں اور طلب گاروں میں ہوں)

کبھی ثمرات کا قصد مت کرو یہ تو ایک قسم کی مزدوری ہوئی جو کہ عشق و محبت کے سراسر خلاف ہے۔

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن که خواجه خود روش بنده پروری داند

(تم گداگروں کی طرح مزدوری کی شرط کے ساتھ بندگی مت کرو اسلئے کہ تمھارا مالک بندہ پروری کا طریقہ خوب جانتا ہے)

رضا اور ثمرات

ایک عارف کو غیب سے آواز آئی کہ تمھاری عبادت قبول نہیں ہوتی انھوں نے اس پر بھی عبادت کو نہ چھوڑا بلکہ بدستور اسی طور پر عبادت کرتے رہے کسی نے ان سے کہا کہ جب تمھاری عبادت قبول نہیں ہوتی تو پھر اسکے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انھوں نے کیا اچھا جواب دیا کہ بھائی! اگر کوئی اور دروازہ ہوتا تو اسکو چھوڑ کر اس طرف چلے جاتے جب دوسرا دروازہ ہی نہیں پھر اور کہاں جائیں اور کیا چارہ کریں ؎

توانی ازاں دل بپرداختن که دانی که بے او تواں ساختن

(تم اس ذات سے بے تعلقی اختیار کر سکتے ہو جس کے متعلق یہ سمجھ لو کہ اس کے بغیر اپنا کام چلا سکتے ہو اور زندگی گذار سکتے ہو)

پس معًا غیب سے آواز آئی کہ جب ہمارے سوا اور کوئی نہیں تو خیر جیسی کچھ ہے وہی قبول ہے ؎

قبول است گرچہ ہنر نیستت که جز ما پناہے دگر نیستت

(اچھا خیر تمھارے اندر کوئی خوبی اور ہنر نہ سہی ہم تمھاری عبادت محض اسلئے قبول کرتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی دوسری جائے پناہ تمھارے لئے نہیں ہے)

عبادت میں تو بجز رضائے خدا کے اور ثمرات کا طلب کرنا، یہی اخلاص کے بالکل خلاف ہے۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔ (حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں)

از خدا غیر خدا را خواستن ظن افزونیست کلی کاستن

(خدا سے خدا کی ذات کے سوا اور کوئی چیز مانگنا زیادتی کا صرف گمان ہے اور در اصل سراسر گھاٹے کی بات ہے)

بدُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش … کہ انچہ ساقئ ما ریخت عین الطافست

(تلچھٹ یا عمدہ شراب کسی کی تجویز کا تمھیں حق حاصل نہیں بس دم نہ مارو اور یہ سمجھو کہ جو کچھ ہمارے ساقی نے ہمارے جام میں انڈیل دیا ہے وہ انکا عین احسان وکرم ہے

میلانِ معصیت

اوپر جو بیان ہوا ہے کہ کامل لوازم بشریہ سے نہیں نکلتا اس سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی ہے کہ طبیعت کا میلان انسانی خواہشوں کی طرف یہ ایک امر طبعی ہے سو طبیعت کا میلان اگر کسی معصیت کی طرف ہو یہ منافی کمال نہیں۔ بعض لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ میلان کو بھی مقبولیت و تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں اور پھر جی میں کڑھتے ہیں اور قلب کی ساری توجہ اسی فکر وغم میں مصروف کر دیتے ہیں مثلاً پہلے کسی کے ساتھ تعشق تھا پھر اللہ نے توفیق توبہ کی عطا فرمائی اور وہ تعلق نہ رہا اب اگر حصول کمال کے بعد کبھی طبیعت کی رغبت اسطرف معلوم ہونے لگے تو پریشان ہوتے اور خیال کرتے ہیں کہ میلان بھی تقویٰ کے خلاف ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ خود معصیت تو خلاف تقویٰ ہے میلان معصیت اسکے خلاف نہیں، میلان معصیت بعض اوقات بعد کمال کے بھی زائل نہیں ہوتا اسکے زوال کی فکر فضول ہے ہاں البتہ کاملین اور دوسرے میں یہ فرق ہے کہ کاملین کا میلان غیر ثابت (ناپائدار) اور مغلوب ہوتا ہے اور تھوڑے سے تذکر سے زائل ہو جاتا ہے، جناب باری ارشاد فرماتے ہیں اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ (یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں انکو جب کوئی خطرہ اور وسوسہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ فوراً (خدا کی) یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک انکی آنکھیں کھل جاتی ہیں) اور اس سے پہلے وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ (اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے) اور متوسطین

اہل سلوک کا میلان ذرا شدید ہوتا ہے دل کو بہت تنگی پیش آتی ہے اور مجاہدہ سے مغلوب ہوتا ہے اور محجوبین کا میلان ادہر غالب ہوجاتا ہے اور حقیقت میں اگر میلان نہ رہے تو معاصی سے بچنا کوئی کمال ہی نہیں اور میلان میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے ۔

مجاہدہ اور ترقی

اور مجاہدہ سے ترقی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کو ان مدارج پر ترقی نہیں کیونکہ ان میں مجاہدہ متصور نہیں اور بشر میں مجاہدہ بوجہ میلان اور رغبت معاصی کے متصور ہے اس لئے انکے مدارج میں بسبیل لَا تَقِفُ عِنْدَ حَدٍّ (بلا کسی غایت اور حد کے) ترقی ہوتی رہتی ہے ۔

حکیم ترمذی ایک بزرگ گذرے ہیں، جوانی میں ان پر ایک عورت عاشق ہوگئی تھی اور ہر وقت انکی تلاش اور جستجو میں رہتی آخرکار ایک دن موقع پر ایک باغ میں انکو دیکھا اور وہ باغ چاروں طرف سے چار دیواری کی وجہ سے بند تھا وہاں پہونچکر ان سے اپنے مطلب کی درخواست کی یہ گھبرائے اور گناہ سے بچنے کی غرض سے بھاگ کر دیوار سے کود پڑے ، اس قصہ کے بعد ایک روز بڑھاپے کے زمانے میں وسوسے کے طور پر خیال آیا کہ اگر میں اس عورت کی دل شکنی نہ کرتا اور اسکا مطلب پورا کر دیتا ہے اور پیچھے توبہ کرلیتا تو یہ گناہ کبھی معاف ہوجاتا اور اسکی دل شکنی بھی نہ ہوتی ۔

قرب عہد نبوت

اس وسوسہ کا آنا تھا کہ بہت پریشان ہوئے اور روئے سہ

بر دل سالک ہزاراں غم بود　　گر خلالے از بہارش کم شود

(سالک کا دل ہزاروں غم میں مبتلا ہو جاتا ہے اگر اسکے باغ وبہار سے ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے)

اور اس پر قلق ہوا کہ جوانی میں تو میں اس گناہ سے کوشش سے بچتا رہا اور آج بڑھاپے میں یہ حال ہے اور یہ سمجھے کہ جو کچھ میں نے اعمال اشغال کئے ہیں

وہ سب غارت اور اکارت گئے اس پر حکیم موصوف نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے حکیم کیوں غم کرتے ہو تمہارا درجہ وہی ہے اور جو کچھ تم نے کیا وہ ضائع نہیں ہوا اور اس وسوسہ کی یہ وجہ تھی کہ یہ زمانہ وسوسے کا' میرے زمانے سے دور ہو گیا تھا اور اس گناہ سے بچنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ زمانہ میرے زمانے سے قریب تھا تو قرب عہد نبوی میں یہ برکت ہے ایک بزرگ اسی وجہ سے باسی روٹی کو پسند فرمایا کرتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قریب ہے اور تازی میں کسیقدر بُعد آگیا ہے سبحان اللہ جب قرب عہد نبوت میں یہ برکت ہے تو ارشادات نبوت پر عمل کرنے میں کیسی برکت ہوگی۔ ایک مولوی صاحب طبیب بھی تھے مجھ سے اپنا قصہ بیان فرماتے تھے کہ میں بیمار ہوا بخار تھا ہر چند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا آخر کار میں نے ایک حدیث کے مطابق جس میں بخار کا علاج غسل سے آیا ہے نہر میں غسل کیا (انکا بیان ہے کہ اسکے بعد مجھے اور بیماریاں تو ہوئیں مگر بخار کبھی نہیں ہوا۔ ہر چند کہ بعض شراح اس علاجِ غسل کو غیر مادی بخار کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں مگر اہل عقیدت کے لئے سب اقسام کو عام ہے علاوہ ازیں یہ مسئلہ طبیہ ہے کہ دوا معین ہے فاعل نہیں ہے۔ سو اہل عقیدت کی طبیعت میں اس عمل سے قوت ہوگی اور وہ اپنی قوت سے فعل کرے گی۔ حکیم ترمذیؒ کے اس قصہ سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ باوجود کمال کے انکو میلان معصیت کا ہوا اور انکے کمال کی تصدیق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رویائے صادقہ میں فرمائی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو شیوخ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز بتلا دیجئے کہ کبھی ہم میں برے کام کی رغبت ہی نہ پیدا ہو یہ بالکل غلطی ہے اور منشا اسکا ناواقفی ہے۔

لوازم بشریہ

انسان جب تک زندہ ہے لوازم بشریہ سے چھوٹ نہیں سکتا کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ وسوسہ اور خیال آ ہی جاتا ہے چنانچہ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کسی عورت کے دیکھنے وغیرہ سے اسکی طرف میلان یا وسوسہ معلوم ہو تو اپنے گھر میں بیوی سے رفع حاجت کرنے کیونکہ اِنَّ الَّذِیْ مَعَھَا مِثْلُ الَّذِیْ مَعَھَا (بیشک جو چیز اسکے پاس ہے اسی جیسی ہے جو اس کے پاس ہے) اس علاج سے وہ طبیعت کا میلان دور ہو جاوے گا۔ اطبانے بھی تعشق کا علاج تزوج لکھا ہے خاص معشوقہ سے ہو تو بہت ہی بہتر ہے ورنہ غیر جگہ سے نکاح کرنے میں تعشق میں کمی آجاتی ہے، باقی تھوڑا بہت میلان تو تمام عمر رہتا ہے اگر اس کے مقتضی پر عمل نہو تو اسکی فکر نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اسکی طرف توجہ کرتے ہے اولاً اس فکر میں پڑنے سے وہ اور بڑھیگا اور تنگی پیش آئیگی اور سالک اس جھگڑے میں پھنس کر مطالعہ محبوب سے غافل ہو جائیگا اور انسان صرف مطالعہ محبوب ہی کے لئے پیدا ہوا ہے اسکو دوسری جانب اتنی توجہ ہی نہ کرنا چاہیئے اگر ان باتوں کیطرف طبیعت کو نہ لگایا جائیگا آپ سے آپ دور ہو جائے گی، بالخصوص وسوسہ کا علاج تو یہی ہے کہ اسکی طرف خیال نہ کرے اور اپنی توجہ ذکر کی طرف رکھے اس سے وہ وسوسہ خود بخود جاتا رہتا ہے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ وسوسہ کا آنا کوئی نقصان کی بات نہیں ہے اسکی وجہ سے جو تنگی پیدا ہوتی ہے وہ موجب تصفیۂ قلب ہو جاتی ہے اور اسکے دور کرنے میں جو مجاہدہ ہوتا ہے اس سے رفع درجات ہوتا ہے اور یہ جو بیان کیا گیا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے اوپر بدگمانی نہ کرے اور ان باتوں کی طرف زیادہ التفات نہ کرے اور زیادہ موشگافی اور باریک بینی سے کرید کرید کر عیوب کو نہ دیکھے یہ خواص اہل طریق کے واسطے ہے کیونکہ وہ اس طرف لگ کر مطالعۂ محبوب سے غافل ہو جائیں گے باقی عوام کو بے فکر ہونا نہ چاہیئے کیونکہ اگر وہ اپنے عیوب کی نگہداشت اس مستعدی سے نہ کریں گے تو اور بڑے بڑے گناہوں میں گرفتار ہو جائیں گے۔

آداب تعلقات

اب ندائے یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کے بعد احکام کا بیان ہوتا ہے۔ حاصل احکام کا یہ ہے

کہ تعلق دو طرح کے ہیں ایک خالق کے ساتھ دوسرا مخلوق کے ساتھ اور یہ تعلق بھی دو قسم کا ہے موافق کے ساتھ اور مخالف کے ساتھ اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا اس میں ایک تو قیام و طاعت کا ادب تعلیم کیا ہے اور ایک ساتھ اقتصاد (میانہ روی) کا ارشاد فرمایا، ادب یہ کہ قیام لیل کے لئے وہ وقت مقرر فرمایا گیا ہے جو کہ نہ بھوک کی تکلیف کا وقت ہے اور نہ معدہ کی پُری کا وقت ہے کہ طبیعت میں گرانی اور بوجھ ہوا ور قیام میں کدورت ہو بلکہ ایسا وقت دونوں تکلیفوں سے خالی ہے اور طبیعت میں نشاط و سرور ہوتا ہے اور اس میں تشبہ بالملائکہ بھی ہوتا ہے کیونکہ انکی یہی شان ہے کہ نہ بھوک لگے اور نہ کھانے سے گرانبار ہوں اور نیز رات کے وقت یکسوئی ہوتی ہے اور اقتصاد یہ کہ ساری رات کے قیام کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس میں سخت تعب ہوتا بلکہ کچھ حصہ سونے کے لئے بھی رکھا گیا ہے اور چونکہ ہر وقت ہر حالت اور ہر شخص کے لئے ایک مقدار متعین نہیں ہو سکتی اس لئے او تخییریہ سے نصف اور ثلث و دو ثلث میں (جو مفہوم ہے اُنقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ کا جیسا دوسرے رکوع سے معلوم ہوتا ہے) اختیار دیکر مخاطب کی رائے پر چھوڑا گیا کہ اگر زیادہ قیام نہ ہو سکے تو تھوڑا ہی سہی

(جاری)

بیوی کے حقوق اور اسکی حیثیت

(۳)

ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی بہت لڑنے جھگڑنے والی تھی ہر وقت لڑتی جھگڑتی رہتی تھی، جب گھر میں داخل ہوتے بس لعنت ملامت لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا، کسی صاحب نے ان بزرگ سے کہا کہ دن رات کی جھک جھک اور لڑائی آپ نے کیوں پالی ہوئی ہے یہ قصہ ختم کر دیجئے اور طلاق دیدیجئے تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ بھائی طلاق دینا تو آسان ہے جب چاہوں گا دیدوں گا بات دراصل یہ ہے کہ اس عورت میں اور تو بہت سی خرابیاں نظر آتی ہیں لیکن اسکے اندر ایک وصف ایسا ہے جسکی وجہ سے میں انکو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور کبھی طلاق نہیں دوں گا اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ اگر بالفرض میں گرفتار ہو جاؤں اور پچاس سال تک جیل میں بند رہوں تو مجھے یقین ہے کہ میں اسکو جس کونے میں بٹھا کر جاؤں گا اسکی تمیں بیٹھی رہیگی اور کسی اور کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھے گی اور یہ وفاداری ایسا وصف ہے کہ اسکی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اور نازک مزاجی

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہوگا بڑے ولی اللہ گزرے ہیں اور ایسے نفیس مزاج اور نازک مزاج بزرگ تھے کہ اگر کسی نے صراحی کے اوپر گلاس ٹیڑھا رکھدیا تو اسکو ٹیڑھا دیکھکر سر میں درد ہو جاتا تھا ایسے نازک مزاج آدمی تھے، ذرا بستر پر شکنیں آجائیں تو سر میں درد ہو جاتا تھا لیکن انکو بیوی جو ملی وہ بڑی بدسلیقہ، بدمزاج، زبان کی پھوہڑ ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو عجیب عجیب طریقے سے آزماتے ہیں اور انکے درجات بلند فرماتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی لیکن انھوں نے ساری عمران کے ساتھ نبھایا اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو شاید اس طرح معاف فرمادیں۔

ہمارے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ہندوستان پاکستان کے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں اور اسکی وجہ یہ بیان فرماتے کہ انکے اندر وفاداری کا وصف ہے جب سے مغربی تہذیب و تمدن کا وبال آیا ہے اس وقت سے رفتہ رفتہ یہ وصف بھی ختم ہوتا جارہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انکے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ چاہے کچھ ہو جائے یہ اپنے شوہر پر جان نثار کرنے کیلئے تیار ہیں اور انکی نگاہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر نہیں پڑتی۔

بہرحال ان بزرگ نے حقیقت میں اسی حدیث پر عمل کرکے دکھلایا کہ ۔ اِنْ کَرِہَ مِنْھَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْھَا آخَرَ ۔ کہ اگر ایک بات ناپسند ہے اس عورت کی تو دوسری بات پسند بھی ہوگی اسکی طرف دھیان اور خیال کرو اور اسکے نتیجہ میں اسکے ساتھ حسن سلوک کرو۔ ساری خرابی یہاں سے شروع

ہوتی ہے کہ برائیوں کی طرف نگاہ ہوتی ہے اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں ہوتی

بیوی کو مارنا بداخلاقی ہے

اس باب کی تیسری حدیث ہے:۔

عن عبد اللہ بن زمعۃ رضی اللہ عنہ انّہٗ سمع النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب .... ثمّ ذکر النّساء فوعظ فیھنّ فقال ایعمد احدکم فیجلد امرأتہ جلد العبد فلعلّہ یضاجعھا من آخر یومہ (صحیح بخاری، کتاب النکاح باب مایکرہ من ضرب النساء حدیث نمبر ۵۲۰۴)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبہ میں بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں لیکن اس خطبہ میں اس باب سے متعلق جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ یہ بری بات ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو اس طرح مارتا ہے جیسے آقا اپنے غلام کو مارتا ہے اور دوسری طرف اسی سے اپنی جنسی خواہش بھی پوری کرتا ہے، یہ کتنی بداخلاقی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس طرح مارے جس طرح غلام کو مارا جاتا ہے۔

بیوی کی اصلاح کے تین درجات

جیسا کہ میں نے عرض کیا، قرآن کریم نے میاں بیوی کے تعلقات کی چھوٹی چھوٹی جزئیات اور مسائل کا حکم بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان چپقلش کا پہلا درجہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ شوہر کو بیوی کی کوئی بات ناپسند ہوگئی اسکا حل قرآن کریم نے یہ بتا دیا کہ جب ایک بات تمھیں ناپسند ہوگئی تو تم یہ دیکھو کہ دوسری بات اس کے اندر پسندیدہ ہوگی اور پھر بھی اگر شوہر یہ سمجھتا ہے کہ اسکے اندر بعض باتیں ایسی ہیں جو قابل برداشت نہیں ہیں بلکہ اصلاح کے لائق ہیں اور ظاہر ہے کہ مرد کو اس بات کا مکلف بھی بنایا گیا ہے کہ اگر وہ بیوی میں کوئی بات قابل اصلاح اور بری دیکھے تو

اسکی اصلاح کی فکر کرے لیکن اسکی اصلاح کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے وہ طریقہ قرآن کریم نے یہ بتادیا کہ :-

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ (سورۃ النساء: ۳۴)

(اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تمکو انکی بد دماغی اور سرکشی کا احتمال ہو تو انھیں نصیحت کرو، اور انھیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور انھیں مارو۔)

یعنی سب سے پہلے تو انھیں نرمی اور خوش اخلاقی سے نصیحت کرو یہ اصلاح کا پہلا درجہ ہے اگر نصیحت کے ذریعہ وہ باز آجائیں تو بس اب آگے قدم نہ بڑھاؤ اور اگر وعظ و نصیحت کا اثر نہ ہو تو پھر اصلاح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انکے ساتھ سونا چھوڑ دو اپنا بستر الگ کردو اگر ذرا بھی سمجھ ہوگی فہم میں درستگی ہوگی تو اب باز آجائیں گی (بستر الگ کرنے کی تفصیل آگے مستقل حدیث کے تحت آرہی ہے۔)

بیوی کو مارنے کی حد

اور اگر اصلاح کا دوسرا درجہ بھی کارگر ثابت نہ ہو تو پھر تیسرا درجہ اختیار کرو، وہ ہے مارنا لیکن مار کیسی ہونی چاہیئے اور کس قدر ہونی چاہیئے اسکے بارے میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو آخری نصیحت فرمائی ان میں یہ نصیحت بھی فرمائی کہ وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ یعنی اول تو مار کا مرحلہ آنا بھی نہیں چاہیئے اور اگر آئے بھی تو اس صورت کو صرف اس وقت استعمال کیا جائے جب اسکے علاوہ کوئی چارہ باقی نہ رہ جائے اسلئے کہ مار بالکل آخری چارۂ کار ہے اور اس میں یہ قید لگادی کہ "وہ مار تکلیف دینے والی نہ ہو" یعنی اس مار سے تکلیف دینا مقصود نہ ہو بلکہ تادیب مقصود ہو اور اصلاح مقصود ہو، اسلئے تکلیف دینے والی ایسی مار جائز نہیں جس سے نشان پڑ جائے (مارنے کے بارے میں مزید تفصیل

انشاء اللہ آگے مستقل حدیث کے تحت آرہی ہے)

بیویوں کے ساتھ آپ کا سلوک

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت نو ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں تھیں اور وہ ازواج مطہرات آسمان سے نازل کئے ہوئے فرشتے نہیں تھے وہ اسی معاشرے کے افراد تھے اور انکے درمیان وہ باتیں بھی ہوا کرتی تھیں جو سوکنوں کے درمیان آپس میں ہوا کرتی ہیں اور وہ مسائل بھی کھڑے ہوتے جو بعض اوقات شوہر اور بیوی میں کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ساری عمر نہ صرف یہ کہ کسی خاتون پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ جب کبھی گھر کے اندر داخل ہوتے تو چہرۂ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔

آپ کی سنت

تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ انپر ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور مارنے کی جو اجازت ہے وہ ناگزیر حالات کے اندر ہے ورنہ عام حالات میں تو مارنے کی اجازت بھی نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی نہیں ہے۔ سنت وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رح کی کرامت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہٗ اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ہمیں کبھی کبھی تعلیم کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "آج میرے نکاح کو پچپن ۵۵ سال ہو گئے ہیں لیکن الحمدللہ کبھی اس پچپن سال کے عرصہ میں لہجہ بدل کر بات نہیں کی" میں کہا کرتا ہوں کہ لوگ پانی پر تیرنے اور ہوا میں اڑنے کو کرامت سمجھتے ہیں اصل کرامت تو یہ ہے کہ پچپن سال بیوی کے ساتھ زندگی گزاری، اور یہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جس میں یقیناً ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں یہ بات ممکن نہیں کہ ناگواری نہ ہوتی ہو لیکن فرماتے

ہیں کہ " میں نے لہجہ بدل کر بات نہیں کی" اور اس سے آگے بڑھکر انکی اہلیہ ہماری پیرانی صاحبہ فرماتی ہیں کہ ساری عمر مجھ سے یہ نہیں کہا کہ " مجھے پانی پلادو " یعنی اپنی طرف سے کسی کام کا حکم نہیں دیا کہ یہ کام کردو، میں خود اپنے شوق و جذبے سے سعادت سمجھکر انکا خیال رکھتی اور انکا کام کرتی تھی لیکن ساری عمر زبان سے انھوں نے مجھے کسی چیز کا حکم نہیں دیا۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب رح فرماتے تھے کہ " میں نے تو اپنے آپکو یہ سمجھ لیا ہے اور اسی پر اعتقاد رکھتا ہوں اور اسی پر خاتمہ چاہتا ہوں کہ میں تو خادم ہوں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خدمت کے لئے دنیا میں بھیجا ہے جتنے میرے اہل تعلقات ہیں انکی خدمت میرے ذمہ ہے میں مخدوم بناکر نہیں بھیجا گیا کہ دوسرے لوگ میری خدمت کریں بلکہ میں خادم ہوں اپنی بیوی کا بھی خادم، اپنے بچوں کا خادم، اپنے مریدین کا بھی خادم اور اپنے متعلقین کا بھی خادم ہوں اسلئے کہ بندے کے لئے خادمیت کا مقام اچھا ہے، اسلئے میں خادم ہوں" فرمایا کہ ؎

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نیست

(طریقت تو صرف خدمت خلق کا نام ہے تسبیح، جانماز اور گدڑی کا نام طریقت نہیں)۔

طریقت در حقیقت خدمت خلق ہی کا نام ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے سمجھ لیا کہ میں خادم ہوں مخدوم نہیں ہوں تو خادم دوسروں پر کیسے حکم چلائے گا کہ یہ کام کردو، ساری عمر اس طرح گذاری کہ جب ضرورت پیش آتی خود کام کرتے کسی سے نہیں کہتے، یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔ ظاہری چیزوں میں تو ہم لوگ سنت کا اتباع کر لیتے ہیں لیکن اخلاق میں، معاملات میں، معاشرت میں اور زندگی گزارنے کے طریقوں میں بھی

سنت کی اتباع کرنی چاہیئے۔

صرف دعویٰ کافی نہیں

اتباع سنت بڑی عجیب و غریب چیز ہے یہ انسان کی دنیا بھی بناتی ہے اور آخرت بھی بناتی ہے اور زندگی کو استوار کرتی ہے اور یہ صرف دعویٰ کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

وَكُلٌّ يَدَّعِيْ حُبًّا لِلَيْلٰى　　　وَلَيْلٰى لَا تُقِرُّ لَهُمْ بِذَالِكَ

(یعنی لیلیٰ سے محبت کا دعویٰ تو ہر شخص کر رہا ہے لیکن خود لیلیٰ ان کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتی ہے) یہ صرف عمل سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اپنے اخلاق میں اپنے کردار میں اور اپنے عمل سے اس چیز کو اپنائے کہ جس کے ساتھ ادنیٰ تعلق بھی ہوگیا اسکو اپنی ذات سے ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہونچائے۔

خلاصۃً کہ قرآن کریم نے بیوی کی اصلاح کا تیسرا درجہ جو بتایا ہے اسکی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرح فرمائی کہ ساری عمر میں کبھی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا چاہے کتنی ناگواری کیوں نہ ہوگئی، اور ان لوگوں کو جو اپنی بیویوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں بُرے اور بدترین لوگ قرار دیا۔

عن عمرو بن الاحوص الجشمی رضی اللہ عنہ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع یقول بعد ان حمد اللہ تعالیٰ واثنی علیہ وذکر و وعظ ۔ ثم قال : الا واستوصوا بالنساء خیرًا، فانما ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئًا غیر ذلک الا ان یأتین بفاحشۃ مبینۃ الخ

(ترمذی کتاب التفسیر باب ومن سورۃ التوبہ حدیث نمبر ۳۰۸۷)

خطبۂ حجۃ الوداع

اس حدیث میں حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبہ کا ایک اقتباس بیان کیا گیا ہے۔ یہ خطبہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج، حجۃ الوداع کے موقع پر دیا تھا اس خطبہ میں صراحتاً آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد میں تمکو یہاں نہ دیکھ سکوں لہٰذا اس خطبہ میں آپ نے وہ باتیں چن چن کر ارشاد فرمائیں جنکے اندر امت کے پھسل جانے اور گمراہ ہو جانے کا اندیشہ تھا تاکہ قیامت تک امت کے لئے ایک دستور العمل اور لائحۂ عمل سامنے آجائے اور امت کی گمراہی کے جتنے راستے ہیں اس خطبہ میں ان راستوں کو بند کرنے کی کوشش فرمائی۔

خطبہ تو بہت طویل ہے لیکن اس خطبے کے مختلف حصے مختلف مقامات پر بیان ہوئے ہیں اور یہ بھی اسی خطبہ کا ایک حصہ ہے جس میں مرد و عورت کے باہمی حقوق کو بیان فرمایا گیا ہے، پھر خاص کر مردوں کو عورتوں کے حقوق پہچاننے اور انکا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب آپ ان حقوق کی اہمیت کا اس بات سے لگا سکتے ہیں، یہ حقوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ حجۃ الوداع میں ایسے موقع پر ارشاد فرما رہے ہیں جبکہ یہ خیال بھی ہے کہ آئندہ اس طرح سب لوگوں کے سامنے بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے جن چیزوں کو بیان کرنے کے لئے منتخب فرمایا اور جن باتوں کی اہمیت آپ نے محسوس فرمائی کہ امت کو ہر حال میں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے ان میں مرد و عورت کے باہمی حقوق بھی داخل ہیں۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۱ - جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ مطابق نومبر ۱۹۹۷ء - جلد ۲۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

S.T.D code No 0532

فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج ۔ الہ آباد

ترتیب

پیش لفظ:- بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ "وصیۃ العرفان" کے شمارے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتے رہے اہل علم اور اصحاب ذوق اس چشمۂ فیض سے کما حقہٗ مستفید ہوتے رہے قارئین رسالہ اسکی افادیت کے معترف ہیں اور اسکا اظہار بھی برابر کرتے ہیں۔

لیکن اسکے باوجود اس تلخ حقیقت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے کہ سال اختتام کے قریب ہے اور ایک خاصی بڑی تعداد ایسے حضرات کی ہے جنھوں نے ابھی تک اپنا زر تعاون ارسال کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی جبکہ رسالہ ماہ بماہ انکی خدمت میں روانہ کیا جاتا رہا ہے۔ نیز برائے یاددہانی انھیں اطلاعی نوٹس بھی بھیجی گئی۔ ان تمام تر کوششوں کے باوجود خود کو بری الذمہ کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

اُن کرم فرماؤں سے التماس ہے جو رسالہ کی خریداری موقوف کرنا چاہتے ہوں کہ از راہ کرم آغاز سال میں اپنے خیال اور فیصلہ سے آگاہ فرمادیں تاکہ رسالہ کی ترسیل روک دی جائے، بصورت دیگر ادارہ کو کافی خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ آپ اپنے طور پر نیت کر لیتے ہیں اور خود کو بری الذمہ کر لیتے ہیں خدارا ادارہ کو بھی آگاہ فرمادیں جو آپکی شرعی ذمہ داری ہوتی ہے اسکا تعلق عقد معاملہ سے ہے اور یہ حقوق العباد سے متعلق ہے۔

انھیں حالات سے مجبور ہو کر ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ جو خریدار آئندہ ۹۸ء کیلئے یہ سلسلہ جاری رکھنا چاہتے ہیں وہ ضرور بالضرور اپنا زر تعاون دسمبر ۹۷ء تک روانہ کر دیں یا خریداری جاری رکھنے اور بند کرنے کے بارے میں مطلع کر دیں، ورنہ جنوری ۹۸ء سے رسالہ بھیجنے سے ہم معذور ہوں گے۔ امید ہے کہ ہماری یہ صدا، بصحرا ثابت نہیں ہوگی بلکہ آپکا تعاون ادارہ کے ساتھ مکمل اور مسلسل رہے گا۔ انشاء اللہ۔ والسلام

علم کی ضرورت

(۲)

اب دین کا علم چونکہ کبھی ناقص بھی ہوتا ہے اور کبھی بہ اغراض دنیویہ کے لئے پڑھا جاتا ہے اسلئے اسکی حیثیت رسم سے زیادہ نہیں ہوتی اسی لئے اہل حقیقت کے کلام میں کہیں کہیں علم کی مذمت آجاتی ہے مثلاً ایک حکیم فرماتے ہیں کہ ؎

علم رسمی سر بسر قیل است و قال   نے از و کیفیتے حاصل نہ حال

(رسمی اور رواجی علم قیل و قال کے سوا کچھ نہیں ہے نہ اس سے کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ حال)

اور مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

جملہ اوراق و کتب در نار کن   سینہ را با نور حق گلزار کن

(تمام اوراق اور کتابیں آگ میں جھونک دو اپنے سینہ کو خدا کے نور سے گل و گلزار بنا دو)

اسکا یہی مطلب ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ تو علم یا اسباب علم کی فضیلت کا کوئی منکر نہیں ہے۔

ابھی آپ نے حضرت علی متقیؒ کے کلام میں سنا کہ آلاتِ علم کی کیسی کچھ اہمیت اور عظمت بیان فرمائی ہے اور بات بھی یہی ہے جب علم کی فضیلت مسلم ہوگئی تو ظاہر ہے اسکے جو ذرائع ہیں ان سب کی اہمیت بھی اسی سے ثابت ہو جائیگی کیونکہ اَلشَّیْئُ اِذَا ثَبَتَ ثَبَتَ

بِلَوَازِمِہٖ (جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے) یہی وجہ ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ معلم متعلم اور آلاتِ علم سب معظم و محترم اور قابل اہتمام ہوتے ہیں

پھر آلاتِ علم میں سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز کتابیں ہیں۔ کیونکہ یہی ذریعہ بنتی ہیں علم سیکھنے کا بھی اور اسکے باقی اور یاد رہنے کا بھی۔

اب ظاہر ہے کہ اگر وہ کتب دنیوی علوم کا ذریعہ ہیں تو ان سے علوم دنیوی حاصل ہوں گے اور اگر دینی کتب ہیں تو ان سے علم دین حاصل ہوگا۔ غرض علم دنیا کا ہو یا دین کا اسکے تحصیل کا ذریعہ اور اہم ذریعہ کتابیں بھی ہیں اور یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اگر کتابیں نہ ہوتیں تو زبانی لوگ کتنی باتوں کو محفوظ رکھ سکتے۔ پھر اگر کوئی بدخواہ درمیان میں کسی موقع پر بھی ان میں تصرف کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا اور اسطرح سے کوئی بھی مسئلہ خواہ دین کا ہوتا یا دنیا کا قطع و برید اور محو اثبات سے مامون و محفوظ نہ رہ سکتا تھا نتیجہ یہ ہوتا کہ علوم پر سے اعتبار اٹھ جاتا اور اختلاف کا دور دورہ ہو جاتا۔

اسلئے ان حضرات کا یہ احسان عظیم ہے جنھوں نے علوم کو کتابوں میں مدون کر دیا کہ اب اسکی وجہ سے وہ گویا سربمہر ہو کر بالکل محفوظ ہو گئے۔

دیکھئے آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما نہیں ہیں لیکن ہم آپ آج بھی آپ کے ایک ایک قول اور ایک ایک فعل اور آپکی جملہ تعلیمات سے جو واقف ہو سکتے ہیں تو یہ کتاب ہی کی برکت ہے۔

اسی طرح سے قرآن شریف کو اس عالم میں نازل ہوئے ساڑھے تیرہ سو برس سے زائد کا زمانہ گزر گیا لیکن آج بھی ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ

کون سی سورت مکہ میں نازل ہوئی اور کون سی مدینہ میں، کون سی آیت رات کو نازل ہوئی اور کون سی دن میں، کون سی خلوت میں اتری اور کون سی جلوت میں، یہ کیونکر؟ یہ فیض بھی کتابوں ہی کا ہے۔

اسی طرح سے آج سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ اجمیریؒ بھی موجود نہیں ہیں نیز رومیؒ و غزالیؒ، جنیدؒ و شبلیؒ، سعدیؒ و حافظؒ، بھی اب دنیا میں نہیں رہ گئے ہیں نیز بقراط و سقراط بوعلی اور فارابی بھی نہیں رہے مگر آج بھی ہم کو ان سب کے حالات، ملفوظات، انتظام سلطنت، کلام اور تحقیقات کا جو پتہ ہے تو وہ کتابوں ہی کی بدولت تو ہے۔

الغرض علم کی عظمت اور اہمیت کے ساتھ ساتھ کتابوں کی اہمیت اور ضرورت ناگزیر ہے۔ اب اگر اسکے خلاف کوئی مضمون کسی محقق کا مشہور ہے تو وہ ناقابل ہے۔ مثال کے طور پر اکبر الہ آبادی مرحوم کا ایک شعر نقل کرتا ہوں اور پھر اپنے فہم کے مطابق اسکی توجیہ کرکے اسکا مطلب بھی بیان کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بہت ہی مشہور شعر ہے اور زبان زد خاص و عام ہے لیکن اگر آپ اسکے ظاہری لفظوں سے جو مطلب مفہوم ہوتا ہے اسکو لیجئے گا تو کتابوں کی اہمیت اور عظمت کا جو قصر ابھی آپ نے تعمیر کیا ہے وہ یکسر منہدم ہو جاتا ہے کیونکہ بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دین پیدا ہونے کا ذریعہ ایک اور صرف ایک ہے اور وہ ہے بزرگوں کی نظر۔

اور اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ پھر تو کتابوں کے یہ ذخیرے، کتب خانے، دارالمطالعے اور مدارس وغیرہ یہ سب چیزیں

بالکل بیکار اور معطل محض ہوجاتی ہیں کیونکہ دین پیدا کرنے میں جب انکو کچھ دخل ہی نہیں ہے تو ظاہر ہے کوئی انکی جانب توجہ کیوں کرے اور کسی دیندار کے لئے ان امور میں خوشی کا کون سا پہلو رہ جاتا ہے۔

اس غلط فہمی کے پیش نظر اس کلام میں تاویل کی ضرورت پیش آئی میں نے اسکو یوں سمجھا ہے کہ ایک دین ہے ایک تدین ہے، دین تو کتابوں میں ہی ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ حدیث کا علم حدیث شریف کی کتابوں میں ہے اور فقہی مسائل کا علم فقہ کی کتابوں میں ہے، تفسیر کا علم تفسیر کی کتابوں میں ہے۔ لغت کا علم لغت کی کتابوں میں ہے، یہ تو دین کے متعلق عرض ہے

باقی تدین یعنی دین کا عملی طور پر عامل کے اندر آجانا یہ متدین کی صحبت سے ہوتا ہے متدین اسکو کہتے ہیں جو دین کو اپنے اندر عملی طور پر پیدا کرلے تو یہ تدین بغیر متدین کے نہیں ہوسکتا، تدین کتاب کی صفت نہیں ہے متدین کی صفت ہے۔

پس قائل نے یہاں دین کا لفظ جو استعمال کیا ہے وہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ تدین کے معنی میں ہے اب اسکے بعد یہ کلام ایک درجہ میں صحیح کلی ہے

قائل کا یہ کہنا کہ باوجود علم اور کتب کی کثرت کے لوگوں میں دین جو نہیں ہے تو اسکا سبب یہ ہے کہ دین (یعنی تدین) کتاب سے حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ (یعنی تدین) دیندار (یعنی متدین) سے حاصل کرنے کی چیز ہے اور یہ صحیح ہے۔

اور میں یہاں اتنی بات اور کہتا ہوں کہ تدین تو متدین کی صفت ہے ہی دین کا صحیح علم کلی کتاب سے نہیں آسکتا ہمارے استاد حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ محض کتاب دیکھکر

کسی کو رکوع کرتا بھی نہیں آ سکتا صرف کتاب سے لوگ اسکو عمل میں لاتے تو سخت اختلاف ہوتا کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا اسکے حد کے اندر سخت اختلاف ہوتا اب تعامل امت سے یہ سب چیزیں آسان ہوگئی ہیں۔

کتاب کی ضرورت مسلم ہے کتاب میں قانون ہوتا ہے اور اسکا علم قانون داں کو ہوتا ہے تدین تو بجائے خود رہا صحیح علم کسی کتاب یا قانون کا اسکے عالم کے پاس ہوتا ہے اس لئے نہ کتاب سے استغنار ہوسکتا ہے نہ اہل علم سے۔

کتاب سے تو اسلئے ہم مستغنی نہیں ہو سکتے کہ علوم مدون اور منضبط جو ہیں تو وہ کتابوں میں ہی ہیں اور عالم سے اسلئے مستغنی نہیں ہیں کہ علم کتاب کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ عالم کی صفت ہے یعنی علم عالم کا وصف ہے اسکے اندر ہوتا ہے اسلئے علم کی تحصیل کے لئے بھی اہل علم کی صحبت اور علمار سے استفادہ ناگزیر ہے۔

میں نے مذکورہ بالا شعر کی جو توجیہہ پیش کی ہے اس سے مقصد صرف یہ تھا کہ کہیں لوگ اسکو بے محل نہ استعمال کریں اور اس سے معاذ اللہ کتابوں کی عدم ضرورت اور عدم افادیت پر نہ استدلال کرنے لگ جائیں۔

لیکن اس توجیہہ سے میری غرض یہ بھی نہیں ہے کہ کتاب ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جائے اور اسکی وجہ سے لوگ اہل علم کی صحبت سے خود کو مستغنی تصور کرنے لگیں کیونکہ یہ دونوں خیالات خالی از افراط و تفریط نہیں اسلئے قابل اصلاح ہیں صحیح اور اَعْدَلُ الْاَقْوَال یہ ہے کہ کہ ہم کتاب کے بھی محتاج ہیں اور علمار کے بھی چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کتابوں سے ایک مسئلہ مدتوں حل نہیں ہوتا اور کوئی اہل علم اس کو چند لفظوں میں حل کر دیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علم اہل علم کے اذہان میں جلا کر دیتا ہے اور اسکی وجہ سے اسکی بصیرت میں بہت ہی زیادہ اضافہ ہوجاتا ہے اور غیر اہل علم یا کم علم والے میں یہ بات نہیں ہوتی ۔ اسپر دو واقعے سنئے :۔

(۱) مشہور ہے کہ کسی بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ میری ایک ٹانگ مشرق میں ہے اور ایک مغرب میں ، ایک جاہل معبر نے اسکی یہ تعبیر دی کہ آپ کی ٹانگیں چیر دی جائیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوگیا حالانکہ علم تعبیر کی روشنی میں اسکا یہ مطلب بھی نکالا جا سکتا تھا کہ حدود سلطنت میں توسیع ہو جائیگی یعنی مشرق سے مغرب تک کا مالک ہو جائے گا ۔

اسی لئے خواب کی تعبیر کسی جاہل معبر اور ایسے شخص سے نہیں دریافت کرنی چاہئے جو خیر خواہ نہ ہو ۔

(۲) اسی طرح سے ایک اور بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ میرے سارے دانت گر گئے ہیں صبح کو معبر سے اسکی تعبیر پوچھی اس نے کہا کہ حضور کا سارا خاندان حضور کے سامنے ختم ہو جائے گا بادشاہ نے اسکو پسند نہیں کیا اور اسکو قتل کئے جانے کا حکم صادر فرما دیا ۔ پھر دوسرے معبر کو بلوایا اور اس سے اسکی تعبیر پوچھی اس نے کہا حضور یہ نہایت مبارک خواب ہے آنحضور کی عمر اپنے خاندان کے سب لوگوں سے زیادہ ہوگی ، بادشاہ اس سے خوش ہوا اور اسکو انعام دیا ۔

دیکھئے یہاں بات دونوں نے ایک ہی کہی تھی لیکن ایک کے ساتھ علم کی رہنمائی تھی اور دوسرے کے ساتھ جہل کی کارفرمائی ۔

غرض ہم بلاشبہ تحصیل علم کے باب میں کتابوں کے ساتھ ساتھ اہل علم اور علمائے محققین کے بھی محتاج ہیں اسکو خوب اچھی طرح سے

سمجھ لیجئے تاکہ غلط فہمی نہ ہو۔

حاصل یہ کہ علم جب معزز محترم، افضل اور اہم ہے تو اس کے توسط سے آلات علم اور کتب بھی اہم اور مہتم بالشان ہونگی ۔ لہٰذا علم کا پڑھنا پڑھانا جس طرح سے اہم خدمت سمجھی جاتی ہے اسی طرح سے طالبین علم کے لئے کتب کا وقف کردینا، عاریت پر دینا انکی فراہمی اور اس سلسلہ میں انکو ہرطرح کی سہولت بہم پہونچانا بھی اہم خدمت متصور ہوگی ۔

دنیا میں علم دنیا کی بھی حاجت ہے اور علم دین کی تو دنیا اور آخرت دونوں ہی جگہ ضرورت ہے لہٰذا جس طرح سے دینی کتب کا ذخیرہ جمع کردینا تاکہ اہل ضرورت بوقت حاجت اس سے منتفع ہوں موجب اجر و ثواب ہے اسی طرح سے علوم دنیوی اور حوائج زندگی سے متعلق کتب، رسائل، اخبارات، جرائد وغیرہ کا انتظام و اہتمام بھی بلاشبہ ایک اہم خدمت ہے ۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ایک دارالمطالعہ کے تعارف کے سلسلہ میں آپ سب حضرات یہاں جمع ہوئے ہیں لہٰذا میں اس مختصر سی گذارش کے بعد یہ کہکر کہ میں بھی اس مقصد میں آپ کا شریک ہوں اور اب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر کے مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ آپ حضرات کی اس سعی میں اخلاص عطا فرمائے اور اسکو مقبول فرمائے ۔

خدا کرے یہ ادارہ اپنے صحیح مقاصد کی اشاعت میں ہمیشہ سرگرم رہے اور اس میں روزافزوں ترقی ہو اسکا ہر خادم دینی اور دنیوی سعادتوں کا حامل بنے اور اسکی تمام ترکوششیں بارآور ہوں ۔

وما علینا الا البلاغ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ برحمتک یا ارحم الراحمین

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸۳۹)

سوال: یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جب تک بیعت سابقہ سے رجوع نہ کیا جائے بعد کی بیعت سے فیض نہیں پہنچ سکتا اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟

تحقیق

آپ نے بیعت اور اسکے تعداد و تکرار کی شرعی حیثیت دریافت فرمایا ہے اسکو کسیقدر تفصیل کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح کے رسالہ "القول الجمیل" سے نقل کرتا ہوں۔ انشاء اللہ اس سے آپ کو اس مسئلہ میں پوری بصیرت ہوگی، غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

بیعت کی تین قسمیں ہیں اول بیعت توبہ عن المعاصی دوسرے بیعت تبرک ہے یعنی برکت کے قصد سے صالحین کے سلسلہ میں داخل ہونا اسکی مثال سلسلۂ اسنادِ حدیث ہے کہ وہ کلی موجب برکت ہوتی ہے اور تیسرے بیعت تاکدِ عزیمت ہے یعنی ظاہراً اور باطناً امتثال اوامر اور ترک مناہی کیلئے خلوص کے ساتھ عزم مصمم کرنا اور اللہ تعالیٰ سے دل لگانا اور یہی تیسرا طریقہ اصل ہے۔

اسکے بعد ایفائے بیعت اور اسکے نقض و اخلال کی تفصیل کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت یہ ہے

اما الاولان فالوفاء بالبیعۃ فیھما ترک الکبائر وعدم الاصرار علی الصغائر والتمسک بالطاعات المذکورۃ من الواجبات والسنن الرواتب والنکث بالاخلال فی ما ذکرناہ۔

یعنی بیعت کی پہلی دونوں قسموں میں وفاء بالبیعۃ (عہد بیعت کو پورا کرنا) یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کو ترک کیا جائے اور صغائر پر اصرار نہ کیا جائے اور جملہ طاعات، واجبات وسنن رواتب پر مداومت کیجائے اور ان امور مذکورہ میں خلل اندازی مثلاً کبائر کا ارتکاب یا صغائر پر اصرار اور طاعات پر مستعد نہ رہنا یہ بیعت کو توڑنا ہے۔

واما الثالث فالوفاء البقاء علی هذه المجاهدة والمجاهدة

حتی یکون متنورا بنور السکینة ویصیر ذلك دیدناله

وخلقا وجبلة فعند ذلك قد یرخص فیما اباحه

الشرع من اللذات والاشتغال ببعض ما یحتاج

الی طول التعهد کالتدریس والقضاء والنکث بالاخلال

فی ذلك

یعنی بیعت کی تیسری قسم میں وفاء بالبیعہ (یعنی عہد بیعت کی تکمیل اور اسکا پورا کرنا) یہ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت پر مداومت کرتا رہے یہاں تک کہ اسکا قلب اطمینان کے نور سے روشن ہو جائے اور یہ بلا تکلف اس کی جبلی عادت بن جائے اسوقت اسکو بعض مباح لذتوں نیز علوم دینی کے درس وتدریس اور قضاء وغیرہ کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور اخلال بالبیعۃ (یعنی اس بیعت کا توڑ دینا) یہ ہے کہ نورانیت قلب سے پہلے مجاہدہ وریاضت ترک کردیوے یا لذّات مباحہ میں مشغول ہو جاوے

یہاں تک تو بیعت کی اقسام اور اسکی وفا وبقاء اور اسکے توڑنے اور خلل اندازی کا بیان تھا، آگے تکرار بیعت کے مسئلہ پر کلام فرمارہے ہیں جس کا آپ نے سوال کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

فاعلم ان تکرار البیعة من رسول الله صلی الله علیه وسلم

ماثور وکذلك من الصوفیه اما من الشخصین فان کان

بظهور خلل فیمن بایعه فلا باس وکذلك بعد موته

او غیبته المنقطعة واما بلاعذر فانه يشبه التلاعب
ويذهب بالبركة ويصرف قلوب الشيوخ عن
تعهده - والله اعلم

یعنی تکرار بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح حضرات صوفیہ سے منقول ہے سو اگر یہ تعدد بیعت دو پیروں سے ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ اگر اول میں کوئی خرابی نظر آئی یا اسکا انتقال ہوگیا یا ایسا دور چلا گیا کہ اب اس کے ملاقات کی توقع باقی نہ رہی تو ایسی صورت میں دوسرے سے بیعت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں باقی بلا عذر دوسرے سے بیعت ہونا یہ تو ایک کھیل ہے اور کوئی مرشد اسکو ہرجائی سمجھکر اسکی طرف التفات نہیں کرتا اور اور یہ تعلیم و تربیت سے اور اسکی برکات سے محروم رہ جاتا ہے

(شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل ص۲۴، ۲۵)

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس تفصیل سے آپ کی بیعتوں کا حکم معلوم ہوگیا کہ تلاعب یعنی کھیل نہیں ہوا کیونکہ آپ نے کسی شیخ کی حیات میں دوسرے سے بیعت نہیں کیا۔ اب آئندہ آپ کے لئے ضروری ہے کہ مشائخ موجودین میں سے جس پر اعتماد ہو اور جس سے مناسبت ہو رجوع کر کے اپنی اصلاح شروع کر دیں والسلام ۔

مکتوب نمبر ۸۰۴

حال : عرض ہے کہ ہدایت نامہ موصول ہوا لوگوں کو حضرت کا مکتوب گرامی سنایا گیا ۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : پھر محلے کے لوگ مولوی ۔ ۔ ۔ صاحب کے پاس اصلاح کا طریق پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے ، مولوی صاحب موصوف نے ایک مؤثر اور جامع بیان سے علم و عمل پر ترغیب دی ، الحمد للہ لوگوں پر کافی اثر ہوا اور لوگوں نے

اسی وقت سے کام کا ارادہ کر لیا عمل کیا تو ساتھ لوگوں کی توجہ علم کی جانب بھی مبذول ہوئی۔ لوگوں نے اتوار کو مولوی صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: الحمدللہ کہ محلہ میں دوسرے ہی دن سے کام بھی شروع ہوگیا ہے۔
تحقیق: الحمدللہ

حال: احقر سے ایک صاحب نے قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا ہے نیز بعض لوگوں نے ابتدائی دینی مسائل سیکھنے کے لئے بہشتی زیور سننے کا مجھ سے ارادہ ظاہر کیا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: احقر نے بہشتی زیور اور حیوٰۃ المسلمین سنانے کا ارادہ کیا ہے۔
تحقیق: الحمدللہ۔

حال: بڑی بات یہ ہوئی کہ والدین اپنے لڑکوں کو تنبیہ کرنے لگے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: احقر نے جوان لوگوں کو بھی اس طرف متوجہ کیا چنانچہ نے بعضوں نے نماز پڑھنا شروع کر دیا ہے اور دین کی باتیں سننے لگے ہیں۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: لوگوں کو احقر نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ جو لڑکے دن کو کاروبار وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں وہ رات کو قرآن شریف پڑھیں اور دینی معلومات حاصل کریں۔ تحقیق: بہت ضروری بات ہے۔

حال: ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابی کی امید ہے۔ حضرت اقدس سے عاجزانہ التماس ہے کہ کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۱۴۱)

حال: فتحپور میں حضرت والا کو دیکھنے کی دل میں تمنا تھی اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی انکا احسان ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: مسجد میں جو اتوار کے دن حضور کی باتیں مجلس میں سنیں ان سے ایمان

تازہ ہوا یقین میں بہت بڑا اضافہ ہوا۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: ایسی مجلسیں اس حقیر کو اللہ تعالیٰ چالیس دن مسلسل عطا فرما دیں تو یہ حقیر خدا تعالیٰ کے ساتھ یقین و اخلاص و رضا و محبت کا بہت بڑا حصہ پا جائے۔ تحقیق: خدا کرے۔

حال: مبارک ہیں وہ خدام جو ہر آن حضور کی صحبت کیمیا اثر سے مستفید ہوتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی محبت و خلوص اور دینداری کے صدقہ میں مجھے بھی حضور کے دامن تیقن سے اپنی محبت و رضا و خلوص کا وافر حصہ عطا کریں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کا یہ شعر دوران قیام فتحپور برابر یاد آیا کیا اور اب بھی یاد آتا ہے ؎

بہت دن کا ہوں تشنہ کام محبت
اسے اب تو لے لو سلام محبت

حضور والا! آپ کا یہ خادم ملازمت کے شروع ہوتے ہی حضرت حکیم الامتؒ کے بتلائے ہوئے طریق سنت پر کاربند ہونے کی سعی میں لگ گیا تھا اور جب سے لگا ہے مگر افسوس ہے کہ دنیائے مردار نے دل میں اپنا گھر بنا رکھا ہے اور اپنی فکر سے دل کو آزاد نہیں ہونے دیتی ہے نتیجہ اسکا یہ ہے کہ دل کا اللہ تعالیٰ کی محبت اب تک گھر نہیں کر پائی ہے۔ تحقیق: صحیح کہتے ہو۔

حال: اگر اللہ تعالیٰ کی محبت گھر کر لیتی تو میں اب تک کیوں خام رہتا اور فکر و پریشانی کب کی دور ہو گئی ہوتی۔ تحقیق: اور کیا۔

حال: یقیناً یہ تردد میری خامی اور عدم محبت اور عدم خلوص مع اللہ پر دال ہے۔ تحقیق: ٹھیک ہے۔

حال: اس کی وجہ سے خسارہ میں پڑا ہوں۔ حضور والا سے استدعا ہے کہ دنیا کی محبت کو میرے دل سے دور کر دیں۔ تحقیق: اللہ تعالیٰ آخرت کی محبت دل میں دیدیں جس سے دنیا کی محبت دل سے نکل جائے۔

حال : اور اسکے دور ہونے کی آسان اور سہل ترکیب بتلادیں۔
تحقیق : آخرت باقی ہے اور دنیا فانی ہے، یہ کافی ہے۔

مکتوب نمبر ۸۴۲

حال : حضور والا کی بے حساب عنایات کریمانہ اور حقیقی اور وہبی شفقتوں نے اس ناکارۂ ذلیل وخوار کے قلب وچشم ودماغ کو جو اپنے شومیٔ اعمال کے باعث اپنی حیات کے آخری سانس ظلمات میں پڑکر توڑ رہے تھے ایسا منور فرمایا اور ایسی برقی قوت عطا فرمائی کہ اسکے حقیقی اثرات جن سے یہ ناکارہ بفضلہ تعالیٰ متاثر ہوا ہے اور حضور والا کی عقیدت وعظمت اور محبت سے اپنا مقدر نصیب ہوا ہے اسکے اظہار سے یہ ناکارہ بالکل قاصر ہے۔ کاشکہ ان نعمتہائے غیر مترقبہ کی قدر وشکر کے لئے قدرت اور توفیق دیا جاتا۔ آمین ثم آمین۔

حضرتا! حقیقت امر تو یہ ہے کہ ان حقائق سے یہ ناکارہ بالکل کورا اور کور رکھتا حق تعالیٰ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس کور چشم کو ایسے شفیق مربی کے حوالہ کیا ہے کہ جس نے غفلت کے اس متوالے اور مخمور کو اپنے کیمیائی اور برقی قوتوں سے بیدار ہی نہیں فرمایا بلکہ بینا کرکے ظلمات کو مشاہدہ کرادیا اپنی اس خوش قسمتی پر اگر ایک جانب مسرت اور خوشی کے آنسو بہہ رہے ہیں تو دوسری جانب اپنی کم فہمی خباثت اور نقصانات کے مشاہدہ سے ایک گلوگیر خوف نے اس ناکارہ کو عاجز اور درماندہ کرکے نصرت الٰہی اور عنایات حضور والا کا بالکل محتاج بنا دیا ہے۔

اور حضور والا! ———— دل بھی نہایت وثوق اور یقین کے ساتھ تصدیق کررہا ہے کہ ان نعمتہائے الٰہیہ سے غفلت اور بے اعتنائی برتنے میں ہلاکت یقینی ہے۔ جو علوم اور حقائق اس سیہ کار کو بفضلہ تعالیٰ حضور والا کے واسطہ سے بدون استحقاق موصول ہوئے ہیں انکے ابقاء اور ارتقاء کی دلی دعاؤں کا یہ ناکارہ اشد درجہ محتاج ہے۔

تحقیق : مامور من اللہ ہونے کے متعلق لکھا تھا جس کو میں نے پہلے خط میں لکھا تھا اس کو صاف صاف لکھیئے کہ یہ لکھنا شیخ کو کیسا ہے؟ اب الفاظ میں اسکو رلانا چاہتے ہیں؟ ـ

کمالاتِ اشرفیہ

(۶۲)

(۲۲۸) احقر نے دریافت کیا کہ زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں فیس منی آرڈر کی اس رقم زکوٰۃ سے لی جاسکتی ہے؟ محصلین زکوٰۃ کی اجرت تو زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے اسلئے اس پر قیاس کیا فیس منی آرڈر کا کیا جاسکتا ہے؟ فرمایا کہ اول تو ہم میں قیاس و اجتہاد کی صلاحیت نہیں ثانیاً یہ قیاس بھی ظاہر الفساد ہے کیونکہ عامل کی اجرت کو تحصیل زکوٰۃ میں دخل ہے وہ ملحق بالزکوٰۃ ہوسکتی ہے اور منی آرڈر کی فیس کو تحصیل زکوٰۃ میں دخل نہیں بلکہ ترسیل زکوٰۃ میں دخل ہے جسکی حقیقت بعد حصول کے جدا کرنا ہے، ثالثًا وہ تصرف ہے امام کا اور یہ تصرف ہے غیر امام کا فَاَیْنَ هٰذَا مِنْ ذَالِكَ رابعًا وہاں عامل مسلم ہے یہاں عملۂ ڈاک بعض اوقات غیر مسلم بھی ہوتے ہیں خامسًا خود مقیس علیہ خلاف قیاس ہے، پس حکم مورد نص پر مقتصر رہیگا اس پہ قیاس مجتہد کو بھی جائز نہیں۔

ف: اس سے بھی حضرت والا کا تبحر فقہ و نور فہم، حقیقت شناسی صاف ظاہر ہے

(۲۲۹) فرمایا کہ (۱) فتات عورت اور اپاہج اور شیخ فانی اور اندھے کا قتل باوجود انکے بقاء علی الکفر کے جائز نہیں، اگر سیف اکراہ علی الاسلام (اسلام پر مجبور کرنے) کے لئے ہوتی تو انکو انکی حالت پر کیسے چھوڑا جاتا؟ (۲) جزیہ مشروع کیا گیا، اگر سیف جزائے کفر ہوتی تو باوجود بقاء علی الکفر کے جزیہ کیسے مشروع ہوتا (۳) پھر جزیہ بھی سب کفار پر نہیں چنانچہ عورت پر

نہیں، اپاہج و نابینا پر نہیں، رُہبان پر نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مثل سیف کے جزیہ بھی جزائے کفر نہیں ورنہ سب کفار کو عام ہوتا جب جزیہ کہ سیف سے اخف ہے جزائے کفر نہیں تو سیف جو کہ اشد ہے کیسے جزائے کفر ہوگی؟ (۴) اگر کسی وقت مسلمانوں کی مصلحت ہو تو کفار سے صلح بلا شرط مال بھی جائز ہے (۵) اگر حالات وقتیہ مقتضی ہوں تو خود مال دیکر بھی صلح جائز ہے۔ ان اخیر کی دو دفعات سے معلوم ہوا کہ جزیہ جس طرح جزائے کفر نہیں جیسا دفعہ نمبر۳ سے معلوم ہوا اسی طرح وہ مقصود بالذات بھی نہیں ورنہ صلح بلا مال یا بہ بذل مال جائز نہوتی۔ پس سیف یا جزیہ نہ جزائے کفر ہیں نہ مقصود بالذات۔

حسب تصریح حکمائے امت (کما فی الہدایہ وغیرہ) سیف کی غرض اعزاز دین اور دفع فساد ہے۔ اور جزیہ کی غرض یہ ہے کہ جب ہم ہر طرح انکی حفاظت کرتے ہیں اور اس حفاظت میں اپنی جان و مال صرف کرتے تو اسکا صلہ یہ تھا کہ وہ بھی حاجت کے وقت ہماری نصرت بالنفس بھی کرتے مگر ہم نے قانوناً اس سے بھی سبکدوش کردیا اسلئے انکو کم از کم کچھ مختصر ٹیکس ہی ادا کرنا چاہیئے تاکہ یہ نصرت بالمال اس نصرت بالنفس کا من وجہٍ بدل ہوجائے یہ اغراض ہیں سیف اور جزیہ کے اور یہی وجہ ہے کہ جب اعدائے دین سے احتمال فساد کا نہیں رہتا سیف مرتفع ہوجاتی ہے جس کے تحقیق کی ایک صورت قبول جزیہ ہے، ایک صورت صلح ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ نصرت بالنفس پر جو کہ عقلاً ان پر واجب تھی قادر نہیں ان سے نصرت بالمال بھی معاف کردی گئی۔ رہا مرتد کا قتل اسلام کی طرف عود نکرنے کی حالت میں سو اسکی حقیقت اِکْرَاہ عَلٰی قبولِ الاسلام (اسلام قبول کرنے پر زبردستی مجبور کرنا) نہیں بلکہ اِکْرَاہ عَلٰی اِبْقَاءِ الِاسلام بَعْدَ قبُوْلِہٖ (اسلام کے قبول کر لینے کے بعد اسپر باقی اور قائم رہنے کے لئے مجبور کرنا) ہے۔ اسکی بنا بھی وہی دفع فساد ہے جو اصل مسئلہ سیف کی بنا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ کفر قبل الاسلام کا شر

اور ضرر اخف ہے اسلئے اسکا تدارک جزیہ یا صلح سے جائز رکھا گیا اور کفر بعد الاسلام یعنی ارتداد کا شر اور ضرر اغلظ ہے کہ ایسا شخص طبعاً بھی زیادہ مخالف و محارب ہوتا ہے اور دوسروں کو اسکی حالت دیکھکر حق میں تذبذب و تردد بھی ہو جاتا ہے نیز اس میں ملت کا ہتک حرمت بھی ہے اس لئے اسکا تدارک سیف تجویز کیا گیا اور مُرتدّہ چونکہ عادۃً محارب نہیں ہوتی صرف تذبذب اور ہتک کا ضرر ہوتا ہے جو اسکے حبس دائم سے دفع کر دیا گیا کہ عقوبت میں فطرۃً خاصہ زجر کا ہے۔ بہرحال قانون اسلام کا (مع رفع تمامی شبہات) اعتراض اشاعت اسلام بالسیف کے لئے دافع ہونا ظاہر ہو گیا جو کہ حقیقت شناسان اہل انصاف کی شفاء کے لئے کافی ہے۔

(النور ماہ صفر ۱۳۴۶ھ)

ف: اس سے حضرت والا کا تبحر علم، استحضار قوانین اسلام ظاہر ہے۔

(۲۳۰) فرمایا کہ صبی کی تراویح نفل محض ہے اور بالغ کی سنت موکدہ ہے دوسرے یہ کہ صبی کی نفل شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتی اور بالغ کی واجب ہو جاتی ہے۔ پس صبی کی نماز ضعیف ہوئی اس پر بالغ کی قوی نماز کا مبنی کرنا (جیساکہ تراویح میں نابالغ کی امامت سے ہوتا ہے) خلاف اصول ہونے کے سبب جائز نہیں، اور بچوں کے حفظ قرآن وغیرہ کی ترغیب میں رکاوٹ ہو جانے کا عذر مسموع نہیں کیونکہ احکام کی بنا ر دلائل پر ہے مصالح پر نہیں۔ دوسرے یہ کہ بجائے تراویح کے نوافل میں انکا پڑھ لینا اس محتمل رکاوٹ کا تدارک ہے چنانچہ اسکا کافی ہونا مشاہد ہے۔ علاوہ اسکے یہ ہے کہ صبی میں ان مصالح کے ساتھ مفاسد بھی ہیں کہ اکثر وہ احکام طہارت وصلوٰۃ سے ناواقف اور متساہل بھی ہوتے ہیں، پس اسکی تجویز میں بالغین کی نمازوں کا فساد بہت غالب ہے اور فرمایا کہ کہ بلوغ کی اگر کوئی علامت نہ دیکھی جاوے تو بقول مفتی بہ پندرہ سال کی عمر

میں بلوغ کا حکم کر دیا جاتا ہے اس وقت اسکے پیچھے تراویح میں اقتدار جائز ہے۔

(۲۳۱) فرمایا کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے کہنے کے وقت امام کا نماز شروع کر دینا منجملہ آداب کے ہے جس کا ترک موجب اساءت یا عتاب نہیں لہٰذا اسکے تارک پر نکیر نہ کرے تو عامل بالآدب ہے اور اگر نکیر کرے تو مبتدع ہے دوسرے یہ کہ گو منجملہ آداب کے ہے مگر باوجود اسکے تاخیر کو ایک عارض سے اَعْدَلُ وَاَصَحّ فقہار نے کہا ہے جو مستلزم ہے افضل ہونے کو اور وہ عارض موذن کی اعانت ہے شُرُوعٌ مَعَ الْاِمام پر ایسے ہی ایک عارض سے (کہ وہ عامۂ ناس کے اعتبار سے مثل لازم کے ہوگیا ہے) اس میں بھی گنجائش ہے کہ قبل اقامت کے قیام کو افضل کہا جاوے اور وہ عارض تسویہ ہے صفوف کا جو نہایت موکد ہے اسلئے کہ عامۂ ناس کے عدم اہتمام و قلت مبالات کی وجہ سے مشاہد ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کی وجہ سے امام کی تحریمہ کے وقت صفوف کا تسویہ نہیں ہوسکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہوجانے پر بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاسے تو اقامت اور تحریمۂ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے۔ (النور ماہ رمضان ۱۳۵۲ھ)

ف: اس سے بھی حضرت والا کا علم و تفقہ و رعایت مقتضا دین، حقیقت شناسی صاف ظاہر ہے۔

(۲۳۲) ایک صاحب نے لکھا کہ ایک واعظ صاحب نے یہاں بیان کیا کہ انبیاء علیہم السلام کا بول و براز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک تھے کیونکہ آپ سراپا نور تھے اور انبیاء علیہم السلام کے بول و براز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے۔ ان روایات کے متعلق جناب کی کیا تحقیق ہے؟ جواباً تحریر فرمایا کہ خواہ مخواہ انھوں ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا جو نہ عقائد ضروریہ میں سے ہیں نہ احکام میں۔ سے

اور وعظ میں بیان کرنے کی چیز عقائد و احکام ہیں نہ کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام ہنسیں، ایسی روایات بسند ضعیف آئی ہیں اسلئے انکی نہ تصدیق واجب ہے نہ تکذیب لہٰذا ایسے امور میں مشغول ہی نہ ہونا چاہیئے نہ تصدیقاً نہ تکذیباً ہاں ایسے مضامین کی گنجایش فضائل میں ہو سکتی ہے۔ اور ایسے واعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے اور ان سے مطالبہ سند کا کیوں نہیں کیا گیا کہ اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔

ف: اس جواب سے حضرت والا کا کمال حزم و احتیاط اظہر من الشمس ہے۔

(۲۳۳) فرمایا کہ اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض یا اصول کا غموض ہو تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا حکم اول میں تو خود اسکے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جاوے گا یعنی نہ اس سے عقد مناکحت کی اجازت دیں گے اور نہ اسکی اقتدا کریں گے نہ اسکا ذبیحہ کھائیں گے نہ اس پر سیاست کا قرانہ جاری کریں گے اگر تحقیق کی قدرت ہوا سکے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے احکام جاری کریں گے اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اسکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے اسکی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے لَا تُصَدِّقُوا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا۔ الآیۃ رواہ البخاری (اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہدو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا الخ) دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں۔ (النور ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ)

اس جواب سے بھی حضرت والا کا کمال حزم و احتیاط و اقتدار طرز سلف

ثابت ہے ۔

(۲۳۴) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ایک مدعی اسلام کی تکفیر کیسے ہوسکتی ہے؟ کافر اور مسلمان ہونے کا آخر معیار کیا ہے؟ فرمایا کہ اصول ذیل اس امتیاز کے لئے کارآمد ہونگے جو بہ دلائل ثابت ہیں ۔

(۱) حلول کا قائل ہونا کفر ہے جیسا کہ بعض لوگ سر آغا خاں کے اندر خدائی حلول کے قائل ہیں لقولہ تعالیٰ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بنا پر کہ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہیں) ۔

(۲) جو رسوم و عادات کفار کے ساتھ ایسی خصوصیت رکھتے ہوں کہ بمنزلہ انکے شعار (مخصوص علامت) کے ہو گئے ہوں، اگر عرفاً وہ شعار مذہبی سمجھے جاتے ہوں وہ بھی کفر ہیں اسی اصل پر فقہا نے شدّ زُنّار (جنیو کا باندھنا) کو کفر فرمایا ہے ۔ اسی طرح تصویر کی پرستش کرنا یا کرشن کی تصویر عبادت خانہ میں رکھنا جو شعار کفار کا ہے یا بجائے بسم اللہ کے لفظ "اوم" لکھنا کہ یہ بھی انکا شعار ہے ۔ لقولہ تعالیٰ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے نہ سائبہ کو نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ جوڑتے رہتے ہیں)

(۳) اگر وہ رسوم عادات کفار شعار مذہبی نہ سمجھے جاتے ہوں تو تشبہ بالکفار ہونے کے سبب معصیت و حرام ہیں جیسے دیوالی سے بہی کھاتہ کا حساب شروع کرنا یا مقتداؤں کو لفظ خداوند سے خطاب کرنا، یا ان سے دعا مانگنا جیسا کہ آغا خانیوں کا طرز ہے ۔ لقولہ تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے "اور ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جائے")

(۴) عادات مخصوصہ بالمسلمین دلیل اسلام ہیں بشرطیکہ کوئی یقینی دلیل

کفر کی نہو ورنہ کفر ہی کا حکم کیا جاوے گا اور اسلام کی وجہ واحد کو کفر کی وجوہ متعددہ پر ترجیح اسی وقت ہے جبکہ وہ وجوہ کفر محتمل ہوں متیقن نہوں ۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ صَلّٰی صَلوٰتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ رواہ البخاری (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر کہ جس نے ہماری جیسی نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کا استقبال کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلم ہے)

ولقولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا (اور اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اسکے پیغمبروں کے ساتھ اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیمبروں کے درمیان (ایمان لانے میں) فرق رکھیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ ایک راہ درمیانی تجویز کریں تو ایسے لوگ یقینًا کافر ہیں)

(۵) موجبات کفر کے ہوتے ہوئے محض دعوائے اسلام و صلوٰۃ و قیام و استقبال بیت الحرام، ترتب احکام اسلام (مثلاً اس پر نماز جنازہ کا پڑھنا اور مقابر مسلمین میں دفن کرنا) کے لئے کافی نہیں جب تک ان موجبات سے تائب نہ ہوجائے لقول النبی صلی علیہ وسلم آیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ رواہ الشیخان۔ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی بنار پر کہ منافق کی تین علامتیں ہیں الخ ۔ اور مسلم کی روایت میں اتنی زیادتی اور ہے کہ اگرچہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور دعویٰ کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے)

(۶) باوجود ثابت کفر کے اسلام ظاہر کرنے والوں کے ساتھ بنا بر مصالح اسلامیہ

مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا مخصوص تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ اب وہ حکم باقی نہیں رہا عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ إِنَّمَا النِّفَاقُ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ أَوِ الْإِيْمَانُ وَفِي اللَّمَعَاتِ فِيْ شَرْحِ الْحَدِيْثِ أَيْ حُكْمُهُ بِعَدَمِ التَّعَرُّضِ لِأَهْلِهِ وَالسَّتْرِ عَلَيْهِمْ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّ الْمَصَالِحَ كَانَتْ مُقْتَصِرَةً عَلٰى ذٰلِكَ الزَّمَانِ أَمَّا الْيَوْمَ فَلَمْ يَبْقَ تِلْكَ الْمَصَالِحُ فَنَحْنُ إِنْ عَلِمْنَا أَنَّهُ كَافِرٌ سِرًّا قَتَلْنَاهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ (حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا اور اب تو بس کفر ہے یا ایمان شیخ عبد الحق محدث دہلوی "لمعات" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یعنی نفاق کا حکم "اہل نفاق سے تعرض نہ کرنا اور انکی پردہ پوشی کرنا اور انکے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ خاص تھا کیونکہ اسکے مصالح اسی زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے اب اس زمانہ میں وہ مصالح باقی نہیں رہے لہٰذا وہ حکم بھی باقی نہیں رہا۔ پس اب اگر ہم کسی کے متعلق یہ جان لیں گے کہ وہ اندرونی طور پر کافر ہے تو اسکو قتل کردیں گے (اور کفر کے احکام اس پر جاری کریں گے)

بلکہ احکام کے اعتبار سے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر عہد میں معاملہ کالمسلمین (مسلمانوں جیسے برتاؤ) میں تغیر ہوگیا تھا چنانچہ آیت وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اور ان میں سے کوئی مرجاوے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ اسکی قبر پہ کھڑے ہوئیے) مصرح ہے۔

(جاری)

سیرت الصوفی

(۴)

تہجد کی حدود

حدیث میں ہے وَ شَیْئٌ مِّنَ الدُّلْجَۃِ (اور کسی قدر آخر شب) اس اقتصاد (اور میانہ روی) میں ایک بھی حکمت اور مصلحت ہے کہ توسط میں دوام ہو سکتا ہے اور افراط میں دوام نہیں رہ سکتا۔ اور پہلے یہ قیام لیل کہ مراد تہجد ہے فرض تھا بعد اسکے فرضیت منسوخ ہو کر مسنونیت باقی رہ گئی، اور اقرب الی الدلیل تہجد کا سنت موکدہ ہونا ہے۔ تہجد سے محروم رہنے والوں کو اکثر غلطیاں ہو رہی ہیں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تہجد صرف اخیر شب ہی میں ہوتا ہے اور اسوقت اٹھنا دشوار ہے اسلئے انھوں نے چھوڑ رکھا ہے۔ یاد رکھو کہ اخیر شب میں نہ اٹھ سکے تو اول شب میں بھی وتر سے پہلے تہجد پڑھنا جائز ہے۔ بعضے یہ سمجھ رہے ہیں کہ تہجد کے بعد سونا نہیں چاہئے اور سونے سے تہجد جاتا رہتا ہے۔ یہ لوگ اسلئے نہیں اٹھتے یہ بھی غلطی ہے تہجد کے بعد سونا بھی جائز ہے۔ غرض اہل سلوک کے لئے یہ عمل تہجد کا بھی ضروری ہے اور اگر کبھی قضا ہو جائے تو زیادہ غم میں نہ پڑے تہجد کی قضا دن میں کرلے اس آیت سے یہی مراد ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا (اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے) بعض لوگوں کا اگر تہجد قضا ہو جائے تو حد سے زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں اور کراہتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ ہمارا تہجد کبھی

قضا نہوا تھا یہ کیا ہوگیا ؟ یاد رکھو اتنی پریشانی کا انجام بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ بجائے مطالعۂ محبوب کے اپنے مطالعہ میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اس غم میں لگ کر اصل ذکر سے جو کہ مقصود ہے رہ جاتے ہیں۔ اور انسان مطالعۂ محبوب کے لئے پیدا ہوا ہے اسکو غیر میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔ ع ماضی و مستقبلت پردۂ خدا است ۔ (ماضی اور مستقبل کی فکروں میں الجھنا تمہارے لئے مطالعۂ محبوب حقیقی سے مانع اور حجاب ہے) غرض نفس کو پریشانی میں زیادہ مبتلا نہ کیا جائے اور تجربہ ہے کہ بعض اوقات آسانی رکھنے سے نفس خوشی سے کام دیتا ہے اور بوجھ ڈالنے سے پہلا کام بھی چھوٹ جاتا ہے اسلئے بہت تنگی نہ کرو کہ ع۔ مزدور خوش دل کند کار بیش (خوشدل مزدور کام زیادہ کیا کرتا ہے) بعض محققین کا قول ہے کہ ذاکر شاغل کو مرغن کھانا چاہیئے ورنہ ضعف ہوجائے گا اور کسی وقت بیکار ہوجائے گا، خوب کھاؤ پیو اور اس سے کام لو البتہ یہ یاد رہے کہ کھانے پینے میں ایسی زیادتی نہو کہ کسل ہوجائے یا بیماری ہوجائے، بیمار ہوکر اور خرابی میں پڑجائے اسی لئے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا (کھاؤ، پیو) کے ساتھ وَلَا تُسْرِفُوْا (اور حد سے مت نکلو) بھی فرمایا۔ حضرات اہل بیت میں سے کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ ان سے کسی حکیم نے پوچھا کہ قرآن کو کتاب جامع کہتے ہیں حالانکہ اس میں طب جو کہ ضروری چیز ہے نہیں ہے، فرمایا اصل طب موجود ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا وہ دنگ رہ گیا۔ بطور جملۂ معترضہ کے یاد آگیا کہ غالب جو ایک آزاد شاعر ہے اس نے اپنے مذاق پر یہ شعر کہا تھا ؎

ہم توبہ جب کرینگے شراب کباب سے ۔۔۔ قرآں میں جو آیا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا نہو

کسی نے اسکا خوب جواب دیا ؎

تسلیم قول آپکا ہم جب کریں جناب ۔۔۔ جب آگے وَاشْرَبُوْا کے وَلَا تُسْرِفُوْا نہو

ایسا ہی روحانی تنگی قبض حزن وغیرہ سے بھی پریشان نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں

کبھی تزکیۂ نفس ہوا کرتا ہے۔

توسط کی ضرورت خاص کر وسوسہ کی طرف تو التفات کبھی نہ کرنا چاہیئے کیوں کہ درپے ہونے سے اس میں اور کبھی ترقی ہوتی ہے محقق اسکی طرف تو التفات کبھی نہیں کرتا اور وسوسہ کے پیچھے پڑنے میں سکے سوا اور کبھی بہت خرابیاں ہیں اسی ایک وسوسہ سے اور کبھی شاخیں نکلنی شروع ہوتی ہیں اور رہا غم سو وہ الگ ہے اور غم کی وجہ سے اصل ذکر و شغل فوت ہونا یہ الگ ہے۔ ایسا ہی استغفار اور توبہ کے وقت معاصی کے تذکرہ استحضار میں ایک قسم کا توسط ہونا چاہیئے یہ ضروری نہیں کہ سب گناہوں کی پوری فہرست پڑھنے بیٹھ جاوٗ۔ صرف اجمالی طور پر سب گناہوں سے توبہ کرے، ہر گناہ کا نام لینا ضروری نہیں۔ حدیث میں ہے وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ (اور ان گناہوں کو بھی معاف فرما دیجیے جنھیں آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں) اس سے بھی یہی بات نکلتی ہے اس میں سب گناہ آ گئے اگرچہ یاد نہ آئیں۔ کیونکہ اس سوچ میں وقت ضائع کرنا مطالعۂ محبوب سے غافل ہونا ہے۔ البتہ جو خود یاد آجائے اس سے بالخصوص توبہ کرلے۔ ایک شخص کا ذکر ہے رمی جمار کے وقت وہاں جوتیاں مار رہا تھا اور ایک ایک گناہ گن کر شیطان کو گالیاں دیتا تھا اور مارتا تھا سو یہ لغو ہے۔ ہر ایک گناہ کا نام لینا اور تلاش اور سوچ میں عمر عزیز کو جو در اصل مطالعۂ محبوب کیلئے رکھی اس سوچ بچار میں کھونا نہیں چاہیئے ؎

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست
ایں رشتہ را مسوز کہ چنداں دراز نیست

(یہ عمر عزیز جلانے گھلانے (فضول تفکرات میں الجھنے) کے قابل نہیں کیونکہ بہت مختصر اور محدود ہے۔ (زندگی کے) اس دھاگے کو جلاؤ مت یہ کچھ زیادہ لمبا نہیں ہے)

اہل سلوک کو بالخصوص اسکا خیال بہت ضروری ہے کہ مطالعہ محبوب سے غفلت نہو واقع میں عارف ہی کی نظر ان امور تک پہونچتی ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی خادم نے اس بات کا افسوس ظاہر کیا کہ اب کی بیماری کی وجہ سے مدت تک حرم میں جانا نصیب نہوا۔ آپ نے خواص سے فرمایا کہ اگر یہ شخص عارف ہوتا تو اس پر کبھی افسوس نہ کرتا کیونکہ مقصود قرب حق ہے اور اسکے لئے جس طرح نماز حرم میں ایک طریق ہے اسی طرح اسکے لئے مرض کبھی ایک طریق ہے تو بندہ کا کیا منصب ہے کہ اپنے لئے خود ایک طریق متعین کرے یہ مربی کے اختیار میں ہے۔ طبیب کی تجویز مریض کی تجویز سے ہزار درجہ زیادہ بہتر ہے۔

بہ دُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ ہرچہ ساقئ ما ریخت عین الطاف است

(تلچھٹ یا عمدہ صاف و ناصاف شراب کی تجویز کا تمھیں کوئی حق حاصل نہیں بس دم نہ مارو اور یہ سمجھو کہ جو ہمارے ساقی نے ہمارے جام میں انڈیل دیا ہے وہ انکا عین احسان وکرم ہے)

یہ سب بیان تھا قیام لیل اور اسکے آداب کا اختصار کے ساتھ

اہمیت تلاوت اور نماز

اب دوسرا معمول اہل سلوک کا مذکور ہوتا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو) ترتیل کے معنی ہیں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ صحابہؓ کے زمانہ میں ایک یہ بھی طریق حصول نسبت کا تھا کہ قرآن اور نماز پر مداومت اور محافظت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خواب میں دریافت کرنا کہ آجکل کے صوفیہ کے طریقوں میں سے کون سا طریقہ آپ کے موافق ہے؟ اور اسکے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد کہ ہمارے

زمانہ میں تقرب کا ذریعہ ذکر کے ساتھ قرآن اور نماز بھی تھا اور اب لوگوں نے صرف ذکر پر اکتفا کرلیا ہے۔ مشہور ہے۔ اور اس تغیر کی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ صحابہؓ کے قلوب بہ برکت صحبت نبوی اس قابل تھے کہ انکو اور قیود کی جو بعد میں حادث ہوئیں ضرورت نہ تھی ان کے میں صحبت نبوی کے فیض سے خلوص پیدا ہوچکا تھا وہ حضرات تلاوتِ قرآن اور صحبت نبوی سے بھی نسبت حاصل کر سکتے تھے انکو اذکار کے قیود زائد کی حاجت نہ تھی برخلاف بعد کے لوگوں کے کہ ان میں وہ خلوص بدون اہتمام کے پیدا نہیں ہوسکتا اسلئے صوفیہ کرام نے کہ اپنے فن کے مجتہد گذرے ہیں اذکار و اشغال خاصہ اور انکی قیود ایجاد کیں اس وجہ سے کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ خلوت میں جب ایک ہی اسم کا بہ تکرار ورد کیا جاتا ہے اور اسکے ساتھ ضرب و جہر وغیرہ قیود مناسبہ کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے تو اسکی تاثیر نفس و قلب میں واقع اور راسخ ہوتی اور رقت و سوز پیدا ہوکر موجب محبت ہوجاتا ہے اور محبت سے عبادت میں اخلاص پیدا ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ عبادت خالص کا حکم فرماتے ہیں وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ وغیرہ من الآیات (حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں۔ اور فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ مجھکو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھوں۔ اسکے علاوہ اور دوسری آیتیں بھی ہیں) ۔ پس معلوم ہوا کہ حضرات صوفیہ نے یہ قیود ذکر کے بطور معالجہ تجویز فرمائے ہیں اور اصل مقصد وہی اخلاص ہے پس اگر کسی شخص کو ان قیود سے مناسبت نہو یا بغیر ان قیود کے اذکار مسنونہ نوافل اور تلاوتِ قرآن میں پورا اخلاص پیدا ہوسکتا ہے تو صوفیۂ کرام ایسے شخص کے لئے ان قیود کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ پس اب معلوم ہوگیا کہ یہ تمام قیود،

اصلاح و تقویت کے لئے علاجاً تجویز کئے گئے ہیں کوئی شرعی امر اور قربت مقصودہ نہیں سمجھا جاتا جو بدعت کہا جائے۔ الحاصل یہ دوسرا دستور العمل تھا اہل سلوک کے واسطے یعنی تلاوت قرآن، اسکے بعد فرماتے ہیں اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (ہم آپ پر ایک بھاری اور باوزن کلام ڈالنے کو ہیں) اسکو ماقبل سے اس طور پر ربط ہے کہ مراد قَوْلًا ثَقِیْلًا سے وحی ہے جوکہ ثقیل تھی اور نماز اور تلاوت قرآن مجید کی مزاولت سے قوت احتمال اثقالِ وحی کی پیدا ہوگئی اسلئے پہلے نماز اور تلاوت کا حکم فرمایا پھر اِنَّا سَنُلْقِیْ الخ میں وحی کا وعدہ فرمایا اب اسکی تحقیق کہ نزول وحی کے وقت ثقل معلوم ہونے کا کیا سبب تھا سو یہ امر عقول متوسطہ سے خارج ہے۔ باقی روایات سے ثقل ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ نزول وحی کے وقت اونٹنی کا بیٹھ جانا اور ایک صحابیؓ کا یہ قول کہ نزول وحی کے وقت (جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ران انکی ران پر تھی) یہ معلوم ہوتا تھا کہ میری ران بیٹھی جارہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت شدتِ سرما میں کبھی نزول وحی کے وقت پسینہ آجاتا اس ثقل کے آثار روایات میں وارد ہیں اور ان آیات میں کہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (کیا ہم نے آپکی خاطر آپکا سینہ کشادہ نہیں کردیا اور ہم نے آپ پر سے وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپکی کمر توڑ رکھی تھی) یہ شرح صدر اور وضع وِزر جو موجبِ نقض ظہر تھا میرے نزدیک اسی طرف اشارہ ہے اور آیت کو اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ الخ (اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کئے ہوئے تو آپ اسکو ایسا دیکھتے الخ) اس معنی میں بہت ہی صاف ہے۔ اور نماز اور تلاوت اور ذکر کی مزاولت (دوام) اور کثرت سے قوت کا پیدا ہونا اور ثقل وحی کے احتمال (برداشت) کی طاقت پیدا ہوجانا اس طور پر ہے کہ چونکہ ذکر وغیرہ سے واردات اور فیوض غیبیہ علمی اور عملی قلب پر فائض ہوتے ہیں انکے ورود سے قلب

ہیں بتدریج قوت پیدا ہوتی رہتی ہے جس کی وجہ سے شدت وثقل کا مقابلہ کرسکنے کے لئے آسان ہو جاتا ہے چنانچہ اہل تلوین کا اضطراب اور اہل تمکین کا استقلال اسی وجہ سے ہے کہ پہلے قلب میں قوت تحمل کی نہ تھی پھر ذکر کی کثرت سے احتمال اثقال کی طاقت آگئی اور اس شعر میں ان ہی واردات میں سے بعض کا ذکر ہے ۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

(تم اپنے اندر انبیاء علیہم السلام کے علوم دیکھو گے بدون کسی کتاب اور تکرار کرانے والے کے اور بغیر کسی استاد کے)

اور یہ حالات وارده مختلف قسم کے ہوتے ہیں ، کبھی ذوق وشوق و سرور و انبساط ہوتا ہے کبھی حزن و انقباض ہوتا ہے ، بسط کے الگ فائدے ہیں اور قبض کے علحدہ مصالح ۔ اور سب محمود ہیں کیوں کہ قبض میں کلی تزکیۂ نفس و اصلاح عجب ہوتی ہے ۔

چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

(جب تمکو قبض کی حالت پیش آئے تو بسط کا سا معاملہ کرو یعنی خوش و خرم رہو (اور اعمال میں مستعد) اور چہرہ پر شکن تک مت ڈالو)

چونکہ قبض آید ترا اے راہرو آں صلاح تست آئس دل مشو

(اے راہ خدا کے راہی! جب تجھے قبض کی کیفیت پیش آوے تو یہ سمجھ کہ اسی میں تیری بھلائی اور نفع ہے ، دل میں مایوسی کو جگہ نہ دے اور غمگین مت ہو)

تام توجہ الی اللہ

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا (بیشک رات کا اٹھنا خوب مؤثر ہے (نفس کے کچلنے میں) اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے) اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ رات کو اٹھنے کے وقت چونکہ شور وشغب سے سکون ہوتا ہے اور افعال معاش کا بھی وقت نہیں ہوتا اسلئے قلب میں یکسوئی ہوتی

اور اسلئے اس وقت جو کچھ زبان سے پڑھا جاتا ہے دل کو اس سے بہت تاثیر ہوتی ہے اور جو کچھ کیا جاتا ہے اسکا اثر قوی ہوتا ہے تو گویا اس وقت۔ ان آیات میں اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ الخ مضمون آیت ماقبل قُمِ الَّیْلَ اور رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ الخ کی تعلیل ہے کہ اسوقت بوجہ ان اسباب کے حضور قلب زیادہ ہوتا ہے لہٰذا قیام لیل و ترتیل کا فائدہ اسوقت پورے طور سے حاصل ہوگا۔ اور حضور قلب کے متعلق ایک طریقہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے وہ یہ کہ مبتدی ہر ہر لفظ پر بہ تکلف مستقل ارادہ کرے اسی طرح الفاظ پر توجہ رہنے سے حضور حاصل ہو جاتا ہے اور بعد چندے ملکہ ہو جاتا ہے زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی اور منتہی کو ملاحظۂ ذات سے حضور میسر ہو سکتا ہے۔ ابتدا میں یہ مشکل ہے کیونکہ مبتدی کو غائب کا تصور جمتا نہیں اور منتہی ذات کا ملاحظہ رکھ سکتا ہے۔ اسکے بعد فرماتے ہیں اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا (بلا شبہہ آپ کو دن میں بہت کام رہتے ہیں) پہلے بطور حکمت کے بیان ہوا ہے کہ تہجد اور قرآن پڑھا جائے کیونکہ اس وقت اسکا اثر زیادہ ہوگا۔ اب اس کے علاوہ ایک اور وجہ بیان فرماتے ہیں کہ "آپ کو دن میں اور کام بھی رہتے ہیں" انکی وجہ سے خاص قسم کی توجہ الی اللہ تام نہیں ہو سکتی اسلئے یہ وقت شب کا کہ مصروفیت سے خالی ہے تجویز کیا گیا اور وہ کاروبار یہ ہے مثلاً تبلیغ دین، تربیت خلائق، حوائج ضروریہ لازمۂ بشریت ہر چند کہ تبلیغ دین اور تربیت خلائق خود بھی دین ہے لیکن چونکہ ان میں ایک قسم کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے لہٰذا اس میں خاص قسم کی توجہ الی اللہ پورے طور پر نہیں ہو سکتی جیسی خاص خلوت میں ہو سکتی ہے۔ یہاں سے بھی اس اوپر والی بات کی تائید ہوتی ہے کہ انسان باوجود کمال کے بھی لوازم بشریہ سے بالکل نہیں چھوٹ سکتا۔

(جاری)

شب برات کی حقیقت

> امت مسلمہ کے جو خیر القرون ہیں یعنی صحابہ کرام کا دور، تابعین کا دور، تبع تابعین کا دور، انہیں اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے لوگ اس رات کے اندر عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں لہٰذا اسکو بدعت کہنا یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے۔ اس رات میں جاگ کر عبادت کرنا باعث اجر و ثواب ہے اور اسکی خصوصی اہمیت ہے۔

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ اما بعد

شعبان کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اور اس ماہ میں ایک مبارک رات آنے والی ہے جس کا نام "شب برات" ہے چونکہ اس رات کے بارے میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اس رات کی کوئی فضیلت قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اور اس رات میں جاگنا اور اس رات میں عبادت کو خصوصی طور پر باعث اجر و ثواب سمجھنا بے بنیاد ہے۔ بلکہ بعض حضرات نے اس رات میں عبادت کو بدعت سے بھی تعبیر کیا ہے اس لئے لوگوں کے ذہنوں میں اس رات کے بارے میں مختلف سوالات پیدا

ہو رہے ہیں اسلئے اسکے بارے میں کچھ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوا۔

دین اتباع کا نام ہے

اس سلسلے میں مختصر گزارش یہ ہے کہ میں آپ حضرات سے بار بار یہ بات عرض کر چکا ہوں کہ جس چیز کا ثبوت قرآن میں یا سنت میں یا صحابۂ کرامؓ کے آثار میں، تابعین، بزرگان دین کے عمل میں نہ ہو اسکو دین کا حصہ سمجھنا بدعت ہے اور میں ہمیشہ یہ بھی کہتا رہا ہوں کہ اپنی طرف سے ایک راستہ گھڑ کر اس پر چلنے کا نام دین نہیں ہے بلکہ دین اتباع کا نام ہے کس کی اتباع؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، آپ کے صحابۂ کرامؓ کی اتباع، تابعین اور بزرگان دین کی اتباع۔ اگر واقعۃً یہ بات درست ہو کہ اس رات کی کوئی فضیلت ثابت نہیں تو بیشک اس رات کو کوئی خصوصی اہمیت دینا بدعت ہوگا جیسا کہ شب معراج کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ شب معراج میں کسی عبادت کا ذکر قرآن وسنت میں موجود نہیں

اس رات کی فضیلت بے بنیاد نہیں

لیکن واقعہ یہ ہے کہ شب برات کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی کوئی فضیلت حدیث سے ثابت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی فضیلت بیان فرمائی، ان میں سے بعض احادیث سند کے اعتبار سے بیشک کچھ کمزور ہیں اور ان احادیث کے کمزور ہونے کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ اس رات کی فضیلت بے اصل ہے لیکن حضرات محدثین اور فقہاء کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر ایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہو لیکن اسکی تائید بہت سی احادیث سے ہو جائے تو اسکی کمزوری دور ہو جاتی ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دس صحابۂ کرامؓ سے اسکی فضیلت میں روایات موجود ہیں لہٰذا جس رات کی فضیلت میں دس صحابۂ کرام سے روایات مروی ہوں اسکو بے بنیاد اور بے اصل کہنا بالکل غلط ہے۔

شب برات اور خیر القرون

امت مسلمہ کے جو خیر القرون ہیں یعنی صحابہ کرامؓ کا دور، تابعینؒ کا دور، تبع تابعینؒ کا دور، اس میں بھی اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے لوگ اس رات کے اندر عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں لہٰذا اسکو بدعت کہنا یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے اس رات میں جاگنا اس میں عبادت کرنا باعث اجر و ثواب ہے اور اس کی خصوصی اہمیت ہے۔

کوئی خاص عبادت مقرر نہیں

البتہ یہ بات درست ہے کہ اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کہ فلاں طریقہ سے عبادت کی جائے جیسے بعض لوگوں نے اپنی طرف سے ایک طریقہ گڑھ کر یہ کہہ دیا کہ شب برأت میں اس خاص طریقہ سے نماز پڑھی جاتی ہے مثلاً پہلی رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے وغیرہ وغیرہ اسکا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ بلکہ نفلی عبادات جس قدر ہو سکے وہ اس رات میں انجام دی جائے، نفلی نماز پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت کریں، ذکر کریں، تسبیح پڑھیں، دعائیں کریں، یہ ساری عبادتیں اس رات میں کیجا سکتی ہیں لیکن کوئی خاص طریقہ ثابت نہیں۔

اس رات میں قبرستان جانا

اس رات میں ایک اور عمل ہے جو ایک روایت سے ثابت ہے وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لیگئے اب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے اسلئے مسلمان اس بات کا اہتمام کرنے لگے کہ شب برات میں قبرستان جائیں، لیکن میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ ایک بڑی کام کی بات بیان فرمایا کرتے تھے ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے فرماتے تھے کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے جس درجہ میں ثابت ہو اسی درجہ میں اسے رکھنا چاہیئے اس سے آگے نہیں بڑھانا چاہیئے لہٰذا ساری حیات طیبہؐ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ جنت البقیع جانا مروی ہے کہ آپ شب برات میں جنت البقیع تشریف لے گئے، چونکہ ایک مرتبہ جانا مروی ہے اسلئے تم بھی اگر زندگی میں ایک مرتبہ چلے جاؤ تو ٹھیک ہے لیکن ہر شب برات میں جانے کا اہتمام کرنا، التزام کرنا اور اسکو ضروری سمجھنا اور اسکو شب برات کے ارکان میں داخل کرنا اور اسکو شب برات کا لازمی حصہ سمجھنا اور اسکے بغیر یہ سمجھنا کہ شب برات نہیں ہوئی یہ اسکو اسکے درجے سے آگے بڑھانے والی بات ہے لہٰذا اگر کبھی کوئی اس نقطہ نظر سے قبرستان چلا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے میں بھی آپ کی اتباع میں جا رہا ہوں تو انشاء اللہ اجر و ثواب ملے گا، لیکن اسکے ساتھ یہ کرو کہ کبھی نہ بھی جاؤ لہٰذا اہتمام اور التزام نہ کرو، پابندی نہ کرو۔ یہ درحقیقت دین کی سمجھ کی بات ہے کہ جو چیز جس درجہ میں ثابت ہو اسکو اسی درجہ میں رکھو اس سے آگے مت بڑھاؤ اور اسکے علاوہ دوسری نفل عبادت ادا کرلو۔

نوافل گھر پر ادا کریں

میں نے سنا ہے کہ بعض لوگ اس رات میں اور شب قدر میں نفلوں کی جماعت کرتے ہیں پہلے صرف شبینہ با جماعت ہوتا تھا اب سنا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کی بھی جماعت ہونے لگی ہے۔ یہ صلوٰۃ التسبیح کی جماعت کسی طرح بھی ثابت نہیں، ناجائز ہے۔ اسکے بارے میں ایک اصول سن لیجئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ فرض نمازوں کے علاوہ اور ان نمازوں کے علاوہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے با جماعت ادا کرنا ثابت ہیں مثلاً تراویح، کسوف اور استسقاء کی نماز ان کے علاوہ ہر نماز کے بارے میں افضل یہ ہے کہ انسان اپنے گھر میں ادا کرے۔ صرف فرض نماز کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے اندر صرف افضل نہیں بلکہ سنت موکدہ قریب بواجب ہے کہ اسکو مسجد میں جاکر جماعت سے ادا کرے۔ لیکن سنت اور نفل میں

اصل قاعدہ یہ ہے کہ انسان اپنے گھر میں ادا کرے لیکن جب فقہاء نے یہ دیکھا کہ لوگ گھر جاکر بعض اوقات سنتوں کو ترک کر دیتے ہیں اسلئے انھوں نے یہ کہی فرمایا کہ اگر سنتیں چھوٹنے کا خوف ہو تو مسجد ہی میں پڑھ لیا کریں تاکہ چھوٹ نہ جائیں ورنہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ گھر میں جاکر ادا کریں اور نفل کے بارے میں تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ نفل نماز میں افضل یہ ہے کہ اپنے گھر میں ادا کرے اور نفلوں کی جماعت حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے یعنی اگر جماعت سے نفل پڑھ لئے تو ثواب تو کیا ملے گا الٹا عذاب ملے گا۔

فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں

بات دراصل یہ ہے کہ فرائض دین کا شعار ہیں، دین کی علامت ہیں لہٰذا انکو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے کوئی آدمی یہ سوچکر کہ اگر میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھوں گا تو اس میں ریاکاری کا اندیشہ ہے لہٰذا میں گھر ہی میں نماز پڑھ لوں اسکے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اسکو حکم یہ ہے کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھو اس لئے کہ اس کے ذریعہ دین اسلام کا ایک شعار ظاہر کرنا مقصود ہے دین اسلام کی ایک شوکت کا مظاہرہ مقصود ہے اسلئے اسکو مسجد ہی میں ادا کرو۔

نوافل میں تنہائی مقصود ہے

لیکن نفل ایک ایسی عبادت ہے جس کا تعلق بس بندہ اور اسکے پروردگار سے ہے بس تم ہو اور تمھارا اللہ ہو، تم ہو اور تمھارا پروردگار ہو جیسا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تلاوت اتنی آہستہ کیوں کرتے ہو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَیْتُ (ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت حدیث نمبر ۱۳۲۹) "یعنی جس ذات سے یہ مناجات کر رہا ہوں اسکو سنا دیا اب دوسروں کو سنانے کی کیا ضرورت ہے؟" لہٰذا نفلی عبادت کا تو حاصل یہ ہے کہ وہ ہو اور اسکا پروردگار ہو، کوئی تیسرا شخص درمیان میں حائل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ براہ راست

مجھ سے تعلق قائم کرے اسلئے نفلی عبادتوں میں جماعت اور اجتماع کو مکروہ قرار دیدیا اور یہ حکم دیدیا کہ اکیلے آؤ، تنہائی اور خلوت میں آؤ اور ہم سے براہ راست رابطہ قائم کرو یہ خلوت اور تنہائی کتنا بڑا انعام ہے، ذرا غور تو کرو بندہ کو کتنے بڑے انعام سے نوازا جا رہا ہے کہ خلوت اور تنہائی میں ہمارے پاس آؤ۔

تنہائی میں ہمارے پاس آؤ

بادشاہ کا ایک عام دربار ہوتا ہے اسی طرح جماعت کی نماز اللہ تعالےٰ کا عام دربار ہے دوسرا خاص دربار ہوتا ہے جو خلوت اور تنہائی کا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا انعام ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب تم ہمارے عام دربار میں حاضری دیتے ہو تو اب ہم تمھیں تنہائی اور خلوت کا موقع بھی دیتے ہیں اب اگر کوئی شخص اس تنہائی کے موقع کو جلوت میں تبدیل کر دے اور جماعت بنا دے تو ایسا شخص اس خاص دربار کے نعمت کی ناقدری کر رہا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ تم تنہائی میں آؤ ہم سے مناجات کرو ہم تنہائی میں تمھیں نوازیں گے لیکن تم ایک جم غفیر اکٹھا کر کے لیجا رہے ہو

تم نے اس نعمت کی ناقدری کی

مثلاً اگر کوئی بادشاہ ہے تم اس سے ملاقات کے لئے دربار میں گئے وہ بادشاہ تم سے یہ کہے کہ آج رات کو نو بجے تنہائی میں میرے پاس آجانا تم سے کچھ پرائیویٹ بات کرنی ہے، جب رات کے نو بجے تو آپ نے اپنے دوستوں کا ایک جگھٹا اکٹھا کر لیا اور سب دوستوں کو لیکر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو گئے بتائیے کہ آپ نے اس بادشاہ کے اعزاز کی قدر کی یا ناقدری کی؟ اس نے تو تمھیں یہ موقع دیا تھا کہ تم تنہائی میں میرے پاس آؤ تم سے تنہائی میں باتیں کرنی تھیں، تمھیں خلوت میں خاص ملاقات کا موقع دینا تھا اور اپنے ساتھ رابطہ اور تعلق استوار کرنا تھا اور تم پوری ایک جماعت بنا کر اسکے پاس لے گئے تو یہ تم نے اسکی ناقدری کی۔

اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی عبادت کی اس طرح ناقدری نہ کرو نفلی عبادت کی قدر یہ ہے کہ تم ہو اور تمھارا اللہ ہو، تیسرا

کوئی نہ ہو' لہٰذا نفلی عبادات جتنی بھی ہیں ان سب کے اندر اصول یہ بیان فرما دیا کہ تنہائی میں اکیلے عبادت کرو اسکے اندر جماعت مکروہ تحریمی ہے اسلئے کہ اللہ تعالے کی طرف سے تو یہ ندا دی جارہی ہے کہ اَلَاهَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَلَهٗ کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اسکی مغفرت کروں" یہاں لفظ مُسْتَغْفِرْ مفرد کا صیغہ استعمال کیا یعنی کوئی تنہائی میں مغفرت طلب کرنیوالا ہے' تنہائی میں مجھ سے رحمت طلب کرنے والا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ تو یہ فرمارہے ہیں کہ تنہائی میں میرے پاس آکر مجھ سے مانگو لیکن ہم نے یہ کیا کہ شبینہ کا انتظام کیا' چراغاں کیا اور لوگوں کو اسکی دعوت دی کہ میرے پاس آکر میری اس خلوت میں شریک ہو جاؤ' حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کے انعام کی ناقدری ہے۔

لہٰذا شبینہ ہو یا صلوٰۃ التسبیح کی جماعت ہو یا کوئی اور نفلی جماعت ہو یہ سب ناجائز ہے۔

گوشۂ تنہائی کے لمحات

یہ فضیلت والی راتیں شور وشغب کی راتیں نہیں ہیں' میلے ٹھیلے کی راتیں نہیں' یہ اجتماع کی راتیں نہیں بلکہ یہ راتیں اسلئے ہیں کہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھکر تم اللہ تعالے کے ساتھ تعلق استوار کرلو اور تمھارے اور اسکے درمیان کوئی حائل نہ ہو؎

میان عاشق ومعشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

(محب اور محبوب کے درمیان ایسے اسرار و رموز ہوتے ہیں جنکی کراماً کاتبین (فرشتوں) کو بھی خبر نہیں ہوتی)

لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ اگر تنہائی میں عبادت کرنے بیٹھتے ہیں تو نیند آجاتی ہے مسجد میں شبینہ اور روشنی ہوتی ہے اور ایک جم غفیر ہوتا ہے جسکی وجہ سے نیند پر قابو پانے میں آسانی ہوتی ہے۔ ارے اس بات پر یقین کرو کہ اگر تمھیں چند لمحات گوشۂ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے

سکے میسر آ گئے تو وہ چند لمحات اس ساری رات سے بدرجہا بہتر ہیں جو تم نے پہلے میں گزاری۔ اسلئے کہ تنہائی میں جو وقت گزارا وہ سنت کے مطابق گزارا اور پہلے میں جو وقت گزارا وہ خلاف سنت گزارا وہ رات اتنی قیمتی نہیں جتنے وہ چند لمحات قیمتی ہیں جو آپ نے اخلاص کے ساتھ ریاء کے بغیر گوشہ تنہائی میں گزار لئے۔

وہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے

میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ اپنی عقل کے مطابق کام کرنے کا نام دین نہیں، اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں بلکہ انکے کہنے پر عمل کرنے کا نام دین ہے۔ انکی پیروی اور اتباع کا نام دین ہے - یہ بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ تمھارے گھنٹے شمار کرتے ہیں کہ تم نے مسجد میں کتنے گھنٹے گزارے؟ وہاں گھنٹے شمار نہیں کئے جاتے، وہاں تو اخلاص دیکھا جاتا ہے اگر چند لمحات بھی اخلاص کے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ میں میسر آ گئے تو وہ چند لمحات ہی انشاء اللہ بیڑا پار کر دیں گے لیکن اگر آپ نے عبادت میں کئی گھنٹے گزار دیئے مگر سنت کے خلاف گزارے تو اسکا کچھ بھی حاصل نہیں۔

اخلاص مطلوب ہے

میرے شیخ ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ بڑے کیف کے عالم میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تم لوگ سجدے میں جاتے ہو تو سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کئی مرتبہ کہتے ہو لیکن مشین کی طرح یہ تسبیح زبان پر جاری ہو جاتی ہے لیکن اگر کسی دن یہ کلمہ سبحان ربی الاعلیٰ ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ دل سے نکل گیا تو یقین کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس ایک مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کی بدولت بیڑہ پار کر دیں گے۔

لہٰذا یہ مت خیال کرو کہ اگر تنہا گھر میں رہ کر عبادت کریں گے تو نیند آ جائیگی اسلئے کہ اگر نیند آ جائے تو سو جاؤ، لیکن چند لمحات جو عبادت میں گزارو وہ سنت کے مطابق گزارو - حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ

اگر قرآن شریف پڑھتے پڑھتے نیند آجائے تو سو جاؤ اور سو کر تھوڑی سی نیند پوری کر لو اور پھر اٹھ جاؤ اسلئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی حالت میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے تمھارے منہ سے کوئی غلط لفظ نکل جائے لہٰذا ایک آدمی ساری رات سنت کے خلاف جاگ رہا ہے اور دوسرا آدمی صرف ایک گھنٹے جاگا لیکن سنت کے مطابق جاگا اور اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق جاگا تو یہ دوسرا شخص پہلے شخص سے کئی درجہ بہتر ہے۔

ہر عبادت کو حد پر رکھو

اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کی گنتی نہیں ہے بلکہ اعمال کا وزن ہے وہاں تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے عمل میں کتنا وزن ہے؟ لہٰذا اگر تم نے گنتی کے اعتبار سے اعمال تو بہت کر لیے لیکن ان میں وزن پیدا نہیں کیا تو اسکا کوئی فائدہ نہیں اس لئے فرمایا کہ نیند آجائے تو پڑ کر سو جاؤ اور پھر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اٹھکر پھر عبادت میں لگ جاؤ، لیکن سنت کے خلاف کام نہ کرو۔

لہٰذا جو عبادت جماعت کے ساتھ جس حد تک ثابت ہو اسی حد تک کرو مثلاً فرض کی جماعت ثابت ہے، رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت ثابت ہے، رمضان میں وتر کی جماعت ثابت ہے، اسی طرح جنازہ کی جماعت واجب علی الکفایہ ہے، عیدین کی نماز با جماعت ثابت ہے، نماز استسقاء اور نماز کسوف اگرچہ سنت ہے لیکن ان دونوں میں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت ثابت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے لہٰذا انکو جماعت سے ادا کرنا جائز ہے اور ان کے علاوہ جتنی نمازیں ہیں ان میں جماعت نہیں ہے ان میں تو اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندہ مجھ سے تنہائی میں ملاقات کرے۔ اللہ تعالیٰ نے تنہائی میں ملاقات کا جو اعزاز بخشا ہے یہ معمولی اعزاز نہیں ہے اس اعزاز کی قدر کرنی چاہیے۔

عورتوں کی جماعت

ایک مسئلہ عورتوں کی جماعت کا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت پسندیدہ نہیں ہے

چاہے وہ فرض نماز کی جماعت ہو یا سنت کی ہو یا نفل کی ہو۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ حکم فرمایا کہ تمھیں عبادت کرنی ہے تو تنہائی میں کرو، جماعت عورتوں کے لئے پسندیدہ نہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دین اصل میں شریعت کے اتباع کا نام ہے اب یہ مت کہو کہ ہمارا تو اس طرح سے عبادت کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اس دل کے چاہنے کو چھوڑ دو اسلئے کہ دل تو بہت ساری چیزوں کے کرنے کو چاہتا ہے اور صرف دل چاہنے کی وجہ سے کوئی چیز دین میں داخل نہیں ہو جاتی۔ جس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں کیا اس کو محض دل چاہنے کی وجہ سے نہ کرنا چاہئے۔

شب برات اور حلوہ

بہرحال یہ شب برات الحمدللہ فضیلت کی رات ہے اور اس رات میں جتنی عبادت کی توفیق ہو اتنی عبادت کرنی چاہئے باقی اور جو فضولیات اس رات میں حلوہ وغیرہ پکانے کی شروع کرلی گئی ہیں انکو بیان کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ شب برات کا حلوے سے کوئی تعلق نہیں اصل بات یہ ہے کہ شیطان ہر جگہ اپنا حصہ لگا لیتا ہے اس نے سوچا کہ اس شب برات میں مسلمانوں کے گناہوں کی مغفرت کیجائیگی، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالےٰ اتنے انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلۂ کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہیں شیطان نے سوچا کہ اگر اتنے سارے آدمیوں کی مغفرت ہو گئی پھر تو میں لٹ گیا اسلئے اس نے اپنا حصہ لگا دیا چنانچہ اس نے لوگوں کو یہ سکھا دیا کہ شب برات آئے تو حلوہ پکایا کرو، ویسے تو سارے سال کے کسی دن بھی حلوہ پکانا جائز اور حلال ہے جس شخص کا جب دل چاہے پکا کر کھالے لیکن شب برات سے اسکا کیا تعلق؟ نہ قرآن میں اسکا ثبوت ہے، نہ حدیث میں اسکے بارے میں کوئی روایت، نہ صحابہؓ کے آثار میں، نہ تابعینؒ کے عمل میں اور بزرگان دین کے عمل میں کہیں اسکا کوئی تذکرہ نہیں لیکن شیطان نے لوگوں کو حلوہ پکانے

میں لگا دیا چنانچہ سب لوگ حلوہ پکانے اور کھانے میں لگ گئے، اب یہ حال ہے عبادت کا اتنا اہتمام نہیں جتنا اہتمام حلوہ پکانے کا ہے۔

بدعات کی خاصیت

ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ بدعات کی خاصیت یہ ہے کہ جب آدمی بدعات کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے بعد پھر اصل سنت کے کاموں کی توفیق کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو لوگ صلوٰۃ التسبیح کی جماعت میں دیر تک کھڑے رہتے ہیں وہ لوگ پانچ وقت کی فرض جماعتوں میں کم نظر آئیں گے اور جو لوگ بدعات کرنے کے عادی ہوتے ہیں مثلاً حلوہ مانڈ کرنے اور کونڈے میں لگے ہوئے ہیں وہ فرائض سے غافل ہوتے ہیں، نمازیں قضا ہو رہی ہیں، جماعتیں چھوٹ رہی ہیں اسکی تو کوئی فکر نہیں لیکن یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سب سے زیادہ تاکید اسکی فرمائی تھی کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو اسکی میراث شریعت کے مطابق جلدی تقسیم کرو لیکن اب یہ ہو رہا ہے کہ میراث تقسیم کرنے کی طرف تو دھیان نہیں ہے مگر تیجہ ہو رہا ہے، دسواں ہو رہا ہے، چالیسواں ہو رہا ہے برسی ہو رہی ہے، لہٰذا بدعات کی خاصیت یہ ہے کہ جب انسان اسکے اندر مبتلا ہوتا ہے تو سنت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور سنت والے اعمال کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔

بہرحال ان فضولیات اور بدعات سے تو بچنا چاہیئے، باقی یہ رات فضیلت کی رات ہے اور اس رات کے بارے میں بعض لوگوں نے جو یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس رات میں کوئی فضیلت ثابت نہیں یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

پندرہ شعبان کا روزہ

ایک مسئلہ شب برات کے بعد والے دن یعنی پندرہ شعبان کے روزے کا ہے اسکو بھی سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ کہ سارے ذخیرۂ حدیث میں اس روزے کے بارے میں صرف ایک روایت ہے کہ شب برات کے بعد والے دن روزہ رکھو لیکن یہ روایت ضعیف ہے لہٰذا اس روایت کی وجہ سے خاص اس پندرہ شعبان کے روزے کو سنت یا مستحب قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں البتہ پورے شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے یعنی یکم شعبان سے ۲۷ شعبان تک روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے لیکن ۲۸ اور ۲۹ شعبان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ رمضان سے ایک دو روز پہلے روزہ مت رکھو تاکہ رمضان کے روزوں کے لئے انسان نشاط کے ساتھ تیار رہے۔ لیکن یکم شعبان سے ۲۷ شعبان تک ہر دن روزہ رکھنے میں فضیلت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ پندرہ تاریخ ایام بیض میں سے بھی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہر ماہ کے ایام بیض میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے یعنی ۱۳/ ۱۴/ ۱۵ تاریخ کو لہٰذا اگر کوئی شخص ان دو وجہ سے ۱۵ تاریخ کا روزہ رکھے ایک اس وجہ سے کہ یہ شعبان کا دن ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ یہ ۱۵ تاریخ ایام بیض میں داخل ہے اگر اس نیت سے روزہ رکھ لے تو انشا اللہ موجب اجر ہوگا لیکن خاص پندرہ تاریخ کی خصوصیت کے لحاظ سے اس روزہ کو سنت قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں اسی وجہ سے اکثر فقہاء کرام نے جہاں مستحب روزوں کا ذکر کیا ہے وہاں محرم کی دسویں تاریخ کے روزے کا ذکر کیا ہے، یوم عرفہ کے روزے کا ذکر کیا ہے لیکن پندرہ شعبان کے روزے کا علیحدہ سے ذکر نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ شعبان کے کسی بھی دن روزہ رکھنا افضل ہے۔ بہرحال اگر اس نقطۂ نظر سے کوئی شخص روزہ رکھ لے تو انشا اللہ اس پر ثواب ہوگا باقی کسی دن کی کوئی خصوصیت نہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ہر معاملہ کو اسکی حد کے اندر رکھنا

ضروری ہے، ہر چیز کو اسکے درجہ کے مطابق رکھنا ضروری ہے۔ دین اصل میں حدود کی حفاظت ہی کا نام ہے۔ اپنی طرف سے عقل لڑا کر آگے پیچھے کرنے کا نام دین نہیں لہٰذا اگر ان حدود کی رعایت کرتے ہوئے کوئی شخص روزہ رکھے تو بہت اچھی بات ہے انشاء اللہ اس پر اجر و ثواب ملیگا لیکن اس روزے کو باقاعدہ سنت قرار دینے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

بحث و مباحثہ سے پرہیز کریں

یہ شب برات اور اسکے روزے کے احکام کا خلاصہ ہے بس ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کیا جائے باقی اس بارے میں بہت زیادہ بحث و مباحثے میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ آجکل یہ مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے کہ اگر کسی نے کوئی بات کہدی تو اس پر بحث و مباحثہ شروع ہوگیا، حالانکہ ہونا یہ چاہیئے کہ جب کسی ایسے شخص سے کوئی بات سنی ہے جس پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ ہے تو بس اسی پر عمل کرلو کوئی دوسرا شخص دوسری بات کہتا ہے تو پھر بحث میں مت پڑو اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بحث میں پڑنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْمِرَاءُ یُطْفِئُ نُوْرَ الْعِلْمِ یعنی اس قسم کے معاملات میں آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا یا بحث و مباحثہ کرنا علم کے نور کو زائل کردیتا ہے۔ ہمارے ایک شاعر اکبر الہ آبادی مرحوم گذرے ہیں اس بارے میں انکا ایک شعر بڑا اچھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ؎

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

یہ مذہبی بحث جس میں فضول وقت ضائع ہو اس سے کچھ حاصل نہیں اور جن لوگوں کے پاس فالتو عقل ہوتی ہے وہ اس قسم کے بحث و مباحثے میں پڑتے ہیں اسلئے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جس عالم پر تمکو بھروسہ ہو اسکے کہنے پر عمل کرلو انشاء اللہ تعالیٰ تمہاری نجات ہوجائیگی اگر کوئی دوسرا عالم دوسری بات کہہ رہا ہے تو پھر تمھیں اس میں

الجھنے کی ضرورت نہیں بس سیدھا راستہ یہی ہے۔

رمضان کے لئے پاک و صاف ہو جاؤ

بہر حال حقیقت یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کو بے اصل کہنا غلط ہے اور مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شب برات رمضان المبارک سے دو ہفتے پہلے رکھی ہے یہ درحقیقت رمضان المبارک کا استقبال ہے، رمضان کی ریہرسل ہو رہی ہے رمضان کی تیاری کرائی جا رہی ہے کہ تیار ہو جاؤ اب وہ مقدس مہینہ آنے والا ہے جس میں ہماری رحمتوں کی بارش برسنے والی ہے، جس میں ہم مغفرت کے دروازے کھولنے والے ہیں اسکے لئے ذرا تیار ہو جاؤ۔

دیکھئے جب آدمی کسی بڑے دربار میں جاتا ہے تو جانے سے پہلے اپنے کو پاک صاف کرتا ہے، نہاتا دھوتا ہے، کپڑے وغیرہ بدلتا ہے لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کا عظیم دربار رمضان کی صورت میں کھلنے والا ہے تو اس دربار میں حاضری سے پہلے ایک رات دیدی اور یہ فرمایا کہ آؤ ہم تمھیں اس رات کے اندر نہلا دھلا کر پاک صاف کر دیں، گناہوں سے پاک صاف کر دیں تاکہ ہمارے ساتھ تمھارا تعلق صحیح معنی میں قائم ہو جائے اور جب یہ تعلق قائم ہوگا اور تمھارے گناہ دھلیں گے تو اسکے بعد تم رمضان المبارک کی رحمتوں سے صحیح معنوں میں فیض یاب ہو جاؤ گے۔

اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ رات عطا فرمائی اسکی قدر پہچاننی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک رات کی قدر کرنے اور اس رات میں عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بیوی کے حقوق اور اسکی حیثیت

(۴)

میاں بیوی کے تعلقات کی اہمیت اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی میں شوہر اور بیوی کے تعلقات کو کتنی اہمیت حاصل ہے اور خود صاحب شریعت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی کتنی اہمیت محسوس فرمائی ہے کیونکہ اگر میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کے حقوق صحیح طور پر ادا نہ کریں اور باہم تلخیوں پر کمر باندھ لیں تو اسکے ذریعہ صرف ایک دوسرے کے حقوق ہی ضائع نہیں ہوتے بلکہ بالآخر اسکا اثر دونوں خاندانوں پر پڑتا ہے اور بچوں پر اسکا اثر پڑتا ہے اور اسکی وجہ سے اولاد خراب ہوتی ہے اور چونکہ سارے تمدن کی بنیاد خاندان اور گھر پر ہے اس لئے اسکے نتیجے میں پورا تمدن بگڑ جاتا ہے اس واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اہمیت کے ساتھ اسکی تاکید فرمائی ہے

عورتیں تمھارے پاس مقید ہیں چنانچہ حضرت عمرو بن الاحوص جشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی اور وعظ ونصیحت فرمائی اور پھر فرمایا کہ خوب سن لو! میں تمھیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں تم اس نصیحت کو قبول کر لو اور یہ وہی جملہ ہے جو پچھلی حدیث میں آیا تھا اور اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ

عَنْدَکُمْ اسلئے کہ وہ خواتین تمہارے پاس تمہارے گھروں میں مقید رہتی ہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کا یہ ایک ایسا وصف بیان فرمایا کہ اگر مرد صرف اس وصف پر غور کرے تو اسکو کبھی ان کے ساتھ بدسلوکی کا خیال کبھی نہ آئے۔

ایک نادان لڑکی سے سبق لو

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ نادان اور غیر تعلیم یافتہ لڑکی سے سبق لو کہ صرف دو بول پڑھکر جب ایک شوہر سے تعلق قائم ہوگیا ایک نے کہا کہ میں نے نکاح کیا اور دوسرے نے کہا میں نے قبول کرلیا اس لڑکی نے اس دو بول کی ایسی لاج رکھی کہ ماں کو اس نے چھوڑا، باپ کو اس نے چھوڑا، بہن بھائیوں کو اس نے چھوڑا اپنے خاندان کو چھوڑا اور پورے کنبہ کو چھوڑا اور شوہر کی ہوگئی اور اسکے پاس آکر مقید ہوگئی تو اس دو بول کی اس نادان لڑکی نے اتنی لاج رکھی اور اتنی وفاداری کی تو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک نادان لڑکی تو اس دو بول کا اتنا بھرم رکھتی ہے کہ سب کو چھوڑکر ایک کی ہوگئی لیکن تم سے یہ نہیں ہوسکا کہ تم یہ دو بول لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھکر اس اللہ کے ہو جاؤ جس کیلئے یہ دو بول پڑھے تھے، تم سے تو وہ نادان لڑکی اچھی کہ یہ دو بول پڑھکر اسکا اتنی لاج رکھتی ہے تم سے اتنی لاج بھی نہیں رکھی جاسکتی کہ اس اللہ کے ہو جاؤ

عورت نے تمہارے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں

تو اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ یہ دیکھو کہ اس نے تمہاری خاطر کتنی بڑی قربانی دی اگر بالفرض معاملہ برعکس ہوتا اور تم سے یہ کہا جاتا کہ تمہاری شادی ہوگی لیکن تمھیں اپنا خاندان چھوڑنا ہوگا، اپنے ماں باپ چھوڑنے ہوں گے تو یہ تمہارے لئے کتنا مشکل کام ہوتا۔ ایک اجنبی ماحول اجنبی گھر، اجنبی آدمی کے ساتھ زندگی بھر نباہ کرنے کے لئے وہ عورت مقید ہوگئی۔ اسلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کیا تم اس قربانی کا لحاظ نہیں کروگے؟ اس قربانی کا لحاظ کرو اور اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان ، افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۱۲ ۔ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۷ء ۔ جلد ۲۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین ۔ ۲۵/۲۳ ۔ بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس جانسن گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماء اور حفاظتِ شریعت

یہ آلہ جس میں آواز ضبط کیجاتی ہے اس سے مضمون کے نقل کرنے میں آسانی ہوتی ہے اس لئے یہاں رکھا جاتا ہے پھر بعد میں اس سے لوگ لکھ لیتے ہیں۔ اس میں کچھ خرابی آگئی تھی اسلئے آواز مفہوم نہیں ہوتی تھی تو اسکو لیجاکر ایک آدمی کو دکھایا گیا جو اسکو بنانا جانتا تھا اس نے دیکھکر بتلایا کہ اس میں کئی پرزے ٹوٹکر دو ہوگئے ہیں جو کچھ دنوں تک چل جائیں گے لیکن دو پرزے بیکار ہوگئے ہیں وہ بدلے جائیں گے اور یہ دونوں پرزے آٹھ دس روز تک چل جائیں گے۔ چنانچہ انکو روپیہ دیدیا گیا پھر بعد میں اس شخص نے بتلایا کہ جو پرزہ اس میں لگایا گیا اس میں کم ہی روپیہ صرف ہوا اور بقیہ واپس کردیا اگر وہ شخص بقیہ روپیہ رکھ لیتا تو ہم لوگوں کو کیا معلوم ہوتا مگر اس نے واپس کردیا اس سے میں نے سمجھا کہ وہ آدمی اچھا ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ میں رکشہ سے جارہا تھا تو اچانک رکشہ رک گیا پوچھا کیا بات ہے معلوم ہوا کہ اسکی ہوا نکل گئی ہے۔ میں سمجھا کہ ہوا نکل گئی ہے تو فوراً ہی رکشہ والا اس میں ہوا بھردے گا لیکن وہ رکشہ کو ایک دوسری دوکان پر لے گیا جہاں ہوا بھری جاتی تھی اور وہاں ایک آدمی ہوا بھرنے والا رہتا تھا اس سے جاکر کہا کہ رکشے کی ہوا نکل گئی ہے بھردیجئے تو اس نے ہوا بھردیا پھر رکشہ چلا۔

اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جس طرح رکشہ کی ہوا نکل جاتی ہے

تو پھر نہیں چل سکتا بلکہ پھر جب ہوا اس میں بھری جاتی ہے تب چلتا ہے اور ہوا بھرنے میں بھی وہ دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح آپ کو سمجھنا چاہیے کہ ہماری ہوا نکلی ہوئی ہے اور اسکو بھرنے کے لئے ہم دوسرے کے محتاج ہیں جب تک ہوا بھرنے والے کے پاس نہ جائیں گے ہم میں نقص باقی رہیگا۔ اور ہمکو جس ہوا کی ضرورت ہے وہ ایمان ہے اور یہ کام انھیں حضرات کا ہے جو کامل الایمان ہوتے ہیں ان کے سب لوگ محتاج ہیں۔

سنئے! ہمارے اسی مکان کے سامنے لوگ جلسہ منعقد کرتے تھے اور ہمیں حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے متعلق طرح طرح کی باتیں کہتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ انھوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی صاحبؒ سے اختلاف کیا کتابیں نکال نکال کر دکھلاتے تھے مگر دیکھئے کہ حضرت حاجی صاحب مولانا گنگوہیؒ کو کس کس طرح خطاب فرما رہے ہیں؟ ایک مکتوب میں تحریر فرمائے ہیں کہ " منبع علوم شریعت و طریقت محدث گنگوہی ... " دیکھئے جب حضرت حاجی صاحب خود فرما رہے ہیں کہ منبع علوم شریعت و طریقت محدث گنگوہی تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان سے اختلاف تھا؟ اور پھر حضرت گنگوہیؒ بھی حضرت حاجی صاحبؒ کو اتنا مانتے تھے جس کی انتہا نہیں۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ اتنے بڑے بڑے حضرات کے بارے میں آپکی رائے کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور جن کی رائے کا اعتبار ہے وہ تو منبع علوم شریعت و طریقت محدث گنگوہی فرما رہے ہیں

ایک مرتبہ یہیں سامنے جلسہ کرکے لوگوں کو سمجھاتے تھے اور میرے بارے میں کہتے تھے کہ ان کے پاس مت جاؤ نہیں تو تمھارا دین بگڑ جائے گا اور بہت کچھ کہا سنا۔ میں نے سوچا کہ اب شاید یہ لوگ صبح کو بہت کم آدیں لیکن جب مجلس کا وقت ہوا تو دیکھا کہ روزانہ سے زیادہ لوگ مجلس میں موجود ہیں تو میں نے بھی ان لوگوں سے یہ بیان کرنا شروع کیا کہ ان ہی حضرات نے

اپنے شیخ سے اختلاف نہیں کیا ہے اور حضرت گنگوہیؒ تو بڑے زبردست عالم تھے ہر مرید کو حق پہونچتا ہے کہ اگر شریعت کے خلاف کوئی بات شیخ کی طرف سے پائی جائے تو اسکو کہے اور اسکے باوجود مریدی سے نکلتا نہیں اور میں نے یہ کہا کہ مریدی سے ایک ہی چیز نکالے گی وہ یہ کہ شیخ سے بداعتقاد ہو جائے۔ میں نے کہا کہ یہ شریعت کی بات ہے مدرسوں میں جاکر دیکھ لو کتب فقہ میں ذکر آتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ نے یہ فرمایا اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جو انکے شاگرد ہیں ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ اسکے باوجود حنفیت سے نہیں نکلتے بلکہ یہ سب حضرات مل کر حنفی کہلاتے ہیں۔ اور حنفیت درحقیقت امام صاحبؒ کے شاگردوں ہی سے چلی ہے۔

اس سے یہ مسئلہ نکالا جا سکتا ہے کہ شیخ سے اختلاف کے باوجود اگر اعتقاد درست ہے تو وہ مرید مریدی سے باہر نہیں نکلتا اگرچہ شیخ اسکو خفا ہو کر نکال بھی دے تب بھی چونکہ وہ بدعقیدہ نہیں ہوا ہے بلکہ اعتقاد باقی ہے اس لئے اسکی مریدی سے نہیں نکلے گا اور شیخ بھی اس سے راضی ہو جائے گا اور اگر یہاں نہ بھی راضی ہوا تو آخرت میں ضرور خوش ہو جائے گا۔

یہ میں اس پر کہہ رہا ہوں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے مرید ہیں اور ان سے کامل اور پکا اعتقاد رکھتے ہیں تو پھر آپ ان مسائل کو کیوں ذکر کرتے ہیں، مسائل سے اختلاف تو صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے امام صاحبؒ کے ساتھ کیا ہے۔

اسی طرح ترمذی شریف اٹھا کر دیکھ لیجئے یہ امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں اور ایسے شاگرد ہیں کہ انکے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ تم سے میں نے جتنا استفادہ کیا تم نے مجھ سے اتنا استفادہ نہیں کیا۔ اور پھر ترمذیؒ بخاریؒ سے اختلاف کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد استاد سے اور مرید شیخ سے اختلاف کر سکتا ہے۔

شریعت کا جو مسئلہ ہو گا اسکو اگر پیر نہیں جانتا تو مرید کی طرف رجوع

کرے گا چنانچہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت مولاناؒ کے پاس جو اہل علم رہتے تھے مولوی عبدالکریم صاحب وغیرہ ان سے حضرتؒ برابر فرماتے تھے کہ یہ مسئلہ کتابوں سے نکال لو چنانچہ مسائل نکال کر حضرت کو دکھائے جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ بھائی میں بڑھا ہوگیا ہوں اسلئے اب مجھکو تم لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے

مسائل کی ضرورت پیر کو بھی پڑتی ہے، اب اگر وہ آنکھ سے مجبور ہوگیا یا کسی وجہ سے خود مراجعت کتب نہیں کرسکتا تو وہ دوسروں سے پوچھے گا اور وہ اسکا مکلف ہے کہ پوچھے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ نے مریدوں کی طرف مسائل میں رجوع فرمایا ہے۔ حضرت حاجی صاحب بھی اپنے لوگوں سے مسائل پوچھا کرتے تھے، اور حضرت گنگوہیؒ کو تو منبع علوم شریعت و طریقت ہی فرما رہے ہیں۔

ایک بزرگ تھے جنھوں نے سماع سنا اور ایسی کیفیت استغراق کی طاری ہوئی کہ بالکل ہوش نہیں رہا اور تین دن یہی کیفیت رہی لیکن اسکے باوجود اوقاتِ نماز میں باقاعدہ وضو کرتے تھے اور تعداد رکعت کا لحاظ کرتے ہوئے نماز ادا کرتے تھے۔ حضرت مولاناؒ اس پر فرماتے تھے کہ وہ اُدھر سے تھوڑے ہی بیہوش تھے وہ تو اِدھر سے بیہوش تھے اور اِدھر سے بیہوشی کا سبب اُدھر ہی کا استغراق تھا اُدھر سے ذرا بھی غافل نہیں تھے، چنانچہ اعداد رکعت وغیرہ بھی یاد رکھتے تھے اور اوقاتِ نماز میں ہر وقت کی نماز ادا کرتے تھے واقعی اس زمانہ میں لوگوں کی عجیب حالت تھی کہ عشق اتنا کہ بالکل بیہوش معلوم ہوتے تھے اور اسکے ساتھ ساتھ شریعت کا اس قدر لحاظ اور اتنی رعایت فرماتے تھے کہ کوئی نماز چھوٹنے نہ پائے واقعی یہ انھیں حضرات کا کمال تھا کہ محبت اور شریعت اور احکام شریعت کی معرفت دونوں کو جمع فرماتے تھے اس پر میں نے ایک شعر پڑھا تھا تو ایک

ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے جو شعر پڑھا تھا اسکا ایک مصرع مجھے یاد ہے دوسرا یاد نہیں بتا دیجئے وہ شعر یہ ہے ؎

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

یعنی ایک ہاتھ میں شریعت کا جام ہو اور ایک ہاتھ میں عشق کا سندان اور دونوں کو باہم کھیلتا ہو تو یہ ہر ہوسناک کا کام نہیں ہے

وہ کہتے تھے کہ یہ تو یاد ہے کہ " بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق " اور دوسرا مصرع یاد نہیں ہے میں نے پورا پڑھ دیا۔

سندان تو لوہے کا ہوتا ہے جس پر رکھکر مضبوط مضبوط لوہے کو بھی پیٹ کر سیدھا کر دیتے ہیں اور جام نہایت نازک شیشہ کا ہوتا ہے کہ ذرا سا ٹھیس لگے تو پاش پاش ہو جائے تو اس میں شریعت کو جام سے تشبیہ دی ہے اور محبت کو سندان سے اور اس میں شک نہیں کہ کہ ان دونوں سے کھیلنا کوئی آسان کام نہیں اور ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔

حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ بزرگی تو لوہا لاٹ ہے اور شریعت بہت نازک ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ بزرگی میں تو کوئی شخص غلبۂ حال میں انا الحق بھی کہہ دے یا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ (میری ذات پاک ہے میری شان کسقدر عظیم ہے) کہدے یا اس قسم کے شطحیات[۵] زبان سے نکالدے تب بھی اسکی بزرگی باقی رہتی ہے اور شریعت میں تو قدم قدم پر جائز و ناجائز حلال و حرام کا سوال ہے اب اگر ذرا بھی حدودِ شرع سے تجاوز ہوگا تو علماء اسکے خلاف فتویٰ جاری فرما دیں گے اور انکے ذمہ ہے کہ جو شخص بھی ذرا سا خلافِ شرع کا ارتکاب کرے تو وہ اسکے خلاف حکم صادر کریں اس لئے کہ علماء شریعت کے محافظ ہیں اگر یہ اسکی حفاظت نہیں کریں گے تو ان سے باز پُرس ہوگی۔

---

۵ ۔ خلاف شریعت باتیں۔

علوم شریعت میں اس زمانہ میں حضرت مولاناؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا جتنے فتاوی آتے تھے ان پر جب تک حضرت مولانا دستخط نہیں فرماتے تھے وہ معتبر نہیں ہوتے تھے تمام مسائل حضرت مولاناؒ کو حفظ تھے یہی وہ علماء ہیں جو کہ شریعت کے محافظ ہیں۔

یہ گفتگو درمیان میں آگئی تھی، میں ایک بزرگ کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ انھوں نے سماع سنا تھا اور ایسی کیفیت تین دن تک طاری رہی کہ ہوش نہیں تھا اور محبت میں اتنے مغلوب تھے کہ سب لوگ سمجھتے تھے کہ ہوش میں نہیں ہیں جب انکو ہوش ہوا تو اپنے مریدوں سے پوچھا کہ میں نے نماز پڑھی یا نہیں لوگوں نے کہا کہ آپ نے نماز پڑھی ہے مگر انھوں نے اس پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے ایک خلیفہ کے پاس لکھکر پوچھا کہ میں نے ایسی مغلوبیت کی حالت میں جو نماز پڑھی وہ درست ہوئی یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب بھی ایسا دیا جو قابل وجد ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ نماز تو درحقیقت وہی ہوئی جو حضور نے اُس حالت میں پڑھی اسلئے کہ قلب اِس عالم سے بالکل بے تعلق ہوگیا تھا اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کیسی حضوری اور کیسا قرب رہا ہوگا اس بناء پر نماز تو وہی ہوئی جو حضور نے ادا کی مگر شریعت کی رعایت سے اس کو دہرالیا جائے۔

سبحان اللہ! کیا عمدہ جواب دیا، خلیفہ کے اس جواب کو اہل ذوق نے بہت پسند کیا کہ شیخ کا ادب بھی پوری طرح ملحوظ رکھا اور شریعت کا حکم بھی بتلا دیا اور نماز کے اعادہ کو اسلئے فرمایا کہ یہ حالت بیہوشی کی حالت سے مشابہ ہے اور بیہوشی کی حالت میں جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ ادا نہیں ہوتی بلکہ اسکا اعادہ واجب ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا حکم شیخ کو بھی بتلایا جا سکتا ہے کیونکہ شریعت سب پر حاکم ہے مرید کو بھی اس کی ضرورت ہے اور شیخ کو بھی۔ حضرت

مولانا گنگوہیؒ یا حضرت مولانا تھانویؒ نے اگر کوئی بات فرمائی ہے تو شریعت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس سے مقصود شریعت کی نصرت تھی حضرت حاجی صاحبؒ سے اختلاف مقصود نہیں تھا

سنئے! الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے کہ جب حضرت منصورؒ کو گرفتار کیا جانے لگا تو وہ ایک حجرے میں تھے پس انکی کرامت سے وہ اتنا تنگ ہوگیا کہ لوگ اس سے باہر نکالنا چاہتے تھے مگر وہ نہیں نکلتے تھے کہ اتنے میں حضرت جنیدؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ تمھارے بارے میں قضا و قدر سے جو چیز طے ہو چکی ہے اسکو تسلیم کرو اور حجرہ سے باہر نکل آؤ چنانچہ وہ نکل آئے اور پھر انکو سولی دیدی گئی۔

اب یہ باتیں ہم بیان کر رہے ہیں مگر یہ "بزرگان دین" جو ہمارے پاس روزانہ جمع ہوتے ہیں یہ ہمارے بدن کے تو قائل ہیں اور بزرگی کے بھی قائل ہیں لیکن شریعت کے البتہ قائل نہیں اور جو سنت و شریعت انکے سامنے پیش کرتا ہوں اسکی طرف آنا نہیں چاہتے۔

مکاتیب رشیدیہ سے حضرت حاجی صاحبؒ کا جو مکتوب میں سنا رہا تھا اس میں حضرت گنگوہیؒ نے وہاں کے بعض مشائخ کے بارے میں کچھ لکھا ہوگا تو اسکے جواب میں حضرت حاجی صاحب تحریر فرما رہے ہیں کہ

"مشائخ شامی متورع وثقہ اور عالم و درویش ہیں ان کے قول میں کچھ شبہہ نہیں لیکن بات یہ ہے کہ سیر اسماء میں جب سالک پر تجلی یا دی کی کیفیت و حالت طاری ہوتی ہے تو وہ اپنے کو مہدی موعود سمجھ لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے بزرگوں نے دعویٰ مہدویت کئے ایسے مقام میں مرشد کامل کی توجہ سے اس مغالطہ سے نجات پاکر دوسرے مقام کو ترقی کرتا ہے ورنہ اپنی دانست و شعور میں جب سالک عالم کامل ہو تو شریعت سے تطبیق کر کے اپنے

کو آگے بڑھا دے اسلئے ممکن ہے کہ انھیں بزرگوں میں سے کسی پر یہ حالت طاری ہوا اور اسی وجہ سے وہ اپنے کو مہدی موعود سمجھتے ہوں اور انکے معتقدین انکے صدق وخلوص کے باعث اعتقاد اسکا کرتے ہوں۔ بہرکیف ان کے اندر صدق ضرور ہے اگرچہ بمقتضیٰ بشریت کی وجہ سے غلطی ہوتی ہو کیونکہ انسان کسی درجہ کو پہونچے اسکے لئے سہو وخطا ضروری ہے ان بزرگوں سے آپکے واسطے اور آپ کے متعلقین کے واسطے انشاء اللہ دعا کراؤنگا۔

اور چونکہ ضعف بہت تھا اور کچھ علالت بھی تھی اس لئے حج میں اس دفعہ عرفات میں حاضر نہوسکا مگر الحمد للہ حاضری باطنی سے محروم نہ رہا۔ الحمد للہ آپ کی کیفیات باطنی اور حالات مقدسہ سنکر وذکر اذکر شکر بجالایا اللہ تعالیٰ آپ کے درجات اور قرب کو ترقی بالائے ترقی بخشے اور ہم بے بہروں کی نجات کا وسیلہ بنا دے"

دیکھئے حضرت حاجی صاحبؒ فرمارہے ہیں کہ اگر سالک اپنی دانست وشعور میں عالم کامل ہو تو اپنے احوال کو شریعت پر منطبق کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت سے تطبیق ہر حالت میں ضروری ہے اور ہر قول وفعل کو اور حال کو شریعت پر پیش کرنا ہوگا اگر اس سے مطابق ہوگا تو قبول ہوگا ورنہ ردکردیا جائیگا

حضرت حاجی صاحبؒ نے پہلی بات جو فرمائی کہ یا تو شیخ اسے نکال لے اس سے بڑھکر یہ بات فرمائی کہ اگر عالم ہو تو شریعت سے تطبیق کرے اور اس کی حالت شریعت کے مطابق نہو تو اس کو زائل کرے۔

علامہ شعرانیؒ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا ارشاد نقل فرمارہے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ حدیث شریف میں جو اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (علماء انبیاء کرام کے وارث اور نائب ہیں) آیا ہے اس سے مراد اولیاء ہیں یا فقہاء؟

تو اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث سے مراد علماء عاملین ہیں لِجَمْعِهِمْ فِي الْإِرْثِ بَيْنَ الْقَالِ وَالْحَالِ اسلئے کہ انھوں نے وراثت میں حال اور قال دونوں کو جمع فرمایا ہے۔

اب ہم حال کا ذکر کرتے ہیں تو یہ عوام الناس ہم سے خفا ہوتے ہیں کہ آخر حال کا ذکر کیوں کرتے ہو حالانکہ آپ کے علماء یہ فرمارہے ہیں۔ یہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ ہیں جنکا کلام نقل کر رہا ہوں کہ انبیاء کے وارث وہ علماء ہیں جو قال اور حال دونوں کے جامع ہوں اور وراثت میں صرف قال نہیں ہے بلکہ حال بھی ہے اور فرمارہے ہیں کہ زمانۂ ماضی میں علماء سلف ایسے ہی تھے یعنی انھوں نے قال کے ساتھ حال کو بھی جمع فرمایا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق میں اتباع کیا مگر پھر بعد میں جب اکثر لوگوں نے عمل سے تخلف کیا یعنی ان میں علم تو رہا لیکن عمل کو ترک کیا تو انکا نام فقہاء رکھا گیا اور اسم وَلِی کا ان سے سلب کر لیا گیا۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ اگر صرف قال رہ جائے اور حال نہ رہے تو یہ گمراہی کی بات ہے چنانچہ جب ان حضرات نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص چیز رخصت ہو رہی ہے اگر اسکی حفاظت نہیں کیجائے گی تو اصل دین ہی ختم ہو جائے گا اور گمراہی عام ہو جائے گی تو اس مسئلہ پر بھی خوب ہی خوب بحث فرمائی اور اس زمانہ میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ سب کچھ قال ہی کو سمجھا جاتا ہے حال کو لوگ جانتے بھی نہیں۔

ایک مرتبہ ہم اپنے وطن سے تھانہ بھون جارہے تھے اور وہاں سے سفر حج میں جانے کا ارادہ تھا راستہ میں ایک شخص ملا اور جب کسی اسٹیشن پر اتر کر میں پانی لینا چاہتا تھا تو وہ دوڑ کر پانی لاتا اور جہاں جہاں مجھکو ضرورت ہوتی وہ راستہ بھر میری خدمت کرتا رہا میں نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو تو بتلایا کہ سہارن پور جارہا ہوں جب سہارن پور

کا اسٹیشن آیا اور وہ مجھ سے رخصت ہونے لگا تو مجھ سے کہا۔۔۔۔کہ آپ کے سفر کا حال مجھکو معلوم ہے جب وہاں جائیے گا تو وہاں پہونچکر میرے لئے تقریر کی دعار کیجئے گا۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ شخص تقریر کے لئے دعا کرا رہا ہے اور کسی چیز کے لئے نہیں؟

مولانا انور شاہ صاحبؒ ایک بہت بڑے محدث کا ذکر فرماتے تھے کہ جب وہ وہاں پہونچے تو انھوں نے اتباع سنت کی دعار کی انکے ساتھ اور لوگ بھی تھے ان لوگوں نے حافظہ کی دعار کی مگر انھوں نے اتباعِ سنت ہی کی دعار کی۔

خیر اس شخص نے مجھ سے دعار کے لئے کہا تھا تو میں نے اس کو یاد رکھا اور وہاں پہونچکر اسکے لئے دعار بھی کر دی مگر تعجب اس بات پر ہوا کہ اس شخص کو ایسی جگہ پر جہاں دعار قبول ہوتی ہے خاتمہ بالخیر ہونے کی دعار کرانی چاہئے تھی استقامت علی الشرع (شریعت پر ثابت قدم رہنے) کی دعار کرانی چاہئے تھی۔

پھر جب میں واپس آیا تو کچھ ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا اور تقریر تک نہیں پہونچ سکا۔ اگر زندہ رہتا تو شاید اسکو تقریر آجاتی، لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر تقریر آ بھی جائے تو اس سے کیا فائدہ؟ تقریر سے بہت سے بہت عوام الناس کو منوا لوگے۔۔۔۔۔ اور یہ لوگ کہدیں گے کہ تم ہو گئے ہو لیکن آخرت میں تو تم کو اس سے کچھ نفع نہیں پہونچے گا اور تمھاری یہ تقریر خدا کے یہاں کچھ نہیں پوچھی جائیگی۔

اگر آپ میری اس بات سے خفا ہوتے ہوں تو ہو لیجئے مگر بات یہی ہے کہ انبیار کا وارث ہونے کے لئے صرف قال کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ ساتھ حال کا ہونا بھی ضروری ہے جیسا کہ ہمارے علمائے سلف

اسیسے ہی تھے

شیخ یافعیؒ سے جو محققین میں سے ہیں سوال کیا گیا کہ کرامات کبھی سحر کے مشابہ ہوتی ہیں پھران دونوں میں فارق کیا چیز ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ سحر اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ سحر تو فساق اور زنادقہ اور کفار کے ہاتھوں سے بھی ظاہر ہوسکتا ہے جو کہ شریعت پر اور متابعت پر نہیں ہوتے وَاَمَّا الْکَرَامَاتُ فَلَا یَظْهَرُ اِلَّا عَلٰی یَدِ مَنْ بَالَغَ فِیْ اِتِّبَاعِ الشَّرِیْعَةِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْغَایَةَ لیکن کرامت کا ظہور اسی شخص کے ہاتھوں پر ہوتا ہے جو اتباع شرع میں انتہائی مبالغہ کرے۔ فَهٰذَا هُوَ الْفَارِقُ بَیْنَهُمَا۔

دیکھئے آپ کے علماء اور مشائخ تو یہ فرمارہے ہیں کہ اتباع شرع میں جو شخص انتہا کو پہونچا ہو اسی کے ہاتھوں کرامت کا ظہور ہوتا ہے، تو گویا ولی کے لئے اتباع شرع میں مبالغہ شرط ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اتباع میں مبالغہ تو کجا بالکل بے شرع آدمی جو ستر عورت بھی نہیں کرتا اسکے ولی ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور جو کوئی عالم ہوتا ہے اور شریعت کا اتباع کرتا ہے اور حدود شرع سے تجاوز نہیں کرتا اسکے ولی ہونے کا ظن و گمان بھی نہیں کرتے بلکہ یہ خیال اپنے دل جمائے ہوئے ہیں کہ یہ لوگ کبھی ولی ہو ہی نہیں سکتے۔ کتابوں میں یہ بھی ایک بحث ہے اور علماء نے ولایت و کرامت پر بھی ایسی زبردست بحث فرمائی ہے کہ اس بحث کو اپنے اختتام تک پہونچا دیا ہے اسلئے ہم آپ کے سامنے اسکا ذکر کرتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کا ذکر بھی نہیں کیا جائے گا تو انکا علم ہی ختم ہو جائے گا۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ جو زبردست عالم بھی ہیں انھوں نے شریعت کی عظمت کو بہت ظاہر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ ضروری چیز اور بعد والوں کے لئے سب سے بڑا تبرک یہی ہے۔

علماء کے ذمہ شریعت کی حفاظت ہے اور درحقیقت یہی حضرات محافظ شریعت ہیں۔

میں یہ کہہ رہا ہوں شریعت پر عمل تو سبھی کے لئے ضروری ہے خواہ علماء ہوں یا عوام مگر علم شریعت کی حفاظت علماء کے ذمہ ہے اور جسطرح تبرکات کی حفاظت کیجاتی ہے اسی طرح شریعت کی بھی تبرک سمجھکر حفاظت کرنا ضروری ہے اگر علماء امت اسکی حفاظت نہیں کریں گے تو شریعت کا علم ہی رخصت ہو جائیگا اور علم کے دفتر سے انکا نام بھی کٹ جائے گا۔

ایک آدمی جونپور کے تھے انکی ایک جگہ لوگوں نے دعوت کی وہ ان لوگوں سے بہت خوش ہوکر کہنے لگے کہ جاؤ تم سب لوگوں کو معاف کردیا زندوں کو بھی مردوں کو بھی میں نے جب سنا تو کہا مردوں کی سب خطاؤں کو تم کیا معاف کر سکتے ہو تم صرف اپنی خطاؤں کو معاف کر سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی جو خطائیں اس نے کی ہیں اسکو معاف کرنے والے آپ کون ہیں؟ یعنی جو فسق و فجور اس نے کیا ہے وہ تو توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرماتے ہیں، آپ کے اختیار میں اسکی معافی ہے ہی نہیں پھر آپ کے معاف کرنے سے کیا ہوتا ہے مگر عوام الناس بہت خوش ہیں کہ معاف کر دِھلیئں (معاف کردیا)۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ فرماتے ہیں کہ:-

"علامتِ تحقیق ایں مانع در سالک نا مقبول ایں است کہ
آں اہتمامے کہ در ادائے اورادِ مشائخ - - - - می نماید
عُشرِ عشیر آں در صلوٰۃ مفروضہ نمی کند" الخ

ایک سالکِ نا مقبول ہوتا ہے اسکو فرما رہے ہیں کہ اسکی علامت یہ ہے کہ جو اہتمام مشائخ کے بتلائے ہوئے اوراد میں یہ نا مقبول لوگ کرتے ہیں اسکا عُشرِ عشیر (دسواں حصہ بھی) فرض نماز کی ادائیگی میں نہیں کرتے بلکہ

جس وقت شیطان لعین اس جماعت پر قابو پا لیتا ہے اور انکو راہِ حق سے بہت دور ہٹا دیتا ہے تو یہ لوگ نماز جیسے اہم فریضہ کو کبھی سرکار حاکم وقت کی بیگار شمار کرنے لگتے ہیں اور جو وقت کہ انکا وضو اور نماز میں صرف ہوتا ہے اس کو ضائع گمان کرتے ہیں اور اپنے لئے کسی کام آنے والا نہیں سمجھتے معاذَاللّٰہِ مِنْ ذَالِكَ ۔ اور یہ کبھی فرما رہے ہیں یہ اس جماعت کا حال ہے جو متصف باسلام ہے اور جو لوگ کہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس موقع پر ان سے بحث نہیں ۔ ظاہر ہے کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ متصف باسلام (مسلمان) ہونے کے باوجود خدا کے فریضہ کو حاکم وقت کی بیگار سمجھتے تھے حتّٰی کہ جو وقت اس میں صرف ہو اسکو ضائع جانتے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھنا واجب ہے

فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے اَکْبَرُ الْکَبَائِرِ سُوْءُ الظَّنِّ بِاللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کیساتھ سوءظن اور بدگمانی یہ اکبر الکبائر ہے یعنی سب سے بڑا گناہ ہے) آپ نے یہ نہ سنا ہوگا ۔ یہ تو سنا ہوگا کہ اَکْبَرُ الْکَبَائِرِ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰہِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَ شَہَادَۃُ الزُّوْرِ " یعنی اکبر کبائر (اور سب سے بڑے گناہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا کسی کو قتل کردینا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی ہے " مگر ان لفظوں میں آپ نے نہ سنا ہوگا کہ اَکْبَرُ الْکَبَائِرِ سُوْءُ الظَّنِّ بِاللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

لمانی سارے کبائر سے بڑھکر کبیرہ ہے چاہے وہ بدگمانی اپنے معاش
ں کے معاملے میں کیوں نہو مثلاً یہ کچھ حالت بدلی تو کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے
ب تک بڑی عزت سے رکھا تھا اب حال خراب ہو جائے گا یہ بھی کبیرہ
ہے یعنی کفر کے بعد ایک اعتقادی گناہ ہے اور اکبر کبائر اس لئے
رمایا کہ مقدمہ کفر کا بن سکتا ہے۔ قرآن شریف میں فرمایا ہے

ذَالِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ

تمھیں اسی گمان بدنے ہلاکت کا یہ روز بد دکھایا جو تم اپنے
رب کے ساتھ کیا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے
بندوں کے ساتھ ان کے ظن ہی کے مطابق ہوتا ہے۔

یکن سوء ظنی سے ممانعت کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا خوف
کرے بلکہ جس طرح اپنے رب کے ساتھ حسن ظن بندے پر واجب ہے
سی طرح سے یہ بھی واجب ہے کہ اسکے عقاب کا خوف کرے اور
سکے عذاب سے ڈرے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوء ظن
رام ہے اعتقادی گناہ اور اکبر کبائر ہے اور اسی سے یہ بھی نکلا کہ
سن ظن واجب ہے اور ایمان کے بعد یہ بھی ایک قلبی عقیدہ ہونا چاہیے
ور ایمان کے لوازم سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے۔

ایک صاحب نے مجھے ایک دفعہ لکھکر بھیجا تم ایسے ایسے ہو
میری کچھ تعریف کی) پھر لکھا کہ تم میرے چھوٹے ہو مگر میں تمھارا ادب کرتا
وں میں اس درجے کا نہیں ہوں اور چونکہ ادب کرتا ہوں اس لئے
یک بات پوچھتا ہوں وہ یہ کہ میرے مرنے کا وقت قریب آرہا ہے قبر کی
نگی اور اسکی ظلمت کا خیال آکر بہت ڈر لگتا ہے اس کے متعلق کچھ لکھو
پ جس طرح انھوں نے لکھا تھا میں نے بھی جواب لکھا اور یہ لکھا کہ
س طرح قبر میں تنگی اور ظلمت کے متعلق آپ نے سنا ہے اسی طرح سے

وسعت اور نور کا بھی تو ذکر آتا ہے پھر آپ نے ایک ہی چیز کو کیوں لیا! مومن کے لیے قبر میں وسعت ہی وسعت ہے اور احیاء العلوم سے ایک روایت نکال کر میں نے لکھی جس میں یہ تھا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ سے محض حسن ظن کی بنا پر بخش دیا گیا بس اس سے انکی تسلی ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خوف دونوں کا قرآن شریف میں ذکر ہے۔ اسی طرح سے حسن ظن کا بھی حکم ہے۔ حسن ظن عبادت ہے اور باطنی طاعت ہے جو ظاہری طاعت سے کہیں بڑھکر ہے اور مؤمنین کے ساتھ جو حسن ظن کا حکم ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن واجب ہوا تو جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کے ساتھ بھی حسن ظن ضروری ہے رجا اور خوف کے ساتھ ساتھ اللہ کے نیک بندے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن بھی رکھتے ہیں، اسکو یہ واجب کہہ رہے ہیں میں کہتا ہوں کہ واجب کیا بلکہ سب واجبات سے بڑھکر واجب ہے اور یہ اسی سے نکلا کیونکہ جب سوء ظن اکبر الکبائر ہے تو اسکی ضد حسن ظن سب واجبات سے بڑھکر واجب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضگی کا علم اور فیصلہ تو مرنے کے بعد ہی ہو سکے گا مگر مومن کی تسلی کا ذریعہ اس دارِ دنیا میں بھی حسن ظن ہے، خوب سمجھ لیجئے، یہ ایک مستقل باطنی عمل ہے بڑی بڑی چیزیں اس سے حاصل ہوتی ہیں۔

کسی کے پاس جانے سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ ظاہری نہیں ہوتے وہ تو آپ خود ہی اپنے عمل سے حاصل کرتے رہتے ہیں وہاں جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے وہ یہ کہ قلب کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ درست کیا جائے۔

حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ حضرت بخاریؒ کے ایک استاد تھے جنکا نام یحییٰ ابن اکثمؒ تھا مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ فرمایا کہ او بڈھے تو نے ایسا کیوں کیا ؟ یہ خاموش کھڑے ہوگئے۔ کہا بولتے کیوں نہیں سوچ کیا رہے ہو ؟ کہا آپ کے رسول کے ذریعہ جو بات معلوم ہوئی تھی اسکے خلاف معاملہ دیکھ رہا ہوں اسلئے سوچ رہا ہوں کہ اس حدیث کی سند میں غلطی ہوگئی ہے یا متن حدیث میں غلطی ہوگئی ہے۔ فرمایا کیا حدیث ہے ؟ عرض کیا کہ سند سے یہ روایت پہونچی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بوڑھے مسلمان سے شرم آتی ہے اور میں بوڑھا ہوں اور معاملہ یہ دیکھ رہا ہوں ، فرمایا کہ سند بھی درست ہے ، راوی بھی سب ٹھیک ، متن حدیث بھی صحیح ، واقعی ہم بوڑھے مسلمان سے حیا کرتے ہیں جاؤ تم کو اسی بناپر بخشتے ہیں۔

حاصل یہ کہ دین کا کام ہو یا دنیا کا سب امور میں حق تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا واجب ہے۔ اپنے بارے میں رکھے اپنی اولاد کے بارے میں رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ انکو ضائع نہیں کرے گا یہی نہیں کہ صرف دینی امور میں حسن ظن کا حکم ہے اور دنیا میں نہیں یہ طریقہ صحیح نہیں ہے دنیا کے بارے میں اور روزی کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہی رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جو معاملہ بھی فرمائیں گے وہ خیر ہی فرمائیں گے ، اسی میں ہماری ہر طرح کی بھلائی ہوگی۔

مکتوباتِ اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸۴۳)

تحقیق: حاجی صاحب سلمہٗ ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا تعلق مجھ سے ارادت کا ہے اسلئے آپ کو وہی چیز بتاؤنگا جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، پیر مرید کو اپنے طریقہ پر دیکھنا چاہتا ہے۔ حاجی صاحب اب میں تمام مسلمانوں میں عموماً اور اپنے لوگوں میں خصوصاً اخلاقی کمی محسوس کرتا ہوں، میں سب سے زیادہ ضروری چیز اخلاق کی تعلیم کو سمجھتا ہوں۔ اسکے بغیر زندگی بڑی بے مزہ بے لطف بلکہ تلخ گزر رہی ہے یہ بداخلاقی کی دنیوی سزا ہے جو ہم سب کو مل رہی ہے۔

جب ہم نے خدا کو پہچانا اور اس پر ایمان لائے اور رسول کو پہچانا اور اس پر ایمان لائے اور کسی شیخ سے تعلق پیدا کیا تو اب اپنی پہلی روش پر نہیں رہنا چاہئے یعنی اپنی اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنا چاہئے

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں آپ ہی کے ساتھ تھا اور آپ پر ظلم کو کسی طرح روا نہ رکھتا تھا مگر یہ بھی چاہتا تھا کہ آپ سے کوئی بات ایسی نہ کہ لوگ انگشت نمائی کریں، اور آپ کو اور آپکے فریق کو برابر سمجھیں اور آپ کے وقار کو ٹھیس لگے بعض دفعہ آپ تنگ آکر ایسے خطاب اختیار فرماتے تھے جو آپ کی شان کے خلاف ہوتے تھے یہ خط اسی لئے روانہ کررہا ہوں کہ آپ کسی کی عداوت کی وجہ سے اپنے اخلاق خراب نہ کریں تو وہ مجبور ہوگا کہ آپ سے عداوت ترک کردے۔ والسلام

(مکتوب نمبر ۴۴۸)

حال : حضرت والا مدظلہ العالی نے جس بات کے بارہ میں دریافت فرمایا ہے اسکے بارہ میں بہ برکت حضرت والا مدظلہٗ یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ کوئی بات بے موقع نہ بولنی چاہیئے اور جب کوئی بات بولنی ہو موقع کے ساتھ اور خوب سمجھکر اور تحقیق کرکے پوری بصیرت کے ساتھ بولنی چاہیئے اور پھر محض کسی کے دباؤ یا رعب سے پھسل نہ جانا چاہیئے اور نہ گھبرانا چاہیئے۔

تحقیق : غنیمت ہے کہ آپ نے اس طرف توجہ کی اگر اب بھی نہ کرتے تو ہم کیا کر لیتے؟

حال : ہاں اگر اپنی غلطی خود واضح معلوم ہو جائے تو یہ الگ بات ہے پھر تو رجوع دیانۃً اور شرعًا واجب ہو جائے گا اور اسکے خلاف ہٹ دھرمی ہوگی۔ تحقیق : یہ ٹھیک لکھا۔

حال : حضرت والا دعاء فرما دیجیئے کہ اللہ تعالیٰ احقر کو فہم صحیح و سلیم و استقلال عطا فرمائیں۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔

حال : اور صدق و اخلاص کامل سے نوازیں اور طریق و اہل طریق کا پورا پورا ادب و احترام حاصل ہو اور شیخ کی معرفت و عظمت ہر وقت ہر آن پوری پوری پیش نظر و مستحضر رہے۔ اور اپنے نفس کی حقیقت بھی اچھی طرح منکشف ہو جائے۔ تحقیق : آمین۔

حال : اور ہدایت نامہ میں حضرت والا نے اسکے حصول کا جو نسخہ کیمیا عطا فرمایا ہے۔ تحقیق : اسکو نہیں لکھا۔

حال : اس کے برتنے اور استعمال کرنے کی پوری توفیق ہو اور برتتے رہے
تحقیق : آمین۔

مکتوب نمبر ۸۴۵

حال : حضرت والا ! اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم و احسان ہے ۔ تحقیق : بیشک احسان ہے ۔

حال : کہ حضرت والا کی ذات اقدس سے احقر کو خوب مستفیض اور مستفید فرمارہے ہیں حضرت والا کی تعلیمات اور صحبت اور دعاؤں کی برکت سے دل کے حالات اور جذبات بدلتے جارہے ہیں ۔ تحقیق : الحمد للہ ۔

حال : ایمان اور یقین میں پختگی ہوتی جارہی ہے ، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ قوی ہوتا جارہا ہے اور سب امیدیں انھیں سے وابستہ ہوتی جارہی ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فکر ہر وقت دل گیر رہتی ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : اپنی موت ہر وقت یاد رہتی ہے ۔ قبر اور حشر کا منظر اکثر سامنے رہا کرتا ہے ، دنیا سے طبیعت بالکل پھیکی ہوتی جارہی ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : اللہ تعالیٰ سے تعلق اور ان کے ساتھ ایک خاص اُنس ہر وقت محسوس ہوتا رہتا ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ ۔

حال : حضرت والا ! ہر بات اور ہر کام کو سوچ سمجھکر کرنے کی عادت ہوتی جارہی ہے ، معاملات اور حسن معاشرت میں اہتمام بڑھتا چلا جارہا ہے ۔
تحقیق : الحمد للہ ۔

حال : حضرت والا ! چونکہ ہر چیز کی صحت اور خوبی کا مدار نفس کی اصلاح پر ہے اسلئے اسکی توجہ اور کوشش زیادہ رہتی ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : حضرت والا اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہے کہ حضرت والا کی عظمت اور معرفت و محبت و عقیدت میں بہت برکت ہوتی جارہی ہے ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت والا کی باتیں خوب سمجھ میں آتی ہیں اور محفوظ رہتی ہیں ۔
تحقیق : الحمد للہ ۔

اور اپنے اپنے وقتوں پر خوب کام آتی ہیں، ایک ایک بات ایک ایک رہبر کا کام دیتی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

سال: حضرت والا کی ہر بات دل میں ایک معنی اور نور پیدا کرتی ہے۔
تحقیق: الحمد للہ

سال: حضرت والا! نہایت الحاح وعاجزی کے ساتھ دعار کی درخواست ہے۔ حضرت والا دل سے دعار فرما دیں۔ تحقیق: دعار کرتا ہوں۔

سال: اللہ تعالیٰ احقر کو حضرت والا سے وہ نسبت عطا فرما دیں جو مطلوب ہے۔ تحقیق: آمین۔

سال: اور اپنا مخلص بندہ بنا لیں۔ تحقیق: آمین

سال: اور اپنی محبت ومعرفت ورضا سے حضرت والا کے صدقہ میں نواز دیں۔ تحقیق: آمین ____

یہ حالات جو آپ نے لکھے ہیں سب ٹھیک ہیں لیکن آپ لوگوں کو میری طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اور سنیئے! الشیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں "ومن اخذ الطریق من کتب القوم وافواہ الرجال ثم قعد یربی طلبا للجاہ والریاسۃ فانہ مھلک لمن تبعہ" (جس نے طریق صوفیہ کو قوم صوفیہ کی کتابوں سے حاصل کیا اور مردانِ راہ کی زبانوں سے سنکر یاد کرلیا پھر سندِ ارشاد پر بیٹھکر لوگوں کی تربیت کرنے لگا جاہ وسرداری حاصل کرنے کے لئے تو یہ شخص اپنے متبعین کے لئے مہلک ثابت ہوگا)۔

(مکتوب نمبر ۸۴۶)

سال: گذارش ہے کہ جو چند باتیں حضرت والا کی برکت سے مجلس میں سمجھی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) شیخ کی مرضی پر ہر حال میں راضی رہے انکی رضا ہی میں اپنی فلاح سمجھے اور انکی تنبیہ میں خیر ہی خیر ہے

(۲) اصول کے چھوڑ دینے کی وجہ سے لوگ وصول سے محروم رہ گئے یہاں ہر اصول کا احترام اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے

(۳) فتنہ و فساد سے بچنا چاہئے اور کسی مسلمان کو ہرگز ہرگز ضرر نہ پہونچانا چاہئے۔

(۴) شیخ واسطہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں اور انکی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور دوسروں سے بھی کرائیں

(۵) نفس کی مخالفت کرنا چاہئے لیکن نفس کو مارنا آسان نہیں ہے محبت کے چھینٹے دے کر ہی نفس کو مارا جا سکتا ہے۔

(۶) بیع وغیرہ کے مسائل سیکھنے چاہئے تاکہ روزی حلال میسر ہو سکے۔

(۷) شیطان دین کے نام پر یہاں لوگوں کو لاتا ہے یہاں جب لوگ دین کی باتیں سنتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے تو خود ان پر حجت پوری ہوکر اپنی بے عملی کے وبال میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ انکی بدعملی کو دیکھکر صحیح راہ دکھانے والے سے بدظن ہو جاتے ہیں اسطرح ایک تیر سے دو شکار ہوتے ہیں۔ خود بھی کچھ نہیں کرتے ہیں اور دوسروں کی راہ بھی مارتے ہیں۔

تحقیق : ٹھیک کہتے ہو شیخ کی سچی محبت سے اللہ تعالیٰ کی سچی محبت ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی تو احکام کا اتباع سہل ہو جائیگا۔ از محبت تلخہا شیریں شود ۔ سب صحیح لکھا ہے اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق دے۔

مکتوب نمبر ۴۸

سوال: اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشا می روی

(اے کہ آپ کا رخِ انور خود تمام عالم کے لئے نظارہ گاہ ہے آپ تفریح و تماشا کے لئے کہاں جا رہے ہیں)

یہاں کے باشندگان کی خوش بختی ہے کہ آپ کا قدم آگیا اور شرفِ قربت سے لوگ مشرف ہوئے لیکن حقیقت میں قربت کا شرف وہی لوگ پاتے ہیں جو دل سے قریب ہیں ورنہ قریب رہ کر لوگ دور رہتے ہیں

گرچہ دُوریم بیاد تو قدح می نوشیم
بُعدِ منزل نہ بود در سفرِ روحانی

(اگرچہ ہم دور ہیں (مگر) آپ ہی کی یاد میں مے نوشی کر رہے ہیں روحانی سفر میں منزل کی دوری حائل نہیں ہوتی)

خدا آپ کو با عافیت و با صحت زندگی بخشے اور طالبین صادقین آپ کے دامنِ دل سے ہمیشہ وابستہ رہیں۔

ہمارے ایک خاص آدمی ہیں جو آپ کی زیارت کیلئے آنا چاہتے ہیں اگر اجازت ہو تو ہم انھیں لیکر حاضر ہو جائیں۔ فقط

تحقیق: قربت کا مضمون نہایت عمدہ ہے واقعی بُعدِ منزل نہ بود در سفرِ روحانی آپ کی دعاؤں کا ممنون ہوں۔ تشریف آوری علی الراس والعین (بسر و چشم)

کمالاتِ اشرفیہ

(۶۳)

(۷) جو کافر اصول اسلامیہ کا کلی منکر ہو اسکے حکم بالا سلام کے لئے محض تَلَفُّظْ بِکَلِمَتَیِ الشَّہادَۃ (یعنی محض زبان سے کلمہ شہادت پڑھنا) کافی نہیں جب تک اپنی کفریات سے تبری اور بیزاری کا اعلان نہ کرے فی ردالمحتار احکام المرتد تحت قول الدرالمختار لان التلفظ بہا صار علامۃ علی الاسلام ما نصہ افاد بقولہ صار الی ان ما کان فی زمن الامام محمد تغیر لانہم فی زمنہ ما کانوا یمتنعون عن النطق بہا فلم تکن علامۃ الاسلام فلذا شرط معہا التبری اما فی زمن قاری الہدایہ فقد صارت علامۃ الاسلام لانہ لا یاتی بہا الا المسلم ۔

(۸) کافر کا مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز نہیں فی الدرالمختار احکام غسل المیّت و محل دفنہم کدفن ذمیۃ حبلیٰ من مسلم الخ

(۹) جس شخص کا کفر ثابت ہو جاوے اسکے اقوال و افعال محتملہ للکفر و الاسلام میں تاویل کرنے سے اس کا کفر مانع ہوگا مثلاً دیوالی سے بہی کھاتہ کا حساب شروع کرنا یا مقتداؤں کو لفظ خداوند سے خطاب کرنا ان سے دعا، مانگنا، ان کا صدور اگر مسلمان سے ہوتا تو اس میں تاویل کر کے مباح یا معصیت پر محمول کیا جاتا مگر جب اسکا صدور کافر سے ہے تو تاویل کی ضرورت نہیں فی مختصر المعانی بحث الاسناد ما نصہ و قولنا فی التعریف بتاویل یخرج نحو ما مرّ من قول الجاہل انبت الربیع البقل الخ و فیہ بحث وجوب القرینۃ واسناد المجازی ما نصہ عطف علی استحالتہ ای وکصدور عن الموحد فی مثل شاب الصغیر

پس کسی مصلحت دنیوی کے سبب کافر کو مسلمان کہنا اور اسکے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ جب کفریات کے ہوتے ہوئے کسی کو مسلمان کہا جائے گا تو ناواقف مسلمانوں کی نظر میں ان کفریات کا قبح خفیف ہو جاوے گا اور وہ آسانی سے ایسے گمراہوں کے شکار ہو سکیں گے تو کافروں کو اسلام میں داخل کہنے کا انجام یہ ہوگا کہ بہت سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جاوینگے کیا کوئی مصلحت اس مفسدہ کی مقاومت کر سکے گی؟ چنانچہ ارشاد ہے قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ الخ (شراب اور قمار کے متعلق ارشاد ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں کے استعمال سے گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو بعضے فائدے بھی ہیں اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں اسلئے دونوں قابل ترک ہیں)۔

(۲۳۵) کسی صاحب نے سوال کیا کہ گورنمنٹ اپنی مملوکہ آراضی میں فاہ عام کیلئے ایک شفاخانہ بنانا چاہتی ہے اس آراضی میں بعض منہدم مساجد بھی ہیں انکو گورنمنٹ اپنے خرچ سے بنانے کا وعدہ کرتی ہے مگر عام لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت دینا مشکل ہے البتہ شفاخانے کے مریضوں کو اور ملازموں کو ہر وقت اجازت ہے اور ایک مسجد کو بنانے سے کسی وجہ سے عذر کرتی ہے مگر اسکے تحفظ کے لئے احاطہ اسکا بھی بنا دینے کو کہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت کے مسلمان اگر منظور کر لیں جائز ہے یا نہیں؟

جواباً تحریر فرمایا کہ احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں ایک اصلی دوسرے عارضی صورت مسئولہ میں حکم اصلی یہ تھا کہ مساجد ہر طرح آزاد رہیں ان میں کسی وقت کسی کو نہ نماز پڑھنے سے ممانعت کیجاوے نہ آنے جانے سے الا لمصالح المسجد (ہاں مگر مسجدوں ہی کی ضرورت اور مصلحت سے) اور یہ حکم اس وقت ہے جب مسلمان بغیر کسی شورش (یعنی بدون وقوع فی الخطر لحوق ضرر بالمسلمین) کے اس پر قادر ہوں اور حکم عارضی یہ ہے کہ جس صورت پر صلح کیجاتی ہے اس پر رضامند ہو جاویں اور

یہ حکم اس حالت میں ہے جب مسلمان حکم اصلی پر قادر نہوں نظیر اسکی مسجد الحرام ہے جب تک اس پر مشرکین مکہ مسلط رہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز بھی اور بیت اللہ کا طواف بھی فرماتے رہے اسی درمیان میں وہ زمانہ بھی آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے عمرہ کے لئے مکہ میں تشریف لائے اور مشرکین نے آنے نہیں دیا پھر اس پر صلح ہوئی کو تین روز کے لئے تشریف لاویں عمرہ کر کے چلے جاویں، آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا اور وقت محدود تک قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے یہ سب اس وقت ہوا جب آپ کا تسلط نہ تھا، عذر کی حالت میں آپ نے اس حکم عارضی پر عمل فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپکو باقاعدہ مسلط اور غالب فرما دیا اس وقت اصلی حکم پر عمل فرمایا گیا پس یہ تو تفصیل ہے اس صلح کے منظور کر لینے میں اور گورنمنٹ کا مساجد مذکورہ کی مرمت کا وعدہ کر لینا اسکی بھی اسی مسجد حرام میں ایک نظیر ہے کہ مشرکین نے اسکی تعمیر کی اور آپ نے قدرت کے وقت بھی اس تعمیر کو باقی رکھا۔ البتہ اس وعدہ میں اتنی ترمیم کی درخواست مناسب ہے کہ جس مسجد کو صرف احاطہ سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں اسکو بھی مسجد ہی کی صورت میں بنا دیں گو چبوترہ ہی بنا دیں اور اگر کوئی قوی مجبوری ہو تو احاطہ پر قناعت کریں لیکن ایک پتھر کندہ کر کے نصب کر دیں۔

ف: اس جواب سے حضرت والا کی عقل سلیم، حکمت، شفقت علی المخلوق رعایت متضادین اظہر من الشمس ہے۔

(۲۳۶) کسی صاحب نے استفسار کیا کہ مولوی انوار اللہ خانصاحب مرحوم ساکن حیدر آباد دکن نے عید میلاد کے متعلق یہ استدلال کیا ہے کہ جس لونڈی نے ابولہب جیسے معاند رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ولادت باسعادت کا مژدہ سنایا تھا اسے ابولہب نے فرط مسرت سے اپنی انگلی کے اشارہ سے آزاد کر دیا تھا اسکے صلہ میں یوم ولادت یعنی ہر دوشنبہ کو اس پر عذاب میں

تخفیف کر دی جاتی ہے جب ایسے سرکش و باغی کو اس ابتہاج و مسرت کا یہ صلہ ملا تو ہم گنہگاران امت کو بھی اس خوشی منانے میں ضرور اجر عظیم ملے گا۔ آیا یہ روایت درست ہے، اگر ہے تو ہمارے یہاں اسکا کیا جواب ہے؟

فرمایا کہ جواب ظاہر ہے اول تو وہ دفعی اور مفاجاتی (یعنی اچانک ایکا ایکی) خوشی تھی اس پر قصدی واکتسابی و اہتمامی خوشی کا قیاس کیسا؟ ہم کو تو اس خوشی کا موقع ہی نہیں مل سکتا ہاں قطع نظر اس قیاس کے ہماری یہ خوشی بھی جائز ہوتی اگر دلائل شرعیہ منکرات کو منع نہ کرتے اور ظاہر ہے کہ مباح و غیر مباح کا مجموعہ غیر مباح ہوتا ہے۔

ف: اس سے بھی حضرت والا کا فہم سلیم و حکمت و دقت نظر ثابت ہے۔

(۲۳۷) فرمایا کہ کافر کا نابالغ بچہ جب تک عاقل و ممیز نہ ہو مستقلاً مسلمان نہیں سمجھا جاوے گا بلکہ تبعاً للدّار الاسلامی یا تبعاً لِاَحدِ الاَبَوَین المسلم مسلمان کہا جائے گا اگر نہ احد الابوین مسلم ہے نہ خود بچہ ممیز ہے تو اسکے مسلمان ہونے کا حکم صرف تبعاً لِدَارِ الاسلام ہو سکتا ہے پس اگر ہندوستان دار الاسلام نہیں تو اس بچہ کو مسلمان نہ کہا جائیگا اور اگر دار الاسلام ہے تو اسکو مسلمان کہا جائیگا اور ہندوستان کے دار الاسلام ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن ایسے اختلاف میں بچہ کے نفع کی رعایت کو ترجیح دی جائیگی اور اسکو مسلمان سمجھا جائیگا اور اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جاوے گی۔

ف: اس جواب سے حضرت والا کا استحضار قواعد فقہیہ صاف ظاہر ہے۔

(۲۳۸) ایک صاحب نے یہ مسئلہ پیش کیا کہ ہندہ کا نکاح زید سے ہوا لیکن رخصتی نہیں ہوئی زید نے نکاح کا دعویٰ کیا تو عدالت نے قانون کے مطابق نکاح ثابت نہ کیا، زید کا دعویٰ خارج کر دیا گیا لیکن بے شمار لوگ ہندہ کے گاؤں کے زید کے نکاح کا ثبوت دیتے ہیں کیا عدالت کے نفوذ حکم سے

اب ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا زید ہی کے نکاح میں رہی ؟

فرمایا کہ اول تو حاکم عدالت کا مسلمان ہونا شرط ہے دوسرے حاکم مسلم کی قضا کلی صرف عقد و فسخ میں نافذ ہوتی ہے اور عدم ثبوتِ عقد نہ عقد ہے نہ فسخ لہٰذا یہ قضاء موثر نہیں ۔ اسکے مقتضاء پر دیانۃً عمل جائز نہیں ۔

ف : یہ جواب کلی حضرت والا کی حقیقت رسی و استحضار قواعد فقہیہ پر دال ہے

(۲۳۹) ایک صاحب نے استفسار کیا کہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی غیر منظم حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے ضرورت اس امر کی مقتضی ہے کہ امارت الاسلام کی کوئی صورت نکالی جاوے تو کیا ہم کو کل ہندوستان کے لئے یا کسی خاص علاقہ کے لئے اپنا امیر مقرر کرنے کا حق (۱) حاصل ہے یا نہیں (۲) اگر حق حاصل ہے تو کیا شرائط ہیں (۳) اور آپ کی رائے عالی میں اسکے حصول کے کیا ذرائع اور صورتیں بہم پہونچائی جا سکتی ہیں ؟

جواب نمبروار حسب ذیل فرمایا

(۱) حاصل ہے بشرطِ قدرت ۔ اور مشاہد ہے کہ حالتِ موجودہ میں امارت ارادیہ پر قدرت ہے اور امارت قہریہ پر نہیں (۲) تدین اور عقل (۳) یہ حکم شرعی کا سوال نہیں جسکا جواب اہل علم سے لیا جائے تدبیر کا سوال ہے اسکا جواب اہل تجربہ سے لینا چاہیئے ۔

ف : اس سے کلی حضرت والا کی دور اندیشی ، اظہار حقیقت ، سلامت فہم صاف ظاہر ہے ۔

(۲۴۰) فرمایا کہ میرے نزدیک وقت عشاء دریافت کرنے کا قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا فصل ہوتا ہے اتنا ہی غروب سے وقت عشاء تک ہوتا ہے سو اگر پہلا فصل معلوم ہو سکے تو اتنا ہی دوسرا سمجھا جاوے اور زوال اور عصر کا وقت دریافت کرنے کا قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ طلوع سے غروب تک کا وقت نصف کرنے سے زوال کا وقت دریافت ہو سکتا ہے اور مقدار شفق سے ایک ربع کم کے

قریب جب غروب میں وقت رہے تو عصر کا وقت شروع ہوگا۔

ف: اس سے حضرت والا کی سہولت پسندی مسلمانوں کے لئے ظاہر ہے جس سے حضرت والا کا حکیم الامت ہونا اظہر من الشمس ہے۔

(۲۴۱) ایک مقام پر ایک گستاخ کافر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب میں گستاخانہ حالات شائع کئے تھے مسلمانوں کے مواخذہ پر اس نے علماء کے ایک باقاعدہ جمعیت سے معافی چاہی اور آئندہ احتیاط رکھنے کا اور فی الحال اپنی اس غلطی اور درخواست معافی کا اخباروں میں اعلان کردینے کا وعدہ کیا اس سے اکثر مسلمانوں کی رائے اسکو منظور کرلینے کی ہوگئی اور بعض نے اختلاف کیا اور حکومت موجودہ میں استغاثہ دائر کرنے کی رائے دی اور استغاثہ کے ناکام ہونے کے احتمال پر بھی استغاثہ ہی کو ترجیح دی اور دلیل یہ بیان کی کہ یہ حق اللہ ہے اسکی معافی کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے۔ اسکے متعلق سوال آیا تھا جس کا جواب حسب ذیل لکھا گیا۔

معافی کی جو حقیقت صاحب شبہہ نے سمجھی ہے اس معنی کر یعنی بعد معافی کے ناگواری نہ رہنا یہ معافی مذکور فی السوال صرف صورۃً معافی ہے اسی لئے بعض حضرات کو شبہہ ہوگیا کہ حق اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں مگر یہ واقع میں معافی نہیں بلکہ صلح ہے اور صلح سے کوئی امر مانع نہیں اور صلح جیسے بلا شرط ہوسکتی ہے اسی طرح شرط پر بھی ہوسکتی ہے جیسے یہاں یہ شرط مقرر کیجاتی ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے البتہ صلح میں شرعاً یہ قید ہے کہ مسلمانوں کے حق میں وہ مصلحت ہو اور یہاں مصلحت ہونا ظاہر ہے کہ فی الحال اسلام کا اعزاز اور کفر کا اذلال ہے اور فی المآل ایک منکر قبیح کفری کا انسداد ہے خود معاہد میں بھی اور امید ہے کہ دوسرے متجرئین میں بھی کہ اس کا نتیجہ دیکھکر بعضے عبرت پکڑیں گے اور بعضے مسلمانوں کی رواداری سے متاثر ہوں گے اور یہ توقعات حکومت سے استغاثہ میں مظنون بھی نہیں بلکہ مشکوک ہیں

چنانچہ قضائے موجودہ اسکی شاہد ہے پھر اگر خدانخواستہ استغاثہ میں کامیابی نہوئی تو اس پر جو مفاسد یقیناً مرتب ہوں گے ان کے انسداد پر مسلمانوں کو کوئی کافی قدرت نہیں ہمیشہ کے لئے ایسے لوگوں کی جرأت بڑھ جاویگی بلکہ ترقی کرکے کہا جاتا ہے کہ اگر کامیابی بھی ہوگئی تو ظاہر ہے سزائے موت کا تو احتمال بھی نہیں صرف قید یا جرمانہ ہوسکتا ہے سو بہت سے مفسد ایسے بھی ہیں کہ قید و جرمانہ کی پرواہ بھی نہیں کرتے انکو ایک نظیر ہاتھ آجاویگی۔ اور گو اس صلح کے بعد بھی ایسے واقعات محتمل ہیں مگر مفاسد کی قلت و ضعف و مشکوکیت اور کثرت و شدت و مظنونیت کا تفاوت ضرور قابل نظر و قابل عمل ہے۔ رہا یہ شبہہ کہ معافی کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے عامۂ مسلمین کو نہیں سو شبہہ میں جو دلیل بیان کی گئی ہے کہ یہ حق اللہ ہے اسکا مقتضا تو یہ ہے کہ سلطان کو بھی یہ حق نہیں کیونکہ سلطان حقوق اللہ کو معاف نہیں کرسکتا۔ باقی اگر اس دلیل سے قطع نظر کرکے اور اس معافی کو صلح قرار دیکر یا معافی کی تفسیر عدم انتقام فی الدنیا قرار دیکر یہ حکم کیا جاوے تو اول تو اس حکم کے لئے ایسی دلیل کی حاجت ہے جو سلطان کے ساتھ خاص ہو سلطان اور عامۂ مسلمین میں مشترک نہ ہو، دوسرے خود شریعت نے بہت سے احکام میں ضرورت کے وقت عامۂ مسلمین کو قائم مقام سلطان کا ٹھہرایا ہے جیسے نصب امام و خطیب جمعہ و نصب متولی وقف اور یہاں اس معاملہ کا احکام مذکورہ سے زیادہ مہتم بالشان ہونا اور ضرورت بھی ہونا ظاہر ہے لِفُقْدَانِ السُّلْطَانِ الْمُسْلِمِ ۔ واللہ اعلم۔

ف: اس جواب سے بھی حضرت والا کی دور اندیشی، مسلمانوں کی خیرخواہی معاملہ رسی اور قواعد فقہیہ کا پورا استحضار صاف ظاہر ہے۔

تتمہ بابِ اوّل

(۲۴۲) فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب مل کر چھوڑیں تو رسمیں چھوٹ سکتی ہیں یہ بھی ایک شیطانی دعویٰ ہے تم تنہا ہی سب رسمیں ایک دم چھوڑ دو برادری کا انتظار مت کرو کیونکہ اس طرح تو قیامت تک بھی رسمیں نہیں چھوٹیں گی کیونکہ برادری میں مختلف مزاج و مختلف خیال کے لوگ ہوتے ہیں سب کا اجتماع ایک بات پر نہیں ہو سکتا خصوصاً امر خیر پر۔ شرک کی بات پر تو اجتماع ہو جاتا ہے جیسا کہ آجکل موجود ہے کہ ہر عاقل و غیر عاقل، ادنیٰ و اعلیٰ ان رسموں میں متفق ہیں جنکے بُری ہونے کے خود بھی قائل ہیں۔

(۲۴۳) فرمایا کہ جو شخص مال کو درجہ ضرورت میں رکھتا ہے وہ محبِ مال نہیں ہے۔

محبِ مال جب کہلاتا ہے کہ اکتساب مال میں حرام و حلال کی تمیز نہ کرے یا خرچ کرنے میں وجوب و مروت کے مواقع میں تنگی کرے۔ مال بشرائط مذکورہ بری چیز نہیں ہے لیکن ان شرائط کا پایا جانا ذرا کم ہے فی صدی ایک دو آدمی بھی ان کے پابند مشکل سے نکلتے ہیں اس واسطے سدًّا للباب اہل اللہ نے مال سے اجتناب رکھا ہے اور اسکے خلاف پر تحریض کی ہے ورنہ مال میں عیب ہی عیب نہیں بلکہ کچھ فوائد بھی ہیں مثلاً سبب مال بقدر کفایت پاس ہوتا ہے اور قلب کو اطمینان رہتا ہے تو دنیا کے کام بھی ٹھیک ہوتے ہیں اور دین کے کام بھی۔ فراغ عجیب چیز ہے جب یہ فراغ قلب جاتا رہتا ہے تو آدمی سے کچھ کام نہیں ہو سکتا جس کو پورا توکل حاصل نہوا سکے لئے مال ہی فراغ کا ذریعہ ہے اسکو خصوصیت کیساتھ ہرگز مال ضائع نکرنا چاہیئے یعنی بے موقع خرچ نہ کریں آجکل قوی القلب لوگ کم ہیں اور یہ حالت ہے کہ ذراسی تنگی پیش آئے تو بھٹکتے پھرتے ہیں حتیٰ کہ نعوذ باللہ بعضے مرتد ہو جاتے ہیں، مال کا نہ رکھنا اور فقر و زہد اختیار کرنا تو استحباب کا درجہ ہے اسکے لئے ایمان کھونا کیسی سخت بات ہے اسواسطے آجکل عام مجمع میں زہد کی تعلیم دینا ٹھیک نہیں ہاں اس تعلیم کی ضرورت ہے کہ مال حرام ذرائع سے نہ کماؤ یہ درجہ زہد کا ہر حالت میں ضروری ہے۔

(جاری)

سیرتُ الصُّوفی

(۵)

دیکھئے آیت صاف دلالت کر رہی ہے کہ نہار کا سَبۡحًا طَوِیۡلًا (یعنی دن کا لمبا چوڑا کام) یکسوئی سے ایک درجہ میں آپ کو بھی مانع ہو جاتا تھا اور چونکہ آپ کے تمام احوال کامل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ خلق کی طرف مشغول ہونا منافیٔ کمال نہیں، پس صاحب کمال پر بھی ہر وقت یکساں حالت نہیں رہتی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت حنظلہؓ کا قصہ حدیث میں ہے کہ حضرت حنظلہ رضؓ نے اپنے آپ کو اس بنا پر منافق کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ اور حالت ہوتی ہے اور پیچھے کچھ اور اس پر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا کہ حالت تو ہماری بھی یہی ہے، آخر یہ قصہ حضور کے دربار میں پہونچا اس پر آنحضرت صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ وَ لٰکِنۡ یَا حَنۡظَلَۃُ سَاعَۃً وَّ سَاعَۃً ایک گھڑی کیسی، ایک گھڑی کیسی۔ اور درحقیقت اگر ہر وقت وہی حالت تجلی کی رہے تو خود جسمانی ترکیب بھی ٹھیک نہ رہے اول تعطل ہوگا کیونکہ حالت غَلَبَۃ میں انتظام تغذیہ وغیرہ کا ممکن نہیں پھر اسکے فنا کی نوبت آجائے گی اور کسی نے خوب کہا ہے ؎

چو سلطان عزت علم بر کشد جہاں سر بجیب عدم در کشد

(جب اللہ رب العزت پرچم بلند فرماتے ہیں تو ساری دنیا عدم کے دامن میں سر چھپالیتی ہے یعنی جب محبوب حقیقی کے ذکر کا قلب ذاکر پر غلبہ ہو جاتا ہے اور تجلی الٰہی قلب سالک پر وارد ہوتی ہے تو پھر ساری چیزیں اسکے قلب سے فنا اور معدوم ہو جاتی ہیں)

جدت اور لذت دوسری مصلحت یہ بھی ہے کہ ذوق ولذت جب ہی آتی ہے کہ اس حالت میں دوام نہ ہو ورنہ دوام سے عادت ہوجائیگی اور لذت جو بسبب جدت کے معلوم ہوتی ہے نہ رہے گی کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ (ہر نئی چیز میں لذت ہوتی ہے) اسکے علاوہ ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ غلبۂ استغراق میں قصد نہ رہے گا اور بلا قصد کے اعمال کا اجر نہیں اور بلا اعمال قرب نہیں ملتا اور اعمال ہی دنیا میں مقصود ہیں، دنیا میں انھیں اعمال کے واسطے بھیجا گیا ہے ورنہ دنیا میں آنے سے پہلے روح کو خود ایسی حالتیں حاصل تھیں اور حضور دائم میسر تھا مگر اعمال نہ تھے انکے واسطے دنیا میں بھیجا گیا لہٰذا اعمال اور انکا اجر مہتم بالشان ٹھہرا اسلئے محققین صوفیہ نے فرمایا ہے کہ استغراق میں ترقی نہیں ہوتی، ان سب باتوں سے معلوم ہوگیا کہ تجلی میں جیسی حکمتیں ہیں ویسی استتار میں بھی ہیں۔

اور یہاں ایک فائدہ قابل غور معلوم ہوا وہ یہ کہ باوجودیکہ تبلیغ دین اور تعلیم احکام متعدی کا نفع متعدی ہے اور وہ نفع لازمی سے بڑھکر ہے اس لئے منتہی کو اسکا زیادہ اہتمام ہوتا ہے مگر بایں ہمہ یہ ارشاد ہے کہ چونکہ آپ کو دن میں بہت کام رہتے ہیں رات کو تہجد اور ترتیل سے قرآن پڑھا کیجئے اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ (توجب آپ فارغ ہوجایا کریں توعبادات میں) محنت کیا کیجئے اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ رکھئے) اس سے یہ ثابت ہوا کہ کامل کو اپنے لئے بھی کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہئے اور بعد تکمیل بھی ذکر سے غفلت نہ چاہئے، ورنہ خود اسکا وہ حال رہے گا نہ دوسروں کو اس سے کامل نفع پہونچے گا کیونکہ بدون خود کئے ہوئے تعلیم میں برکت نہیں ہوتی یہی معنی ہیں قول مشہور مَنْ لَا وِرْدَ لَهُ لَا وَارِدَ لَهُ (اور جو وظائف اور معمولات کا پابند نہیں ہوتا اس پر باطنی کیفیات کا ورود نہیں ہوتا) البتہ یہ غلطی ہے کہ منتہی قطع تعلق کرکے دوام خلوت اختیار کرلے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(راہِ سلوک (تصوف و درویشی) مخلوق خدا کی خدمت اور راحت رسانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، تسبیح، جانماز اور گدڑی کا نام درویشی نہیں ہے)

لیکن خود اپنے کو قابل ارشاد نہ سمجھنے لگے البتہ جب شیخ اجازت دیدے تو امتثالاً اس کام کو بھی شروع کردے اور پہلے سے اسکی نیت کرنا اور ذکر و شغل اس نیت سے کرنا بھی سخت مضر ہے اور اس نیت کے ساتھ کامیابی مشکل ہے۔

اشتغال بالخلق وجہ یہ ہے کہ یہ نیت بڑا بننے کا شعبہ ہے۔ اب کامل کی توجہ الی الخلق میں ایک شبہہ رہا وہ یہ کہ اشتغال بالخلق اسکو یادِ حق سے مانع ہوگا سو اس شبہہ کی منتہی کامل کے حق میں گنجائش نہیں کیونکہ منتہی کی لسبب وسعت صدر کے یہ حالت ہوتی ہے کہ اسکو شغل خلق یادِ حق سے مانع نہیں ہوتا اور نیز خلق کے ساتھ اسکا مشغول ہونا بھی بامرِ حق ہوتا ہے اور اسکو مقصود اس سے امتثال امر اور رضائے حق جل وعلا ہی ہوتی ہے اور خلق کی طرف اسکی توجہ خدا ہی کے لئے ہوتی ہے اسلئے اسکو اشتغال بالخلق مانع عن الحق نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اشتغال خود حقوق خلق سے ہے اور اس آیت میں سَبۡحًا طَوِيۡلًا بطور جملہ معترضہ کے مخلوق کے اس حق کی طرف اشارہ ہے اور مخلوق کا وہ حق یہ ہے نفعِ عام، تربیت و ارشاد لیکن اس حق خلق میں حق خالق کو نہ بھولنا چاہئے، چنانچہ یہاں بھی مخلوق کے بیان سے پہلے قُمِ الَّيۡلَ الخ میں حقوق اللہ بیان کئے گئے تھے اور مخلوق کے حقوق کے بعد بھی وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ فرمایا گیا ہے تو گویا یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس شغل میں ہمیں نہ بھول جانا اول و آخر دونوں جگہ یاد دلایا گیا ہے اور وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ میں اکثر مفسرین لفظ (اسم کو زائد کہتے ہیں اور بعض زائد نہیں قرار دیتے اور اس اختلاف سے یہاں ایک عجیب مسئلہ مستفاد

ہوگیا اور اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ (میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے) کا ظہور ہوگیا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ "زیادۃ اسم" کا قول تو موافق حالت منتہی کے ہے اور "عدم زیادۃ" کا قول موافق حالت مبتدی کے ہے کیونکہ مبتدی کو خود مسمیٰ اور مذکور کا تصور کم جمتا ہے اسکے لئے یہی کافی ہے کہ اسم ہی کا تصور ہو جائے۔ برخلاف منتہی کے کہ اسکو ملاحظۂ ذات بلا واسطہ سہل ہے۔ اور حدیث اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو) میں مشہور توجیہہ پر منتہی کا طریق اور اسکی حالت کا بیان ہے اور عام کے لئے حضور کا ایک سہل اور مفید طریق خدا کے فضل سے سمجھ میں آیا ہے وہ یہ کہ آدمی یہ خیال کرلے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کی مثلاً فرمائش کی ہے اور میں اس فرمائش پر اسکو سنا رہا ہوں اس سے بہت آسانی سے حضور میسر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (اور سب سے منقطع اور یکسو ہوکر اسی کی جانب متوجہ رہیئے) اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تَبَتَّلْ کو صرف وَاذْکُرِ اسْمَ کے متعلق کیا جائے تو اس صورت میں تَبَتَّلْ سے اشارہ ہوگا مراقبہ کی طرف یعنی ذکر کے ساتھ مراقبہ ہو اور ایک یہ کہ تَبَتَّلْ کو مستقل حکم کہا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ علاوہ احکام مذکورہ کے یہ بھی حکم ہے کہ سب سے قطع تعلق کرو بایں معنی کہ سب کا تعلق اللہ تعالیٰ کے تعلق علمی اور حُبّی سے مغلوب ہو جائے اور اثر اس مغلوبیت کا تعارض مقاصد کے وقت معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک وقت میں دو کام متضاد پیش آئے ایک کام تو اللہ تعالیٰ کے تعلق کا ہے اور دوسرا غیر اللہ کے تعلق کا اور دونوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو تو ایسے وقت پر اللہ کے کام کو اختیار کرنا اور خلافِ مرضیٔ حق کو چھوڑ دینا بس یہی معنی ہیں قطع تعلق کے نہ یہ کہ کسی سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھے ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی　　　　چو پیوند ہا بگسلی واصلی

(تعلقاتِ دنیاوی وصول الی اللہ سے مانع اور حجاب راہ ہیں اور بے فائدہ بھی جب سارے تعلقات ختم کردو گے یعنی سب سے ٹوٹ کر اسی کی طرف متوجہ ہوجاؤ گے تب واصل الی اللہ ہوسکو گے)

توکل کی ضرورت

البتہ اختلاط (تعلقات اور میل جول) میں افراط کرنا مضر ہے اسکے آگے فرماتے ہیں کہ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے اسکے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں تو اسی کو اپنا چارہ ساز بنائے رکھئے) مطلب یہ کہ اللہ پر توکل کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل سلوک کے لئے توکل کی بھی ضرورت ہے اور یہ انکا معمول ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس توکل کی تعلیم میں یہ ہے کہ اعمال مذکورہ بالا کے اختیار کرنے کے بعد حالت میں تغیر وتبدل، قبض وبسط شروع ہوگا اس میں ضرورت توکل کی ہوگی اسلئے فرماتے ہیں کہ آخر مشرق ومغرب کا رب ہے اسلئے اس نے جو حالت تم پر وارد کی ہے اس میں کوئی حکمت ضرور ہوگی اور ثابت ہے کہ اکثر قبض میں تصفیہ اور تزکیہ خوب ہوتا ہے اس لئے تم کو تنگ دل نہ ہونا چاہیئے اور پھر خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے کہ اس میں کچھ مصلحت رکھی ہوگی اور مشرق ومغرب کا ذکر قبض وبسط کے کس قدر مناسب ہے، مشرق مناسب ہے حالتِ بسط کے کہ اس میں ظہور ہوتا ہے واردات کا اور مغرب مناسب ہے حالت قبض کے پس مشرق ومغرب کا نمونہ باطن انسان میں بھی پایا گیا۔ ولنعم ما قیل۔

آسمانہا است در ولایت جاں
کار فرمائے آسمانِ جہاں

(جان کی ولایت میں بھی بہت سے آسمان ہیں جو اس آسمان دنیا پر کار فرما ہیں)

در رہِ روح پست و بالا ہاست
کوہ ہائے بلند وصحرا ہاست

(روح کے راستہ میں بھی بلندیاں اور پستیاں ہیں چنانچہ بلند و بالا پہاڑ بھی ہیں اور صحرا و بیابان بھی)

اور جس طرح مغرب میں آفتاب مستور ہوتا ہے معدوم نہیں ہوتا اسی طرح قبض میں کیفیات سلب نہیں ہوتیں بلکہ مستور ہو جاتی ہیں اور پھر بسط میں گویا طلوع ہو جاتی ہیں۔

معمول اہل تصوف

حاصل کل کا یہ ہوا کہ اہل سلوک کے لئے یہاں چند ضروری معمول بیان کئے گئے ہیں۔ قیام لیل یعنی تہجد، تلاوت قرآن تبلیغ دین، ذکر و تبتل، توکل اور چونکہ تعلق خلق کی دو قسم میں ایک موافقین کیساتھ اسکا بیان اشارتاً اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا (بیشک آپ کے لئے دن میں بہت مشغولی ہے) میں ہوا ہے جس کا حاصل تبلیغ دین اور ارشاد و تربیت ہے۔ چونکہ موافقین سے تعلق محبت ہے اسکے حقوق (بوجہ اسکے کہ وہ حالت طبعی ہے) تقاضائے حب کی وجہ سے خود بخود ادا ہو جاتے ہیں اسلئے اس میں زیادہ اہتمام کی ضرورت نہ ہوئی البتہ مخالف کے معاملہ میں ممکن تھا کہ کچھ افراط تفریط ہو جاتی اسلئے اسکا بیان اہتمام سے فرماتے ہیں وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاھۡجُرۡھُمۡ ھَجۡرًا جَمِیۡلًا (اور یہ لوگ جو جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرتے رہیئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جایئے) مطلب یہ کہ مخالف کی ایذا پر صبر کیجئے اور ان سے علٰحدہ رہیئے اچھے طور پر۔ کہیں ایسا نہو کہ سختی سے انکی آتش عناد اور بھڑک اٹھے اور زیادہ تکلیف پہونچا ئیں۔ ہجر جمیل سے مراد قطع تعلق ہے اس طرح پر کہ قلب میں تنگی نہو۔ پھر جب صبر کی تعلیم دی گئی تو اسکی تسہیل کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ اپنے انتقام لینے کی خبر سنا کر آپ کو تسلی بھی فرمائی جاتی ہے کہ وَذَرۡنِیۡ وَالۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ وَمَھِّلۡھُمۡ قَلِیۡلًا (اور مجھے اور ان صاحب ثروت جھٹلانے والوں کو چھوڑے رہیئے اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دیتے رہیئے) یعنی مخالفین کے معاملہ کو

ہم پر چھوڑ دیجئے ہم ان سے پورا بدلہ لے لیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہل حق کے مخالفین سے پورا انتقام لیتے ہیں اسلئے کلی مناسب یہی ہے کہ صبر اختیار کیا جائے کیونکہ جب اپنے سے بالا دست بدلہ لینے والا موجود ہے تو کیوں فکر کیجئے۔ خدا تعالیٰ کی اس سنت کے موافق، مخالف کو آخرت اور دنیا دونوں میں رسوائی ہو جاتی ہے ؎

بس تجربہ کردم دریں دیر مکافات با دُرد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

(بارہا اس دار جزا میں ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جو کبھی ان دُرد کشوں یعنی مستان خدا اور اہل اللہ سے بھڑا وہ پٹکا گیا اور تباہ ہوا)

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تا دلے صاحب دلے نامد بدرد

(کسی قوم کو خدا نے اسوقت تک ذلیل و رسوا نہیں کیا جب تک اس نے کسی صاحب دل اللہ والے کا دل نہیں دکھایا)

الغرض اہل تصوف کی معمول بہ چند چیزیں ہوئیں جنکا بیان اس مقام پر ہوا قیام لیل یعنی تہجد، تلاوت قرآن، تبلیغ دین، ذکر و تبتل، توکل، صبر اسلئے اس مجموعۂ بیان کو جو اہل تصوف کے معمولات کو بفضلہ حاوی اور شامل ہے سیرت الصوفی کے لقب سے ملقب کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ میں دو لطیفے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ غایت حزن و الم اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھے اسی طرح بعض اہل طریق کا معمول ہوتا ہے کہ چادر ایسے طور پر لپیٹ لیتے ہیں کہ نظر منتشر نہو اور اسکا قلب منتشر نہ ہو اور جمعیت کے ساتھ ذکر میں لگا رہے۔ دوسرا لطیفہ یہ کہ اَلْمُزَّمِّلُ کے معنی عام میں کمبل اوڑھنا کبھی ہوتا ہے تو یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ میں اشارہ ہوگا لقب یَا اَیُّهَا الصُّوْفِیُّ کی طرف کیونکہ بلفظ صوفی میں گو اختلاف ہے مگر ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد موٹا کپڑا کمبل وغیرہ لیا جائے۔ پس صوفی اور مزمل متقارب المعنی ہوئے۔ اور

اہل تصوف نے یہ لباس اسلئے اختیار کیا تھا کہ جلدی پھٹے نہیں، جلدی میلا ہو اور بار بار دھونا نہ پڑے اور بعض اہل شفقت اس خاص وجہ سے کبلی شعار رکھتے تھے کہ مستور ہونے کی حالت میں بعض لوگ انکو ایذا پہونچا کر مبتلائے وبال ہوجاتے تھے اسلئے انھوں نے ایک علامت مقرر کی جیسے آیت ذَالِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کرینگی تو انھیں ستایا نہ جایا کرے گا) اس کی نظیر ہے۔ بس یہ حکمتیں تھیں اس لباس میں اور اب تو محض ریا وسمعہ کی غرض سے پہنتے ہیں جو بالکل اس شعر کا مصداق ہے ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی و بیغش باشد
اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

(ہر صوفی کا سکہ کھرا اور صاف نہیں ہوتا بلکہ بہت سے خرقے تو آگ میں ڈالنے کے قابل ہوتے ہیں)

اس لئے اب یہ قابل ترک ہوگیا ہے۔

بیوی کے حقوق اور اسکی حیثیت

(۵)

اسکے علاوہ تمھارا ان پر کوئی مطالبہ نہیں

اسکے بعد بڑا سنگین جملہ ارشاد فرمادیا جب کبھی اس جملہ کی تشریح کی نوبت آتی ہے تو مرد لوگ ناراض ہو جاتے ہیں وہ جملہ یہ ہے کہ لَیْسَ تَمْلِکُوْنَ مِنْهُنَّ شَیْئًا غَیْرَ ذٰلِکَ یعنی تمھیں ان پر صرف اتنا حق حاصل ہے کہ تمھارے گھر میں رہیں اسکے علاوہ شرعًا ان پر تمھارا کوئی مطالبہ نہیں۔

کھانا پکانا عورت کی ذمہ داری نہیں

اس بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا جو بڑا نازک مسئلہ ہے جس کے بیان کرنے سے بہت سے لوگ ناراض ہو جاتے ہیں وہ مسئلہ یہ ہے کہ گھر کا کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمہ داری نہیں ہے لیعنی شرعًا یہ فریضہ ان پر عائد نہیں ہوتا کہ وہ ضرور کھانا پکائیں بلکہ فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ عورتوں کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم ان عورتوں کی ہے جو اپنے گھر میں اپنے میکہ میں کبھی گھر کا کام کیا کرتی تھیں اور دوسری قسم کی عورتیں وہ ہیں جو اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتی تھیں بلکہ نوکر چاکر تھے وہ کھانا پکاتے تھے اگر دوسری قسم کی عورت شادی کے بعد شوہر کے گھر آجائے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا کسی طرح بھی واجب نہیں نہ دیانۃً نہ قضاءً نہ اخلاقًا نہ شرعًا بلکہ وہ عورت شوہر سے کہہ سکتی ہے کہ میرا نفقہ تو تمھارے ذمہ واجب ہے بجائے اسکے کہ میں کھانا پکاؤں تم میرے لئے پکا پکایا کھانا لاکر دو۔ چنانچہ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ یَأْتِیْهَا بِطَعَامٍ مُّهَیَّئًا اس صورت میں

پکا پکایا کھانا لاکر عورت کو دینا یہ شوہر کی ذمہ داری ہے اور اس عورت سے نہ قضاءً کھانا پکانے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ دیانۃً اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور واضح الفاظ میں یہ فرمایا لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ یعنی تمھیں یہ حق حاصل ہے کہ انکو اپنے گھر پر رکھو اور تمھاری اجازت کے بغیر ان کو گھر سے باہر جانا جائز نہیں لیکن اسکے علاوہ ان پر کوئی ذمہ داری شرعًا نہیں

اور اگر وہ پہلی قسم کی عورت ہے یعنی جو اپنے گھر میں کھانا پکاتی تھی اور کھانا پکاتی ہوئی شوہر کے گھر آئی ہے تو اسکے ذمہ کھانا پکانا قضاءً واجب نہیں لیکن دیانۃً واجب ہے یعنی بزور عدالت تو اس سے کھانا پکانے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا ہاں البتہ اسکی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا کھانا خود پکائے اس صورت میں شوہر کے ذمہ یہ ہے کہ وہ کھانا پکانے کا سامان لاکر دے دے۔ باقی شوہر یا بچوں کے لئے کھانا پکانا یہ اسکی کبھی ذمہ داری نہیں ہے اور یہ عورت شوہر سے یہ مطالبہ نہیں کرسکتی کہ تم میرے لئے پکا پکایا کھانا لاکر دو لیکن اگر وہ شوہر اور بچوں کے لئے کھانا پکانے سے انکار کردے تو اب اس سے عدالت کے زور پر کھانا پکانے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا فقہاء کرام نے اتنی تفصیل کے ساتھ یہ مسائل بیان فرمائے ہیں۔

ساس سسر کی خدمت واجب نہیں

ایک بات اور سمجھ لیجئے جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے وہ یہ کہ جب عورت کے ذمہ شوہر کا اور اسکی اولاد کا کھانا پکانا واجب نہیں تو شوہر کے جو ماں باپ اور بہن بھائی ہیں انکے لئے کھانا پکانا اور انکی خدمت کرنا بطریق اولیٰ واجب نہیں ہمارے یہاں یہ دستور چل پڑا ہے کہ جب بیٹے کی شادی ہوئی تو اس بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے لہٰذا یہ بہو ہماری خدمت ضرور

کرے چاہے بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے اور پھر اسکے نتیجے میں ساس بہو، بھاوج اور نندوں کے جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں جو کچھ ہورہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

ساس سسر کی خدمت اسکی سعادت مندی ہے

خوب سمجھ لیجئے کہ اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو لڑکے کے ذمہ واجب ہے کہ وہ خود انکی خدمت کرے البتہ اس لڑکے کی بیوی کی سعادت مندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت کو بھی خوش دلی سے اپنی سعادت اور باعث اجر سمجھکر انجام دے لیکن لڑکے کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے پر مجبور کرے جبکہ وہ خوش دلی سے انکی خدمت کرنے پر راضی نہو اور نہ والدین کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہماری خدمت کرے لیکن اگر وہ بہو خوش دلی سے اپنی سعادت مندی سمجھکر اپنے شوہر کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی انشاء اللہ اسکے اجر میں بہت اضافہ ہوگا اس بہو کو ایسا کرنا بھی چاہئے تاکہ گھر کی فضا خوشگوار ہو رہے۔

بہو کی خدمت کی قدر کریں

لیکن ساتھ ہی دوسری جانب ساس سسر اور شوہر کو بھی یہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر یہ خدمت انجام دے رہی ہے تو یہ اسکا حسن سلوک ہے، اسکا حسنِ اخلاق ہے اسکے ذمہ یہ خدمت فرض و واجب نہیں ہے لہٰذا ان کو چاہیئے کہ وہ بہو کی اس خدمت کی قدر کریں اور اسکا بدلہ دینے کی کوشش کریں ان حقوق اور مسائل کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں آج گھر کے گھر برباد ہو رہے ہیں۔ ساس بہو کی اور بھاوج نندوں کی لڑائیوں نے گھر کے گھر اجاڑ دیئے ہیں یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ان حقوق کی وہ حدود جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ ذہنوں میں موجود نہیں ہیں۔

یک عجیب واقعہ

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک دن بڑا عجیب واقعہ سنایا کہ میرے متعلقین میں ایک صاحب تھے وہ اور انکی بیوی دونوں میری مجلس میں یا کرتے تھے اور کچھ اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک مرتبہ پنے گھر میری دعوت کی چنانچہ میں انکے گھر گیا اور جاکر کھانا کھایا، کھانا بڑا اچھا بنا ہوا تھا، ہمارے حضرت والا قدس اللہ سرہ کی ہمیشہ ہی عادت تھی کہ جب کھانا کھاتے تو کھانے کے بعد کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف ہر کہ تم نے بہت اچھا کھانا پکایا تاکہ اسکی حوصلہ افزائی ہو، اسکا دل بڑھے۔ چنانچہ جب حضرت والا کھانا کھاکر فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آئیں اور آکر حضرت والا کو سلام کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم نے لذیذ کھانا اور اچھا کھانا بنایا کھانا کھانے میں بڑا مزہ آیا۔ حضرت والا رماتے ہیں کہ جب میں نے یہ جملہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کی سسکیاں لینے اور رونے کی آواز آئی میں حیران ہوگیا کہ معلوم نہیں میری کس بات سے نکو تکلیف پہونچی اور انکا دل ٹوٹا؟ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے آپ کیوں و رہی ہیں؟ ان خاتون نے اپنے رونے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے یہ کہا کہ حضرت آج مجھے ان شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہوگئے ہیں لیکن س پورے عرصہ میں کبھی میں نے انکی زبان سے یہ جملہ نہیں سنا کہ "آج کھانا اچھا بنا ہے" آج جناب کے منہ سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آگیا۔

یسا شخص کھانے کی تعریف نہیں کرے گا

حضرت والا بکثرت یہ واقعہ سناکر فرماتے تھے

۔ وہ شخص یہ کام ہرگز نہیں کرسکتا جس کے دل میں یہ احساس ہو کہ یہ بیوی کھانا پکانے کی جو خدمت انجام دے رہی ہے یہ اسکا حسن سلوک اور حسن معاملہ ہے، تو وہ میرے ساتھ کر رہی ہے لیکن جو شخص اپنی بیوی کو نوکر اور خادم سمجھتا ہو

کہ میری خادمہ ہے اسکو یہ کام ضرور انجام دینا ہے، کھانا پکانا اسکا فرض ہے اگر کھانا اچھا پکا رہی ہے تو اس پر اسکی تعریف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا شخص کبھی اپنی بیوی کی تعریف نہیں کرے گا۔

شوہر اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے

ایک مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ والدین ضعیف ہیں یا بیمار ہیں اور انکو خدمت کی ضرورت ہے گھر میں صرف بیٹا اور بہو ہے اب کیا کیا جائے اس صورت میں بھی شرعی مسئلہ یہ ہے کہ بہو کے ذمہ واجب نہیں کہ وہ شوہر کے والدین کی خدمت کرے البتہ اسکی سعادت اور خوش نصیبی ہے اور اجر وثواب کا موجب ہے اگر خدمت کریگی تو انشاء اللہ بڑا ثواب حاصل ہوگا۔ لیکن بیٹے کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ کام میرا ہے مجھے چاہئے کہ اپنے والدین کی خدمت کروں اب چاہے وہ خدمت خود کرے یا کوئی نوکر اور خادمہ رکھے لیکن اگر بیوی خدمت کر رہی ہے تو یہ اسکا حسن سلوک اور احسان سمجھنا چاہئے لیکن ایک قانون اسکے ساتھ

عورت کو اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں

اور بھی سن لیں ورنہ معاملہ الٹا ہو جائے گا اسلئے کہ لوگ جب یک طرفہ بات سن لیتے ہیں تو اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ عرض کیا کہ کھانا پکانا عورت کے ذمہ شرعاً واجب نہیں لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ تمہارے گھروں میں مقید رہتی ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اجازت کے بغیر نکے لئے کہیں جانا جائز نہیں لہٰذا جس طرح فقہاء کرام نے کھانا پکانے کا مسئلہ نصیل کے ساتھ لکھا ہے اسی طرح فقہاء نے یہ قانون بھی لکھا ہے کہ اگر شوہر رت سے یہ کہدے کہ تم گھر سے باہر نہیں جاسکتیں اور اپنے عزیز و اقارب سے ملنے نہیں جاسکتیں حتی کہ اسکے والدین سے بھی ملنے کے لئے جانے سے منع کردے

تو عورت کے لئے ان سے ملاقات کیلئے گھر سے باہر جانا جائز نہیں البتہ اگر والدین اپنی بیٹی سے ملنے کیلئے اس کے گھر آجائیں تو اب شوہر ان والدین کو ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا لیکن فقہاء نے اسکی حد مقرر کردی ہے کہ اس کے والدین ہفتہ میں ایک مرتبہ آئیں اور ملاقات کرکے چلے جائیں، یہ اس عورت کا حق ہے شوہر اس سے نہیں روک سکتا لیکن اجازت کے بغیر اسکے لئے جانا جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان اس طرح توازن برابر کیا ہے کہ عورت کے ذمہ قانونی اعتبار سے کھانا پکانا واجب نہیں تو دوسری طرف قانونی اعتبار سے اسکا گھر سے باہر نکلنا شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

دونوں مل کر زندگی کی گاڑی چلائیں

یہ قانون کی بات تھی لیکن حسن سلوک کی بات یہ ہے کہ وہ اسکی خوشی کا خیال رکھے اور یہ اسکی خوشی کا خیال رکھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرما رکھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے باہر کے تمام کام انجام دیتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کے اندر کے تمام کام انجام دیتی تھیں یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیئے دونوں میاں بیوی قانون کی باریکیوں میں ہر وقت نہ پڑے رہیں بلکہ شوہر بیوی کے ساتھ اور بیوی شوہر کے ساتھ خوش اسلوبی کا معاملہ کرے اور یہ فطری تقسیم بھی ہے کہ گھر کے کام بیوی کے ذمہ اور باہر کے کام شوہر کے ذمہ ہوں اس طرح دونوں ملکر زندگی کی گاڑی کو چلائیں۔

اگر بے حیائی کا ارتکاب کریں تو؟

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ

فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۔

ہاں اگر وہ عورتیں گھر میں کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو وہ بے حیائی کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں اس صورت میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے نسخے کے مطابق پہلے انکو نصیحت کرو اور اسکے بعد اگر وہ باز نہ آئیں تو انکا بستر الگ کردو اور پھر بھی اگر باز نہ آئیں تو بدرجۂ مجبوری اس بے حیائی پر مارنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ وہ مار تکلیف دینے والی نہو۔ اور اسکے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت کریں اور باز آجائیں تو اسکے بعد کوئی راستہ انکے خلاف تلاش نہ کرو یعنی انکو مزید تکلیف پہونچانے کی گنجائش نہیں۔

اَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ تُحْسِنُوا اِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ ۔

خبردار! ان عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، ان کے لباس میں اور انکے کھانے میں اور انکی دوسری ضروریات جو تمہارے ذمہ واجب ہیں تم ان میں احسان سے کام لو صرف یہ نہیں کہ انتہائی ناگزیر ضرورت پوری کردی بلکہ احسان، فراخ دلی اور کشادگی سے کام لو اور انکے لباس اور کھانے پر خرچ کرو۔

بیوی کو جیب خرچ الگ دیا جائے

یہاں دو تین باتیں اس سلسلہ میں عرض کرنی ہیں جن پر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنے مواعظ میں جا بجا زور دیا ہے اور عام طور سے ان باتوں کی طرف سے غفلت پائی جاتی ہے۔ پہلی بات جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ نفقہ (خرچہ) صرف یہ نہیں ہے کہ بس کھانے کا انتظام کردیا اور کپڑے کا انتظام کردیا بلکہ نفقہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ کھانے اور کپڑے کے علاوہ بھی کچھ رقم بطور

جیب خرچ کے بیوی کو دی جائے جس کو وہ آزادی کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق صرف کر سکے بعض لوگ کھانے اور کپڑے کا تو انتظام کر دیتے ہیں لیکن جیب خرچ کا اہتمام نہیں کرتے حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ جیب خرچ دینا بھی ضروری ہے اسلئے کہ انسان کی بہت سی ضروریات ایسی ہوتی ہیں جس کو بیان کرتے ہوئے بھی انسان شرماتا ہے یا اس کو بیان کرتے ہوئے الجھن محسوس ہوتی ہے اسلئے کچھ رقم بیوی کے پاس ایسی ضروریات کے لئے بھی ہونی چاہیئے تاکہ وہ دوسرے کی محتاج نہ ہو یہ بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے، حضرت والا نے فرمایا کہ جو لوگ یہ جیب خرچ نہیں دیتے وہ اچھا نہیں کرتے۔

خرچ میں فراخ دلی سے کام لینا چاہیئے دوسری بات یہ ہے کہ کھانے پینے میں اچھا سلوک کرو یہ نہ ہو کہ صرف ' قُوتِ لایموت ' دیدی یعنی اتنا کھانا دے دیا جس سے موت نہ آئے، بلکہ احسان کرو اور احسان کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی آمدنی کے معیار کے مطابق فراخی اور کشادگی کے ساتھ گھر کا خرچہ اسکو دے۔ (جاری)

اعلان

ترجمان مصلح الامۃ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھی ہوئی ’حالات مصلح الامۃ حصہ سوم ‘‘ کی خصوصی رعایتی قیمت ممبران رسالہ کیلئے صرف ایک سو پچاس روپیہ رکھی گئی ہے جس پر ڈاک خرچ پندرہ روپیہ ہوگا اسلئے طالبین ایک سو پینسٹھ روپیہ ارسال فرمائیں۔ وی۔پی نہیں بھیجی جا سکے گی۔

انشاء اللہ حالات مصلح الامۃ کا حصہ چہارم بھی جلد ہی منظر عام پر آنیوالا ہے۔